نرس ثنا حیدر کمرہ نمبر 27 کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ رات کے سوا گیارہ بجے تھے اور اسپتال کے کوریڈور میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ البتہ باہر ہونے والی بارش کی مدھم آواز مسلسل آرہی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی آواز کوریڈور میں نہیں تھی، تمام کمروں کے مریض سو چکے تھے یا اگر جاگ بھی رہے تھے تو ان کی آوازیں کمروں سے باہر نہیں رہی

ایم اے راحت

پہلی قسط

بند آنکھیں

اس لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

تھیں۔ وارڈ بوائے، ڈیوٹی ڈاکٹر اور دوسری نرسیں کافی فاصلے پر ڈیوٹی روم میں موجود تھیں اور شاید بارش کا لطف اٹھا رہی تھیں۔ ثنا نے بیڈ پر بے سدھ پڑے ہوئے مریض پر ایک نگاہ ڈالی، وہ بے چین نظر آرہا تھا۔ شام ہی سے اس کی طبیعت کافی خراب تھی، ڈاکٹر مسعود نے اس کیلئے تین انجکشن تجویز کئے تھے جن میں یہ آخری انجکشن سوا گیارہ بجے لگنا تھا۔

یہ مریض تقریباً چالیس پینتالیس سال کا تھا، موٹے نقوش، جسم بھی بھرا بھرا تھا، ایک نگاہ میں وہ ایک پروقار شخصیت لگتا تھا لیکن کسی نے بھی شاید اسے آج تک آنکھوں سے آنکھیں ملا کر بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، اس کی آنکھیں زیادہ تر بند ہی رہتی تھیں، چہرے کے موٹے نقوش کی طرح اس کی آنکھیں بھی بڑی بڑی تھیں۔

نرس ثنا نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ایک طرف رکھی اور اس کھڑکی کی طرف بڑھ گئی جس کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور باہر سے بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج کی ہلکی آواز اندر آرہی تھی۔

ثنا نے ابھی چند ہی قدم بڑھائے تھے کہ مریض کی آواز ابھری۔

"سسٹر! کیا تم پردہ ٹھیک کرنے جارہی ہو؟"

"ہاں...... کیوں؟" ثنا نے رک کر اسے دیکھا۔

"پلیز اسے بند مت کرو، میں ان چند لمحوں کی زندگی کو چمکتی ہوئی بجلی کی ان کرنوں کے ساتھ دیکھتے رہنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے...... لیکن زندگی کو چند لمحوں کا نہ کہیں، آپ کو ابھی بہت لمبی زندگی جینا ہے، مجھے شام کی نسبت اس وقت آپ کی طبیعت بہت بہتر لگ رہی ہے۔" ثنا واپس اس کے پاس آگئی۔

"ہاں...... بجھنے والے چراغ کی لو آخری بار بھڑکتی ہی ہے، اس کے بعد بجھ جاتی ہے۔"

"ہرگز نہیں...... آپ بے چین ہیں اس لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں، یہ انجکشن آپ کو سکون کی نیند سلا دے گا اور صبح کو آپ فریش اٹھیں گے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے سسٹر! تمہاری زبان مبارک ہو، میں سکون کی نیند ہی چاہتا ہوں، مرنے کے بعد اگر سکون مل جائے تو موت میرے لئے اس کائنات کی سب سے اچھی چیز ہوگی لیکن تم سے ایک درخواست ہے، مان لوگی؟"

"ہاں، بتائیے، کیا بات ہے؟"

"سسٹر! پلیز میں تمہارا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں، مجھے انجکشن لگا کر سلانے کی کوشش مت کرو کیونکہ اب سونے کے بعد میں کبھی نہیں جاگوں گا۔" نرس کے دل میں ہمدردی کی ایک لہر اٹھ آئی، اس نے اس کے بالکل قریب آکر کہا۔ "ایسی بات نہ کریں پلیز، دیکھیں زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اور اگر اس زندگی کو بھی ہم اپنی اداسی کی نذر کردیں تو یہ اچھی بات نہیں ہے، ویسے میں نے آج تک آپ کے پاس کسی کو دیکھا نہیں ہے، آپ کسی اور شہر کے رہنے والے ہیں کیا...... یا پھر......؟" ثنا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں سسٹر! خدا میرے خاندان کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے، بڑا بھرا پُرا خاندان ہے میرا، دو بھائی، دو بہنیں، ماں، باپ، چچا، تایا سبھی تو ہیں...... بیٹھو، تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ پلیز۔" مریض کے لہجے میں لجاجت تھی۔

ویسے بھی یہ ثنا حیدر کا آخری مریض تھا، اسے انجکشن لگانے کے بعد ڈیوٹی روم میں پہنچ جانا چاہئے تھا جہاں دوسری اسٹاف نرسیں گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہورہی ہوں گی لیکن اس التجا آمیز لہجے نے اسے مجبور کردیا کہ وہ تھوڑا وقت اس شخص کے ساتھ گزارے چنانچہ وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"جی بتائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"بہت ہی مختصر الفاظ میں، میں تمہیں اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں سسٹر...... ! بہن کا لفظ بڑا مقدس ہوتا ہے، یوں سمجھ لو میری بہن کہ میں تمہیں بہن کا درجہ دے کر ان آخری لمحوں میں اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"جی بتائیے، آپ مجھے کیا بتانا چاہتے ہیں؟"

"اپنے بارے میں، اپنے خاندان کے بارے میں۔ تین بھائی، دو بہنوں کا یہ کنبہ بڑا خوشحال کنبہ تھا، ہم ایک دیہات میں رہتے تھے، وہاں کے بڑے زمیندار تھے، زمینداروں کی زندگی ذرا مختلف ہوتی ہے، انسانیت کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر بڑے بہتر ہوں تو ان کی اولادیں ضرور سرکش ہوتی ہیں، میرے دو بھائی سرکش تھے یا نہیں لیکن میں اپنے گھر کا ایک ناپسندیدہ شخص ضرور تھا اور شاید یہ ناپسندیدگی میرے ماں، باپ کے دل میں میرے ان دونوں بھائیوں نے پیدا کی تھی جو مجھے اپنے درمیان دیکھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے میری ماں مجھے بہت چاہتی تھی اور یہ بات دونوں بھائیوں کو بہت ناگوار گزرتی تھی چنانچہ میرے خلاف سازشیں ہوتی ہی رہتی تھیں اور مجھے ایک بدترین انسان قرار دینے کی کوششیں جاری رہتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ باپ کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوتا چلا گیا اور بہت سے ایسے مواقع آئے جب میری بے عزتی کی گئی، ایک بار میں نے ترش لہجے میں ان لوگوں سے کہا کہ میں ان کا غلام نہیں ہوں، اپنی مرضی کا مالک ہوں، اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں اور جتنی دولت ان کے پاس ہے، اس سے کہیں زیادہ دولت اکٹھی کرکے ان کے سامنے ڈھیر کرسکتا ہوں۔ بھائیوں کو موقع مل گیا، انہوں نے یہ بات باپ کے ذریعے کہلوائی کہ پھر جاؤ وہ سب کچھ کرکے دکھاؤ جو کہہ رہے ہو۔ تب میں نے گھر چھوڑ دیا، میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ داستان کو طویل نہیں کروں گا، مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ میں بھٹکتا رہا پھر کچھ ایسے لوگ مجھے مل گئے جو تعویذ، گنڈوں اور جادو ٹونوں کے قائل تھے، میرے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ اگر کوئی موکل میرے قبضے میں آجائے تو پھر دولت مجھ سے بھلا کہاں دور رہ سکتی ہے اور میں ان کاموں میں سرگرداں ہوگیا، پراسرار علوم کا حصول میری زندگی کا ایک حصہ بن گیا، پر نہ کوئی موکل قبضے میں آیا، نہ کہیں سے کسی دفینے کا راز ملا۔ میں مایوسیوں کے اندھیرے میں بھٹکتا رہا پھر مجھے ایک بوڑھا شخص ملا جو مجذوب تھا، ملاقات ہوئی تو میں نے اسے کچھ کھانے پینے کو دیا، وہ بہت عجیب شخص تھا، اس نے کھانے پینے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"کیا خواب دیکھو گے؟" بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن میں نے فوراً گردن ہلادی اور وہ ہنس پڑا پھر بولا۔

"اچھا میری آنکھوں میں دیکھو۔"

اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں سسٹر......! میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ مجھ پر کیا کیفیت طاری ہوئی، یوں سمجھ لیجئے کہ میں دنیا سے بے خبر ہوگیا، مجھے اس مجذوب کی آواز سنائی دیتی رہی۔

"خواب جھوٹ نہیں ہوتے، تمہاری طلب تمہیں خواب دکھاتی ہے، بس اب تم جسے بھی خواب میں دیکھو گے، اس کا ماضی تمہارے سامنے کھل جائے گا۔ ماضی کافی دلچسپی کا حامل ہوتا ہے اور حال وہ تو بس ہے ہی تمہارے سامنے لیکن سنو مستقبل بینی بہت مشکل کام ہے، تمہیں معلوم ہے کہ علم غیب کسی اور ہی کو ہے، آنے والے وقت کے بارے میں قیاس آرائی تو کی جاسکتی ہے، کچھ حالات اور مشاہدے سے تھوڑی بہت معلومات حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مجذوب مجھے خوابوں کا علم دے گیا۔ پھر ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے میں نے بہت سارے عمل حاصل کرکے اپنی آنکھوں میں جمع کرلئے لیکن میرے دل میں ایک ہی سودا رہا کہ کاش میں مستقبل شناس بھی ہوجاؤں جو میں نہیں ہوسکا اور پھر مجھے ایک جان لیوا بیماری نے آگھیرا۔ گھر بار کو تو میں سب بھول ہی گیا۔ کون کہاں گیا، کیا ہوا، کچھ نہیں معلوم...... پراسرار علم کے حصول کیلئے میں نے نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانی اور جب تھوڑا بہت علم میرے پاس آیا تو میں اس حال کو پہنچ گیا اور اب سسٹر! میں جارہا ہوں، یقین کرو میں جارہا ہوں مگر جو خزانہ میرے پاس موجود ہے، مجھے افسوس ہے کہ قارون کے خزانے کی طرح وہ بھی زمین میں دفن ہوجائے گا لیکن سسٹر! میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنا یہ علم کسی کو دے دوں، کسی کو اپنی یہ امانت سونپ جاؤں اور میں نے یہ بھی فیصلہ کرلیا کہ گیارہ بجے کے بعد میرے کمرے میں جو بھی داخل ہوگا، میں اپنا یہ علم اسے دے دوں گا اور تم جانتی ہو کہ پہلے آنے والی تم ہو۔"

ثنا حیدر چونک پڑی، اس شخص کی باتیں اسے کسی دیوانے کی بڑ معلوم ہورہی تھیں، اپنی ذات سے جو واقعہ اس نے منسلک کیا تھا، اسے مان لیا جائے کہ وہ کسی ایسے زمیندار گھرانے کا کوئی فرد ہے لیکن اس کی باقی باتیں پاگل پن اور دیوانگی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں، ہوسکتا ہے وہ اپنی طویل بیماری سے تنگ آگیا ہو۔ ثنا حیدر نے کہا۔ "آپ ٹھیک ہوجائیں گے جناب......! اس طرح آپ کا علم اور آپ کا عمل آپ ہی کے کام آئے گا، کیا سمجھے؟"

"نہیں......! سنو ایک منٹ کیلئے میرے پاس اور بیٹھ جاؤ، تمہیں فائدہ ہوگا۔"

"جی میں بیٹھی ہی ہوئی ہوں، کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں؟" ثنا حیدر نے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

"ہیلو" ثنا تھوڑی دیر کے بعد بولی لیکن اس وقت بھی اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا تب ثنا نے آگے بڑھ کر اس کی نبض ٹٹولی۔ اس کی نبض چل رہی تھی بس کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اس میں تھوڑی سی کمی پیدا ہوگئی تھی۔

"آپ سو گئے کیا، میری بات سن رہے ہیں آپ......؟"

اور کچھ لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں پھر بولا۔ "میں تمہاری بات سن رہا تھا اور غور کر رہا تھا شاید تمہیں میری اس بات پر یقین نہیں آیا جو میں نے تم سے کہی۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ نے اپنے گھر اور اپنے خاندان کے بارے میں جو کچھ بتایا، سب کچھ میں نے سچ سمجھ لیا۔"

"لیکن اس بات پر یقین نہیں کیا کہ میں تمہیں ماضی کی ہر بات بتا سکتا ہوں مثلاً تم تین بہنیں اور تین بھائی، باپ کا نام حیدر بیگ، ماں کا نام قدسیہ۔ اسی طرح میں تمہیں تمہارے بہن، بھائیوں کے نام بھی بتا سکتا ہوں، تمہارے باپ سرکاری ملازم اور ایک نیک اور ایماندار آدمی تھے، انہیں ہمیشہ رشوتیں پیش کی جاتی تھیں لیکن وہ انہیں قبول نہیں کرتے تھے، ان کا نظریہ یہ تھا کہ کھانے والے بے شمار ہوتے ہیں اور بھگتنے والا ایک...... یہی الفاظ وہ اپنے گھر والوں سے کہا کرتے تھے پھر ایک دن تم نے ان سے لڑائی کی، تم نے کہا کہ وہ تو اپنے لئے جنت کمارہے ہیں لیکن اپنی اولادوں کو انہوں نے جہنم میں جھونک دیا ہے جن کے پاس زندگی گزارنے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے پھر تم ملازمت کیلئے نکل پڑیں اور اپنے گھر سے علیحدہ ہوگئیں، تم نے ملازمت کی اور اس کے بعد تمہاری ملاقات ڈاکٹر فیروز سے ہوئی، جنہوں نے تمہیں نرس بنوادیا اور ٹریننگ کے بعد تم نرس کا کام کر رہی ہو، یہ ہے ساری صورتحال...... بولو میں نے غلط کہا تم سے؟"

ثنا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں، وہ پاگلوں کی طرح اس پراسرار مریض کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں اور نیند جیسی کیفیت میں بول رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "اب تک تمہارے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا، غلط ہے یا درست...... کیا میں تمہیں تمہارے محبوب کے بارے میں بتاؤں۔ شاید اس کا نام حیات علی ہے، پولیس آفیسر ہے غالباً انسپکٹر...... تمہارا دور کا رشتے دار بھی ہے، وہ تمہارے نرس بننے کے سخت خلاف تھا لیکن تمہاری ضدی فطرت نے اسے خاموش کردیا، وہ تم سے شادی کا خواہشمند ہے اور تم بھی لیکن کچھ رکاوٹیں ہیں، بولو کچھ اور جاننا چاہتی ہو؟"

"نہیں...... نہیں۔" ثنا حیدر کے منہ سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔ درحقیقت اب وہ دہشت زدہ ہوگئی تھی، یہ شخص تو جادوگر معلوم ہورہا ہے۔ اس نے کیسی عجیب باتیں بتادی ہیں اس کے بارے میں اور اب وہ نجانے کیا کہنے جارہا ہے۔

کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "تم یقین کرو کہ میرے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں مستقبل شناس بھی بن جاؤں، ایسا ہوا نہیں۔ کیا تم یقین کروگی کہ یہ بات میرے ذہن میں موجود تھی کہ مجھے آج رات مرجانا ہے، اپنے اس علم کے مطابق جب میں اپنی توجہ کسی ایک بات پر مرکوز کردیتا ہوں تو مجھ پر یہ سارے راز کھلنے لگتے ہیں، تم انہیں خوابوں کا عمل کہہ سکتی ہو، کسی ایک شخصیت کے بارے میں جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، میرے ذہن میں وہ خوابوں کی حیثیت سے گردش کرنے لگتا ہے، میں نے تم پر زیادہ توجہ نہیں دی لیکن یہ چند باتیں میں نے تمہیں صرف اس لئے معلوم کرکے بتائیں کہ تمہیں مجھ پر یقین آجائے۔"

"مم...... مجھے آپ پر یقین ہے۔"

"تو پھر آخری بات اور سنو، آج رات کے کسی حصے میں میری زندگی ختم ہوجائے گی۔ تم یا دوسرے ڈاکٹر مجھے بچانے کی کوشش نہ کریں تو اچھا ہے، یہ رات میری زندگی کی آخری رات ہے، پہلے میں نے سوچا کہ جس عمل کے حصول کیلئے میں نے ساری زندگی محنت کی ہے اور اسے قبر کی گہرائیوں میں اپنے ساتھ لے جاؤں لیکن پھر نجانے کیوں دل چاہا کہ کسی اور کو بھی میں اس میں شریک کرلوں اور میں نے سوچا کہ جو میرے پاس پہلے آیا، میں اپنا علم اسے دے دوں گا سسٹر......! تقدیر یہ مہربانی تم پر کرنا چاہتی تھی۔"

"نہیں مجھے کوئی ایسا علم نہیں چاہئے جو انسان کو آپ کی طرح بے چین کردے۔"

"مگر میں اپنے کام کو ضائع نہیں کرنا چاہتا، ثنا حیدر! میری بات سنو، غور سے سنو، تمہیں میری بات سننا ہوگی، دیکھو میری طرف دیکھو۔"

اور بے اختیار نرس ثنا حیدر کی آنکھیں اس شخص کی جانب اٹھ گئیں، اس کا چہرہ اس قدر بدنما نہیں تھا کہ اس پر نگاہیں نہ جمائی جاسکیں لیکن اس کی آنکھیں اس وقت نجانے کیا لگ رہی تھیں، اس کی آنکھوں کی پتلیاں کسی بڑے سکے کے برابر ہوتی جارہی تھیں اور پتلیوں میں کئی رنگ کی شعاعیں گردش کر رہی تھیں، اس کے ہونٹوں میں بڑبڑاہٹ تھی۔

"ہاں...... میں اپنا یہ علم تمہیں دیتا ہوں، اب تم میرے علم کی امانتدار ہوگی، تمہیں یقینی طور پر آگے بڑھنا ہوگا، میرا جسم طبعی طور پر مرجائے گا، قبر میں گل سڑ جائے گا لیکن میری آنکھیں تمہاری آنکھوں میں رہیں گی۔ میں انتظار کروں گا کہ جو کام میں نہ کرسکا، وہ تم کر ڈالو، سمجھیں ثنا حیدر...... تمہیں مستقبل شناس بننا ہوگا، تم ہمیشہ اس کوشش میں رہو گی کہ تم مستقبل بینی سیکھ لو، یہ علم میں نے اب تمہاری آنکھوں میں منتقل کردیا ہے اور آنکھوں کے راستے یہ تمہارے ذہن میں جاگزیں ہوجائے گا، مجھے ہمیشہ یاد رکھنا۔"

اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی اور پھر وہ خاموش ہوگیا، اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلی تھیں لیکن ثنا حیدر کو یوں لگ رہا تھا جیسے ایک ہلکی سی سنسناہٹ اس کے دماغ میں ہورہی ہو، جیسے اس کے دماغ میں کہکشاں اتر آئی ہو، ننھے ننھے ستارے گردش کر رہے ہوں۔

وہ خلاؤں میں سفر کر رہی تھی، اسے اپنا پورا جسم پھول کی طرح ہلکا محسوس ہورہا تھا، اسے احساس ہی نہ رہا تھا کہ وہ اسپتال کے ایک کمرے میں ہے، دماغ بہت وسیع ہوگیا تھا پھر آہستہ آہستہ ذہن کی یہ کائنات سمٹنے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ نارمل ہوگئی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا، پھر اس کی نگاہ اس ٹرے پر پڑی جس میں انجکشن رکھا ہوا تھا، اس نے سرنج اٹھائی، انجکشن توڑا اور اسے سرنج میں کھینچ کر اس شخص کے بازو میں انجیکٹ کردیا، وہ اندر سے اپنا دل بیٹھتا ہوا سا محسوس کر رہی تھی، عجیب سا احساس ہورہا تھا اسے، وہ گہری نیند سو گیا اور ثنا نے کھڑکی کا وہ پردہ برابر کردیا جس سے باہر بجلی کی چمک نظر آرہی تھی اور مدھم مدھم گڑگڑاہٹ بھی سنائی دے رہی تھی جو بادلوں کی تھی۔

یہ گڑگڑاہٹ اس کے سارے وجود میں سمائی ہوئی تھی، وہ لرزتے قدموں سے باہر نکل آئی اور اسی طرح ڈیوٹی روم میں پہنچ گئی، کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی تھی لیکن وہ کرسی پر بیٹھ کر خلا میں گھورنے لگی۔

کیا ہے یہ سب کچھ، کیا فضول باتیں ہیں، وہ آدمی شاید پاگل ہے لیکن نہیں وہ پاگل نہیں ہے، آخر اسے میرے بارے میں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوگیا یہاں تک کہ اس نے حیات علی کے بارے میں بھی بتا دیا۔

ہر انسان کی زندگی میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا، لیکن کیا کوئی ایسا علم بھی ہے جس کے ذریعے دوسروں کو اس کے بارے میں معلوم ہوجائے۔ کیا اس نے ایسا کوئی علم مجھے دیدیا ہے، کیا وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، سچ کہہ رہا تھا......؟ اس وقت تو میری حالت بڑی خراب ہوگئی تھی، اب کوئی تبدیلی آئی ہے میرے اندر یا......

"کیا بات ہے ثنا......! اس طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔" ڈاکٹر فوزیہ کی آواز سنائی دی۔

"نہیں ڈاکٹر......! بس ایسے ہی۔"

"موسم بڑا قاتل ہورہا ہے، مجھے بارش بڑی پسند ہے، آؤ گی میرے ساتھ...... آجاؤ ایک چکر لگالیں پھر چائے پئیں گے۔"

"جی ڈاکٹر......!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذہن بٹ گیا تھا، ڈاکٹر فوزیہ نے جنرل وارڈ میں مریضوں کو دیکھا، اس میں کافی وقت لگ گیا تھا پھر وہ اسپتال کے بیرونی حصے میں آگئے اور ڈاکٹر فوزیہ نے وارڈ بوائے حمید سے چائے کیلئے کہہ دیا، دوسرے وارڈ بوائے سے اس نے کرسیاں منگائیں اور بارش سے قریب بیٹھ گئی۔

"بارش مجھے بچپن سے پسند ہے، جب ہم گاؤں میں رہتے تھے تو میں ہمیشہ بارش میں بھیگتی رہتی تھی، ممی، پاپا منع بھی کرتے تھے لیکن میں ان کی خوش آمدیں کرتی تھی کہ مجھے تھوڑی دیر اور بھیگ لینے دیں، آج بھی مجھے بارش بے پناہ پسند ہے، گاؤں کی زندگی بھی کیا ہوتی ہے، ثنا تم نے کبھی گاؤں دیکھا ہے؟"

"نہیں۔" ثنا نے گردن ہلادی۔

فوزیہ بہت اچھی ڈاکٹر تھی۔ اسپتال میں اس کا ریکارڈ بہت شاندار تھا اور سارے ڈاکٹر اسے پسند کرتے تھے، اس کے اندر غرور نام کو نہیں تھا، نرس ثنا کے تو وہ بہت زیادہ قریب تھی اور اگر ثنا اس کے چارج میں نہ بھی ہوتی تب بھی وہ اس سے اپنے ذاتی معاملات میں مدد لیا کرتی تھی۔ ڈاکٹر فوزیہ کی باتوں نے اس کے ذہن کو کافی حد تک پرسکون کردیا اور کچھ دیر کیلئے اس کے ذہن سے سب کچھ نکل گیا، بارش چھم چھم برستی رہی یوں لگتا تھا جیسے بارش ساری رات بند نہیں ہوگی۔

تقریباً ساڑھے تین بجے ثنا راؤنڈ کیلئے نکلی، چار مریض اس کے چارج میں تھے اور اس کی ڈیوٹی انہی کمروں پر تھی، باقی اس رو کے کمرے خالی تھے، اس نے دو مریضوں کو دیکھا، تیسرا مریض وہی تھا جس نے اسے ایک عجیب ذہنی الجھن کا شکار کردیا تھا۔

نجانے کیوں اس کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کے پاؤں لرز سے گئے۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ کمرے کا ماحول نیم تاریک تھا، وہ آہستہ آہستہ مریض کے پاس پہنچ گئی تاکہ اس کی نیند میں خلل نہ پڑے، ایک نرس کی تجربہ کار نگاہوں نے فوراً ہی بھانپ لیا کہ مریض زندگی سے محروم ہوچکا ہے۔

ایک زور کا چھناکا اس کے دماغ میں ہوا اور ایک لمحے کیلئے وہ ساری باتیں بھول گئی، اس نے آگے بڑھ کر مریض کے سینے پر ہاتھ رکھا، نبض ٹٹولی، آنکھیں دیکھیں اور اس کے بعد پلٹ کر بری طرح دروازے کی طرف دوڑی، وہ بے سکون ہوگئی تھی، ڈیوٹی ڈاکٹر ایک کرسی پر بیٹھی سو رہی تھی۔

"ڈاکٹر نادرہ......! پلیز...... پلیز اٹھیے، ڈاکٹر نادرہ!" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ڈاکٹر نادرہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔ "ثنا خیریت......؟"

"آئیے پلیز...... آئیے۔" وہ واپس پلٹ پڑی اور ڈاکٹر نادرہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔

"میری بات تو سنو ثنا! کیا ہوا؟" لیکن ثنا غڑاپ سے اس کمرے میں داخل ہوگئی تھی جس میں وہ پراسرار مریض موجود تھا، اس نے تیز روشنی جلادی، ڈاکٹر نادرہ اندر داخل ہوگئی۔

"کیوں اتنی بدحواس ہورہی ہو، کیا ہوا ہے؟"

"اسے دیکھئے۔" ثنا نے کہا اور ڈاکٹر نادرہ مریض کے پاس پہنچ گئی، اس نے پرسکون انداز میں مریض کو دیکھا پھر بولی۔ "مرچکا ہے۔"

ڈاکٹر نادرہ کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا جس پر ثنا کو حیرت ہوئی لیکن یہ حیرت صرف ایک لمحہ رہی، وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر اس قدر عادی ہوچکے ہوتے ہیں ان مناظر کے کہ کسی کی موت پر انہیں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر نادرہ اب بھی مریض کا معائنہ کر رہی تھی پھر اس نے کہا۔ "مگر اسے تو مرے ہوئے بہت وقت گزر چکا ہے غالباً تین چار گھنٹے، تم پہلے کب آئی تھیں اس کے پاس؟"

"سوا گیارہ بجے میں نے اسے آخری انجکشن دیا تھا۔"

"اور تم نے اسے جس وقت انجکشن دیا تھا، میرے اندازے کے مطابق اس کی موت کا وقت بھی وہی ہے۔"

اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی موت کے بارے میں جو پیشگوئی کی تھی، وہ اسی وقت درست ثابت ہوگئی تھی بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثنا نے وہ انجکشن بھی اس کی موت کے بعد ہی لگایا ہو۔ ایک بار پھر اس کے ذہن میں وہ ساری باتیں تازہ ہوگئیں۔

ڈاکٹر نادرہ ضروری کام کرتی رہی پھر اس نے کہا۔ ''بہرحال میں وارڈ بوائز کو اطلاع دے دیتی ہوں، اس کی لاش سردخانے میں پہنچا دی جائے، آؤ تم میرے ساتھ آؤ، نجانے کیوں تم اس وقت اس قدر ذہنی ہیجان کا شکار ہو، مجھے تمہاری کیفیت کچھ عجیب سی لگ رہی ہے حالانکہ تم اس طرح متاثر ہوجانے والوں میں سے نہیں ہو۔''

ثنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ڈاکٹر نادرہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔ ڈاکٹر نادرہ ڈیوٹی روم پہنچ گئی پھر اس نے وارڈ بوائز کو بلایا اور انہیں ہدایت جاری کرنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے وہ رجسٹر اٹھا لیا تھا جس میں مریضوں کے بارے میں اندراج ہوتا تھا، یہ رجسٹر عام طور سے ریپشنسٹ کے پاس ہوا کرتا تھا لیکن ریپشن بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اس وقت یہ رجسٹر ڈاکٹر نادرہ کے پاس موجود تھا، تھوڑی دیر پہلے اس نے اس رجسٹر میں اپنے مریضوں کی تفصیل دیکھی تھی، رجسٹر کھول کر اس نے تھوڑی دیر تک اس پر نگاہیں دوڑائیں پھر بولی۔ ''یہ مریض اکیلا ہی یہاں آیا تھا اور اس نے اپنی انٹری خود کرائی تھی، اس سے پوچھا بھی گیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی اٹینڈنٹ ہے یا نہیں تو اس نے کہا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ اس کا شہر نہیں ہے بعد میں اس کے بارے میں مزید کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی، ڈاکٹر مسعود کا نوٹ البتہ موجود ہے کہ مریض کی کنڈیشن زیادہ اچھی نہیں ہے، اس کا مرض بھی پراسرار سا ہی ہے اور صحیح طور پر اس کی کوئی تفتیش نہیں ہوسکی ہے۔ مریض نے خود بھی اس سلسلے میں کوئی خاص مدد نہیں کی بس یہی کہا کہ پتہ نہیں اس کی طبیعت اس قدر کیوں خراب ہوگئی ہے، وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا، یہ تمام تفصیلات پڑھ لی گئیں، ڈاکٹر نادرہ نے وارڈ بوائز کو ہدایت کردی تھی کہ مریض کی لاش سردخانے میں پہنچا دی جائے، اسپتال کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

صبح کو ثنا کی ڈیوٹی ختم ہوگئی اور وہ اپنی رہائشگاہ کی جانب چل پڑی جو اسپتال ہی میں تھی، اس کا گھر بھی اسپتال سے بہت زیادہ دور نہیں تھا لیکن گھر والوں سے ایک چپقلش چل رہی تھی، ابو تو اس کی نوکری کی شدید مخالفت کرتے تھے اور ان کی یہ مخالفت آج بھی جاری تھی، انہوں نے ثنا سے بولنا چھوڑ دیا تھا اور چونکہ ابو کا گھر میں بڑا مقام تھا اور سب ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ اس لئے بحالت مجبوری ان کے رویے میں بھی تھوڑی سی تبدیلی پائی جاتی تھی، حالانکہ ثنا اپنی تنخواہ لے جا کر امی کے ہاتھ پر رکھا کرتی تھی اور اس نے بڑی بہن ندا سے کہہ دیا تھا کہ اسے صرف اتنے پیسے دے دیئے جایا کریں جو اس کے کھانے، پینے اور لباس کیلئے کافی ہوں، باقی سب گھر والوں کی ملکیت ہے۔ ابو نے تو اس کی تنخواہ بھی حقارت سے ٹھکرا دی تھی لیکن امی نے کہا تھا کہ ٹھیک ہے وہ ثنا سے نفرت کرتے ہیں لیکن میں ماں ہوں، درحقیقت گھر کے مسائل اس قدر ہیں کہ یہ سب کچھ قبول کرنا ضروری ہے۔

صرف ابو کی وجہ سے ثنا نے اسپتال میں رہائش اختیار کی تھی اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اسے سنگل کوارٹر مل گیا تھا۔ بہرحال وہ اس زندگی کی عادی ہوگئی تھی، رات بھر کی ڈیوٹی دینے کے بعد بستر سے اچھی اور کوئی چیز نہیں ہوتی، چنانچہ گھر جا کر بس لباس تبدیل کیا تھا اور بستر پر لیٹ گئی تھی۔

پھر تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس وقت جاگی جب برابر رکھے ہوئے موبائل فون پر ایک قومی نغمہ بج رہا تھا، اس نے موبائل اٹھا کر آنے والے فون کا نمبر دیکھا اور پھر اسے آن کرکے کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف حیات علی بول رہا تھا۔

''شکر ہے خدا کا آپ کی آواز تو سنائی دی ورنہ میں تو تفتیش کیلئے فوراً پہنچنے والا تھا۔''

''بس ابھی جاگی ہوں موبائل کی آواز سن کر۔'' وہ نڈھال لہجے میں بولی۔

''محترمہ آپ کے جاگنے کا وقت کچھ بڑھتا نہیں جارہا، آپ کو پتہ ہے کہ زیادہ سونے سے بندہ موٹا ہونے لگتا ہے؟''

''جی ہاں پتہ ہے مجھے، لیکن رات بھر ڈیوٹی انجام دینے کے بعد چند گھنٹے کی نیند سے کیا نیند پوری ہوجاتی ہے؟''

''ان گھنٹوں کو تقسیم کرلیجئے گا۔ مثلاً اگر آپ سات بجے اپنے کوارٹر واپس پہنچتی ہیں تو زیادہ سے زیادہ دس بجے تک سو جایئے پھر دوپہر کو دو بجے سے چار ساڑھے چار بجے تک میرا خیال ہے اس دوران نیند پوری ہوجانی چاہئے۔''

''انسپکٹر صاحب......! آپ مجرموں کو پکڑ کر انہیں سزائیں دیجئے، یہ نیند اور سونے کے چکر میں نہ پڑا کریں۔''

''اچھا بھئی اب یہ بتاؤ ملاقات کب ہورہی ہے؟''

''تھانے آجاؤں، دو کانسٹیبل بھیج کر ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوا کر بلا لیجئے۔''

''جی نہیں...... دو کانسٹیبلوں سے کام نہیں چلے گا، پوری بارات لے کر آنا پڑے گا آپ کے گھر اور پھر ہتھکڑیاں تو زندگی بھر کیلئے ہیں، عمر قید جو دوں گا آپ کو۔''

''کیا بات ہے کچھ زیادہ موڈ میں نہیں ہیں؟''

''جا رہا ہوں، تین دن کے بعد واپسی ہوگی، اتنی دیر سے رنگ کررہا ہوں موبائل پر۔''

''کہاں جارہے ہو؟'' ثنا نے چونک کر پوچھا۔

''آؤٹ آف سٹی جانا ہے تفتیشی ٹیم لے کر، کم از کم تین دن میں واپسی ہوگی۔''

''کوئی مقابلہ وغیرہ ہے؟'' ثنا نے تشویش سے پوچھا۔

''مقابلہ نہیں ہے، بس تفتیش ہے، لیکن مقابلہ بھی ہوتا تو ڈر کس کو تھا، جو بندہ تم سے مقابلہ کرلے، اسے کسی اور مقابلے کی بھلا کہاں فکر رہ جاتی ہے؟''

''میں نے ناشتہ نہیں کیا، بھوک لگ رہی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے بابا......! اٹھو اور ناشتہ کرو۔''

''ملنے تو نہیں آؤ گے؟''

''نہیں...... ٹیم تیار ہے، ایس پی صاحب ساتھ جارہے ہیں، کوئی چانس نہیں نکل سکتا چنانچہ خدا حافظ۔''

''اللہ نگہبان۔'' ثنا نے کہا اور حیات علی کے فون بند کرنے کے بعد خود بھی فون بند کردیا۔

اب اس کا ذہن صاف تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھی، گھر کے کام کاج بھی کرنے تھے، برابر میں دوسرے کوارٹر بھی تھے جن میں نرسیں رہتی تھیں لیکن اسے یہ ایک کمرے کا کوارٹر مل گیا تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور نہیں تھا۔ دل میں تھوڑے سے دکھ کا احساس رہتا تھا، بھرا پرا گھر چھوڑنا پڑا تھا اپنی ضد کیلئے لیکن ضد غلط نہیں تھی، ابو کی آمدنی انتہائی کم تھی، نیک فطرت انسان تھے، چاہتے تو اوپر کی کمائی بھی کرسکتے تھے لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا تھا، دونوں بہنیں بیچاری بس زندگی گزار رہی تھیں، بھائی بھی زندگی کے عمل میں مصروف تھے لیکن ان تمام نصیحتوں کے ساتھ جن میں اولین ترجیح یہی ہوا کرتی تھی کہ کمائی صرف حلال ہونی چاہئے، اس میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔

ثنا کو ابو کی کچھ باتوں سے اختلاف تھا، کمائی بے شک حلال ہو، اب جیسے وہ نرس کے طور پر کام کررہی تھی، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کبھی کوئی خوش ہوکر اسے کچھ انعام کی شکل میں کچھ دے دے، کئی بار اس نے یہ رقمیں ٹھکرائی تھیں لیکن ایک بزرگ خاتون نے ایک بار خوش ہوکر اسے پانچ ہزار روپے دیئے تھے۔ اس نے منع کیا تو وہ بولیں کہ بیٹی! کسی کی خوشی میں شریک ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، اللہ نہ کرے میں تمہیں خیرات دے رہی ہوں، نہ صدقہ...... اگر تم ہماری خوشی میں شریک نہیں ہونا چاہتیں تو لاؤ یہ پیسے مجھے واپس کردو۔

اتنی اچھی خاتون تھیں وہ کہ ثنا کو منع کرتے نہیں بن پڑی تھی۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کچھ نصیحتیں بھی کی تھیں اور ثنا نے ان کی نصیحتیں قبول کرلیں، چنانچہ اگر کبھی کوئی خوشی سے اسے کچھ دے گیا تو اس نے اسے اپنے پاس محفوظ کرلیا، یہ سب بہنوں اور بھائیوں کی فلاح پر ہی خرچ ہوتا تھا، اسے اسپتال سے یونیفارم بھی ملا کرتا تھا، چار پانچ جوڑے بنا لئے تھے اپنے لئے، بس کبھی کوئی اسپتال ہی کی تقریب ہوئی تو شرکت کرلی ورنہ ویسے اسے اور کہاں جانا ہوتا تھا، گھر کی تقریبات میں اس کا مکمل بائیکاٹ کردیا گیا تھا، ظاہر ہے ابو کے حکم کے سامنے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

پورے گھر کی صفائی کی، چائے بنا کر پی اور اس کے بعد زندگی کے وہی معمولات، ڈیوٹی شام کو آٹھ بجے شروع ہوتی تھی، چنانچہ وہ تیار ہوکر اسپتال پہنچ گئی اور پھر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی، اس کمرے میں اسی شام ایک نیا مریض بھی آگیا جو خاصی بری حالت میں تھا، اس کے آنے کے بعد تو مصروفیت دوہری ہوگئی اور وہ سارا تاثر بھی ختم ہوگیا جو اس کمرے کو دیکھ کر ذہن پر طاری ہونے لگا تھا۔

ڈیوٹی کا وقت ختم ہوا اور وہ اپنی رہائشگاہ پر پہنچی تو ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

چوتھے دن اسے اپنے گھر جانا تھا، یہ چھٹی کا دن تھا، گھر سے بے شک دور ہوگئی تھی لیکن چھٹی کے دن پہنچ جاتی تھی، تمام لوگ اکھڑے اکھڑے سے ہوتے تھے لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ بھی بے بس ہیں، ابو کو سلام کرتی تھی تو وہ جواب دے کر اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے یا پھر باہر نکل جاتے تھے، ان کی ناراضگی دور نہیں ہوئی تھی، جب ابو نہیں ہوتے تھے تو بہنیں اور بھائی اس سے اچھی طرح ملتے تھے۔

آج بھی ابو گھر پر موجود نہیں تھے۔ اس نے ایک بہترین دن گزارا، شام کو واپس آگئی تھی، اسی شام اس کی ساتھی نرس ثمینہ اس کے پاس آگئی۔ ثمینہ اس کی دوست بھی تھی اور ایک دکھی لڑکی بھی...... کافی وقت اس کے ساتھ گزار لیا کرتی تھی، کچھ پکا کر لائی تھی، کہنے لگی۔ ''کھانا کھا کر تو نہیں آئی امی کے ہاں سے؟''

''روک رہے تھے سب لوگ لیکن کل سے صبح کی ڈیوٹی ہے اور مجھے تیاریاں بھی کرنی تھیں، اس لئے کھانا کھا کر نہیں آئی۔''

''میں تمہارے لئے کچھ پکا کر لائی ہوں۔''

''دیکھ لیا ہے میں نے، تم یہ تکلف نہ کیا کرو۔''

''چھٹی کا دن گزارنے کا یہی ایک بہتر طریقہ ہوتا ہے۔''

دونوں نے کھانا ساتھ ہی کھایا اور اس کے بعد ٹہلنے کیلئے باہر نکل آئیں۔

اسپتال کا یہ حصہ بھی پورے اسپتال کی طرح بہت خوبصورت تھا، اسٹاف کیلئے کوارٹر بھی بڑے سلیقے سے بنائے گئے تھے، سامنے ایک چھوٹا سا لان تھا پھر اس کے بعد کچی جگہ اور اس کے بعد ایک اور بڑی جگہ جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔

انہوں نے ڈاکٹر تصور جلیل کو دیکھا جو اسپتال کے بہت بڑے ڈاکٹروں میں سے تھے، کمال کی پرسنالٹی تھی اس شخص کی، بلند و بالا قد، لمبا چوڑا جسم البتہ چہرہ خاصا خشک، کھردرا اور کسی قدر بھدے نقوش پر مشتمل تھا، اسے ایک نگاہ دیکھنے والا اگر اجنبی ہو تو یقینی طور پر اس سے خوف زدہ ہوجاتا ہوگا لیکن جب اس سے بات کی جاتی تو بات کرنے والے کا سارا خیال غلط ثابت ہوجاتا کیونکہ تصور جلیل بہت ہی نرم خو اور شفیق فطرت کا مالک تھا۔

خود ثنا کو کتنی ہی بار اس سے واسطہ پڑا تھا، وہ کسی سے سخت لہجے میں بات کرنے کا عادی نہیں تھا، اس وقت بھی وہ غالباً کہیں باہر سے آیا تھا، خود گاڑی ڈرائیو کرتا تھا، اپنی قیمتی کار سے اتر کر وہ پروقار قدموں سے چلتا ہوا اسپتال کے ایک مخصوص حصے کی طرف جانے لگا۔

ثمینہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس شخص کے بارے میں صحیح اندازہ شاید آج تک کوئی نہیں لگا سکا، آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔'' ثمینہ اس پرفضا جگہ ایک بنچ پر بیٹھ گئی ساتھ ثنا بھی بیٹھ گئی۔

''ہاں واقعی ڈاکٹر تصور ایک پراسرار وجود کی مانند ہیں۔''

''کیا تم یقین کرو گی ثنا کہ میں نے انہیں زار و قطار روتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''روتے ہوئے......؟''

''ہاں اپنے کمرے میں اس وقت جب وہاں کوئی نہیں تھا، دروازہ اندر سے بند تھا، تم نے ان کے کمرے کی عقبی کھڑکی دیکھی ہوگی۔ میں بالکل اتفاق سے وہاں سے گزر رہی تھی تو میں نے ایک عجیب سی آواز سنی اور میں رک گئی، تب میں نے ڈاکٹر تصور کو روتے ہوئے دیکھا، ویسے بھی ان کی زندگی سے ایک افسوسناک واقعہ منسلک ہے۔''

''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''سنا ہے کہ ان کی بیوی اچانک غائب ہوگئی تھی، یہ کوئی تین سال پہلے کی بات ہے، تین سال پہلے میں یہاں نہیں تھی، مجھے کسی نرس نے یہ بات بتائی تھی کہ ڈاکٹر تصور کی بیوی کو شاید اغوا کرلیا گیا تھا اور ڈاکٹر تصور اسے حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے، کافی عرصے تک پولیس تفتیش کرتی رہی لیکن بیوی بازیاب نہیں ہوسکی، یقیناً یہ شخص اس کی وجہ ہی سے غمزدہ رہتا ہے۔''

''بچے وغیرہ ہیں؟'' ثنا نے پوچھا۔

''نہیں شاید بچہ کوئی بھی نہیں ہے۔''

''پھر تو ان کا رونا بجا ہے، ویسے میں نے بھی یہ بات محسوس کی کہ وہ کچھ دکھی دکھی سے نظر آتے ہیں۔''

''بس یار......! زندگی شاید ہے ہی مشکلات کا نام، کسی کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔''

ثنا دیر تک ڈاکٹر تصور کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی، صبح کی ڈیوٹی تھی اس لئے رات کو سونے لیٹ گئی، ذہن میں ڈاکٹر تصور کا خیال تھا، کتنا بڑا ڈاکٹر ہے لیکن اندر سے کتنا دکھی ہے، پتہ نہیں بیوی کو اغوا کرلیا گیا تھا یا وہ خود کہیں چلی گئی، حقیقتیں کب سامنے آتی ہیں، پھر اس نے خواب میں ڈاکٹر تصور کو دیکھا، نقوش بے شک بھدے تھے لیکن نوجوانی میں بھی وہ اسی قدر نرم خو تھا، شام سندر اسپتال میں جاب کررہا تھا کہ نوشاب اپنی ماں کے ساتھ اسپتال آئی، ماں کی حالت بہت خراب تھی، نوشاب رو رہی تھی، ایمرجنسی میں اس وقت ڈاکٹر تصور ہی تھا۔

''میری ماں کو بچا لیجئے ڈاکٹر صاحب......! خدا کیلئے کچھ کیجئے، ہم بہت غریب لوگ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چھ ہزار روپے کیش کاؤنٹر پر جمع کرائیں اور کارڈ بنوالیں تب انہیں دیکھا جائے گا۔''

یہ بات اسپتال کے قانون کے مطابق تھی لیکن نوشاب رو رہی تھی اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں...... آپ بھی وہی کہیں گے جو دوسرے کہہ رہے ہیں؟ ہائے...... میں کیا کروں؟'' نوشاب کہنے لگی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے ایمرجنسی میں ایک بیڈ کا انتظام کیا اور پھر اپنے ساتھی ڈاکٹر فیاض سے بولا۔ ''میری آنٹی ہیں، دیکھو میں کیش کاؤنٹر سے کارڈ بنوا کر لاتا ہوں۔''

تصور کی آنٹی ہوں اور کوئی تساہل برتے، نہ صرف ڈاکٹر فیاض بلکہ ڈاکٹر نازیہ بیگ، ہما احمد اور شکیل خان سب اس بیڈ کے گرد جمع ہوگئے اور کچھ دیر کی مسلسل کوششوں سے نوشاب کی ماں کی حالت ہی بدل گئی۔

ڈاکٹر تصور کی آنٹی دس دن میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوگئی تھیں اور نوشاب، ڈاکٹر تصور کی ممنون کرم ہوگئی تھی۔

''آپ مسیحا ہیں ڈاکٹر صاحب......! میں آپ کا یہ احسان کیسے اتاروں گی؟''

''اگر آپ اسے احسان سمجھتی ہیں تو میری نشانی کے طور پر اپنے پاس رہنے دیجئے، ہر چیز واپس دینے کیلئے تو نہیں ہوتی۔'' ڈاکٹر تصور نے کہا۔

نوشاب کی والدہ ڈسچارج ہوگئیں تو نوشاب نے آنسو بھری آواز میں کہا۔ ''ہم جارہے ہیں لیکن آپ ہمیں ہمیشہ یاد رہیں گے کاش ہمارا گھر اس قابل ہوتا کہ ہم آپ کو وہاں بلا سکتے۔''

''میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر آنے کیلئے کہیں گی، جہاں تک گھر کے کسی قابل ہونے کی بات ہے تو جہاں آپ رہتی ہیں، وہاں عبادت کی جاسکتی ہے۔''

''تم ہمارے گھر آؤ گے بیٹے......؟'' نوشاب کی والدہ نے پوچھا۔

''اگر آپ اجازت دیں گی تو۔''

''ہم تمہارا انتظار کریں گے۔''

''نہیں...... میں آپ کو خود وہاں لے کر چلوں گا۔''

پھر وہ گھر نوشاب اور اس کی ماں کا گھر نہیں رہا، وہاں ڈاکٹر تصور کا بسیرا بھی ہوگیا، ٹھیک سات ماہ کے بعد نوشاب کی والدہ کا انتقال ہوگیا، ڈاکٹر تصور نے اس طرح نوشاب کو تحفظ دیا تھا کہ ایک لمحے کیلئے بھی نوشاب کو یہ احساس نہ ہوسکا کہ وہ تنہا ہوگئی ہے، آخرکار ڈاکٹر تصور نے نوشاب سے درخواست کی کہ اگر وہ اسے اپنی زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے قبول کرلے تو یہ ڈاکٹر تصور کی زندگی کی معراج ہوگی اور نوشاب نے اس کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ اگر وہ اسے اس قابل سمجھتا ہے تو اس سے بڑی خوش نصیبی اس کیلئے اور کوئی نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر تصور نے بڑی سادگی کے ساتھ نوشاب سے نکاح کیا اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ وہ ایک اکیلا انسان تھا، نوشاب کو ایک ایسی زندگی مل گئی جو اس کے خیال سے بھی باہر تھی، ڈاکٹر تصور اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا اور اس نے اپنی کوششوں سے نوشاب کیلئے ہر وہ شے مہیا کردی تھی جو اس کی خوشیوں میں چار چاند لگا دیتی، اتنا چاہتا تھا وہ نوشاب کو کہ لوگ نوشاب کی تقدیر پر رشک کرتے تھے، ادھر ڈاکٹر تصور کی حیثیت بھی بدلتی جارہی تھی، نوشاب سے ذہنی طور پر مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنی ذہانت کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا اور ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا، یہاں تک کہ انتظامیہ کی طرف سے بیرون ملک جا کر تربیت حاصل کرنے کی آفر ملی نوشاب کو چھوڑ کر جانا اس کیلئے بہت مشکل تھا، لیکن نوشاب نے ہی اسے سہارا دیا اور کہا کہ اسے اپنی زندگی کے مقصد کے حصول کیلئے جانا چاہئے اور ڈاکٹر تصور ملک سے باہر چلا گیا۔ اتنی محبت، اتنی دیوانگی کا مظاہرہ کیا اس نے کہ حد ہوگئی، روزانہ نوشاب سے گفتگو کرنا، اس کیلئے تحائف بھیجنا اس کا معمول تھا، پھر ایک طویل وقت گزارنے کے بعد وہ واپس پلٹا تو نوشاب نے اس کا اس طرح استقبال نہیں کیا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ ڈاکٹر تصور نے سوچا کہ شاید وہ انسانی فطرت سے آگے کی باتیں سوچنے لگا ہے، ایک انسان اتنا ہی کرسکتا ہے، کسی کیلئے جتنا نوشاب کررہی ہے چنانچہ اس نے اسی پر صبر کرلیا لیکن پھر کچھ اور باتیں علم میں آئیں، نوشاب نے کچھ دوست بنالی تھیں اور اکثر ان سے ملنے چلی جاتی تھی، ایک بار بھی اس نے بات نہ کہی کہ وہ ڈاکٹر تصور کو اپنی کسی دوست سے ملائے، نہ ہی کسی دوست کو اس نے اپنے گھر بلایا، کئی نام ڈاکٹر تصور کے علم میں آچکے تھے صوفیہ، کشمالہ، نورین......

نوشاب اس سے ان لوگوں کی باتیں تو کرتی تھی لیکن جو باتیں نوشاب ان کے بارے میں بتاتی تھی، کبھی کبھی انہیں بھول بھی جاتی اور کچھ اور باتیں بتانے لگتی۔ ایک بار ڈاکٹر تصور نے اس سے پوچھا کہ آخر وہ اسے ان سے کیوں نہیں ملاتی، کیا اس لئے کہ ڈاکٹر تصور کوئی حسین شخص نہیں ہے تو نوشاب اسے دلاسے دیتی اور کہتی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے پھر ایک دن یوں ہوا کہ نوشاب اپنی کسی دوست کے ہاں کسی تقریب میں گئی اور ڈاکٹر تصور غیر متوقع طور پر اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہوگیا، کچھ دوستوں نے اسے کہیں چلنے کی دعوت دی، نوشاب کے بارے میں اسے یہ معلوم تھا کہ دوستوں کے ہاں کسی تقریب میں گئی ہوئی ہے۔ اس نے اس سلسلے میں کشمالہ کا نام لیا تھا۔

ڈاکٹر تصور اپنے دوستوں کے ساتھ ایک تقریب میں چلا گیا اور حیرت انگیز طور پر اس نے یہاں نوشاب کو دیکھا، نوشاب ایک ایسا لباس پہنے ہوئی تھی جس کے بارے میں ڈاکٹر تصور کو بھی علم نہیں ہوا تھا اور اس تقریب میں وہ ایک خوبصورت سے نوجوان کے ساتھ محو گفتگو تھی، ڈاکٹر تصور کو اس نوجوان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا، نوشاب جس طرح اس سے باتیں کررہی تھی، اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس نوجوان سے بہت بے تکلف ہے۔ ڈاکٹر تصور کے دل کو جو دھچکا لگا، وہ بہت ہی شدید تھا، وہ کسی بہانے سے وہاں سے چلا آیا لیکن جو اس پر بیت رہی تھی، وہی جانتا تھا۔

نوشاب واپس آئی تو اس نے صرف طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا اور وہی کہانیاں سناتی رہی کہ کشمالہ کے ساتھ یہ ہوا، کشمالہ کے ساتھ یوں پروگرام رہا۔

ڈاکٹر تصور کے دل کو کرید لگ چکی تھی، اس کے بعد اس نے باقاعدہ ایسے پروگرام ترتیب دیئے جس میں یہ پتہ چلے کہ وہ مصروف ہے لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے گھر سے باہر نکلتے ہی نوشاب بھی تیار ہوکر چل پڑتی تھی۔

نوشاب کو دو تین جگہ پر دیکھا گیا جہاں اجنبی لوگ اس کے ساتھ تھے پھر ایک دن ڈاکٹر تصور نے کہیں جانے کا پروگرام بنایا اور گھر سے چلا گیا، پروگرام کے مطابق اسے تین دن کے بعد آنا تھا لیکن اسی رات تقریباً گیارہ بجے وہ واپس آگیا، گھر کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا، بڑے ہال میں کئی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں موجود تھے اور عیش و عشرت میں وقت گزارا جارہا تھا، ڈاکٹر تصور یہ برداشت نہ کرسکا اور ان کے سامنے پہنچ گیا، سب پر اوس پڑ گئی تھی، نوشاب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر تصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگ اپنا پروگرام جاری رکھیں، پلیز ذرا بھی کچھ محسوس نہ کریں۔'' اور پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد پارٹی ختم ہوگئی تھی۔

سب لوگ چلے گئے تو نوشاب سہمی سہمی سی اندر داخل ہوئی، ڈاکٹر تصور ایک کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا باہر آسمان میں بکھرے ہوئے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔

''تم جاگ رہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''سو جانا چاہئے تھا مجھے؟'' ڈاکٹر تصور نے سوال کیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''تمہارے بارے میں۔''

''کیا......؟''

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوں، تم نے خود کو پوری طرح تبدیل کرلیا ہے، تم نے جن دوستوں کا تذکرہ کیا ہے، ان کا کوئی وجود نہیں ہے البتہ میں نے تمہیں کئی نوجوانوں کے ساتھ دیکھا ہے، آج بھی میں نے جو کچھ دیکھا ہے، اس سے پہلے میرے علم میں یہ سب نہیں تھا۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نوشاب نے کہا۔ ''اب کیا ارادہ ہے؟''

''کیا ہونا چاہئے؟''

''مجھے چھوڑ دو گے؟''

''نہیں۔''

''پھر تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''

''کیا ہونا چاہئے، میں نے تم سے پہلے بھی سوال کیا تھا؟''

''میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے آرام کرو۔'' ڈاکٹر تصور نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ گھر میں نہیں رکا اور اسپتال چلا گیا اس کے بعد وہ اکثر راتیں اور دن اسپتال میں ہی گزارنے لگا، کوئی دو ہفتے گزر گئے اس دن بھی وہ اسپتال میں ہی تھا کہ اسے نوشاب کا فون ملا۔

''گھر آؤ گے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں؟''

''کام ہے تم سے۔''

''آجاؤں گا۔'' اس نے کہا اور پھر وہ گھر پہنچ گیا۔

نوشاب ایک خوبصورت ساڑھی باندھے ہوئے تھی اور بے حد حسین نظر آرہی تھی۔ ڈاکٹر تصور نے اسے دیکھا اور بولا۔

''کیا کام ہے؟''

''آؤ میرے ساتھ۔'' نوشاب نے سنگین لہجے میں کہا اور ایک طرف چل پڑی۔ ڈاکٹر تصور نے اسے معنی خیز انداز میں دیکھا اور اس کے ساتھ ہولیا۔

(جاری ہے)

ایم اے راحت

قسط : 2

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

نوشاب اسے ساتھ لئے ہوئے اس بڑے کمرے کے پاس پہنچ گئی جو عام طور سے استعمال میں نہیں رہتا تھا۔ بس اسے سجا کر چھوڑ دیا گیا تھا، اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اس کے بعد دیوار میں لگا ہوا سوئچ آن کردیا، کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی، اس روشنی میں ڈاکٹر تصور نے کمرے کے درمیان لگی ہوئی اس میز کو دیکھا جس کے عین درمیان ایک بہت ہی خوبصورت کیک رکھا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی میز پر بہت سے ڈبے سجے ہوئے تھے جن میں سے کچھ میں سوٹ پیس، ٹائیاں، پرفیوم اور اسی طرح کی دوسری اشیا تھیں۔ ڈاکٹر تصور جلیل نے مسکراتی نگاہوں سے نوشاب کو دیکھا اور نوشاب بے اختیار مسکرا پڑی، اس کی آواز ابھری۔
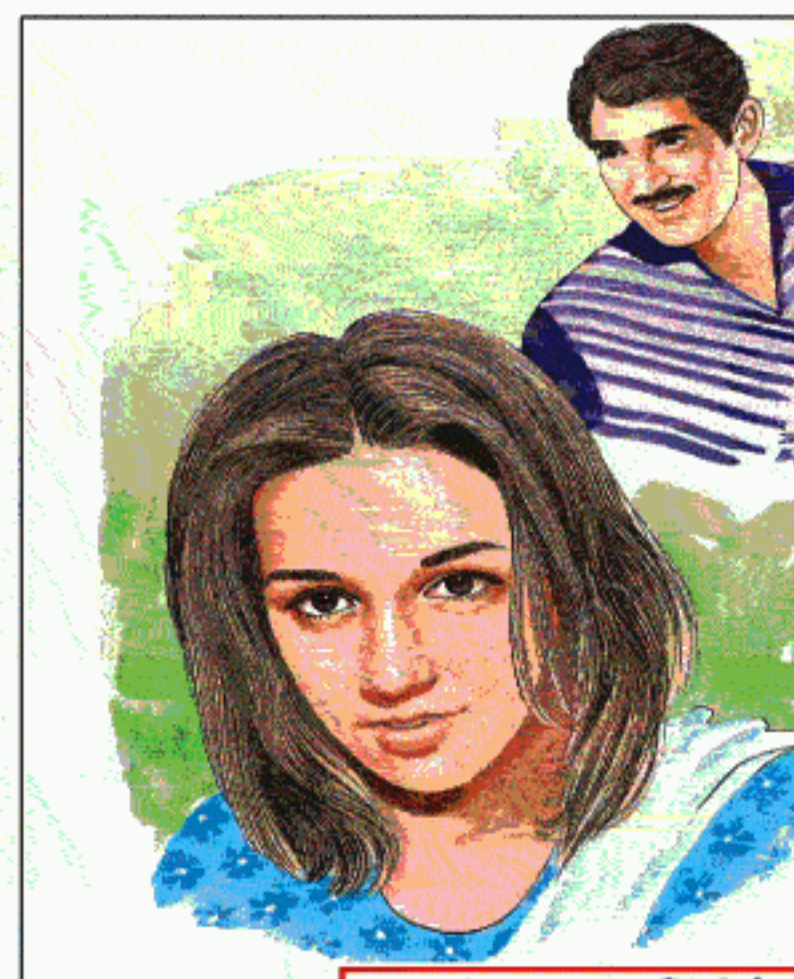
''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... تصور! کیا تمہیں اپنی سالگرہ کا دن یاد تھا؟''

تصور جلیل کو واقعی یہ بات یاد نہیں تھی کہ آج اس کی سالگرہ ہے، شروع میں ایک دو بار ان لوگوں نے باقاعدہ ایک دوسرے کی سالگرہ منائی تھی لیکن پھر یہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکا تھا، تصور جلیل اپنی مصروفیات میں گم ہوگیا تھا، ہاں وہ نوشاب کی سالگرہ پر کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ ضرور دیا کرتا تھا بلکہ جب ملک سے باہر تھا تو کئی بار اس نے کئی قیمتی تحائف نوشاب کو بھجوائے تھے لیکن اب بہت دنوں سے یہ سلسلہ منقطع تھا۔ تصور جلیل نے مسکراتی نگاہوں سے نوشاب کو دیکھا پھر بولا۔ ''زہے نصیب، یہ اس بار ہماری سالگرہ کیسے یاد رہ گئی؟''

''تصور! میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں، جو کچھ ہوا، وہ کیسے ہوگیا، یہ میں نہیں جانتی، انسان ہوں، کچے ذہن کی مالک ہوں، بھٹک گئی لیکن واپسی چاہتی ہوں۔''

ڈاکٹر تصور نے اپنا رخ تبدیل کیا اور نوشاب کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ بھیڑیئے کا چہرہ ہو لیکن صرف ایک لمحے کیلئے دوسرے لمحے اسے ڈاکٹر تصور مسکراتا ہوا نظر آیا تو نوشاب نے سوچا کہ ہوسکتا ہے یہ اس کے دل کے اندر کا چور ہو جس میں اسے ڈاکٹر تصور کا چہرہ اس قدر بھیانک نظر آیا تھا، وہ تو بہت ہی نرم دل اور نرم خو انسان ہے۔ اس نے کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے، پرانا مقولہ ہے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہا جاسکتا۔''

''اوہ ڈیئر تصور! تم کس قدر عظیم ہو، بس میں...... میں۔''

''آؤ پھر آج اس خوشی میں کھانا باہر کھائیں گے اور خوب خوشیاں منائیں گے۔''

''تمہیں میری یہ کاوش پسند آئی؟''

''ہاں کیوں نہیں، اس میں تمہارا اخلاص جھلکتا ہے، تم نے اتنی ساری چیزیں میرے لئے خریدی ہیں۔''

''بس تصور! تم......'' نوشاب جملہ پورا نہ کرسکی۔

ڈاکٹر تصور نے کہا۔ ''تو پھر میں لباس تبدیل کئے لیتا ہوں، تم بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہو، بڑا اہتمام کیا ہے تم نے میرے لئے۔''

نوشاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر تصور کیلئے اس نے اپنی پسند کا لباس نکالا، بس اس کے چہرے کے نقوش ہی بھدے تھے ورنہ جسمانی طور پر وہ بڑی دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ شاندار سوٹ میں ملبوس ہوکر دونوں باہر نکل آئے، نجانے کیوں آج نوشاب، ڈاکٹر تصور سے بڑی الفت کا اظہار کررہی تھی، وہ خوش بھی نظر آرہی تھی۔

بہرحال ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں پہنچ کر انہوں نے ڈنر کیا، نوشاب بہت سی باتیں کرتی رہی تھی، ڈاکٹر تصور نے بھی اس سے بہت ساری باتیں کی تھیں، ماضی کے قصے دہرائے گئے تھے لیکن کہیں بھی ڈاکٹر تصور نے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اس کے دل میں کوئی میل ہے پھر اس کے بعد اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''او ڈارلنگ! اب ہم ایک نئی جگہ ماضی کی یادوں کو تازہ کریں گے۔''

''ماضی کی یادیں......؟''

''ہاں...... وہ رات جب ہم تم پہلی بار ایک دوسرے کو اپنے دل کی کہانیاں سنا رہے تھے۔''

نوشاب نے شرمانے کی اداکاری کی پھر جب ڈاکٹر تصور کی کار سڑک پر دوڑنے لگی تو اس نے کہا۔ ''وہ نئی جگہ کونسی ہے، واقعی بڑا انوکھا لگے گا، کیا شہر سے باہر چل رہے ہیں ہم؟''

''نہیں شہر سے بالکل باہر تو نہیں بس ایک نواحی علاقے میں، ایک نئے گھر میں۔''

''کس کا گھر ہے وہ؟''

''تمہارا۔''

''کیا مطلب......؟''

''بہت سی باتیں ابھی تک تمہارے علم میں نہیں آئی تھیں، یہ گھر میرے آباؤ اجداد کا بنوایا ہوا ہے اور میں اس کی دیکھ بھال کرتا ہوں لیکن وہ کسی کے استعمال میں نہیں۔''

''تم نے مجھ سے پہلے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا؟''

''بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جنہیں بے حقیقت سمجھا جاتا ہے اور ان کا تذکرہ ایک طرح سے بے مقصد ہی ہوتا ہے۔''

کار نواحی علاقے سے نکل آئی، وہ جگہ تھی تو بے حد پرفضا لیکن بڑی سنسان سنسان سی تھی۔ ڈاکٹر تصور نے ایک بنگلے کے سامنے گاڑی روکی، بنگلے کے گیٹ پر تالا پڑا ہوا تھا، ڈاکٹر تصور نے اتر کر وہ تالا کھولا تھا اور کار کو اندر لے گیا۔

''کیا ہم شہر کی رونقوں کو چھوڑ کر آج یہاں رات گزاریں گے؟''

''کیا تمہیں انوکھا نہیں محسوس ہوگا؟''

''شاید......!'' نوشاب نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر تصور اسے لئے ہوئے اندر داخل ہوگیا، وہ روشنیاں جلاتا جارہا تھا، مکان واقعی بہت خوبصورت تھا، نوشاب کو حیرت ہونے لگی کہ اگر ایسا کوئی مکان ڈاکٹر تصور کے پاس تھا تو اس نے کبھی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا، اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر تصور اسے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچا اور یہاں اس نے دیوار میں لگے ہوئے ایک سوئچ کو دبایا اور ایک ایسی جگہ دروازہ کھل گیا جہاں کسی دروازے کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ڈاکٹر تصور نے اوپر ہی سے روشنی کی اور اس چھوٹے سے تہ خانے میں سیڑھیاں نظر آنے لگیں لیکن اندر سے کسی قسم کی گھٹن یا سیلن کی بو نہیں آئی تھی۔

''کہاں جارہے ہو، آج تو تم کمال کررہے ہو تصور!''

''ہاں ڈارلنگ......! تم نے بھی تو کمال ہی کیا ہے نا، کیا سرپرائز دیا ہے مجھے سالگرہ کا، مجھے خود بھی یاد نہیں تھا، یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم نے میری سالگرہ کے دن کو یاد رکھا۔''

''تصور! دیکھو اب مجھ سے کوئی طنز کی بات نہ کہنا، میں ذرا جذباتی ہورہی ہوں۔''

تصور ہنستا ہوا نیچے اتر گیا۔ تہ خانہ بالکل سادہ سا تھا، یہاں فرنیچر بھی معمولی ہی پڑا ہوا تھا، ایک چارپائی، پانی کے مٹکے وغیرہ، کچھ برتن۔

''کمال ہے یہ تو کسی درویش کی خانقاہ معلوم ہوتی ہے۔''

''ہاں یہاں آنے کا راستہ ہے لیکن یہاں سے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' ڈاکٹر تصور نے کہا۔

اچانک ہی نوشاب کو اس کا لہجہ کچھ بدلا ہوا سا محسوس ہوا۔ ''میں سمجھی نہیں۔''

''تم نے اوپر سے دیکھا ایک بٹن دبانے سے تہ خانے کا دروازہ کھل جاتا ہے لیکن یہاں نیچے کوئی ایسا بٹن نہیں ہے جس سے اوپر جانے کا راستہ کھل جائے۔''

''مطلب......! میں سمجھی نہیں؟''

''بیٹھو۔'' تصور نے کہا۔

''یہاں کیوں آئے ہو، یہ کوئی جگہ ہے بھلا۔''

''نہیں نوشاب! اتنی جلدی اپنا ماضی نہیں بھول جاتے، تمہارا گھر بالکل ایسا ہی تھا، غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''اب کیوں یاد دلا رہے ہو؟''

''نہیں ماضی کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے، یہی تو غلطی ہوتی ہے انسان کی کہ وہ ذرا سی بہتر زندگی پاتے ہی سب سے پہلے جس چیز کو بھولتا ہے، وہ اس کا ماضی ہوتا ہے حالانکہ اگر ماضی یاد رکھا جائے تو بہت سے فائدے بھی ہوجاتے ہیں، ہوسکتا ہے تمہیں میری بات سے اتفاق نہ ہو لیکن میں اسی کو مانتا ہوں، بیٹھو۔'' ڈاکٹر تصور ایک کرسی گھسیٹ کر خود بیٹھ گیا اور نوشاب پلنگ پر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''ہم نے کتنے خوشگوار ماحول میں یہ شام گزاری ہے، یہاں آکر تم نے میرے ذہن کو تکدر کا شکار کردیا ہے۔''

''نہیں نوشاب! بیٹھو، اس جگہ میں ایک اپنی دلکشی ہے، اسے نظرانداز مت کرو۔'' ڈاکٹر تصور نے کہا۔

''تمہاری باتیں مجھے عجیب سی لگتی ہیں، تم نے مجھے اس قدر عیش کا عادی بنادیا ہے کہ اب میں اس طرح کا ماحول اور مناظر برداشت نہیں کرسکتی۔''

''چلو شکر ہے، تم نے اعتراف تو کیا کہ اس عیش کوشی کا عادی بھی میں نے ہی تمہیں بنایا ہے ورنہ بذات خود تم کچھ نہیں تھیں۔''

''آج بھی ایسی باتیں کروگے؟''

''آج ہی تو ایسی باتیں کرنے کا وقت آیا ہے نوشاب......! بہت سی باتیں تمہیں میرے بارے میں نہیں معلوم، بس بچپن سے بگڑا ہوا مزاج ہے، میں انسانوں سے صرف دوستی کرنا چاہتا ہوں، میری شکل بھدی ہے، نقوش اچھے نہیں ہیں، میں نے بہت بار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ میرے چہرے سے کوئی متاثر نہیں ہوسکتا تو پھر کونسا ایسا عمل کیا جائے کہ میں انسانوں کو اپنی جانب راغب کرسکوں اور وہ عمل محبت اور دوستی کا عمل تھا، تم یقین کرو اس عمل سے میں نے بڑے بڑے فائدے حاصل کئے، مجھے بہت سی دوستیاں، بہت سی محبتیں حاصل ہوگئیں لیکن ایک خرابی میرے اندر پیدا ہوگئی وہ یہ کہ اگر کہیں کوئی دوست میرے خلوص کا مذاق اڑائے اور مجھے بیوقوف سمجھ کر دو کوڑی کا کردے تو نوشاب میری زندگی میں اس کیلئے معافی نہیں ہے۔''

نوشاب نجانے کیوں سہم سی گئی۔ ڈاکٹر تصور جلیل کا یہ لہجہ اسے بڑا ہی خوفناک محسوس ہوا تھا۔ وہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تو ڈاکٹر تصور مسکرا کر بولا۔ ''ہاں نوشاب! میں نے کبھی کسی ایسے شخص کو معاف نہیں کیا جس نے میرا دل توڑا ہو، میرے خلوص کو ملیامیٹ کردیا ہو۔''

''تمہارا اشارہ میری طرف تو نہیں ہے؟'' نوشاب نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تمہاری ہی طرف ہے، بھلا اور کون ہوسکتا ہے، تم جانتی ہو نوشاب تم نے مجھے قبول کیا، میں خود تمہاری جانب بڑھنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا، میں نے بے لوث خدمت کی تھی، تمہاری والدہ کی ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے، تم متاثر ہوئیں اور تم نے مجھے یہ تاثر دیا کہ تم مجھے بہت اچھا سمجھتی ہو، بہت مشکل سے میں نے اپنے آپ کو اس منزل تک پہنچایا جہاں میں تمہاری محبت کا طلبگار ہوا اور نوشاب، امی کے انتقال کے بعد تم نے مجھے اس طرح قبول کیا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، پھر میں نے اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے تمام دروازے بند کردیئے صرف ایک دروازہ کھلا رکھا اور وہ تھا تم تک جانے کا دروازہ...... نوشاب! میرے دل میں یہ امنگ اور آرزو بیدار ہوگئی کہ میں تمہیں دنیا کی ہر وہ چیز دے دوں جو تمہاری آنکھوں میں خواب بنی ہو، میں اس میں مصروف ہوگیا، محبتوں کا یہ تاج محل لے کر میں ملک سے باہر گیا مگر یہ بھول گیا تھا کہ تاج محل کا تصور ہی المیوں کا مظہر ہوتا ہے پھر میری زندگی میں بھی المیوں کا آغاز ہوگیا، واپس آکر میں نے جو کچھ دیکھا، اس نے میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، میں نے سوچا اب کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے مجھے؟ کئی بار میں نے سوچا کہ خاموشی سے کہیں روپوش ہوجاؤں اور بقیہ زندگی اس طرح گزاروں کہ جیسے انسانوں میں میرا شمار ہی نہیں ہے، تب میرے اندر سے ایک آواز ابھری کہ بھلا میرا کیا قصور ہے، میں ڈاکٹر تصور جلیل کو کیوں سزا دوں، یہ سزا تو اس کیلئے ہونی چاہئے جس نے ڈاکٹر تصور جلیل سے اس کا ہر خوبصورت تصور چھین لیا اور نوشاب میں نے اس کیلئے تیاریاں شروع کردیں، تم نے مجھ سے بے وفائی کی، مجھے بھی تو حق تھا اس کا۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہ کہ میرے ہاں معافی کا کوئی خانہ نہیں ہے، میں دوستی کرتا ہوں یا دشمنی۔''

''تو تم مجھ سے دشمنی کروگے؟''

''کروگے کیا، کردی دشمنی میں نے تم سے، کیا سمجھیں؟''

''کیا چاہتے ہو تم، یہ بتاؤ۔''

''تھوڑا سا سچ بول دو گی۔''

''ہاں بول دوں گی۔''

''آج اچانک تمہارے رویئے میں یہ تبدیلی کیسے پیدا ہوئی؟''

''یہ سچ میں نہیں بول سکتی۔''

''واہ اچھی لگی تمہاری یہ بات، یقیناً اس سچ کے پیچھے کوئی بہت بڑی برائی ہوگی شاید تم مجھے بے وقوف بنا کر کوئی بڑا کھیل کھیلنا چاہتی ہوگی لیکن چھوڑو مجھے بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے اس بات سے، ہر شخص کوئی نہ کوئی کھیل کھیلتا ہے، تمہارے کھیل کھیلنے سے پہلے ہی میں نے اپنا کھیل کھیل ڈالا، کیا سمجھیں؟''

''تم مجھے بتاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو، کیا تم مجھے قتل کردو گے؟''

''ارے نہیں، میں ایسی حماقت کا قائل نہیں ہوں، تم یہ بات مت سوچو کہ میں اس طرح تمہیں ہلاک کردوں گا، نہیں، بالکل نہیں، میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تم میری محبت ہو، ہوسکتا ہے زندگی کے کسی دور میں، میں تمہیں معاف بھی کردوں لیکن ابھی نہیں، وہ وقت آنے دو جب میں تمہیں معاف کرنے کے بارے میں سوچوں۔''

''میں پوچھتی ہوں آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو، اب مجھے تمہاری باتوں سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''یہ جگہ دیکھو، تمہیں پسند نہیں ہے حالانکہ پسند ہونی چاہئے، یہ تمہارا ماضی ہے اور تم واپس اپنے ماضی میں جارہی ہو۔''

''کیا مطلب...... کیا تم مجھے یہاں قید کردوگے؟''

''ہاں، ایسا ہی ارادہ ہے میرا، اب تم یہیں رہو گی نوشاب اور میں تمہاری گمشدگی کا اعلان کردوں گا، تم یہاں رہو گی لیکن بھوکی پیاسی...... تمہارے جسم پر جو یہ لباس ہے نا بہت خوبصورت لگ رہا ہے، جب تک یہ خوبصورت لگ رہا ہے، لگتا رہے گا اور پھر جب یہ بوسیدہ ہوجائے گا تب بھی تمہیں یہیں رہنا ہوگا، اگر اس دوران تمہیں موت آجاتی ہے تو آجائے، وہ تو آنی ہی ہے، زندگی اور موت دو ہی چیزیں ہوتی ہیں انسان کی زندگی میں، ہوسکتا ہے تمہیں زندگی نہ ملے، مر جاؤ گی تب بھی تمہاری لاش یہیں دفن کردوں گا، کہیں باہر نہیں لے کر جاؤں گا۔''

''کیسی باتیں کررہے ہو تم، کتنی بے دردی سے میری موت کا تذکرہ کررہے ہو۔''

''ہاں نوشاب، میری محبت......! تمہیں اسی طرح مرنا چاہئے، یہی میرے دل کے درد کا علاج ہے، تم نے کبھی نہیں سوچا ملک سے باہر رہ کر میں نے ایک ایک لمحہ تمہاری یاد میں گزارا ہے، مجھے بتاؤ نوشاب! کیا تم نے کبھی محسوس کیا کہ میری طرف سے تمہارے لئے کوئی کوتاہی، کوئی بے وفائی ہوئی ہو، چلو یہاں کی بات چھوڑ دو، باہر کی دنیا جو کچھ ہے، تھوڑا بہت تو تمہیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، اس دنیا میں انسان کیلئے کیا کچھ موجود ہے، اتنا تو تم جانتی ہو لیکن جب بھی کبھی ایسا کوئی لمحہ میرے ساتھ آیا، میں نے تمہیں اپنی نگاہوں میں بسا لیا اور اس کے بعد میرے اندر پیار ہی پیار پھوٹ پڑا، میں نے سوچا کہ میرے وجود کا ایک ایک حصہ تمہاری امانت ہے، میں اس امانت پر کسی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا، لیکن نوشاب اس کے بعد جب میں وطن واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ میری امانت کس طرح لوگوں میں تقسیم ہورہی ہے، کیا ہونا چاہئے تھا نوشاب میرے دل کا حال، سارے بت ٹوٹ گئے، تم ایک گھٹیا سے گھر سے اٹھ کر میرے پاس آئی تھیں، میں نے تمہیں آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا، یقین کرو میں نے جو کچھ کیا، جتنی ترقی کی صرف تمہارے پیار کے ساتھ کی اور نوشاب اس کے بعد وہ اس طرح لٹتا رہا میری آنکھوں کے سامنے، میں نے وہ سب کچھ دیکھا نوشاب جو شاید کوئی نہ دیکھ سکے، میں نے تم سے دور رہنا شروع کردیا اور اس کے بعد میں نے یہ جائزہ لینا چاہا کہ کیا تم اپنے کئے پر پچھتا رہی ہو، کیا تمہیں یہ احساس ہورہا ہے کہ وہ جو تمہیں زندگی سے زیادہ چاہتا تھا تم سے دور ہورہا ہے، نوشاب میں نے محسوس کیا کہ تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے، تم اپنے دوستوں اور اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہیں، میں اس کے بعد بھی تمہارا جائزہ لیتا رہا اور جب میں نے محسوس کیا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جنہیں اپنے کئے کا احساس ہوجاتا ہے تو پھر میرے دل میں بھی تمہارے لئے انتقام کا جذبہ ابھرا اور یہ جگہ نوشاب میں نے تمہارے لئے منتخب کی، سنو اب تم یہاں رہو گی، بھوکی پیاسی، تمہارا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا، یہاں تم بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گی مگر ایک بات سنو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، میں ڈاکٹر ہوں، میں تمہیں اس طرح کے انجکشن دوں گا جو تمہیں زندہ رکھیں گے لیکن تمہارے پیٹ میں غذا کا ایک ذرہ نہیں جائے گا، نوشاب میں یہ سب کچھ کروں گا۔''

''دیکھو، میری بات سنو تصور! میری بات سنو۔''

''اب سننے کو کچھ نہیں رہ گیا نوشاب! آج بھی میں نہیں جانتا کہ تم کس جذبے کے تحت میری سالگرہ منانے پر تل گئیں، غالباً کوئی اور کھیل کھیلنا چاہتی تھیں تم، چلو ٹھیک ہے نوشاب! وقت ہمیشہ کسی ایک کی طرفداری نہیں کرتا، تمہارا کھیل کل تک جاری تھا، آج تمہارا کھیل ختم ہوگیا، چلو ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہیں۔''

''دیکھو میری بات سنو، یہ مکان بڑے ویرانے میں ہے اور کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو، کیا تم واقعی میرے ساتھ ایسا کروگے؟''

''اس وقت میں جارہا ہوں نوشاب، ٹٹولوں گا اپنے آپ کو، غور کروں گا خود پر کہ میں کیا کرسکتا ہوں اور کیا نہیں کرسکتا ٹھیک ہے، چلو خدا حافظ۔''

''میری بات تو سنو تصور! میری بات تو سنو۔''

لیکن ڈاکٹر تصور ان سیڑھیوں پر چڑھنے لگا، نوشاب اس کے پیچھے دوڑی تھی، جب وہ قریب آئی اور اس نے ڈاکٹر تصور کا پاؤں پکڑنا چاہا تو اس نے ایک زوردار لات نوشاب کو رسید کی۔ اپنے شوہر کی طاقت اس کی قوت کا نوشاب کو پوری طرح احساس تھا۔ وہ اتنی دور جا کر گری کہ فوراً اٹھنا ممکن نہ رہا، اس دوران ڈاکٹر تصور باہر نکل آیا، اس نے دروازہ بند کیا اور مطمئن انداز میں وہاں سے باہر آگیا اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

نوشاب دیر تک اسی جگہ پڑی رہی جہاں وہ ڈاکٹر تصور کی لات کھا کر گری تھی پھر جلدی سے اٹھ گئی اور سیڑھیوں کی طرف بھاگی، دروازہ بند تھا، وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔

''تصور......! دروازہ کھولو...... دروازہ کھول دو، تصور یہاں میرا دم گھٹ جائے گا، تم وہ نہیں کروگے جو کہہ رہے ہو، تم مجھ سے محبت کرتے ہو، دیکھو میں تمہاری ساری شکایت دور کردوں گی، میں آئندہ...... تصور...... پلیز۔'' وہ گردن جھکا کر رونے لگی، لیکن اب اس کی آواز تصور جلیل تک نہیں پہنچ رہی تھی، وہ اپنی کار میں بڑے سکون کے ساتھ سفر کررہا تھا، اس کے چہرے پر ایک ایسی کیفیت نظر آرہی تھی جو کوئی اہم فرض انجام دینے کے بعد کسی کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، وہ اسپتال نہیں گیا بلکہ اس کی کار ساحل سمندر کی جانب سفر کررہی تھی اور اس کے بعد وہ ریتیلے ساحل کے ایک ویران حصے میں کار روک کر نیچے اترا اور ساحل کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگا۔

سمندر مضطرب تھا، لہریں شور مچاتی ہوئی ساحل کی جانب دوڑ رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر نجانے کیسے کیسے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، بہت دور کہیں مچھلیاں پکڑنے والوں کی کشتیاں سمندر میں رزق تلاش کررہی تھیں، کافی دیر تک وہ وہاں رکا رہا، ذہن میں بہت سے خیالات، بہت سے منصوبے آرہے تھے، آخر کار وہ اپنے گھر واپس پہنچ گیا۔ ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی، عام طور سے اس دوران نوشاب گھر سے غائب رہتی تھی، وہ جب اسپتال سے آتا تو ملازمین وغیرہ اسے ضرورت کی اشیا فراہم کردیتے، آج بھی ملازمہ نے آکر پوچھا۔ ''سر جی! کھانا لگا دوں۔''

''نہیں میں نے ایک دوست کے ساتھ کھا لیا تھا، بیگم صاحبہ آگئیں؟''

''نہیں جی۔'' ملازمہ نے جواب دیا اور وہ معمول کے مطابق خاموش ہوگیا۔

دوسرا دن، تیسرا دن اور چوتھا دن وہ اپنے کلینک میں بھی پرسکون تھا اور اپنے ساتھیوں کو اس نے کسی خاص بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا البتہ چوتھے دن اس نے گھر میں بڑی بے چینی کا اظہار کرکے ملازموں کو جمع کیا اور پوچھا۔ ''نوشاب کہاں ہے؟''

''سر جی! وہ تو تین چار دن سے نہیں آئیں۔''

''کیا پہلے بھی اس طرح وہ میرا مطلب ہے جب میں یہاں نہیں تھا، گھر سے غائب رہتی تھیں؟''

''نہیں صاحب جی! رات کو دیر سے آجاتی تھیں مگر آ ضرور جاتی تھیں۔''

''یہ تو غلط بات ہے، ایسا کیسے ہوگیا۔'' اور اس نے نوشاب کے کمرے کی تلاشی لی، ویسے بھی اسے اس کے کچھ دوستوں کے بارے میں معلومات حاصل تھیں، لیکن نوشاب کے کمرے سے اسے ایک انڈیکس مل گئی، انڈیکس میں اس کے دوستوں کے ٹیلیفون نمبر درج تھے، نوشاب کا موبائل بھی اس کے اپنے پاس تھا، اس دن جب نوشاب اس کی سالگرہ پر اسے باہر لے گئی تھی تو اس نے جان بوجھ کر موبائل اپنے پاس نہیں رکھا تھا، یہ موبائل اب ڈاکٹر تصور کے پاس ہی تھا چنانچہ پہلا کام اس نے یہی کیا کہ نوشاب کے ایک دوست احمد مرزا سے اس بارے میں معلومات حاصل کی۔

''کیا نوشاب آپ کے پاس ہے، میں اس کا شوہر ڈاکٹر تصور بول رہا ہوں۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب! میڈم تو کافی دن سے ہمیں نہیں ملیں۔''

''وہ گھر سے غائب ہے اور یہ بات میرے علم میں ہے کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی وقت گزارتی ہے، آپ براہ کرم دوسروں سے رابطہ قائم کیجئے۔''

پھر تین چار دوستوں سے یہ معلومات حاصل کی گئیں مگر کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا، ڈاکٹر تصور نے ان لوگوں سے جو لہجہ اختیار کیا تھا، وہ بہتر نہیں تھا چنانچہ تھوڑی سی کھلبلی بھی مچ گئی تھی لیکن چوتھی رات ڈاکٹر تصور کچھ ضروری چیزوں کے ساتھ اس گھر کی جانب چل پڑا، جہاں تہ خانے میں نوشاب قید تھی، وہ تمام راستہ طے کرکے آخر کار نوشاب تک پہنچ گیا، نوشاب کی صورت ہی بدل گئی تھی، بال بکھرے ہوئے تھے، ہونٹ خشک تھے اور وہ جانکنی کے عالم میں زمین پر پڑی ہوئی تھی، ڈاکٹر تصور کو دیکھ کر اس نے نظریں گھمائیں، ہونٹ ہلائے لیکن آواز نہیں نکل سکی تھی۔

''اوہو...... میری محبت، میری زندگی، کتنا عرصہ ملک سے باہر رہ کر میں نے لمحہ لمحہ تمہیں یاد کرتے ہوئے گزارا، کیسی ہوگئیں تم، ایک منٹ، تمہارے جسم میں شدید کمزوری پیدا ہوگئی ہے، دیکھو یہ ایک انجکشن ہے، کم از کم تمہیں تین دن تک بھوک

سے بچائے رکھے گا اور تم اپنے بدن میں توانائی بھی محسوس کرو گی اور یہ ایک اور انجکشن ہے، نام تمہیں بتانا بیکار ہے، یہ ایسے مریضوں کو دیا جاتا ہے جن کا کوئی خاص آپریشن ہونا ہوتا ہے اور انہیں پانی سے دور رکھا جاتا ہے، یہ تمہاری غذا ہے، ویسے تمہیں غذا بھی دی جائے گی لیکن ابھی نہیں۔"
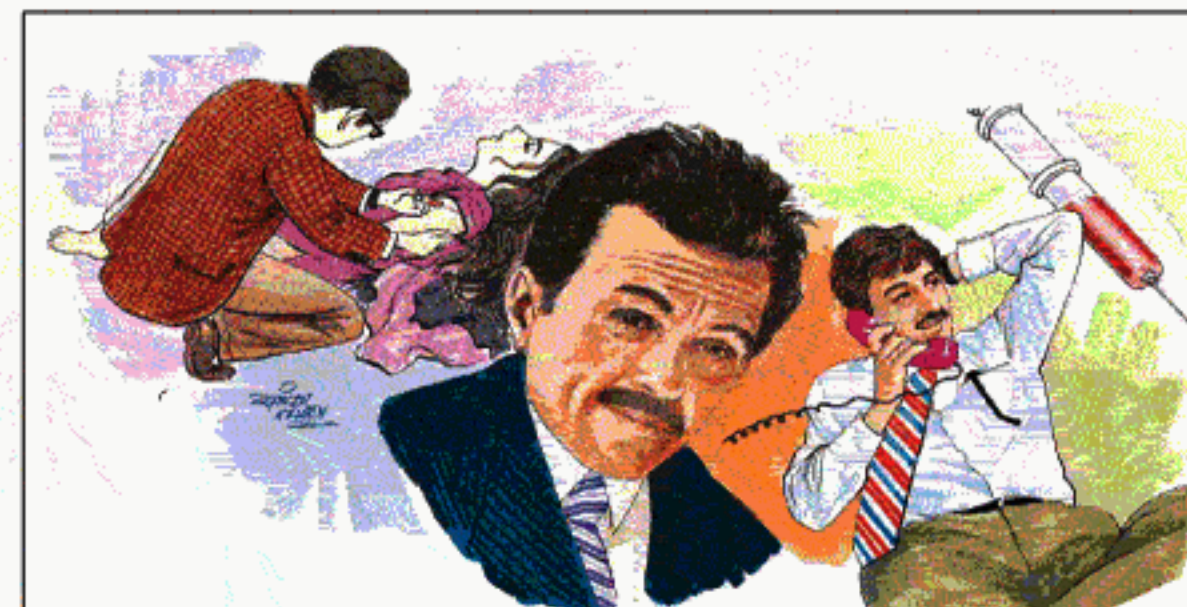
ڈاکٹر تصور نے اسے دونوں انجکشن دیے اور نوشاب نے آنکھیں بند کرلیں، ڈاکٹر تصور ایک طرف بیٹھ گیا تھا، وہ بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتا رہا، اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا، معائنہ کرنے کے آلات نکالے اور اسٹیتھو اسکوپ سے نوشاب کا معائنہ کیا، اس نے اسے اچھی طرح چیک کیا اور پھر ہنس کر بولا۔ "بہت سخت جان ہو، چوتھا دن ہے آج لیکن تمہارا جسمانی نظام بہتر طریقے سے کام کر رہا ہے، یہ جو انجکشن دیے ہیں نا میں نے بہت قیمتی ہوتے ہیں، اب تو تم پر کچھ خرچ کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا لیکن انسان اپنی غرض کا بندہ ہے، اتنی جلدی اگر تم مر گئیں تو کیا خاک مزہ آئے گا، جیو نوشاب جیو...... بڑی رنگ رلیاں منائی ہیں، کیا کہوں اور کیا نہ کہوں، لفظ ساتھ نہیں دیتے، میرا احساس کیا کیا کہانیاں سناتا ہے مجھے، کاش ان کہانیوں کا ردعمل تم میرے دل پر دیکھ لو، جیو خوب جیو، مرنے نہیں دوں گا تمہیں، یہ میرا وعدہ ہے، آخر میں نے جھک تو نہیں ماری اس پروفیشن میں۔"

نوشاب کے جسم میں واقعی کچھ جان آ گئی تھی، اس کے ہونٹ کپکپائے، ہاتھوں میں لرزش پیدا ہوئی، اس نے سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ کر بیٹھ گئی، پھر اس کے منہ سے مہین آواز نکلی۔ "معاف کردو تصور! بس ایک بار معاف کردو، بس ایک بار۔"

ڈاکٹر تصور نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا اور سرد لہجے میں بولا۔ "نہیں نوشاب! یہ بہت آسان سا طریقہ ہے، کسی کو جذباتی کرنے کا، آج تم مجھ سے معافی مانگ رہی ہو، جب میں وطن سے دور تھا اور تم اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتی پھرتی تھیں تو تمہیں یاد نہیں آیا ڈاکٹر تصور؟"

"بس ایک بار، بس ایک بار......"

"وہ سب کچھ ختم ہو گیا نوشاب! اب تو صرف ایک ہی شوق ہے میرا، ایک ہی دلچسپی ہے، اچھا سنو، میں چلتا ہوں، دو تین دن کے بعد پھر چکر لگاؤں گا، تم گزارہ کرلو گی اس میں، اس کے بعد آؤں گا تو تمہارے لئے کھانے پینے کو کچھ لے کر آؤں گا۔"

ڈاکٹر تصور وہاں سے باہر نکل آیا، واقعی اب وہ سب کچھ ایک مشغلے کے طور پر کر رہا تھا چنانچہ اس نے سب سے پہلے پولیس اسٹیشن جا کر اپنی بیوی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور اس میں سب سے پہلے احمد مرزا، شوکت اور فیاض شاہ کے نام لکھائے جن پر اس نے اپنی بیوی کے اغوا کا شبہ ظاہر کیا تھا، پولیس آفیسر کو کافی رقم دے کر اس نے کہا۔ "پولیس آفیسر! میری بیوی ایک شریف خاتون تھی، میری غیر موجودگی میں ان لوگوں نے اسے میرے خلاف ورغلایا اور اپنے جال میں پھانس لیا، مجھے پورا یقین ہے کہ انہوں نے اس سے خاصی رقمیں اور اس کے زیورات بھی لوٹے ہیں، ان کی مالیت تقریباً تیس لاکھ روپے بنتی ہے، مجھے یہ تینوں ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، آپ ان سے ہر قیمت پر میری بیوی کے بارے میں معلومات حاصل کیجئے، میں آپ کی جو خدمت کرسکتا ہوں، وہ کروں گا۔"

اور اس کے بعد احمد مرزا، شوکت اور فیاض کی جو درگت بنی، وہ ایسی تھی کہ وہ زندگی بھر نہیں بھول سکتے تھے، پولیس آفیسر اپنا فرض پورا کر رہے تھے اور ڈاکٹر تصور اپنا فرض پورا کر رہا تھا، پولیس نے انہیں ادھیڑ کر رکھ دیا اور اس قابل کر دیا کہ وہ زندگی میں کبھی کسی ایسی عورت کو دوست بنانے کا تصور بھی نہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر تصور نے اخبارات میں بڑے دلدوز اشتہارات بھی دیے جن میں اس نے اپنی بیوی سے درخواست کی تھی کہ وہ جہاں بھی ہے، واپس آ جائے، وہ آج بھی اس کی پرستش کرتا ہے۔

اس دوران وہ نوشاب کے پاس بھی بڑی باقاعدگی سے جاتا رہتا تھا، نوشاب اب ایک چڑیل بن چکی تھی، جب بھی بہت زیادہ طلب ہوتی تو منہ دھو لیتی، لباس بھی بوسیدہ ہو چکا تھا، گالوں کی ہڈیاں اتنی ابھر آئی تھیں کہ پہچانی بھی نہ جاسکے یہی کیفیت ہونٹوں اور آنکھوں کی بھی تھی، جو لباس بدن پر تھا، وہ اس طرح ڈھیلا ہو کر لٹک گیا تھا کہ دیکھ کر ہنسی آئے، اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔

ڈاکٹر تصور اس کیلئے کبھی یخنی لے آتا کبھی کوئی ایسی غذا جو استعمال کی جاسکے، وہاں بدبو کے ڈھیر لگ گئے تھے، ڈاکٹر تصور جب بھی آتا، چہرے پر ماسک لگا کر آتا لیکن نوشاب اب اس زندگی کی عادی ہو گئی تھی، وہ ڈاکٹر تصور کے آنے پر صرف ہاتھ جوڑتی، اس کے پاؤں چھونے کی کوشش کرتی لیکن ڈاکٹر تصور پتھر کی بت کی مانند بیٹھا رہتا۔

اس دن بھی ڈاکٹر تصور، نوشاب سے ملنے گیا تھا، نوشاب کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی اور ثنا حیدر کی آنکھ کھل گئی تھی۔

کھڑکی سے اذان کی آواز آ رہی تھی، ثنا کے منہ سے کئی دلدوز چیخیں نکلیں اور وہ دہشت سے کانپنے لگی۔ آہ کیا بھیانک خواب تھا، کیسا ہولناک خواب تھا۔ ثنا کا پورا جسم خشک پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ توبہ توبہ کیسا بے تکا خواب تھا، بس ثمینہ نے جو بکواس کی تھی، ڈاکٹر تصور کی بیوی کے بارے میں وہ ثنا کے ذہن میں رہ گئی تھی اور اس نے یہ خواب دیکھ ڈالا تھا، وحشت تیرے کی......

"اس طرح میرے علم کی توہین نہ کرو، یہ خواب تم نے میری آنکھوں سے دیکھا ہے اور میرا علم سچے خواب دکھاتا ہے، میں نے کہا تھا نا کہ تم ایسے خواب میری آنکھوں سے دیکھو گی اور وہ سچے خواب ہوں گے۔"

ایک آواز اس کے کانوں میں ابھری اور ثنا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی اور متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی پھر اس کے منہ سے خوف زدہ آواز نکلی۔ "کون ہے...... کون ہے؟"

لیکن چھوٹا سا کوارٹر نگاہوں کے سامنے تھا، اتنا مختصر تھا کہ اگر بلی بھی کہیں سے کود کر آئے تو نگاہوں کے سامنے آ جائے مگر یہ آواز جانی پہچانی سی تھی، کہاں سنی تھی یہ آواز...... خواب کی وحشت ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی، دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

کچھ لمحے وہ خود کو سنبھالتی رہی، اس آواز کے الفاظ پر غور کرتی رہی، جو کچھ کہا گیا تھا، اسے ذہن میں دہراتی رہی اور ایک بار دل پھر بری طرح اچھل پڑا، وہ اس مریض کو تقریباً بھول چکی تھی جس نے اسے عجیب و غریب کہانی سنا کر اپنا علم اسے دینے کی بات کی تھی اور وہ اس کی پراسرار آنکھوں کے سحر میں کھو گئی تھی، اب اس وقت اسے اس مریض کے الفاظ بھی یاد آ رہے تھے کہ اس نے کہا تھا کہ جو خواب تم دیکھو گی، میری آنکھوں سے دیکھو گی اور وہ ماضی کے سچے خواب ہوں گے، میں نے اس کے بعد بھی کوئی تجربہ بھی نہیں کیا، بھول ہی گئی تھی تقریباً۔

ثمینہ نے ڈاکٹر تصور جلیل کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں اکثر روتے ہوئے دیکھا گیا ہے، کیا وہ خیال میرے ذہن میں تھا جس نے ایک خواب کی شکل اختیار کرلی اور کیا وہ خواب اس مریض کے کہنے کے مطابق کوئی سچا خواب ہے۔

ثمینہ نے بتایا تھا کہ تقریباً تین سال ہو گئے ڈاکٹر تصور جلیل کی بیوی کو گم ہوئے، اب پتہ نہیں ثمینہ کو اس بارے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں کہ ڈاکٹر تصور جلیل کی بیوی مل گئی یا نہیں...... اگر وہ مل گئی تو پھر ڈاکٹر تصور جلیل کیوں روتا ہے اور اگر نہیں ملی ہے تو کیا واقعی ڈاکٹر تصور جلیل نے اسے تین سال سے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کرتا ہے، کہیں واقعی یہ سچا خواب ہی تو نہیں ہے۔

اگر یہ سچا خواب ہے تو...... اور اس تو کے آگے صرف ایک سوالیہ نشان تھا، میں بھلا کیا کرسکتی ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال بہت دیر تک وہی الجھے ہوئے خیالات میں پھنسی رہی۔ پھر اس نے ایک بار دوبارہ لاحول پڑھی، میں تنہا رہتی ہوں اس کوارٹر میں، چھوٹا سا کوارٹر ہے اور آس پاس دوسرے کوارٹر بھی ہیں، ڈر خوف کی کوئی بات نہیں ہے لیکن اگر اس طرح کا کوئی خواب میرے ذہن پر مسلط رہا تو مجھے نیند بھی نہیں آئے گی، کیا کروں، ڈیوٹی بھی دن کی آ گئی تھی اور رات کو کوارٹر میں ہی رہنا تھا، کچھ دن کیلئے گھر چلی جاؤں لیکن وہ جانتی تھی کہ جب وہ گھر پہنچتی ہے تو گھر کا ماحول ایک دم خراب ہو جاتا ہے، سب کے سب شرمندہ شرمندہ سے رہتے ہیں، ابو کے الفاظ اسے یاد تھے۔

"نرس میری بیٹی نرس بس کیا کہوں، بہت عزت دار بنتا تھا، آج وہ سب کے سامنے سب کی تیمارداری کرتی نظر آتی ہے۔"

امی کتنی ہی بار کہہ چکی تھیں کہ بیٹی آخر دوسری بھی تو زندگیاں گزار رہی ہیں، تم انوکھی تو نہیں ہو، عزت آبرو کے ساتھ تمہیں بھی دو روٹی مل ہی جاتی ہے، یہ تمہیں کیا سوجھی ہے اور پھر اگر کہیں سے کوئی باعزت رشتہ آیا بھی تو کیا بتائیں ہم تمہارے بارے میں انہیں؟"

"یہ مزید افسوس کی بات ہے، امی کہ آپ لوگ اتنے دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں، نرس کو سب سسٹر کہتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ بہن کا مقدس لفظ کیا حیثیت رکھتا ہے، انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ انسانیت کی خدمت گار کہلاتی ہیں۔"

"اب بیٹا! میں کیا بتاؤں، یہ ساری باتیں میری سوچنے کی تو نہیں ہیں، بات تمہارے ابو کی ہے۔" وہ جانتی تھیں کہ ابو اس کے شدید مخالف ہیں، اس کا گھر میں آنا پسند نہیں کرتے، وہ تو امی کی ذات تھی جس کی وجہ سے وہ وہاں آتی جاتی رہتی تھی۔ غرض یہ کہ گھر جانے کا خیال بھی ترک کر دیا، ہفتے میں ایک آدھ بار چلی جاتی ہے تو گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے، چار چھ دن کیلئے گئی تو پھر تو وہ لوگ ہاتھ جوڑ کر یہ کہیں گے کہ بابا جاؤ اپنا راستہ دیکھو، کیوں ہمیں پریشان کرنے آ جاتی ہو۔

خود کو سنبھالنا ہوگا، یہ احمقانہ خیال دل سے نکالنا ہوگا، ڈیوٹی کے دوران بھی وہ یہی سوچتی رہی۔

تیسرا دن گزر گیا، کئی بار اس نے سوچا تھا کہ ثمینہ کو اس خواب کے بارے میں بتائے مگر ثمینہ کو اصلیت تو نہیں بتائی جاسکتی، عجیب احمقانہ سی بات ہوگی یہ، خواہ مخواہ اسپتال میں یہ بات پھیل جائے گی کہ نرس ثنا حیدر کا دماغ خراب ہو گیا ہے، وہ اپنے آپ کو کچھ اور ہی سمجھنے لگی ہے، یہ کسی بھی طور مناسب نہیں تھا غرضیکہ برداشت کر گئی لیکن اس شام اچانک ہی ڈاکٹر حسن نے اس سے کہا۔ "ثنا...... آج تمہیں کچھ زیادہ وقت اسپتال کو دینا ہوگا، کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر! آپ حکم دیجئے۔"

"ڈاکٹر تصور جلیل ایک آپریشن کر رہے ہیں، انہیں تمہاری جیسی سمجھدار نرس کی ضرورت ہے، براہ کرم تم انہیں جوائن کرو۔"

"لیس سر......!" لیس سر کہتے ہوئے ثنا کی آواز لرز گئی تھی۔ ڈاکٹر تصور جلیل کے ساتھ اس کے ذہن میں اس خواب کا تصور آ گیا تھا اور وہ کانپ کر رہ گئی تھی لیکن ڈاکٹر حسن نے اس بات پر غور نہیں کیا بلکہ شکریہ ادا کر کے دوسرے کام میں مصروف ہو گئے البتہ ثنا پر برا وقت آ گیا تھا۔

کسی آپریشن میں ڈاکٹر کی مدد کرنا اور شریک رہنا بڑی ذمہ داری کا کام ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر تصور کی قربت اسے ہوش میں تو نہیں رہنے دے گی، میں کیا کروں۔ اسی وقت ثمینہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ "ڈاکٹر حسن نے بتایا ہے کہ تم ڈاکٹر تصور کے ساتھ ہو گی۔"

"ہاں ثمینہ! ایک بات مان لو گی میری؟"

"بولو...... بولو"

"کوئی بھی ترکیب نکال کر یہ ذمہ داری تم سنبھال لو پلیز جس دن سے تم نے مجھے ڈاکٹر تصور کے بارے میں بتایا ہے، نجانے کیوں میرے دل میں ایک وحشت سی بیٹھ گئی ہے۔"

"بے وقوف خاتون! میں نے ڈاکٹر تصور کے بارے میں یہ تو نہیں بتایا کہ وہ آدم خور ہیں، میں نے تو تمہیں یہی بتایا تھا کہ وہ اس قدر نرم دل ہیں، اپنی بیوی کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں اور پھر دوسری بات یہ کہ میری خود بھی وہیں ڈیوٹی ہے، میں وہاں تمہارے ساتھ ہوں گی، تمہارے سیکنڈ کی حیثیت سے۔"

"اوہ تم وہاں ہو گی۔" اسے کسی قدر اطمینان ہوا۔

"ہاں بابا آخر تم ان سے خوف زدہ کیوں ہو گئی ہو، اس میں خوف کی کوئی بات نہیں، جس شخص کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، وہ تو بہت ہی نرم خو اور نرم دل انسان ہوتا ہے، میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ بھیڑیوں کی طرح دانت نکال کے کھانے کو دوڑتے ہیں، پاگل کہیں کی، بالکل ہی بچی ہو، بہت اچھے طریقے سے ڈاکٹر کو اٹینڈ کرنا ہے سمجھ رہی ہو نا؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ ایک لمحے کیلئے اس کے دل میں آیا کہ وہ ثمینہ کو یہ سب کچھ بتا دے لیکن کم از کم اس سلسلے میں اس نے سمجھداری سے کام لیا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ حلق سے نکلی اور خلق میں پہنچی، یہ مقولہ غلط نہیں تھا، کسی کو کچھ کہنے کیلئے کچھ نہ کچھ تو چاہئے ہوتا ہے، اگر یہ کہانی منہ سے نکل گئی تو مصیبت آ جائے گی بہرحال اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنے کام کیلئے تیار ہو گئی۔

آپریشن سوا نو بجے تھا اور ڈاکٹر تصور جلیل کے بارے میں ہر شخص جانتا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری سے نہ ایک منٹ پیچھے ہوتے تھے نہ آگے۔

وہ ثمینہ کے ساتھ آپریشن تھیٹر میں داخل ہو گئی اور وہاں اس نے سارے انتظامات کر لئے، ثمینہ سے اس نے درخواست کی تھی کہ وہ آگے آگے رہے، کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے اور ثمینہ نے وعدہ کر لیا تھا۔

ڈاکٹر تصور جلیل نے آپریشن کیا، دو اور ڈاکٹر اس کے ساتھ تھے، ایک لیڈی ڈاکٹر اور ایک میل ڈاکٹر...... ثمینہ نے واقعی بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا تھا حالانکہ ثنا لرزتی رہی تھی اور کئی بار اس سے غلطی ہوئی تھی لیکن ثمینہ نے سب کچھ سنبھالے رکھا۔

آپریشن مکمل ہو گیا اور ڈاکٹر تصور جلیل باہر نکل گیا تب ثنا کی جان میں جان آئی، باہر آ کر ثمینہ نے کہا۔ "یار ثنا تم کیا کر رہی تھیں، کتنا سنگین مسئلہ تھا، بہت ہی سیریس آپریشن تھا، اگر میں نہ ہوتی تمہارے ساتھ تو تم نے تو آپریشن ہی خراب کر دیا تھا، آخر ہوا کیا ہے؟ یہ کیا مصیبت سوار ہو گئی ہے، تم اچھی خاصی سنجیدہ لڑکی ہو۔"

"یار سوری...... بس کیا کہوں، تھوڑی سی گڑبڑ ہے، گزارا کرلو۔"

"نہیں میرا یہ مقصد نہیں ہے، میں تو تم سے کہنا چاہتی ہوں کہ سنبھالو خود کو، ایسی بے وقوفیاں کبھی کبھی بڑی خطرناک ثابت ہو جاتی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں، ٹھیک ہے تمہیں آئندہ ایسی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے ثمینہ سے یہ الفاظ کہہ دیے لیکن ڈرتی ہی رہی کہ کیسے اپنے ذہن سے یہ خوف دور کرے۔ بہت کچھ سوچا، بہت کچھ غور کیا، سوچتی رہی کہ اگر اس پراسرار مریض کے کہنے کے مطابق میرا خواب سچا ہے تو کیا واقعی ڈاکٹر تصور جلیل نے اپنی خوبصورت بیوی نوشاب کو آج تک قید میں رکھا ہے، کیا ایک بار پھر اس کا تصور کر کے اس کا خواب دیکھوں لیکن یہ ہمت بھی نہ پڑی۔

پھر حیات علی نے اس سے رابطہ قائم کیا۔ "جناب عالی! ہم تو خیر نوکری پیشہ آدمی ہیں اور نوکری بھی ایسی جس کا کوئی سر پیر نہیں، دو منٹ میں اوپر سے حکم ملا کہ جا بیٹا سولی پر چڑھ جا، چڑھ گئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن محترمہ آپ تو اتنی مصروف نہیں ہیں یا پھر ہمیں نظر انداز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، بھائی ایسا نہ کرنا، بن موت مر جائیں گے، پہلا اور آخری عشق ہے۔"

"حیات! میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ارے واہ یعنی یہ کوئی کہنے کی بات ہے، حکم کیا جائے۔"

"بتاؤ کہاں ملوں؟"

"وہیں نیلے چاند میں جو تمہیں بہت پسند ہے۔" حیات علی نے ہوٹل بلوسون کا ترجمہ کیا۔

اس ہوٹل میں وہ ایک دو بار ثنا کو لے کر گیا تھا، ثنا کو جگہ بہت پسند آئی تھی لیکن بہت سے خیالات اس کے دل میں آتے رہے تھے، اگر کسی نے دیکھ لیا اور بات اس کے گھر تک پہنچ گئی تو ابو، امی کا ناک میں دم کر دیں گے کہ دیکھا بیٹی صاحبہ ان راستوں پر چل نکلی ہیں جن سے روکنے کیلئے بیٹیوں کو گھر میں رکھنے کی بات کی گئی تھی، مبارک باد دیں گے وہ امی کو...... یہ بات اس نے حیات علی سے بھی کہی تھی، لیکن بہرحال اس وقت وہ حیات علی سے ملنا چاہتی تھی۔

حیات علی کو اسپتال آ کر اسے لے جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اس نے ایک دو بار یہ کوشش کی تھی لیکن ثنا نے کہا تھا کہ نہیں حیات علی اس طرح بدنامی ہو سکتی ہے، کون جانے کون کیا سوچے۔ حیات علی نے بھی اس بات سے اتفاق کیا تھا اور کہا تھا کہ بس وہ اس کی پریشانی کی وجہ سے یہ بات کرتا ہے بہرحال ثنا ہوٹل بلوسون پہنچ گئی۔ رکشے سے اتری تو حیات علی نظر آیا جو باہر ہی کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا، ثنا نے ایک صاف ستھرا لباس پہنا ہوا تھا اور حیات علی کو یہ سادہ لباس بے حد پسند تھا۔

"آیئے محترمہ! اللہ تعالیٰ نے حسن میں کچھ اور اضافہ فرما دیا ہے، ویسے کتنی عجیب بات ہے ثنا کہ ہم اتنی قربت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ملاقاتوں میں اتنا وقفہ......!"

"راستے ہی میں سارے جذبات نچوڑ دیں گے یا اندر بھی چلیں گے؟" ثنا نے مسکرا کر کہا۔

حیات علی نے شاید میز ریزرو کرائی ہوئی تھی، سفاری سوٹ میں وہ بہت ہی پیارا لگ رہا تھا، کلر بھی اچھا منتخب کیا تھا، اس کے گریبان سے جھانکتے ہوئے لمبے کالے بال جو گردن تک پہنچ جاتے تھے، ثنا کبھی کبھی پیار سے اسے ریچھ کہا کرتی تھی۔ دونوں میز پر جا بیٹھے۔ حیات علی ویٹرز کو غالباً آج کے کورسز بتا چکا تھا چنانچہ چند لمحات کے بعد ویٹر نے ایک ہلکا مشروب لا کر رکھ دیا۔

حیات علی نے کہا۔ "ثنا! ایک بات کہوں اول تو پولیس والا ہوں، چہروں کو دیکھ کر ہر شخص کے بارے میں اندازے لگانے کی کوشش کرتا ہوں، دوسرے یہ کہ تمہارے چہرے پر میری خاص نگاہ ہے، اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تھوڑی سی پریشان لگتی ہو؟"

"بہت زیادہ بقراط بننے کی کوشش نہ کیجئے جناب! میں نے آپ سے جس انداز میں ملنے کی خواہش کی ہے، آپ نے اس سے بھی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں کچھ پریشان ہوں۔"

"چلو یہی سہی مگر ہو تو سہی۔"

"ہاں...... ہوں۔" ثنا نے جواب دیا۔

"لعنت ہے ہماری انسپکٹری پر، ہماری زندگی کسی پریشانی کا شکار ہے اور ہم بس نوکری کرتے پھر رہے ہیں۔" حیات علی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

ثنا گردن جھکا کر اپنے مشروب کے سپ لینے لگی پھر بولی۔ "دیکھو حیات علی! میں کچے ذہن کی مالک ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جن حالات میں گھر سے باہر نکلی ہوں، وہ ایسے ہیں کہ کسی بھی وقت پست ہو جاؤں، لیکن میں یہ نہیں چاہتی میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں میرے گھر کی زندگی میں میری بہنیں بھی خوش نہیں ہیں، بھائی تو خیر گھر سے باہر نکلتے ہیں اور اپنے لئے سنہرا مستقبل تلاش کر رہے ہیں لیکن بہنوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے، کون جانے وقت کیا کہانی سنائے گا، دنیا اسی قدر بے اعتباری کا شکار ہے، کوئی کب کس طرح بدل جائے۔"

"اگر یہ الفاظ تم میرے بارے میں کہہ رہی ہو ثنا تو براہ کرم نہ کہو، میں ہر لمحہ تمہاری زندگی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کیلئے تیار ہوں، اگر کوئی پیچ ہے تو صرف تم لوگوں کی طرف سے ہے اور پھر انکل تو رسم و رواج کے بہت زیادہ قائل ہیں، لوگوں کا انداز فکر بے شک بدل گیا ہے، اب لوگ یہ سوچتے ہیں اور خاص طور سے بیٹیوں والے کہ جو بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے، غنیمت ہے، اس میں پہلے اور بعد کے رسم و رواج کے خول میں رہنا دنیا کو بھولنے کے مترادف ہے بہرحال پریشان نہ ہو ثنا......! میں تمہاری زندگی کا ایک حصہ ہوں اور حصہ رہوں گا، جو پریشانی ہے مجھے بتاؤ۔"

ویٹر کو دوسرے کورس میں ٹماٹر کا سوپ لانا تھا جو اس نے تھوڑی دیر کے بعد لا کر رکھ دیا۔ ثنا نے کہا۔ "جو کچھ کہوں گی، اس کا مذاق مت اڑانا۔"

"اپنا مذاق کون اڑاتا ہے؟"

"بہت رومینٹک ہو رہے ہو، سنبھل جاؤ، جو کچھ میں سنانے والی ہوں وہ بہت مختلف ہے لیکن شرط یہی ہے کہ اگر تم نے مذاق اڑایا تو یقین کرو میں بہت زیادہ بددل ہو جاؤں گی۔"

"نہیں اڑاؤں گا وعدہ کرتا ہوں۔"

"حیات......! کچھ دن پہلے ایک مریض اسپتال میں آیا تھا، خاصے دن گزر گئے بہت عجیب سا تھا اور بڑی عجیب سی بیماری میں مبتلا تھا بس علاج ہو رہا تھا اس کا، ایک رات......!" ثنا نے پوری تفصیل حیات علی کو بتائی پھر اپنا خواب دہرایا اور حیات علی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

ثنا کا خیال تھا کہ اس کا خواب سن کر حیات علی قہقہے لگائے گا، کہے گا کہ اسی لئے خواتین کو ناقص العقل کہا جاتا ہے، وہ مریض تو کوئی فاتر العقل تھا ہی لیکن تم بھی کم بے وقوف نہیں ہو جو اس احمقانہ بکواس کو دل میں جگہ دے بیٹھیں۔

وہ حیات علی کا چہرہ دیکھتی رہی پھر حیات علی نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "عام طور سے ہم اس جدید دنیا اور جدید ماحول میں اس طرح کی باتوں کو ذہن میں جگہ نہیں دے سکتے لیکن اگر ایسی کوئی بات ہے تو ہمیں اس سلسلے میں تھوڑی سی جدوجہد کرلینی چاہئے۔ خاص طور سے میں تمہیں ایک بات بتاؤں، میرا ایک دوست ہے جس کا نام فیاض احمد ہے، دو تین سال پہلے کی بات ہے اس وقت میں سب انسپکٹر تھا، فیاض احمد ایک مشکل کا شکار ہو گیا، ایک بہت بڑے آدمی نے اس پر الزام لگایا تھا کہ وہ اس کی بیوی کے اغوا میں ملوث ہے اور وہ بہت بڑا آدمی تصور جلیل ہی تھا، ڈاکٹر تصور جلیل جس نے اس وقت باقاعدہ پیسے خرچ کر کے تین افراد کو اپنی بیوی کے اغوا کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا اور انہی میں فیاض احمد بھی تھا چونکہ ڈاکٹر تصور جلیل ایک حیثیت والا آدمی تھا اس لئے کافی عرصے تک یہ تینوں افراد مشکلات کا شکار رہے حالانکہ فیاض احمد بھی معمولی حیثیت کا بندہ نہیں تھا لیکن ڈاکٹر تصور جلیل نے کچھ اس طرح ان لوگوں پر گرفت قائم کی تھی کہ وہ مصیبت سے بچ نہیں سکے تھے، خاصا تشدد اور سختی کی گئی ان پر لیکن بے گناہ تھے، میں بھی اس سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ کرتا رہا تھا لیکن مجھے بھی کامیابی نہیں حاصل ہو سکی تھی، بہرحال اس کے بعد فیاض احمد کو چھوڑ دیا گیا بعد میں یہ بات میں نے اس سے پوچھی کہ کیا واقعی وہ ڈاکٹر تصور کی بیوی نوشاب کے اغوا میں ملوث تھا تو اس نے میرے سامنے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ نوشاب اس کی جانب راغب ہوئی تھی، وہ ایک عجیب و غریب مزاج کی عورت تھی، اس کا شوہر ملک سے باہر گیا ہوا تھا اور وہ تنہائی کا شکار ہو گئی تھی، اس کی بھی اس سے دوستی ہو گئی جو کافی عرصے تک جاری رہی تھی، اس وقت بھی جب ڈاکٹر تصور جلیل واپس آ گیا البتہ یہ بات اس نے مجھے سچے دل سے بتائی کہ نوشاب کے اغوا میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، وہ خود ہی کہیں چلی گئی ہوگی حالانکہ بات دل و دماغ میں اترتی نہیں ہے لیکن پھر بھی میں سوچتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ کروں۔"

"ایک بات بتاؤ حیات! کہیں تم اسے میری دیوانگی تو نہیں سمجھتے؟"

"اللہ نہ کرے کہ مجھے ایک پاگل بیوی سے واسطہ پڑے لیکن اگر یہ سارے معاملات غلط نکلے تو پھر تم بھی وعدہ کرو کہ ذہن سے ان سچے خوابوں کی دیوانگی کو نکال پھینکو گی۔"

"میں تو خود اس بارے میں سوچتی ہوں کہ کیا حماقت ہے مگر بس ہوتا ہے کبھی کبھی ایسی باتیں ذہن کو جا لگتی ہیں اور انسان بے وقوف بن جاتا ہے۔"

"چلو چھوڑو دیکھتے ہیں کہ ہم اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہیں۔"

بات کچھ نہیں تھی، لیکن حیات علی ایک نوجوان پولیس آفیسر تھا اور جوانی کی عمر میں بہت سے خبط ذہن پر سوار ہو جاتے ہیں، یہ خبط پہلے ثنا حیدر کے ذہن پر سوار ہوا تھا کہ وہ کوئی سچا خواب دیکھ سکتی ہے اور اب حیات علی کے ذہن میں منتقل ہو چکا تھا، اعلیٰ افسران کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اپنے طور پر یہ کارروائی کرنی تھی، اس نے اپنے دو ماتحتوں کو اپنے اعتماد میں لیا لیکن کوئی حقیقت نہیں بتائی تھی، اس نے کہا کہ وہ ڈاکٹر تصور جلیل کے بارے میں خفیہ طریقے سے تحقیقات کرنا چاہتا ہے پھر اس نے دونوں ماتحتوں کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ لوگ سادہ لباس میں ڈاکٹر تصور جلیل کی نگرانی کریں، وہ جہاں بھی جائے، اس کا تعاقب کریں۔

تین دن تک یہ ماتحت ڈیوٹی بدل بدل کر ڈاکٹر تصور جلیل کی نگرانی کرتے رہے اور اس کے معمولات کی رپورٹ حیات علی کو دیتے رہے، خود حیات علی نے بھی ایک دو بار ڈاکٹر تصور جلیل کا تعاقب کیا تھا، وہ خود ہی اپنی کار ڈرائیو کرنے کا عادی تھا پھر چوتھے یا پانچویں دن ایک ماتحت نے جو رپورٹ دی، وہ خاصی اہمیت رکھتی تھی۔

(جاری ہے)

سب انسپکٹر زاہد علی نے حیات علی کو بتایا۔ ”سر......! معمول کے مطابق ہم نے اس وقت ڈاکٹر تصور جلیل کا تعاقب کیا، جب رات کو تقریباً گیارہ بجے وہ اپنی کار میں اسپتال سے نکلے تو میں ان کے تعاقب میں چل پڑا تھا۔

پھر وہ شہری آبادی سے باہر نکل آئے، آپ کو یقیناً قدیم محلہ بے گنج کے بارے میں معلوم ہوگا، بے گنج کا علاقہ پچھلے کچھ دنوں سے آباد ہونا شروع ہوا ہے اور وہاں سے کچھ فاصلے پر بڑی اچھی اچھی کوٹھیاں بننا شروع ہوگئی ہیں، اس علاقے کا نام اب پھول نگر رکھا گیا ہے لیکن بے گنج کا پرانا علاقہ کچھ پرانی کوٹھیوں پر بھی مشتمل ہے، یہ علاقہ ہی مشکوک ہے سر......! بہر حال ڈاکٹر تصور جلیل اسی علاقے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے، میں اکیلا ہی تھا، جب مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ عمارت میں کوئی ہے نہیں تو میں ہمت کر کے اندر داخل ہوگیا اور پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کو تلاش کیا لیکن ڈاکٹر صاحب مجھے کہیں نظر نہیں آئے البتہ ان کی کار وہیں کھڑی ہوئی تھی کوئی سوا گھنٹے کے بعد وہ وہاں سے باہر نکلے، جب ڈاکٹر صاحب کی کار دور چلی گئی تو میں نے عمارت کی تلاشی لینا شروع کردی، عمارت بالکل خالی پڑی ہے سر......! اس میں کوئی چوکیدار وغیرہ بھی نہیں ہوتا، میں کوئی دو گھنٹے تک اس کی تلاشی لیتا رہا مگر مجھے وہاں کوئی بھی نہیں ملا اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا کہ ڈاکٹر تصور جلیل وہاں کیوں آئے تھے تب میں پھر واپس آگیا۔“

یہ رپورٹ حیات علی کو کافی کارآمد محسوس ہوئی۔ دوسرے دن وہ ماتحت ایس آئی کے ساتھ اس عمارت تک پہنچ گیا، عمارت کا گیٹ بند تھا لیکن صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس گیٹ کو باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا ہے، آس پاس کوئی ایسی عمارت نہیں تھی جہاں سے اس خالی عمارت کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی جاسکیں، موقع دیکھ کر انسپکٹر حیات علی اپنے ماتحت کے ساتھ اندر داخل ہوگیا اور پھر وہاں ایک ایک انچ زمین کا جائزہ لیا جانے لگا، گاڑی کے ٹائروں کے نشانات اور ایسے بہت سے نشانات وہاں انہیں ملے جس سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ کوئی وہاں آتا جاتا رہتا ہے لیکن وہ تہہ خانہ حیات علی کو نہ مل سکا جس کی نشاندہی ثنا حیدر نے کی تھی۔ کافی دیر تک وہ وہاں تلاشی لیتے رہے، اس تمام کارروائی کے دوران انسپکٹر حیات علی اس کشمکش کا شکار رہا کہ ثنا حیدر نے جو خواب کہانی سنائی ہے، اس میں کچھ سچائی ہے یا یہ محض اس کے ذہن کی اختراع تھی۔

وہ یہاں سے واپسی کے بعد ثنا سے ملا۔

”ثنا......! میں آجکل تمہارے خواب پر کام کر رہا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں لیکن یہ بتاؤ کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی یا نہیں؟“

”ثنا! کچھ شواہد تو ملے ہیں، کیا تمہیں اس مکان کی شکل یاد ہے جس میں نوشاب کو قید کیا گیا ہے؟“

”نہیں شکل تو مجھے یاد نہیں ہے۔“

”تم نے بتایا تھا کہ اس نے ایک تہہ خانہ کھولا تھا اور اس کے بارے میں کہا تھا کہ اسے اندر سے نہیں کھولا جاسکتا، جہاں سے اس نے وہ تہہ خانہ کھولا تھا، وہ جگہ، دیوار، کمرہ...... کچھ تمہارے ذہن میں ہے۔“

ثنا نے آنکھیں بند کرلیں، دیر تک وہ اپنے ذہن پر زور دیتی رہی پھر الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”نہیں حیات......! اب میرے ذہن میں کچھ نہیں ہے، وہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، سمجھ لو ایک خواب کی شکل میں تھا اور خواب اتنی تفصیل سے کہاں یاد رہتے ہیں۔“

حیات علی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ ”خیر ہمیں کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا۔“

اور یہ انتظار مزید چار دن تک کرنا پڑا۔ اب صورتحال تبدیل ہوگئی تھی، باقی ان تین چار دنوں میں تصور جلیل کو صرف اپنی رہائشگاہ پر جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا وہ ویسے ہی بہت محدود سا انسان تھا، اسپتال یا پھر گھر...... دوست وغیرہ بھی نہیں تھے اس کے اور یہ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ بیوی کی بے وفائی نے اسے دنیا سے بددل کردیا ہے لیکن اگر وہ بیوی سے انتقام لے رہا تھا اور صرف اس بات کا منتظر تھا کہ نوشاب طبعی موت مر جائے تو یہ انتقام کی ایک انوکھی کہانی تھی لیکن چوتھے دن جب اسے اسی راستے پر جاتے ہوئے دیکھا گیا تو ایس آئی نے فوراً ہی حیات علی کو اطلاع دی۔

”سر......! آج وہ پھر اسی راستے پر جارہا ہے۔“

”میں پہنچ رہا ہوں، تم اس کا تعاقب جاری رکھو لیکن ہوشیاری کے ساتھ اور وائرلیس پر مجھ سے رابطہ رکھو۔“

”جی سر......!“

حیات علی نے دیر نہیں لگائی تھی اور اپنے ماتحت کی نشاندہی پر سفر کرتا ہوا، آخرکار اس علاقے میں پہنچ گیا جو ایک پراسرار اور سنسان علاقہ تھا، وہ اور اس کا ماتحت کامیابی سے تعاقب کر رہے تھے اور آخرکار اس مکان تک پہنچ گئے جس کا گیٹ کھول کر ڈاکٹر تصور جلیل اندر داخل ہوا تھا، اس وقت کسی قسم کی دیر نقصان دہ ہوسکتی تھی، چنانچہ ہر طرح کا رسک لینے کا فیصلہ کیا گیا لیکن احتیاط رکھی گئی اور یہ احتیاط کارآمد ثابت ہوئی۔ تصور جلیل کو یہ احساس تک نہیں ہوسکا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے، ویسے بھی یہ تربیت یافتہ لوگ تھے چنانچہ جب اس نے اس کمرے میں داخل ہوکر تہہ خانے کا دروازہ کھولا تو حیات علی نے بخوبی دیکھ لیا کہ کس طرح دروازہ کھولا گیا ہے۔

تصور جلیل نے دوبارہ دروازہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ کسی بھی خطرے سے بے نیاز تھا۔ حیات علی نے ریوالور نکال لیا اور اس کے بعد انتہائی احتیاط سے وہ تہہ خانے کے دروازے کی جانب بڑھ گئے پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ اس کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے، اندر روشنی تھی اور اس روشنی میں حیات علی نے ایک انتہائی عبرتناک منظر دیکھا۔ وہ لازمی طور پر نوشاب ہی تھی لیکن ایک بھیانک وجود کی شکل میں، لباس انتہائی بوسیدہ اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا، چہرے پر جھریاں تھیں، بال گرد اور مٹی سے اٹے ہوئے تھے، ہاتھ، پاؤں بالکل سوکھے ہوئے تھے، آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔ تصور جلیل اس سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور وہ پلنگ پر پاؤں لٹکائے ہوئے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

”کھو ڈارلنگ! کیسی ہو، جیسی بھی ہو، میرے سامنے ہو، ذرا تھوڑا سا تمہارا معائنہ کرلوں؟“ تصور جلیل نے اسٹیتھو اسکوپ نکال کر کانوں سے لگایا اور اس کے بعد نوشاب کے قریب پہنچ کر اس کو چیک کرنے لگا پھر کئی منٹ تک چیک کرنے کے بعد اس نے گردن ہلائی اور بولا۔ ”تمہاری صحت کو قابل رشک کہا جاسکتا ہے، اس قدر تکلیف دہ وقت گزارنے کے باوجود تمہارے اندر زبردست قوت برداشت بھی موجود ہے اور اچھی صحت بھی...... میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم آرام سے ان حالات میں دس سے پندرہ سال تک زندہ رہ سکتی ہو، کہو کیا کہتی ہو؟“

جواب میں نوشاب نے گردن اٹھائی، خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر نفی میں گردن ہلادی۔

”ہاں نوشاب تمہارے پاس واقعی کہنے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے، چلو یہ انجکشن لے لو شاید تم اس بات پر یقین نہ کرپاؤ کہ تمہیں زندہ رکھنے کیلئے میں یہ دنیا کے قیمتی انجکشن تمہیں دے رہا ہوں۔“

اس نے انجکشن لگانے کا عمل شروع کیا، نوشاب نے کوئی گریز نہیں کیا تھا، خاموشی سے گردن جھکائی تھی، انجکشن لگانے کے بعد جب ڈاکٹر تصور جلیل واپس پلٹا تو حیات علی اور اس کا ساتھی سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر تصور بری طرح چونک پڑا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا اور پھر کچھ لمحوں کے بعد اس نے خود پر قابو پالیا۔ ”پولیس......! بھئی واہ! غضب کے لوگ ہو، آگئے لیکن یقین کرو میں اس کیلئے تیار تھا، یہ بات نہیں کہ مجھے اپنی کسی کوتاہی کا شبہ تھا بلکہ میں سوچتا تھا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، یہ جرم ہے، کسی کو میرے دل کی واردات سے کیا غرض...... آفیسر! پہلی بات تو یہ کہ میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، بس یہ سرنج ہے میرے پاس، کچھ تھوڑے بہت پیسے پڑے ہیں جیب میں، چنانچہ کسی جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑے گی تمہیں، چلو گرفتار کرنا ہے، لو کرلو، اپنے بارے میں اور کچھ نہیں کہوں گا میں۔“ تصور جلیل نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

انسپکٹر حیات علی کوئی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنے ماتحت کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اور خود بیلٹ میں لگی ہوئی ہتھکڑیاں نکالیں اور آگے بڑھ کر تصور جلیل کے ہاتھوں میں ڈال دیں۔ اسے خدشہ تھا کہ یہ تندرست و توانا آدمی اگر مدافعت پر تل گیا تو خطرناک صورتحال پیش آجائے گی لیکن تصور جلیل نے نہایت اطمینان سے گرفتاری دے دی پھر وہ نوشاب کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”خوش نصیب ہو نوشاب! لیکن میں ڈاکٹر ہوں، میں نے دیکھا ہے کہ موت کی آخری منزل میں پہنچنے کے باوجود بعض مریض اس طرح بچ جاتے ہیں کہ ڈاکٹروں کا سارا تجربہ جہنم رسید ہوجاتا ہے، یہاں ہم اس آسمانی قوت کو یاد کرتے ہیں جو زندگی اور موت کی ذمے دار ہے، وہ جسے جو چاہے عطا کردے، دیکھو نا میں پہلے دن تمہیں ہلاک کردیتا، زہر دے دیتا یا کسی اور طرح مار دیتا لیکن میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ تم زندہ رہو اور لمحہ لمحہ مرتی رہو اور آج پھر زندگی تمہارے قریب آگئی، چلو بھئی چلو، میں بھی اس بدبو کا عادی ہوچکا ہوں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم لوگ خاصے پریشان ہو، کیا نام ہے تمہارا آفیسر؟“

”آرام سے بتادوں گا ڈاکٹر تصور جلیل......! چلو تم ان کی مسز کو سہارا دے کر اوپر لاؤ، ڈاکٹر کوئی گڑبڑ مت کرنا ورنہ میں تمہارے دونوں پاؤں ناکارہ کردوں گا۔“

”نہیں کروں گا بھائی نہیں کروں گا، میں بہت شریف آدمی ہوں، آہ لیکن میری شرافت کو داغدار کردیا گیا، مجھے مجرم بنادیا گیا، یقین کرو میں فطری طور پر مجرم نہیں تھا، مانو یا نہ مانو۔“

ڈاکٹر تصور جلیل کی گرفتاری ایک انوکھا واقعہ تھی، پولیس ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچ گئی تھی کیونکہ بہت سے لوگ ڈاکٹر تصور جلیل کو جانتے تھے، نوشاب کو فوری طور پر اسپتال پہنچادیا گیا، اس سلسلے میں حیات علی نے ایس پی سجاد حسین کی مدد لی تھی اور انہوں نے کوئی تفصیل پوچھے بغیر ہر طرح سے معاونت کی تھی، خصوصی طور پر اسپتال کے کئی ڈاکٹروں کو نوشاب کے سلسلے میں مستعد کردیا گیا تھا پھر ڈاکٹر تصور جلیل کے اسپتال کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی اور آدھی رات کو پولیس ہیڈ کوارٹر میں اسپتال کے بہت سے ڈاکٹروں کا اجتماع ہوگیا تھا جو تصور جلیل کے بارے میں صورتحال معلوم کرنا چاہتے تھے لیکن تصور جلیل کو لاک اپ کرنے کے بعد سب سے پہلے حیات علی کو اس سلسلے میں رپورٹ تیار کرنی تھی۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ نوشاب کی طرف سے ایف آئی آر درج کرائی جائے گی، خاصی قانونی پیچیدگیاں تھیں، ایس پی سجاد حسین نے حیات علی کو طلب کر کے تفصیلات معلوم کیں۔

”یہ بتاؤ کہ ڈاکٹر تصور جلیل کے خلاف کس طرح کارروائی کروگے، گو مجھے ابھی تمام تر معلومات حاصل نہیں ہیں لیکن پھر بھی میں تمہاری رپورٹ کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں کیونکہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ ڈاکٹر تصور جلیل ایک مقتدر شخصیت ہے اور اس کے سلسلے میں خاصی لے دے ہوسکتی ہے۔“

”ہمیں نوشاب کے بیان کی اشد ضرورت ہے، اس کے بیان پر ہی ہم کارروائی کرسکتے ہیں لیکن میں اپنی ابتدائی رپورٹ میں تھوڑی سی تفصیل درج کروں گا اور وہ تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر تصور جلیل خاصے عرصے قبل اپنی بیوی کی گمشدگی کے بارے میں شور اٹھا چکے ہیں، انہوں نے کچھ لوگوں کو گرفتار بھی کرایا تھا لیکن بعد میں کسی کی طرف سے کوئی تصدیق نہیں ہوسکی اور بات تقریباً ختم ہوگئی، ڈاکٹر تصور جلیل نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کرلی، یہ ایک اہم نکتہ ہے جناب! بیوی کی گمشدگی کے سلسلے میں انہوں نے ابتدائی کوششوں کے بعد اپنی ہر طرح کی جدوجہد ترک کردی تھی اور اس سلسلے میں کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، اس کی بنیادی وجہ کیا تھی، ماضی کی باتوں سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ڈاکٹر تصور جلیل اپنی بیوی کو بے پناہ چاہتے تھے، اس طرح سے خاموشی اختیار کرلینا اور سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگ جانا، ایک غیر حقیقی بات ہے، ہم اسے اپنی رپورٹ میں درج کریں گے اس کے بعد میں آپ کو اس ٹیلیفون کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو مجھے گمنام طریقے سے موصول ہوا تھا اور اس میں یہ بات کہی گئی تھی کہ ڈاکٹر تصور جلیل کی بیوی خود ڈاکٹر تصور جلیل کے قبضے میں ہے اور انہوں نے اسے کسی جگہ قید کر رکھا ہے، وجوہات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا، یہ ٹیلیفون مجھے مختلف اوقات میں تین مرتبہ موصول ہوئے، میں نے ان جگہوں کا پتہ لگانے کی کوشش کی جہاں سے وہ ٹیلیفون کیئے گئے تھے مگر وہ پبلک ٹیلیفون بوتھ تھے، جب تیسری مرتبہ مجھے یہ کال ملی تو مجھے ذرا سنجیدہ ہونا پڑا اور میں نے تھوڑی بہت معلومات حاصل کیں پھر اس کے نتیجے میں، میں نے اپنے ماتحتوں کو ڈاکٹر تصور جلیل کے پیچھے لگا دیا اور وہ ان کا تعاقب کرتے رہے، آخرکار ہم اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں نوشاب کو قید کیا گیا تھا اور وہاں سے ہم نے ڈاکٹر تصور جلیل کو گرفتار کرلیا۔“

”ٹھیک ہے، اس کا مطلب ہے کہ کوئی بہت بڑی الجھن کی بات نہیں ہے۔“ ایس پی سجاد حسین نے کسی قدر مطمئن ہوکر کہا۔

نوشاب کے بارے میں ڈاکٹروں سے پوچھا گیا کہ کیا وہ بیان دینے کے قابل ہے تو اس طرف سے قطعی طور پر انکار کردیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ شدید ترین ذہنی دباؤ کا شکار ہے، جب تک اس کا ذہن صاف نہ ہوجائے، اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا، چنانچہ اس سلسلے میں کچھ عرصے خاموشی اختیار کی جائے گی۔ ادھر ڈاکٹر تصور جلیل کی ضمانت کیلئے زبردست کوششیں شروع ہوگئی تھیں لیکن اس سلسلے میں معذرت کرلی گئی۔

خود ڈاکٹر تصور جلیل نے اس سلسلے میں مکمل طور پر خاموشی اختیار کرلی تھی۔ جب نوشاب کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو اس نے ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ ایک وکیل کرنا چاہتی ہے۔ صورتحال اسے مفصل طور پر بتادی گئی تھی، اس سلسلے میں بھی پولیس سے ہی رجوع کیا گیا اور ایس پی سجاد حسین، نوشاب سے ملے، حیات علی بھی ساتھ تھا۔

”آپ اپنے شوہر تصور جلیل کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتی ہیں، براہ کرم اپنا بیان درج کرادیجئے، کس طرح انہوں نے آپ کو حبس بیجا میں رکھا اور کس طرح آپ پر تشدد کیا۔“

لیکن نوشاب کے جواب نے ان سب کو ششدر کردیا تھا۔ ”میں وکیل اس لئے کرنا چاہتی ہوں کہ میری قانونی طور پر معاونت کی جائے، میں اپنے شوہر کو بالکل بے قصور سمجھتی ہوں، کچھ ایسی کوتاہیاں مجھ سے ہوئی تھیں جن کی بنا پر میرے شوہر مجھ سے برگشتہ ہوگئے تھے، مجھے جب عدالت میں پیش کیا جائے گا تو میں صرف ایک بیان دوں گی کہ مجھے اپنے شوہر سے کوئی شکایت نہیں ہے، نہ ہی انہوں نے مجھے حبس بیجا میں رکھا تھا بلکہ انہوں نے میری خواہش پر مجھے وہاں منتقل کیا تھا، اب اگر میں ان کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتی، اگر قانون ان کے خلاف کچھ کرے گا تو میں اس کی مدافعت اور مخالفت کروں گی۔“

سب لوگ حیران رہ گئے تھے اور اس کے بعد ایس پی سجاد حسین نے کہا۔ ”اس تمام کہانی کا پس منظر کچھ بھی ہو، ہم کہاں سے معلوم کرسکتے ہیں لیکن جب وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتی تو پھر تو صورتحال بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔“ قانونی طور پر صورتحال کو معلوم کیا گیا اور یہی پتہ چلا کہ اس سلسلے میں پولیس کچھ نہیں کرسکتی۔

بہر حال یہ تمام معاملات اب قانون کے سپرد کردیئے گئے تھے اور جب حیات علی کو ان تمام کاموں سے فراغت ہوئی تو اس نے اپنے مخصوص ہوٹل میں ثنا سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات کافی وقت کے بعد ہوئی تھی۔ حیات علی نے مسکرا کر ثنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ثنا! کیا ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟“

”پتہ نہیں...... کیوں کر رہے ہو یہ سوال؟“

”یار! اتنے دن کے بعد ملے ہیں، نہ تمہاری صحت پر کوئی فرق پڑا نہ میری پر۔“

”روایتی باتوں کو چھوڑو! یہ بتاؤ اس سلسلے میں کیا ہوا، ویسے میں اخبارات میں تھوڑی بہت تفصیل دیکھتی رہی ہوں لیکن میں نے تم سے اس کیلئے کوئی سوال نہیں کیا۔“

”ثنا! بڑی دلچسپ اور ڈرامائی صورتحال ہوئی ہے، جیسا کہ تم نے مجھے بتایا نوشاب اس قید خانے سے دستیاب ہوگئی اور اس بری حالت میں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا، وہ جگہ جو تم نے خواب میں دیکھی تھی، اس قدر متعفن تھی کہ انسان کا دماغ الٹ جائے، میں نوشاب کو داد دیتا ہوں کہ اس نے اس بھیانک جگہ زندگی کو گلے لگائے رکھا ورنہ وہاں ایک لمحہ گزارنے سے تو موت کی قربت کہیں بہتر تھی، بہر حال بعد کے معاملات یوں ہوئے کہ نوشاب اسپتال میں ہے کیونکہ تین سوا تین سال تک وہ جس کیفیت میں رہی، اسے درست ہونا بہت مشکل کام ہے، یوں سمجھ لو ہڈیوں کا ایک پنجر تھا جس پر اب گوشت کی ہلکی ہلکی تہہ چڑھنے لگی ہے، ادھر ڈاکٹر تصور جلیل پولیس کسٹڈی میں تھا لیکن نوشاب کے بیان پر اسے فوراً رہا کرنا پڑا ہے، نوشاب نے جو بیان دیا، کیا تم نے اخبار میں پڑھا؟“

”ہاں چونکہ ان دنوں اخبارات کے پاس یہی ایک سنسنی خیز خبر تھی، اس لئے اس بارے میں خاصی تفصیلات میں لکھا گیا ہے، نوشاب نے اپنے شوہر کو معاف کردیا ہے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ہے، قانون اس سلسلے میں کیا کہتا ہے؟“

”یار! پھانسی ٹل جاتی ہے، سزائے موت ٹل جاتی ہے اگر مقتول کے ورثا معاف کردیں، یہ حبس بیجا کا معاملہ تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا، ڈاکٹر تصور جلیل کو رہا کردیا گیا ہے۔“

”خیر جو تفصیل میں نے تمہیں بتائی، حیات اس کے مطابق نوشاب کی غلطی تو تھی۔“

”میڈم! میں اسی موضوع پر آرہا ہوں۔“ حیات علی نے کہا اور ثنا مسکرانے لگی۔ حیات علی سنجیدہ ہوکر ثنا کی صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔ ”ثنا! میرے دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں، حقیقت بتا رہا ہوں تمہیں کہ پہلے تو میں یہی سوچتا رہا کہ تم نے جو خواب کے بارے میں تفصیل بتائی ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، بعض اوقات کوئی ایسی چیز ذہن میں آجاتی ہے جو کسی کے بارے میں سوچتے ہوئے عارضی طور پر پیدا ہوتی ہے لیکن پھر کچھ شواہد ملے اور میں نے سوچا کہ لاؤ تھوڑی سی کوشش کر ڈالی جائے، اس کوشش کا جو نتیجہ نکلا ہے، یقین کرو اس نے میری راتوں کی نیندیں حرام کردی ہیں۔“

”کیوں حیات علی......! اتنے پریشان کیوں ہوگئے ہو؟“

”یار! کمال کرتی ہو، یہ ایک ایسی حیرت انگیز کہانی ہے کہ انسان غور کرے تو دیوانگی کی حدود میں داخل ہوجائے، بھلا تم مجھے بتاؤ ایسا کیسے ممکن ہوا، ہوسکتا ہے اس طرح کہ کسی کے بارے میں کوئی خواب دیکھا جائے اور اس خواب کا ایک ایک منظر سچ نکل آئے۔“

”حیات علی......! تمہارے علاوہ میرے لئے اور کون ہے جسے میں اپنی کسی الجھن کے بارے میں بتاؤں گی، میں تم سے کبھی اور کسی مرحلے پر جھوٹ نہیں بولتی اور یہ امید رکھتی ہوں کہ تم میری باتوں کو جھوٹ نہیں سمجھو گے، میں تم سے مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بول سکتی، میرا گھر میرے لئے بالکل اجنبی سا بن کر رہ گیا ہے، ان لوگوں کا رویہ خراب سے خراب تر ہوتا چلا جارہا ہے، میرا خیال ہے ابو نے ان لوگوں سے کوئی دو ٹوک بات کی ہے اور وہ لوگ مجھے اس بارے میں بتاتے نہیں ہیں لیکن میرا جہاں تک اندازہ ہے، انہوں نے یہی کہا ہے کہ اگر ان لوگوں نے مجھ سے زیادہ روا بدار رکھے تو ابو اس گھر سے کنارہ کشی کرلیں گے۔“

''انتہا پسندی ہی کہا جا سکتا ہے اسے ثنا! کیونکہ تم جو کچھ کر رہی ہو، چلو ان کی نہ سہی اپنی بہتری کیلئے کر رہی ہو اور ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے لئے ایک باعزت فیصلہ کرلے، بس اتنا سا ضرور کرے کہ والدین کی عزت کو ہر چیز پر اہمیت دے۔''

''تم دیکھ لو خدا کا شکر ہے کہ میرے نام کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو والدین کیلئے بے عزتی کا باعث ہو۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''بس یہی کہہ رہی تھی میں کہ اللہ کے بعد اب مجھے صرف تمہارا سہارا حاصل ہے کیونکہ بہرحال میں ایک تنہا زندگی نہیں گزار سکتی۔''

حیات علی بھی سنجیدہ ہوگیا۔ کہنے لگا۔ ''میرے حالات تمہیں معلوم ہیں، تم جب چاہو میں اپنی والدہ کو تمہارے گھر بھیج سکتا ہوں، وہ باعزت طریقے سے تمہارا رشتہ میرے لئے مانگ لیں گی اور مجھے ایسا ہی کرنا ہے۔''

''ہاں کرنا تو ایسا ہی ہوگا، لیکن تم صورتحال تو جانتے ہو حیات علی......! کم از کم میرے سلسلے میں وہ لوگ اس قدر جذباتی نہیں ہوسکتے، یہاں بھی مجھ پر لاتعداد الزامات رکھے جائیں گے اور یہی کہا جائے گا کہ گھر سے باہر نکل کر میں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔''

''کہا جائے گا تو کہنے دو، وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا یہ سلسلہ اس وقت سے نہیں ہے جب تم نوکری کیلئے گھر سے نکل آئی تھیں بلکہ بہت پہلے سے ہے اور انہیں اس بارے میں علم بھی ہے۔''

''خیر...... یہاں بھی اگر ان لوگوں نے انتہا پسندی سے کام لیا تو میں اتنی ہی بغاوت کروں گی جتنی ملازمت کے سلسلے میں کی ہے، کیا تم میرا ساتھ دے سکو گے حیات علی......؟''

''یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے؟'' حیات علی نے کہا اور ثنا ایک دم ہنس پڑی۔

''ایک دوسرے مسئلے پر گفتگو کرتے کرتے ہم کس طرح راہ بھٹک گئے۔''

''نہیں ثنا اسے راہ بھٹکنا نہیں کہا جائے گا، یہ زندگی کا وہ اہم راستہ ہے جو سانسوں کی آخری منزل تک جاتا ہے۔''

''تمہارا شکریہ حیات! درحقیقت تم شاہراہ حیات ہو میرے لئے تو۔''

''واہ واہ شاعری شروع ہوگئی، جناب اب اصل بات پر آجایئے اور مجھے اس بارے میں پوری تفصیل بتایئے جس نے مجھے دنگ کردیا ہے۔''

''اور کیا تفصیل بتاؤں؟''

''اس شخص کا حلیہ کیا تھا جس نے تمہیں یہ خواب بخشے۔''

''بس یوں سمجھ لو کہ وہ دبلا پتلا، مدقوق سا آدمی تھا اور خاصی بری کیفیت کا شکار تھا، میں یہ نہیں سمجھتی کہ اس کی یہ حالت کس طرح ہوئی، اپنے ماضی کے بارے میں اس نے جو تفصیلات بتائی تھیں، میں تمہیں بتا چکی ہوں۔''

''ہاں براہ کرم وہ تفصیلات دوبارہ بتاؤ، اس وقت میں نے اتنا غور نہیں کیا تھا، ہوسکتا ہے کسی وقت مجھے ان لوگوں کے بارے میں مزید تفتیش کرنا پڑے، ذرا دیکھوں تو سہی کہ آغاز کہاں سے ہوا تھا اور وہ علم کس طرح حاصل کیا گیا۔''

''مجھے وقت دو گے اس سلسلے میں جب میں پھر سے یاد کروں گی بیٹھ کر۔''

''چلو ٹھیک ہے، آگے کی کہانی سناؤ۔''

''بس، تم یہ سمجھ لو اس نے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ وہ ماضی شناس تو بن چکا تھا لیکن اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ مستقبل شناس بن جائے اور ایک بات کہوں تم سے حیات علی! میں نے بھی اس بات پر غور کیا، انسان کبھی مستقبل شناس نہیں بن سکتا چونکہ یہ منصب تو عالم الغیب کے قبضہ قدرت میں ہے، میرا مطلب ہے کہ ہر شخص اپنا مستقبل کبھی نہیں جان سکتا، وہ خدا کے کام میں دخل دینے کی قوت بھلا کہاں سے لائے گا، اس شخص نے غالباً اللہ کے اس حکم سے بغاوت کی تھی اور اس کے نتیجے میں اسے اپنی زندگی ہی کھونی پڑ گئی، وہ کہتا تھا کہ وہ ماضی شناس بن چکا ہے اور میں اس سے اس وقت متاثر ہوئی جب اس نے مجھے میرے بارے میں بہت کچھ بتادیا، حیات! اس نے تمہارا نام تک بتادیا، ایسا کیسے ہوا؟''

''بالکل اہم ترین نکتہ یہی ہے ثنا کہ ایسا کیسے ہوا، اس نے تمہارے بارے میں کوئی خواب تو نہیں دیکھا ہوگا کیونکہ تم نے مجھے ایک ایک لفظ تفصیل سے بتایا تھا جو میرے ذہن پر نقش ہے، اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے اس علم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا بلکہ جو بھی پہلی بار اس کے پاس آیا، وہ اپنا علم اسے عطا کردے گا اور اس کے پاس پہلی بار آنے والی تم تھیں، تمہیں متاثر کرنے کیلئے اس نے تمہیں تمہارے بارے میں بتایا اور پھر اس نے تمہیں اپنا علم منتقل کردیا، اب میرے دماغ میں جو بات آئی ہے، وہ میرے اپنے مطلب کی ہے۔'' حیات نے کہا۔

''کیا......؟''

''ثنا! اس سلسلے میں تم تھوڑی سی کاوشیں کرو جیسا کہ اس نے کہا۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔'' ثنا پریشان لہجے میں بولی۔

''نہیں میرا مطلب ہے اس نے آگے کے بارے میں کچھ کہا تھا کہ اس کی آنکھیں تمہاری آنکھوں میں زندہ رہیں گی۔''

''ہاں کہا تو تھا۔'' ثنا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''اگر مناسب سمجھو تو کوئی تجربہ کرو اس سلسلے میں یعنی اس سے رہنمائی طلب کرو۔''

''میں تو خوف سے ہی مر جاؤں گی۔''

''نہیں ثنا تم نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، اب اس کا نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے، ویسے میری نوکری کے سلسلے میں یہ چیز بڑی کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ خاص طور سے ایس پی سجاد حسین تو میری بڑی تعریفیں کرتے پھر رہے ہیں، اب انہیں حقیقت کا تو علم نہیں ہے، جو کچھ میں نے انہیں بتایا ہے، وہ اسی پر بھروسہ کر رہے ہیں جبکہ میں نے انہیں غلط بتایا ہے، میری رہنمائی تو تم نے کی ہے لیکن میں نے انہیں یہی کہا کہ مجھے بس کسی کی ٹیلیفون کال آئی اور میں نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کردی، بہرحال اس چیز کو بہت سراہا جا رہا ہے، اب یہ الگ بات ہے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرلیا، یہ بھی اس عورت کی بڑائی ہے، جن راستوں پر نکل گئی تھی، اسے ان کا احساس تھا اور اس نے اس طرح اپنے شوہر کو معاف کیا کہ شاید کوئی اس طرح سے سوچ بھی نہ سکے۔''

ثنا کے ذہن میں ایک الجھن چھوڑ کر حیات چلا گیا لیکن اس رات کوارٹر میں ثنا بڑی خوف زدہ رہی، بمشکل تمام اسے نیند آئی لیکن حیرت ناک بات یہ تھی کہ نیند کے اس عالم میں اسے عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑا، گو یہ حالات خواب ہی کی شکل میں تھے لیکن بہرحال تھے اور اس خواب میں اس نے اس پراسرار شخص کو دیکھا، وہ ایک ہیولے کی شکل میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''ہاں بے بی...... اس انسپکٹر نے تم سے ٹھیک کہا، میں اب قبر کی گہرائیوں میں ہوں، میرا وجود سمجھو ایک طرح سے فنا ہوچکا ہے لیکن وہ علم جو میں نے اپنی آنکھوں میں چھپالیا تھا، تمہاری آنکھوں اور تمہارے ذہن میں منتقل کرکے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ابھی موجود ہوں، تم اپنا تجربہ جاری رکھو، میں تمہیں کچھ ایسی ترکیبیں بتاتا ہوں جس سے تمہاری آنکھوں اور ذہن کی قوت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔''

اور پھر اسے اچھی طرح کچھ سمجھایا گیا اور یہ سب اس نے اچھی طرح سمجھا پھر بولی۔ ''میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔'' اور دوسری صبح اسے یوں لگا جیسے اس کا سارا وجود اس عمل کیلئے تیار ہو۔

بہرحال کوششیں جاری رہیں، حیات علی اس سے ملتا رہا، ایک بار انہوں نے ان دونوں میاں، بیوی کو بھی بڑی خوشی اور مسرت کے عالم میں دیکھا جن کا مسئلہ بہت عجیب تھا یعنی بیوی کی بے وفائی پر مرد نے اسے زندہ درگور کردیا تھا اور جب بیوی نے اسے معاف کردیا تو ڈاکٹر تصور جلیل نے دوبارہ اسے اپنی زندگی میں شامل کرلیا۔
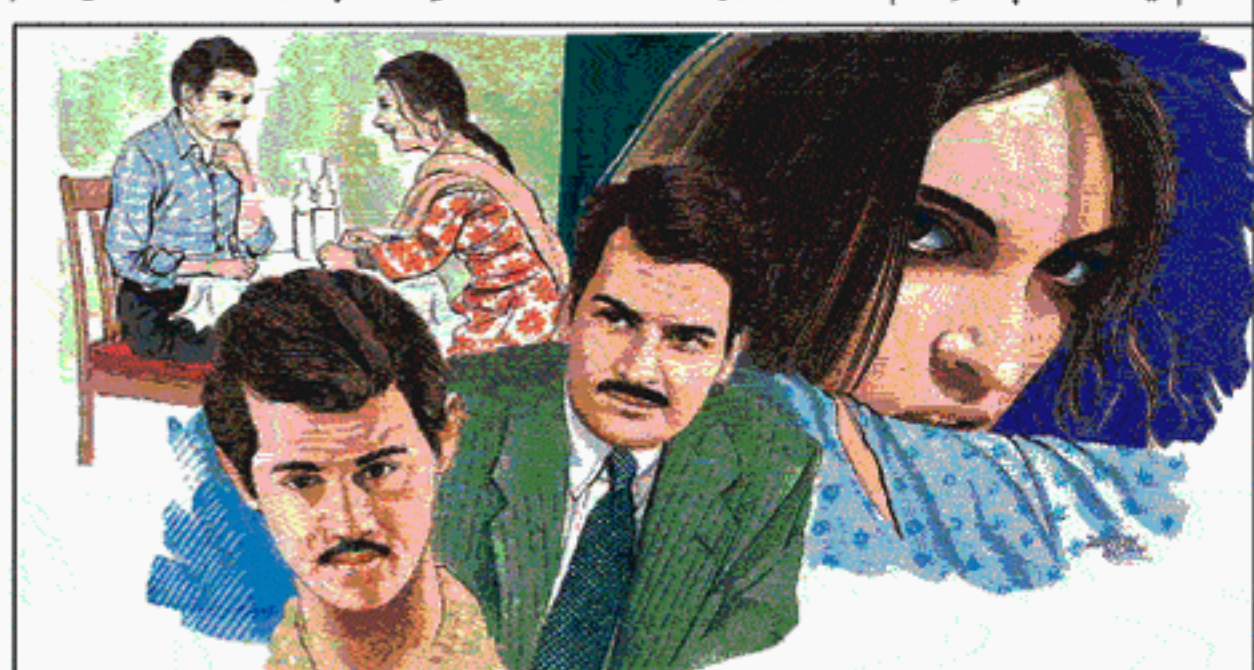
بہرحال یہ ایک خوشی کی بات تھی کہ ڈاکٹر تصور نے کئی بار انسپکٹر حیات علی سے ملاقات کی تھی لیکن حیات علی نے اسے زیادہ منہ نہیں لگایا تھا۔

بہرحال یہ سارا سلسلہ جاری رہا، ایک دن پھر حیات علی نے ثنا حیدر سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات اسی مخصوص ہوٹل میں ہوئی تھی اور اب ہوٹل کا اسٹاف بھی ان دونوں کو کسی حد تک پہچان گیا تھا حالانکہ ثنا بہت محتاط رہا کرتی تھی، شاید اس خیال سے کہ باپ کو اگر کبھی اس بات کا علم ہوگیا کہ وہ کسی شخص کے ساتھ کسی ہوٹل میں ہے تو شاید قیامت برپا ہوجائے اور اس کا اس طرح آنا جانا بھی بند ہوجائے۔

انسپکٹر حیات کہتا تھا کہ ثنا اگر اجازت دے تو اس سلسلے میں وہ ایک شریفانہ قدم اٹھا کر اپنی والدہ کو ان لوگوں کے گھر بھیج دے لیکن ثنا نے اسے یہ بتایا تھا کہ بڑی بہنیں ابھی بیٹھی ہوئی ہیں اور پھر اس کی تو اس گھر میں مخالفت بھی ہے، یہ رشتہ منظور نہیں کیا جائے گا، تھوڑا سا انتظار کرلیا جائے تو بہتر ہے۔ جس پر حیات علی نے کہا تھا کہ اسے اعتراض نہیں ہے

بہرحال اس دن حیات علی نے اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''ثنا! ایک پھانس میرے دل میں چبھی ہوئی ہے، میں اس پھانس کو اپنے دل سے نکالنا چاہتا ہوں۔''

''پھانس......؟'' ثنا نے سوالیہ نگاہوں سے حیات علی کو دیکھا اور حیات علی سامنے رکھے ہوئے مشروب کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔

''ایک شخص ہے جس کا نام شمشاد علی ہے، اس کو عمر قید کی سزا سنائی گئی ہے، ایک ایسے مقدمے میں جو تھا تو قتل کا ہی لیکن اس کا کوئی عینی شاہد نہیں تھا البتہ اس شخص کو سزا دلوانے کیلئے ایک اتنی بڑی شخصیت نے کوشش کی تھی جس کی کوئی فرمائش مشکل ہی سے ٹالی جاتی ہے، موت کی سزا تو اسے نہیں دی جاسکی لیکن عمر قید دے دی گئی اور وہ بے چارہ اس قید کا تقریباً سوا سال بھگت چکا ہے، میں اس سے بڑی ہمدردی رکھتا ہوں، بڑا عجیب و غریب خاندان ہے بلکہ عجیب نہیں خالی غریب کہو اسے اور وہ اس کا واحد کفیل تھا، ان لوگوں کی زندگی بڑی مشکلات میں گزر رہی ہے، ایک بات نہ صرف میرے دل میں بلکہ ایس پی سجاد حسین کے دل میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص یعنی شمشاد علی بے گناہ ہے، اسے صرف تعلقات کی بناء پر سزا ہوئی ہے، بالکل جوان لڑکا ہے، دیکھو گی تو دل کو دکھ کا احساس ہوگا۔''

''تو پھر......؟''

''ثنا! اسے جس شخص نے سزا دلوائی ہے، اس کا نام راجہ ہدایت خان ہے، وہ ایک بڑی شخصیت ہے، زمیندار بھی ہے، اس کے کئی عزیز و اقارب سرکاری عہدوں پر فائز ہیں لیکن ایس پی سجاد حسین سے ایک بار میری بات چیت ہوئی تھی، کہنے لگے کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر شمشاد علی کو کسی طرح بے گناہ ثابت کیا جاسکے تو وہ اپنی نوکری تک داؤ پر لگانے کیلئے تیار ہیں، ثنا! راجہ ہدایت خان بڑا صاحب اختیار ہے، ایک طلسم خانہ بنا رکھا ہے اس نے اور نجانے کتنے لوگ اس کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے ہیں، اس کے دشمن تک اس کے در پر جھکتے ہیں اور اسے دنیا کا سب سے عظیم آدمی ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں اس لئے کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، وہ جسے چاہے زمین بوس کرسکتا ہے۔'' یہ مختصر تفصیل بتانے کے بعد حیات علی نے ثنا سے کہا۔ ''ثنا! اگر ہم ان واقعات کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا مقام مل جائے گا ثنا! تم تھوڑی سی سمجھداری سے کام لو تو ہم اس سلسلے میں تمام حقیقت تلاش کرسکتے ہیں۔''

''میں سمجھداری سے کام لوں؟'' ثنا نے کسی قدر حیران لہجے میں کہا۔

''ہاں ثنا...... میری آنکھوں میں نجانے کیا کیا خواب لہرائے ہوئے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ میرے وسائل ان خوابوں کے متحمل نہیں ہوسکتے، البتہ نجانے کیوں مجھے اب ایک راستہ نظر آگیا ہے، ایس پی سجاد شاباشیاں دے رہے ہیں مجھے کہ میں شرمندہ ہوگیا ہوں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے جس طرح ایک انتہائی اہم کیس کی تفتیش کی ہے، وہ بے مثال ہے، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھے میرے محکمے کی طرف سے پذیرائی ملے تاکہ میں ترقی کرسکوں ثنا! نجانے کیوں بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کیا تم میرے مستقبل کی بہتری کیلئے کچھ کرسکو گی؟''

ثنا ان الفاظ پر جذباتی ہوگئی۔ کہنے لگی۔ ''دیکھو حیات علی......! میں نے ایک طرح سے اپنے گھر والوں کو اپنا دشمن بنالیا ہے، اصل میں اس ماحول میں بڑی دقیانوسیت ہے، امی، ابو، بہن، بھائی سب بہت اچھے لوگ ہیں لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ سب محض ابو کی وجہ سے اس خول سے نہیں نکل سکتے، ابو نے بھی میری طرف سے لاپروائی اختیار کرلی ہے، جب میں نے اپنے شوق کی تکمیل اور اپنے ذہنی سکون کیلئے ان لوگوں سے بغاوت کرلی ہے تو حیات علی تم تو میرا مستقبل ہو، میں حاضر ہوں۔''

حیات علی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔ وہ مسکرا کر بولا۔ ''اس کے باوجود اگر ہم کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اور ہمیں وہ منزل نہیں مل سکی جب بھی ثنا مجھے کوئی دکھ ہوگا اور نہ کوئی اعتراض...... کم از کم یہ تو سوچتا رہوں گا میں کہ ثنا نے بھرپور طریقے سے میرا ساتھ دیا۔''

''چلو چھوڑو بہت سی جذباتی باتیں کرچکے...... شمشاد علی کے بارے میں مجھے تھوڑی سی تفصیل بتاؤ۔''

''میں کوئی تفصیل نہیں بتاؤں گا، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا، بولو کب وقت نکال سکو گی؟''

''کل سے رات کی ڈیوٹی ہے، صبح نو دس بجے تک جاگ جاتی ہوں، اس کے بعد رات تک فرصت ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے کل ہی رکھ لیتے ہیں، کل دن میں تو تمہیں فرصت ہوگی نا......؟''

''ہاں۔''

''اصل میں اسپتال جاکر تمہیں لے کر آنا مجھے ذرا معیوب سا لگتا ہے۔''

''نہیں میں خود آجاؤں گی، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، میں بہرام اسٹور پر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''مناسب جگہ ہے، میرے ہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے، میرا مطلب ہے اسپتال سے۔''

''او کے۔'' دوسرے دن معمول کے مطابق ثنا بہرام اسٹور پہنچ گئی۔ حیات علی میں سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ وقت کا بے حد پابند تھا، آج تک ثنا کو کبھی کسی جگہ اس کا انتظار نہیں کرنا پڑا تھا اور اس سلسلے میں وہ کہتا تھا کہ کسی لڑکی کو اگر اپنے محبوب کا انتظار کرنا پڑے تو اس کا مطلب ہے کہ محبوب کی محبت میں کھوٹ ہے۔

وہ حیات علی کے ساتھ چل پڑی تھی، حیات علی کی کار ایک درمیانے درجے کے محلے میں داخل ہوگئی، وہ اس وقت سادہ لباس میں تھا، کار بھی اس کی اپنی تھی یعنی سرکاری نہیں تھی، جس مکان کے سامنے اس نے کار روکی، وہ ایک سو میں گز پر بنا ہوا تھا لیکن صاف ستھرا تھا، دروازے کی بیل بجائی تو ایک بزرگ صورت آدمی نے دروازہ کھولا، تقریباً پچپن یا ساٹھ کے درمیان ہوں گے، ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔ ''جی فرمایئے؟''

''آپ محفوظ علی صاحب ہیں نا؟''

''جی...... جی۔''

''آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''آیئے میں کمرہ کھولتا ہوں۔'' انہوں نے کہا اور ایک سادہ سے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا، وہ کسی قدر حیران نظر آرہے تھے۔

حیات علی نے کہا۔ ''میرا نام حیات علی ہے، پولیس کی ملازمت کرتا ہوں، یہ میری منگیتر ثنا حیدر ہیں، محفوظ علی صاحب! میں آپ سے شمشاد علی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔''

ان الفاظ کا تاثر فوراً محفوظ علی کے چہرے پر نمودار ہوا، وہ خوف زدہ سے ہوگئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''حیات علی صاحب! کوئی دکھ کی خبر دینے تو نہیں آئے آپ مجھے، تقریباً چار مہینے سے میں اپنے بیٹے سے نہیں مل سکا ہوں، کیوں نہیں مل سکا، خدا کیلئے آپ اس کی تفصیل نہ پوچھئے گا۔''

''نہیں آپ مطمئن رہیں، کوئی بری خبر نہیں ہے، آپ سے ملاقات کے بعد شمشاد علی سے بھی ملوں گا۔''

''اللہ کا شکر ہے پھر آپ مجھ سے کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟''

''بالکل ابتدائی معلومات...... میں جانتا ہوں کہ مجھے اس کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن براہ کرم آپ مجھ سے تعاون کیجئے، کچھ ایسے خیالات میرے ذہن میں ابھرے ہیں جن کی بناء پر ممکن ہے میں شمشاد علی کی کچھ مدد کرسکوں، آپ کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ شاید میں شمشاد علی کو بے گناہ ثابت کرسکوں، آگے اللہ کی مرضی ہے۔''

محفوظ علی صاحب نے بدستور آزردگی سے کہا۔ ''بے گناہ تو وہ تھا اور ہے اور بے گناہ ثابت بھی ہوگیا تھا لیکن بس ہماری تقدیر میں یہی سب کچھ تھا، اللہ تعالیٰ کی رضا یہی تھی۔''

''آپ مجھے ابتداء سے کچھ بتانا پسند کریں گے؟''

''کچھ نہیں عزیزم! یہ گھر جو آپ دیکھ رہے ہیں، کچھ عرصے پہلے ایک کچا گھر تھا، میں نے ایک اسکول ماسٹر کی حیثیت سے زندگی گزاری، بیگم ہیں میری اور دو بچے ہیں، ایک بیٹی اور ایک بیٹا...... اللہ تعالیٰ اسے اپنی پناہ، اپنی امان میں رکھے، شمشاد علی گریجویشن کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں تھا کہ اسے ایک خاتون ملیں جنہوں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، نوجوان لڑکا تھا وہ خود بھی اس طرف متوجہ ہوگیا بعد میں پتہ یہ چلا کہ وہ خاتون بہت بڑی حیثیت کی مالک ہیں، قصبہ امیر شاہ کے مالک راجہ ہدایت خان کی وہ بہن تھیں۔ شاید وہ صاحب اختیار بھی تھیں کیونکہ راجہ ہدایت خان تک بات پہنچی تو انہوں نے شمشاد علی کو طلب کرلیا، کچھ شرائط رکھیں انہوں نے، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ شمشاد علی اپنے ماضی کو بھول جائے گا، اپنے ماں، باپ اور بہن کو بھول جائے گا، وہ جس حیثیت سے اسے سامنے لائیں گے، وہ اس حیثیت سے سامنے آئے گا، شاید آپ یقین نہ کریں کہ شمشاد علی نے ان کی شرائط قبول نہیں کیں اور یہ کہہ کر آگیا کہ وہ ان لوگوں کے قابل نہیں ہے لیکن پھر ایک دن کچھ لوگ اسے گھر سے اغوا کرکے لے گئے، ایک ہفتے تک وہ گھر واپس نہیں آیا اور ہم لوگ بے کسی اور بے بسی سے مارے مارے پھرتے رہے پھر جب وہ واپس آیا تو اس کا جسم زخموں سے چور تھا، خوب چوٹیں لگی ہوئی تھیں اس کے بدن پر، اس نے ہمیں بتایا کہ اسے اغوا کرکے ایک جگہ پہنچا دیا گیا تھا جہاں اس پر تشدد کیا گیا اور اس کے بعد حکم ہوا کہ راجہ ہدایت خان کی بہن کے سلسلے میں جو کچھ اس سے کہا گیا ہے، اسے وہ کرنا ہوگا، اس کے نتیجے میں اسے بہت کچھ ملے گا، یہ عجیب و غریب کہانی تھی، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا، ہم نے اپنے طور پر اس سلسلے میں احتجاج کیا، علاقے کے تھانے میں رپورٹ درج کرائی، پہلے تو ہمیں سنجیدگی سے سنا گیا لیکن غالباً چوتھے پانچویں دن ہی محکمہ پولیس کے چند افراد شمشاد علی کو پھر لے گئے اور اسے دھمکیاں دی گئیں اور کہا گیا کہ اگر اس نے یہ بات کہیں باہر نکالی تو اس کے پورے گھر کو تباہ کردیا جائے گا، جو کچھ اس سے کہا جا رہا ہے، وہی کرے، قانون نے ہی ہماری دادرسی نہ کی تو کس کے پاس جاتے، ہم بالکل بے سہارا لوگ تھے، میں نے میری بچی اور میری بیوی نے شمشاد سے کہا کہ شمشاد مان لو ان کی بات، ہم لوگ کچھ بھی نہیں کرپائیں گے پھر تیسری بار بھی شمشاد کو اغوا کیا گیا، وہ لوگ اسے مسلسل دھمکیاں دیتے رہے، یہاں تک کہ میں نے شمشاد کو اس بات پر آمادہ کرلیا۔'' اور اس کے بعد محفوظ علی صاحب کی آواز رندھ گئی، بمشکل تمام وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے پھر انہوں نے کہا۔ ''اور پھر شمشاد چلا گیا، وہ پہلی بار کوئی تین مہینے بعد آیا اور آنے کے بعد اس نے غمزدہ لہجے میں بتایا کہ اس کی شادی رانیہ سے کردی گئی ہے اور وہ راجہ ہدایت خان کی حویلی میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ رہ رہا ہے لیکن اس کا دل ہم لوگوں میں پھنسا ہوا ہے، اس نے کہا کہ اسے اجازت دی گئی ہے کہ ہمارا مکان وغیرہ بنوا کر ہمیں دے سکے، میں نے اسے منع کیا تھا لیکن اس نے کہا کہ نہیں ابو آپ جانتے ہیں کہ میں بے قصور ہوں، ہماری مجبوریاں ہمیں یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر رہی ہیں اور بیٹے پھر دنیا کی عجیب و غریب کہانی شروع ہوگئی، یہ گھر جس شکل میں ہے، ہمارے فرشتے بھی اسے اس طرح نہیں بنوا سکتے تھے، یہ ضرورت پوری ہوگئی اور اس کے بعد ہمیں اچھی خاصی رقم بھی ملنے لگی، میں نے اپنی بیٹی صبا کیلئے رشتہ تلاش کیا، وہ لوگ ہر طرح سے ہماری کفالت کر رہے تھے لیکن ایک شرط تھی ان کی وہ یہ کہ شمشاد علی یہاں پر آئے، نہ ہم کبھی اس سے ملنے کی کوشش کریں گے، ہاں اگر کبھی بہت زیادہ ضرورت ہوئی تو رات کی تاریکی میں وہ کچھ وقت کیلئے ہمارے پاس آجایا کرے گا اور ایسا ہونے لگا، بس اس کے بعد ہمیں کچھ نہیں معلوم، ایک طویل وقت گزر گیا اور اس کے بعد ایک دن کچھ غنڈے ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ شمشاد علی ایک جرم کے الزام میں گرفتار ہوگیا ہے، وہ مجرم ہے، اس نے جرم کیا ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر پولیس اس سلسلے میں تفتیش کرنے آئے تو ہم یہ کہیں کہ وہ ایک طویل عرصے سے غائب ہے اور اس نے گھر کی طرف رخ نہیں کیا ہے، انہوں نے پھر ہمیں دھمکیاں دیں کہ اگر ہم نے اپنے طور پر کچھ اور کرنے کی کوشش کی تو ہمارا برا حال کردیا جائے گا، ہم تو شروع سے ہی برے حال کا شکار ہوچکے تھے، صبر کے سوا چارہ کار کیا تھا لیکن ایسی باتیں چھپی کہاں رہا کرتی ہیں، شمشاد علی کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں بھی شائع ہوئی اور اس کی تصویریں وغیرہ بھی چھپیں، ہم تو کچھ بھی نہیں کرسکے، خاموش، بے یارو مددگار بیٹھے ہوئے ہیں، بیٹے کو عمر قید ہوگئی ہے، بھلا ہم کیا کرسکتے تھے اور کیا کرسکتے ہیں، سوائے صبر کے۔'' محفوظ علی رونے لگے، رونے کی نسوانی آوازیں اندر سے بھی آرہی تھیں، غالباً بیگم محفوظ علی اور ان کی بیٹی صبا کہیں آس پاس ہی موجود تھیں۔

ثنا حیدر بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے محفوظ علی سے کہا۔ ''اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر چلی جاؤں؟''

محفوظ علی نے آنسو بھری آنکھوں سے گردن ہلادی اور ثنا اٹھ کر اندر چلی گئی۔ بہت ہی پاکیزہ شکل کی ایک خاتون تھیں جو دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر سسک رہی تھیں اور ایک سادہ سی لڑکی انہیں کاندھوں سے پکڑ کر سہارا دے رہی تھی۔

ثنا، صبا کی والدہ کو تسلی دیتی ہوئی بولی۔ ''میں صرف ایک بات کہوں گی خالہ جان! اللہ تعالیٰ نے شمشاد بھائی کو اگر زندگی عطا کی ہے تو وہ ان کی بہتری کا سامان بھی کرے گا، آپ ماں ہیں بس دعا کیجئے گا ان کے حق میں۔'' واپسی میں ثنا بہت زیادہ متاثر تھی اور گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''جی محترمہ......! نیلے چاند کی چاندنی میں عمدہ سا کھانا کھایا جائے یا پھر......؟''

ثنا نے نگاہیں اٹھا کر حیات علی کو دیکھا اور بولی۔ ''بہت اداس ہوگئی ہوں حیات! جہاں چاہو چلو۔''

حیات علی نے کار کا رخ ہوٹل ''بلوموں'' کی جانب موڑ دیا تھا۔

(جاری ہے)

نجانے کیوں ذہن کو ایک گھٹن کا سا احساس ہو رہا تھا۔ محفوظ علی اور ان کے چھوٹے سے خاندان کا دکھ دیکھ کر کوئی بھی صاحب دل غمزدہ ہو سکتا تھا، بڑی بے کسی کا شکار تھا یہ گھرانہ...... محفوظ علی کی نوجوان بیٹی جس کے نقوش اچھے خاصے دلکش تھے اس طرح نظر آ رہی تھی جیسے کوئی وحشت زدہ نگاہوں سے تکتا ہو اور سوچتا ہو کہ کیا یہ درودیوار اس کی پناہ گاہ بن

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 4

سکتے ہیں، بھائی جوان اور ماں، باپ کا واحد سہارا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھن گیا ہو تو زندگی کس قدر خوف کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ احساس اس گھرانے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

بلیو مون کے ایئر کنڈیشنڈ ڈائننگ ہال میں بیٹھ کر حیات علی نے کچھ اشیاء کا آرڈر دیا اور ثنا کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''تم بہت زیادہ متاثر ہو گئی ہو ثنا!''

''دل تو ہے نا سینے میں حیات! کیا انسان، انسان کے دکھ سے متاثر نہیں ہوتا، میں سمجھتی ہوں مالک کائنات نے دلوں کے درمیان جو بے نام اور بے غرض رشتہ پیدا کر دیا ہے، وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔''

''ہاں لیکن اس نے دلوں کی ساخت بھی عجیب بنائی ہے، کہیں وہ پتھر دل جو کسی کو زندہ درگور کر دیتے ہیں اور کہیں وہ جو انہیں اس گور سے نکال لینا چاہتے ہیں، اپنی جان کی بازی لگا کر۔''

''بالکل ٹھیک کہتے ہو حیات! ہم اس خاندان کیلئے کیا کر سکتے ہیں؟''

''ثنا! تمہاری یہ کیفیت دیکھ کر میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو موت و زیست کی کشمکش سے نکالوں جو بے گناہ ہیں اور دوسروں کے مظالم کا شکار ہو گئے ہیں، میں ان گناہگاروں کو جنہوں نے اپنے گرد مضبوط خول چڑھا رکھے ہیں، منظر عام پر لا کر سزا دلواؤں گا بشرطیکہ تم میرا ساتھ دو اور خدا کرے کہ تمہارے یہ خواب سچے ہی نکلا کریں اور ان پراسرار آنکھوں کی رہنمائی ہمیں بے گناہوں کو بے گناہ ثابت کرنے میں مددگار ثابت ہو، کبھی کبھی قدرت بڑے انوکھے ذرائع سے کام لے کر مظلوموں کی دادرسی کراتی ہے، اچھا خیر ہم لوگ بہت زیادہ جذباتی ہو گئے، کیا کہتی ہو اب اس سلسلے میں؟''

''جناب انسپکٹر صاحب! فیصلہ آپ کریں گے، میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''میرا خیال ہے ہم پہلے شمشاد علی سے مل لیتے ہیں اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے؟''

''ٹھیک ہے مگر شمشاد علی سے ملاقات تو جیل میں ہی ہو سکتی ہے۔''

''ہاں میں کوشش کر لیتا ہوں، یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے اور پھر اس کے بعد میں تمہیں اس بارے میں اطلاع دوں گا۔''

اسپتال کے معمولات جوں کے توں تھے، ثنا اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں لگ گئی اور ادھر سرپھرا حیات علی اپنی کوششوں میں مصروف ہو گیا لیکن اسے اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب جیل میں اس کی شمشاد علی سے ملاقات کی درخواست مسترد کر دی گئی۔ اس نے جیلر سے کہا۔

''سر! یہ میرا سروس کارڈ ہے، میں پولیس انسپکٹر ہوں، کسی سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھئے جناب! اس سے ملاقات نہیں کرائی جا سکتی، اصل میں وہ ذہنی مریض ہے اور ایک دو بار اپنے ملاقاتیوں پر حملہ کر چکا ہے، یہ دیکھئے اس کی میڈیکل رپورٹ ہے۔'' جیلر نے ایک میڈیکل رپورٹ حیات علی کو دکھائی اور حیات علی پریشان ہو گیا۔ جیلر نے مزید کہا۔ ''اس کے والدین ہیں، لیکن انہیں بھی ملاقات کی اجازت نہیں دی جاتی اور پھر وہ اپنی سزا بھگت رہا ہے، وہ کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جا سکے، ہم معذرت خواہ ہیں۔''

ایس ایس پی سجاد حسین سے جب حیات علی نے دل کی بات بتائی تو وہ بولے۔ ''وہ شخص خود میرے لئے بڑی ہمدردی کا مقام رکھتا ہے لیکن ایک بات بتاؤ تم اس کیلئے اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟''

''سر......! آپ نے خود ہی ایک دو بار اس سلسلے میں مجھ سے بات کی تھی اور بڑے ہمدردانہ جذبے کا اظہار کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اس شخص کی بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نکل آئے تو میں اس کیلئے اپنی نوکری تک داؤ پر لگانے کو تیار ہوں۔''

''اور تم یقین کرو، ایسی ہی بات ہے، میں اب بھی اس کیلئے دل میں یہی جذبہ رکھتا ہوں۔''

''اور پھر سب سے پہلے آپ یہ کوشش کیجئے کہ جیل میں اس سے ملاقات کی جا سکے، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ملاقات پر پابندی کسی بااثر شخصیت نے لگوائی ہے، باقاعدہ اس کا ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا گیا ہے جس میں درج ہے کہ وہ ذہنی مریض ہے اور ملاقات کے دوران کسی پر حملہ بھی کر سکتا ہے۔''

''آپ یقین کیجئے ایسی بات بالکل نہیں ہے لیکن بس ایک تحریک دل میں پیدا ہوئی ہے خاص طور سے ڈاکٹر تصور جلیل کے کیس کے بعد اس کیس کی نوعیت بالکل مختلف ہے لیکن میں اس کے سلسلے میں کوشش کرنا چاہتا ہوں اور اس کیلئے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔''

''میں آئی جی صاحب سے پریشر ڈلواتا ہوں، میرا خیال ہے یہ کام ہو جائے گا۔'' اور ایس پی سجاد حسین نے یہ کام واقعی کر دکھایا۔ ثنا اور حیات علی کی ملاقات منظور کرا دی گئی۔

حیات علی نے کہا۔ ''ثنا! تجربہ کر کے دیکھو، پہلے شمشاد علی کو نگاہوں میں لاؤ اور اس کے بارے میں اندازہ لگاؤ، یہ صحیح معنوں میں ایک دلچسپ تجربہ ہوگا۔''

ثنا جیل جاتے ہوئے ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ حیات علی نے اسے اسپتال کے باہر سے ساتھ لیا تھا، جب وہ جیل پہنچے تو جیلر ان کا منتظر تھا۔

''آپ جس سلسلے میں بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں، ضرور ملئے، ظاہر ہے اوپر کے احکامات کو میں ٹال نہیں سکتا لیکن ایک دوستانہ درخواست کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی فرمایئے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اس ملاقات کو مکمل طور پر صیغہ راز میں رکھیں کیونکہ اس طرح میرے لئے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔''

''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں جیلر صاحب یہ بات راز رہے گی، میں آپ کو آپ کے ہر طرح کے مفادات کے تحفظ کا یقین دلاتا ہوں بشرطیکہ آپ آئندہ بھی مجھ سے تعاون کرتے رہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' جیلر نے کہا۔

شمشاد علی کو کمرۂ ملاقات میں لایا گیا تو ثنا کے دل میں اس کیلئے ہمدردی اور بڑھ گئی۔ شمشاد علی گردن جھکا کر ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ شمشاد علی اپنی بہن کا ہم شکل تھا اور اس کے چہرے پر بڑی معصومیت نظر آ رہی تھی۔

''میں آپ لوگوں کو نہیں پہچانتا۔''

''شمشاد علی! دو چار باتیں کرنے آئے ہیں تم سے، اگر تم مناسب سمجھو تو بتا دو۔''

''جی فرمایئے۔''

''بس یونہی محفوظ علی صاحب اور آپ کی والدہ سے ملاقات ہوئی تھی، بہن کو بھی دیکھا تھا، انہوں نے آپ کے بارے میں تفصیل بتائی تو ہم نے ان سے وعدہ کر لیا کہ ہم آپ سے ملاقات کی کوشش کر کے آپ کی خیریت ان تک اور ان کی خیریت آپ تک پہنچائیں گے۔''

''آہ کیسے ہیں میرے ماں، باپ؟'' شمشاد علی نے بے قراری سے پوچھا۔

''ظاہر ہے، جس مشکل کا شکار وہ ہوئے ہیں، اس کے بعد یہ کہنا تو سراسر جھوٹ ہوگا کہ وہ خیریت سے ہیں، دکھی ہیں اور مشکلات کا شکار ہیں، ظاہر ہے بیٹے کی جدائی معمولی بات تو نہیں ہوتی۔''

شمشاد علی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے کہا۔ ''کیا انہیں مالی مشکلات بھی ہیں؟''

''میرا خیال ہے نہیں۔''

''ہاں خاصی بڑی رقمیں میں نے ان کے نام سے بینک میں جمع کرا دی تھیں، میرے یہاں آنے کے بعد تو ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔''

''میرا خیال ہے نہیں...... وہ خیریت سے ہیں بس بیٹے کی جدائی سے غمزدہ ہیں۔''

''عمر قید ہوئی ہے مجھے، اب دیکھیں عمر کہاں تک ساتھ دیتی ہے، ویسے ایک بات آپ کو بتاؤں اسے ذہن میں رکھئے گا جب میری عمر قید کی سزا پوری ہو جائے گی تو مجھے فوراً ہی کسی دوسرے جرم میں ملوث کر دیا جائے گا یا ہو سکتا ہے مجھے جیل میں ہی زہر دے دیا جائے اور میں زندہ یہاں سے نہ نکل سکوں۔''

ان الفاظ پر حیات علی اور ثنا دونوں چونکے تھے۔ ثنا بغور شمشاد علی کا جائزہ لے رہی تھی۔

حیات علی نے اس سے پوچھا۔ ''آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟''

جواب میں شمشاد علی نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''خدا کے واسطے میرے ان الفاظ پر مجھے معاف کر دیجئے گا، میں ان کی وضاحت نہیں کر سکتا۔''

حیات علی نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

اس کے بعد وہ اس سے ادھر ادھر کے سوالات کرتے رہے اور پھر ملاقات کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی انہوں نے اس سے اجازت چاہی۔ بہت سی باتیں کہی تھیں اس نے اپنے والدین کیلئے...... یہ بھی کہا تھا کہ اگر دوبارہ وہ لوگ یہاں آ سکیں یا اپنے ذرائع سے کام لے کر والد یا والدہ صاحبہ کو ملاقات کیلئے یہاں لا سکیں تو وہ زندگی بھر ان کا احسان مانے گا پھر خود ہی وہ مایوس لہجے میں بولا تھا۔ ''لیکن نہیں آپ ایسا نہ کریں، ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے، ہمارے دلوں میں سلگتی آگ چنگاریوں کی طرح روشن تو ہے لیکن شعلے دب گئے ہیں اور اب صرف سوزش باقی ہے، دوبارہ ملیں گے تو یہ آگ پھر بھڑک اٹھے گی۔''

حیات علی اس سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو جیلر نے ایک بار پھر اس سے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب! تعاون کیجئے گا۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں جیلر صاحب کہ آپ اس سلسلے میں اس قدر احتیاط کیوں برت رہے ہیں؟''

''نہیں بتا سکتا اور براہ کرم آپ حد سے آگے نہ بڑھیں، یہ بھی آئی جی صاحب کی ہدایت تھی ورنہ شاید میں اس قدر جرأت نہ کرتا، اچھا خدا حافظ۔''

ایک عجیب سا پراسرار تاثر ان دونوں کے ذہنوں پر قائم ہو گیا تھا لیکن یہ اچھا ہی تھا کیونکہ ثنا اپنے آپ کو شمشاد علی کے بارے میں خواب دیکھنے کیلئے تیار کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

چھوٹا سا گھر، پریشان حالی کی تصویر، لیکن گھر کے مکین ہر حال میں خوش...... اللہ نے جو کچھ عطا کیا، اس کی عنایت...... محفوظ علی، رقیہ بیگم، شمیمہ ہر حال میں خوش رہنے والے۔

شمشاد روزانہ نوکری کی تلاش میں نکلتا تھا اور محفوظ علی اس کی ہمت بندھاتے تھے۔ ''بیٹے! تمہیں تو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں نوکری کی تلاش میں نکلے ہوئے، ہم سے پوچھو، پورے چار سال بیکار رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ہے پھر اللہ نے سنبھالا، نوکری مل گئی، تمہیں بھی مل جائے گی، فکر مت کرنا۔''

پھر ایک دن ایک جنرل اسٹور سے نکلتے ہوئے ایک خوبصورت سی لڑکی سے ملاقات ہوئی، اس نے عجیب سی نگاہوں سے شمشاد علی کو دیکھا تھا اور بے تکلفی سے اس کے قریب پہنچ گئی تھی۔

''معاف کیجئے گا، میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، آپ کا نام صفدر علی ہے نا؟''

شمشاد اسے دیکھ کر ایک لمحے کیلئے مسحور سا ہو گیا تھا، لڑکی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

شمشاد نے بدحواسی سے کہا۔ ''نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میرا نام شمشاد علی ہے۔''

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی شمشاد صاحب......! لوگ مجھے رانیہ کہتے ہیں۔''

''جی......!''

''آپ نے قصبہ حمید شاہ کا نام تو سنا ہوگا؟''

''جج...... جی...... جی۔''

''یوں سمجھ لیجئے آدھا قصبہ ہماری ملکیت ہے اور اس کے اطراف میں پھیلی ہوئی زمینیں۔''

''جی۔''

''ارے کیا جی جی کر رہے ہیں آپ، آیئے میرے ساتھ ایک کپ چائے پیجئے۔''

''جی وہ میں......!''

''سنئے...... جب کوئی بہانہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔''

''گویا آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''جی...... ہاں۔''

''تو آئیں پھر میرے ساتھ چائے پئیں نا۔''

ریستوران میں اس نے کہا۔ ''شمشاد علی صاحب معاف کیجئے گا مجھے کسی صفدر علی کی تلاش نہیں تھی بس آپ مجھے ایک نگاہ میں اچھے لگے تھے اصل میں یہ برائی ہے۔ میرے اندر کہ اپنی کسی کیفیت کو چھپا نہیں پاتی، بے اختیار دل چاہا کہ آپ سے ملاقات کروں، اچھا جناب! آپ نے اعتراف کیا ہے کہ میں آپ کو بری نہیں لگی، آپ مجھے اپنا پتہ بتایئے۔''

''وہ...... میں یہاں ہی پسماندہ بستی میں رہتا ہوں، میری، میرا مطلب ہے......!''

''جی میں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی ہوں لیکن جناب آپ مجھے اچھے لگے ہیں، برا نہ مانیئے گا اور یہ بھی نہ سمجھئے گا کہ ہر شخص مجھے اچھا لگنے لگتا ہے اور میں کوئی کھیل کھیلنے لگتی ہوں، بالکل ایسی بات نہیں، مجھے بدکردار نہ سمجھیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔''

''ارے نہیں، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟''

''بس آپ مجھے اچھے لگے ہیں اور میں آپ سے ملتے رہنا چاہتی ہوں۔''

''جی......!''

''پتہ بتایئے اگر آپ غائب ہو گئے تو میں کیا کروں گی؟''

شمشاد علی نے اسے اپنا پتہ بتایا لیکن وہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تیز تھی۔ شمشاد کے ساتھ اس کے گھر آئی، محفوظ علی، شمیمہ اور رقیہ بیگم سے ملی، ان سے خوب باتیں کیں اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔

محفوظ علی تشویش بھری نگاہوں سے شمشاد علی کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ ''کتنی ملاقاتیں ہو چکی ہیں؟''

جواب میں شمشاد نے سادگی سے اس ملاقات کے بارے میں بتایا۔

''بہت تیز لڑکی ہے اور بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے، اپنے تجربے کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ غلط کردار کی واقعی نہیں ہے لیکن کافی خطرناک ہے، ذرا ہوشیار رہنا۔''

اب بیچارہ شمشاد کیا ہوشیار رہتا۔

دوسری ملاقات ہوئی۔ شمشاد علی گھر سے باہر نکلا تھا کہ رانیہ کی کار اس کے برابر آ کر رک گئی۔

''اور جناب تو کبھی یہ کوشش نہ کرتے کہ میں آپ سے ملوں، نہ میرا ٹیلیفون نمبر لیا، نہ میرے گھر کا پتہ، آیئے بیٹھ جایئے شرافت کے ساتھ۔''

شمشاد اس کے ساتھ بیٹھ گیا، پورا دن وہ اس کے ساتھ رہی اور اس دن شمشاد کو رات کو بستر پر نیند نہیں آئی، رانیہ ہی کے بارے میں سوچتا رہا تھا، یہاں تک کہ پھر ایک دن رانیہ نے اسے پیشکش کی کہ وہ اس کے بھائی سے ملے۔

''میں نے اپنے بھائی جان سے بات کر لی ہے، میرے بھائی جان کا نام راجہ ہدایت خان ہے۔''

''مگر میں......!'' شمشاد نے وعدہ تو کر لیا مگر اس کی ہمت نہ پڑی، یہاں تک کہ ایک دن وہ گھر سے باہر نکلا تو ایک کار اس کے برابر آ کر رکی اور اسے کار کے اندر کھینچ لیا گیا، پھر اس کے چہرے پر ایک رومال رکھ دیا گیا، جس میں غالباً کوئی بے ہوش کرنے والی چیز تھی۔

اور اس کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک انتہائی خوبصورت سجے سجائے کمرے میں تھا، بستر پر لیٹا ہوا تھا اور ایک بہت ہی پررعب شخصیت کا مالک دراز قامت آدمی اس کے سامنے موجود تھا، اسے دیکھ کر دل پر ہیبت طاری ہوتی تھی، کچھ ایسا ہی رعب تھا اس کے چہرے پر، اس نے کہا۔ ''رانیہ تم سے محبت کرتی ہے۔''

شمشاد خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''اور تم اس سے گریز کرتے ہو، ایسی ہی بات ہے؟''

''وہ جناب دراصل میں......!''

''نہیں...... کچھ نہیں، نہ خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہے، نہ پریشان ہونے کی، تمہیں ہر صورت رانیہ سے شادی کرنا ہوگی۔''

''جج...... جی......!'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ہم تمہارے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکے ہیں، ایک غریب سے گھرانے کے انسان ہو، لیکن ہمیں رانیہ سے بہت زیادہ پیار ہے، ہم اس سے تمہاری شادی کر دیں گے لیکن تمہیں سب کچھ بھولنا ہوگا، اپنا ماضی، اپنے ماں، باپ...... ہاں تم ان کیلئے جو چاہو کر سکتے ہو، تمہارا کچا مکان خوبصورت پکے مکان میں تبدیل ہو جائے گا، تمہارے والدین کیلئے اتنا بینک بیلنس مہیا کر دیا جائے گا کہ تمہارے بغیر انہیں کوئی تکلیف نہ ہو لیکن تم اس گھر کو بھول جاؤ گے، اپنے والدین کو بھول جاؤ گے، کوئی بھی تمہیں یاد نہیں رہے گا، ہم تمہیں جو حیثیت جو نام دیں گے، تمہیں اسی نام کے ساتھ بقیہ زندگی گزارنی ہوگی اور سنو......! یہ تمہیں سوچنے کیلئے نہیں بتایا جا رہا، سوچتے صرف ہم ہیں اور کرتے دوسرے ہیں، کیا سمجھے؟''

لیکن اس کے باوجود وہ تیار نہ ہوا تو ایک دن پھر اسے اسی طرح اغوا کر لیا گیا اور جب پھر وہ واپس آیا تو اس کا جسم زخموں سے چور تھا، گھر والوں کو اس نے راجہ ہدایت خان کے بارے میں بتایا اور محفوظ علی اس کی رپورٹ درج کرانے پر تیار ہو گئے لیکن تھانے میں ان لوگوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ وہ یہ بات کہیں باہر نہ نکالے۔ پھر اس کے بعد محفوظ علی بھی مجبور ہو گئے اور شمشاد، قصبہ امیر شاہ چلا گیا۔ راجہ ہدایت خان کی شاندار حویلی میں اسے خوش آمدید کہا گیا اور سادگی سے اس کا نکاح رانیہ سے کر دیا گیا۔ زندگی گزرتی رہی، اسے اپنے ماں، باپ سے ملنے کی اجازت نہیں تھی لیکن کبھی کبھی ٹیلیفون پر وہ ان سے بات کر لیا کرتا تھا، یہ ٹیلیفون بھی راجہ ہدایت خان نے اسے خرید کر دیا تھا کہ وہ اپنے والدین کو دے دے۔ غرضیکہ وہ وہاں پرسکون زندگی گزار رہا تھا کہ ایک دن رانیہ اس کے پاس آئی اور اس سے کہا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اور میں ایک آزاد زندگی گزار رہے ہیں؟''

''نہیں رانیہ......! ہم آزاد کہاں ہیں۔''

''تمہارے دل میں یہ خیال کبھی پیدا نہیں ہوا کہ ہم بھی آزادی سے فضا میں اڑنے والے پنچھیوں کی طرح وقت گزاریں، پہلی بات تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے زبردستی تم سے شادی کی ہے، اپنے بھائی کو مجبور کر کے، کیا تم نے کبھی دل سے مجھے قبول کیا؟''

''تم نے کیا محسوس کیا رانیہ......! کیا میری ذات سے تمہیں کوئی شکایت ہوئی؟''

''بے شک شکایت نہیں ہوئی، لیکن میں نے تمہارے اندر محبت کی وہ امنگ بھی نہیں پائی۔''

''اس میں تمہاری محبت میں کمی کا کوئی دخل نہیں ہے بس یوں سمجھ لو کہ میں اپنے ماں، باپ سے دور رہ کر خوش نہیں ہوں۔''

''شمشاد......! میں ایک سازش کا شکار ہو رہی ہوں، بہت بڑی سازش کا شکار ہو رہی ہوں، مجھے اپنی زندگی کا خطرہ ہے، میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ ہدایت خان صاحب میرے سگے بھائی نہیں ہیں، کہانی بہت لمبی ہے بعد میں تفصیل بتاؤں گی، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تمہیں خاموشی سے لے کر یہاں سے نکل جاؤں گی۔''

شمشاد بیچارہ سیدھا سادہ آدمی تھا، وہ خوف زدہ ہو گیا اور بولا۔ ''مگر رانیہ......! اگر راجہ صاحب کو پتہ چل گیا تو؟''

''ہم انہیں پتہ نہیں چلنے دیں گے، میں اپنے زیورات اور نقد رقم جو بہت بڑی ہے اور ہماری زندگی میں بھرپور معاون ثابت ہو سکتی ہے، لے کر یہاں سے نکل جائیں گے، میں جانتی ہوں کہ اگر ہم پولیس سے مدد لیں گے تو وہ راجہ صاحب ہی کی مدد کرے گی، ہم خاموشی سے یہاں سے نکل چلیں گے اور کسی گمنام گوشے میں جا کر زندگی کا آغاز کر دیں گے۔''

"رانیہ! مجھے ڈر لگتا ہے، تم جانتی ہو کہ راجہ صاحب بڑی پراسرار قوتوں کے مالک ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں یہ قدم اٹھانے کیلئے مجبور ہوں، تم میرے شوہر ہو، میرا ساتھ دو، بزدلی مت دکھاؤ۔"

"ٹھیک ہے، جیسا تم پسند کرو۔"
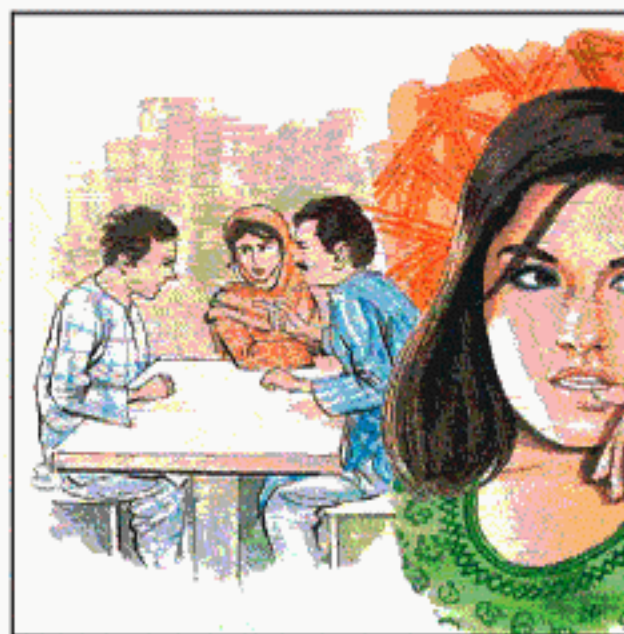
اور اس رات باہر بارش ہو رہی تھی، جب رانیہ ایک بہت بڑا سوٹ کیس لے کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ "اس میں چند جوڑی کپڑے ہیں اور زیادہ تر میرے زیورات اور لاکھوں روپے کی دولت بھری ہوئی ہے، چلو نکلتے ہیں۔"

"نہیں رانیہ اس طرح گھر چھوڑ کر نہیں جاتے بیٹے! تم جانتی ہو کہ اگر تم چلی گئیں تو میری کتنی بڑی بدنامی ہوگی، جہاں تک اس دولت کا تعلق ہے جو تمہارے اس سوٹ کیس میں ہے، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور لالچ بھی نہیں ہے چونکہ میرے پاس بہت کچھ ہے لیکن تم اس طرح چلی جاؤ گی، یہ مشکل ہے۔" دروازے سے راجہ ہدایت خان کی آواز سنائی دی تھی اور شمشاد علی اور رانیہ کے جسم کا سارا لہو خشک ہو گیا تھا، دونوں تھر تھر کانپنے لگے تھے۔

"چلو شمشاد سوٹ کیس اٹھاؤ، آؤ رانیہ بیٹے آؤ، تمہیں اگر مجھ سے کوئی شکایت ہے تو ہم دیکھ لیں گے، آپس میں کوئی صحیح فیصلہ کر لیں گے۔"

رانیہ کو تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا، دونوں نے مشینی انداز میں عمل کیا اور راجہ ہدایت خان کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ راجہ ہدایت خان انہیں ایک کمرے میں لے گیا تھا اور پھر اس نے انہیں ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔ "میری بہن مجھ سے جدا ہو جائے گی، وہ میرے بارے میں دل میں اتنے برے خیالات رکھتی ہے، میرے بچو! مجھے بتاؤ میں نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے، میں اس کا ازالہ کروں گا۔" یہ کہہ کر راجہ ہدایت خان نے ایک ملازمہ کو آواز دی اور اس سے کوئی مشروب لانے کیلئے کہا۔

تین گلاس مشروب آ گئے اور راجہ صاحب کے محبت بھرے انداز پر دونوں نے مشروب کے گلاس اٹھائے اور انہیں خالی کر دیا۔ راجہ صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن گلاس کا مشروب ختم کرتے ہی ان پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

اور پھر دوسرے دن جب نجانے کس وقت شمشاد کی آنکھ کھلی تو اس نے رانیہ کو لہولہان اپنے قریب پڑے ہوئے دیکھا، اس کا چہرہ پتھر سے بری طرح کچل دیا گیا تھا اور وہ انتہائی بری حالت میں لاش کی شکل میں اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھی، ساتھ ہی لوہے کا وہ ہتھیار بھی تھا جس سے رانیہ کے چہرے کو پاش پاش کر دیا گیا تھا، ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی، پیشانی کرچی کرچی ہو گئی تھی، جبڑے ٹوٹ کر پھیل گئے تھے، ایک بھی دانت سلامت نہیں تھا، اتنی بھیانک شکل ہو گئی تھی رانیہ کی کہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ سب سے پہلے ایک ملازمہ نے اس کی لاش دیکھی تھی اور دہشت سے چیختی ہوئی کئی قدم آگے بڑھی تھی اور پھر گر کر بے ہوش ہو گئی تھی۔

بس اس کے بعد شمشاد کو گرفتار کر لیا گیا، لوہے کے اس ہتھیار پر شمشاد کے ہاتھوں کے نشانات موجود تھے، وہ لاکھ انکار کرتا رہا کہ وہ قاتل نہیں ہے لیکن تسلیم نہیں کیا گیا، ہاں عدالت اسے سزائے موت نہیں دے سکی کیونکہ کہیں سے کوئی ایسا عینی گواہ نہیں مل سکا تھا اور پھر راجہ ہدایت خان نے یہ ہدایت کر دی تھی کہ اسے سزائے موت کے بجائے عمر قید دلوائی جائے، چنانچہ اسے عمر قید ہو گئی تھی اور اب تقریباً سوا سال ہو گیا تھا، وہ قید میں ہی تھا، یہ تھی شمشاد کی کہانی۔

اور پھر جب دوسری صبح ثنا حیدر کی آنکھ کھلی تو اس کے بدن میں پھر تھرتھری دوڑ گئی۔ شمشاد کو نگاہوں میں لا کر اس نے جو خواب دیکھا تھا، وہ ایک ایسا انوکھا خواب تھا جسے سچ کہتے ہوئے حیرت ہوتی تھی لیکن حقیقت یہی تھی۔

اس نے ساری تفصیل حیات کو بتا دی اور حیات سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"خدا کی پناہ...... تم تو خواب دیکھ رہی تھیں لیکن میں ساری رات جاگتا رہا ہوں اس احساس کے ساتھ کہ کیا واقعی تم سچے خواب دیکھتی ہو مگر جو کہانی تم نے مجھے سنائی ہے، اس قدر مربوط ہے اور اس کے اتنے شواہد ملتے ہیں کہ میں دنگ رہ گیا ہوں۔ ثنا......! خدا کی قسم اگر تمہارے ان خوابوں کو ہم کسی خاص مقصد کیلئے استعمال کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ان سے ہونے والی آمدنی سے ہم دنیا کے امیر ترین لوگ بن سکتے ہیں۔"

"حیات! تم یقین کرو، میرا تو خون خشک ہو کر رہ گیا ہے، جان نکل جاتی ہے میری جب میں اپنی اس پراسرار قوت کے بارے میں سوچتی ہوں۔"

"یہ جان نکلنے کی بات نہیں ہے ثنا! اس طرح تو ہم بڑے بڑے مجرموں کا کچا چٹھا کھول سکتے ہیں، چلو کہانی کا ایک پہلو تو روشن ہو گیا، ہمیں یہ کلیو مل گیا کہ راجہ ہدایت خان نے رانیہ کو خود قتل کرایا ہے لیکن اس کا محرک کیا ہے، کیا صرف ایک سزا...... میں سمجھتا ہوں یہ صرف ایک سزا نہیں ہے اور اب ثنا میں وہ بات کہنے جا رہا ہوں جس پر شاید تم دیر تک لرزتی رہو لیکن یہ سچائی ہے، ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہوگا اور اسے کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔"

"کیا......؟"

"ثنا! ہم قصبہ امیر شاہ چلیں گے اور تمہیں راجہ ہدایت خان کی حویلی میں رہنا ہوگا، اس وقت تک جب تک تم صحیح طریقے سے راجہ ہدایت خان کے بارے میں معلومات نہیں حاصل کر لیتیں۔"

ثنا واقعی دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "حیات! تم مجھ سے وہ کام لے رہے ہو جس کی میں ذرا بھی اہل نہیں ہوں۔"

"نہیں ثنا! میں نے تو اپنی زندگی کیلئے نجانے کیا کیا منصوبے بنا رکھے ہیں، تم یقین کرو میں جس قدر جذباتی ہو گیا ہوں، تمہارا یہ خواب سن کر تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"مگر ہم آخر راجہ ہدایت خان کی حویلی میں کیسے داخل ہوں گے، وہ کونسا طریقہ ہوگا جس کی بنیاد پر میں اس کے سامنے جا سکوں گی، مجھے تو ایسے آدمی سے ہی خوف محسوس ہوگا۔"

"تمہیں یہی خوف اپنے دل سے نکالنا ہے، ثنا میرے لئے۔"

"مگر مجھے بتاؤ تو سہی، ہم وہاں جائیں گے کیسے؟"

"میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کونسا طریقہ کار ہوگا۔"

"ایک بات اور بتاؤ کیا راجہ ہدایت خان کی ہدایت پر ہی جیل میں شمشاد سے ملاقات پر پابندی لگائی گئی ہے؟"

"سو فیصد اور یہ بھی میرے علم میں ہے بلکہ پہلے سے جانتا ہوں اس بات کو کہ شمشاد کو سزا دلوانے میں کسی بڑے آدمی کا ہاتھ تھا، اس بڑے آدمی کا نام منظر عام پر نہیں آ سکا تھا لیکن ہم پولیس والے ہیں، ہم جانتے ہیں کونسا کام کیسے ہوتا ہے۔"

"اسپتال کا کیا ہوگا؟"

"ایک مہینے کی چھٹی میں منظور کرائے دیتا ہوں اور ویسے بھی ثنا بے شک تمہارا گھر سے رابطہ منقطع ہے، لیکن تم نرس کی نوکری کرنے کیلئے مجبور نہیں ہو، میں تمہاری بھرپور کفالت کر سکتا ہوں۔"

"کس حیثیت سے......؟"

"حیثیت تو میں تمہیں کل دینے کیلئے تیار ہوں، لیکن اگر تم خود قبول نہ کرو تو میں کیا کروں، اس وقت میرے پاس ایک فلیٹ خالی پڑا ہوا ہے، میں اسے تمہارے لئے سجا دیتا ہوں۔"

"اکیلی رہوں گی اس فلیٹ میں؟"

"عجیب آدمی ہو ثنا تم...... جب میں کچھ کہتا ہوں تو اسے تسلیم نہیں کرتیں اور باتیں ایسی کرتی ہو کہ دل ڈول ڈول جاتا ہے۔"

"تم دیکھ لو، کیا کر سکتے ہو؟"

"کچھ نہیں، فی الحال تم اپنی ڈیوٹی کرو، میں راجہ ہدایت خان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے تمہیں رپورٹ دیتا ہوں۔"

اور یہ رپورٹ دو دن کے بعد ہی ثنا کو دے دی گئی۔

"جناب عالی! آپ چھٹی اپلائی کر دیں بلکہ درخواست لکھ دیں، میں اسے منظور کرائے لیتا ہوں۔"

"تم کیسے منظور کراؤ گے، میں یہ درخواست باقاعدہ پیش کروں گی۔"

"ثنا! دیکھو، اب یہاں میرا تم سے اختلاف پیدا ہو جائے گا، تم باقاعدہ نہیں بلکہ بے قاعدہ یہ درخواست پیش کرو اور کہو کہ یہ چھٹی تمہارے لئے انتہائی ضروری ہے، اگر چھٹی نہیں ملتی تو تم استعفیٰ دینے کی بات کرو۔" ثنا نے پریشان نگاہوں سے حیات کو دیکھا تو وہ بولا۔ "ثنا! مجھ پر بھروسہ کرو، میں تمہیں ہر طرح سے سنبھال لوں گا۔"

"اوکے۔" ثنا نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

حیات علی اس قدر معمولی شخصیت کا مالک بھی نہیں تھا، درخواست ثنا نے لکھی تھی اور حیات علی کو دے دی تھی، اس شام اسپتال کے آر ایم او نے اس سے کہا تھا۔

"شہر سے باہر جا رہی ہیں مس ثنا حیدر یا کوئی گھریلو مصروفیت ہے؟"

"وہ سر......!"

ثنا ہچکچائی تو آر ایم او نے کہا۔ "اوہ کوئی شادی وغیرہ کا مسئلہ ہے، ہمیں ضرور بلانا، تم جب جا ہو جا سکتی ہو۔"

حیات علی ملا تو بولا۔ "کل سے چھٹی کر لو، میں تمہیں فلیٹ لے چلوں گا اور سنو مجھ پر بھروسہ ہے یا نہیں؟"

"ہے۔" ثنا نے جواب دیا۔

حیات اسے ایک خوبصورت فلیٹ میں لے آیا، ثنا کو یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ "دو تین دن یہاں آرام کرو، اس دوران میں قصبہ امیر شاہ سے ہدایت خان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتا ہوں، اکیلے ڈر تو نہیں لگے گا اور سنو......! تمہارے چہرے پر کچھ ہچکچاہٹ ہے۔"

ثنا کچھ لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "بالکل نیا عمل ہے حیات......! گھر والے ویسے ہی مجھ سے نفرت کرتے ہیں، انہیں اگر علم ہو گیا کہ میں اس فلیٹ میں......"

"کچھ عرض کر سکتا ہوں؟ آپ اسپتال میں تنہا رہتی تھیں نا...... یہاں بھی آپ تنہا ہی رہیں گی، کچھ تیاریوں کیلئے میں نے آپ کو یہاں زحمت دی ہے ورنہ ہماری نشستیں بلیو مون میں ہی رہیں گی۔"

"نہیں اب ایسا بھی نہیں، آپ بہت اچھے ہیں، حیات علی میں آپ کی یہ توہین کبھی بھی نہیں کر سکتی، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

حیات خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

یہاں اس فلیٹ میں ایک تنہا زندگی کا اپنا ہی مزہ تھا اور وہ نجانے کیسے کیسے احساسات میں مبتلا تھی، خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے خوابوں سے خوف زدہ رہنے لگی تھی، رات کو آنکھیں بند کرتے ہوئے یہ احساس دل میں جاگزیں ہو جاتا کہ کہیں کسی کے بارے میں کوئی خواب ذہن میں نہ آ جائے۔

کئی دن بعد حیات علی پھر اس کے پاس پہنچا۔

"جی ثنا صاحبہ! فرمائیے، کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟"

"ایک انوکھا تجربہ ہے حیات میری زندگی کا، ماں باپ کے زیر سایہ رہی، بہن، بھائی قریب رہے، اسپتال میں مجھے مجبوراً رہنا پڑا ورنہ ڈیوٹی ختم کر کے گھر بھی جا سکتی تھی، گھر والوں کا رویہ جب اس قدر خشک پایا تو اتنی بے ضمیر بھی نہیں تھی کہ اس کے باوجود ان پر مسلط رہتی لیکن یہاں......!"

"محترمہ، مجبوری ہے، ورنہ آپ سے دور رہنے کو کس کا دل چاہتا ہے، خیر چھوڑیئے، ہدایت خان کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر کے آیا ہوں، قصبہ امیر شاہ بہت خوبصورت علاقہ ہے، اس کے اطراف میں باغات ہی باغات پھیلے ہوئے ہیں اور جب امیر شاہ کی سرحد میں داخل ہوتے ہیں تو یوں سمجھ لو کہ دنیا بھر کے پھلوں کے باغات کے درمیان پہنچ جاتے ہیں لیکن کیا زبردست پہرے داری ہوتی ہے، مجال ہے کوئی سڑک سے اتر کر ان باغوں میں داخل ہو جائے بغیر مالکان کی اجازت کے، ویسے ان میں سے آدھے باغ راجہ ہدایت خان کے ہیں، راجہ ہدایت خان کی حویلی قصبہ امیر شاہ میں سب سے خوبصورت حویلی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ راجہ ہدایت خان ماہر روحانیات ہیں، ان کی روحانیت کے قصے دور دور تک بیان کئے جاتے ہیں، مریدین ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں اور وہ باقاعدہ لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں، دراصل راجہ صاحب اگر کسی شخص کو کوئی بشارت دے دیتے ہیں تو گروہ کے ارکان خفیہ طور پر وہ عمل کر ڈالتے ہیں جن میں قتل و غارت گری کا عمل بھی شامل ہے، راجہ صاحب کا اثر و رسوخ بھی کافی ہے، راجہ صاحب کی بیگم، دو بیٹے، بیٹی البتہ شاید کوئی نہیں ہے، یہ رانیہ جس کا قتل کر دیا گیا، راجہ صاحب کی بہن تھیں اور سنا ہے کہ بڑی لاڈلی اور چہیتی خاتون کچھ دل پھینک بھی واقع تھیں اور دو افراد ان کے عشق میں گرفتار ہو کر سزا پا چکے ہیں اور سزا یہ ہے کہ وہ سرے سے غائب ہی ہو گئے پھر کسی نے انہیں نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئیں۔"

"باپ رے...... یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے اس دنیا میں، زمین پر بسنے والوں کو ایسی بھیانک قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔" ثنا نے جھرجھری لے کر کہا۔

"راجہ صاحب کے عقیدت مند دور دور سے ان کے پاس پہنچتے ہیں اور راجہ صاحب ان کیلئے احکامات صادر فرما دیتے ہیں، ویسے راجہ صاحب کے کردار میں ایسی کوئی لغزش نہیں پائی گئی، جس کے تحت کوئی خاتون ان کا شکار ہوئی ہوں۔"

"کافی معلومات حاصل کر آئے ہو حیات علی!"

"بات اصل میں یہ ہے تم خود مجھے بتاؤ محفوظ علی ان کی بیگم اور بیٹی کیا اس قابل ہیں کہ انہیں لاوارث چھوڑ دیا جائے؟"

"حیات علی! تمہارے اندر کا نیک انسان ہے جو اس طرح دوسروں کے بارے میں سوچتا ہے ورنہ اس دور میں نجانے کتنے وجود زندگی کے نجانے کیسے کیسے مسائل کے بوجھ تلے دبے سسک رہے ہیں، میرا تجربہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن میں اسپتال میں نرس رہ چکی ہوں، ہمارے ہاں مریض آتے ہیں، کبھی کبھی جب ان کے دل بھر آتے ہیں تو وہ اپنی کہانی سناتے ہیں اور وہ کہانیاں بڑی دکھ بھری ہوتی ہیں، ایسی بہت سی کہانیاں میرے علم میں ہیں لیکن بات وہی آ جاتی ہے، ایک کے بعد ایک کہانی سامنے آئے تو انسان کونسی کہانی کو یاد رکھے۔"

"پھر آپ فرمایئے، کیا ارادہ ہے؟"

"سچ کہہ رہی ہوں حیات علی! میں تو خوف زدہ ہو گئی ہوں۔"

"نہیں ثنا! خوف سے کام نہیں چلے گا، تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم میرے ساتھ وہاں چلو گی؟"

"جائیں گے کیسے؟" ثنا نے سوال کیا۔

"معاملہ ایک خطرناک شخصیت کا ہے، ہمیں محتاط رہنا ہوگا کیونکہ ہم ایک اہم سلسلے میں اس کے پاس جا رہے ہیں، میں رینٹ اے کار سے ایک کار حاصل کر لوں گا، اس میں چلیں گے اور عقیدت مند کی حیثیت سے چلیں گے بس تمہیں اس کی زیارت کرنی ہے اور اسے ذہن میں بسانا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ایک بار تم جسے ذہن میں بسا لو اور اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہو تو تمہیں اس کا خواب نظر آ جاتا ہے، بس یہی کرنا ہے ثنا......!"

"نہیں واقعی محفوظ علی کیلئے کچھ کرنا اور شمشاد علی کے مسئلے کو سامنے لانا ہماری ذمہ داری ہے، میں تیار ہوں، مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

حیات علی پولیس آفیسر تھا، اپنے بارے میں بھی کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، اس لئے سادہ لباس کافی تھا اس کے علاوہ اور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ جب وہ سفید رنگ کی خوبصورت کار میں قصبہ امیر شاہ کی طرف چلے تو دونوں کے ذہنوں میں الگ الگ تاثرات تھے۔ حیات علی سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی ثنا اس بار بھی کامیاب ہو گئی تو ایس ایس پی سجاد حسین یقیناً اس کیلئے ڈی ایس پی کے عہدے کی سفارش کر دیں گے، نوشاب کی برآمدگی کے بعد محکمہ پولیس میں حیات علی کو ایک اہم اور ذہین پولیس آفیسر کی حیثیت سے شمار کیا جا رہا تھا۔

ثنا سوچ رہی تھی کہ کتنا اچھا لگ رہا ہے حیات علی کے ساتھ یہ سفر تنہا کرنا، گھر کے لوگ کسی طور برے نہیں تھے لیکن انہوں نے دقیانوسیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، گھر میں تو خیر بہنیں تھیں، بھائیوں تک کو اجازت نہیں تھی کہ وہ بہتر انداز میں سوچ سکیں اور دنیا کے بارے میں اپنے طور پر جینے کا انداز اختیار کر سکیں، بہرحال ہر گھر کا اپنا ایک ماحول ہوتا ہے اور بزرگوں کے سوچنے کا ایک انداز بھی...... اب یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات اس انداز میں بہت سوں کیلئے مشکلات چھپی ہوتی ہیں، حیات علی بہت اچھا انسان ہے لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب اس کے والد کو اس بات کا علم ہوگا کہ حیات علی کا انتخاب خود اس نے کیا ہے تو سب سے بڑے مخالف وہی ہوں گے۔

ثنا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور سامنے کا منظر دیکھنے لگی۔ حیات علی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا اور اس کا ذہن بھی الجھن کا شکار نظر آتا تھا۔ اچانک ہی اس نے کہا۔ "ثنا! مجھے ایک بات بتاؤ، تم اس کے سامنے جا کر خوف زدہ تو نہیں ہو جاؤ گی، میرا مطلب ہے وہ سب کچھ کر لو گی جس کیلئے ہم آئے ہیں؟"

"ہاں میں کر لوں گی، اب میں اس قدر ڈرپوک بھی نہیں ہوں کہ کام کی باتوں سے بھی ڈرتی رہوں، البتہ اس میں ذرا سی جھجک ہو گی میرے اندر لیکن آپ بے فکر رہیں حیات علی! میں یہ اداکاری کر لوں گی۔"

طے یہ کیا گیا تھا کہ یہ دونوں ایک رومانی جوڑے کی حیثیت سے راجہ ہدایت خان کے سامنے جائیں گے اور اس سے اپنے مستقبل کی زندگی کی مدد مانگیں گے۔

آخر کار وہ قصبہ امیر شاہ میں داخل ہو گئے، قصبے میں داخل ہوتے ہوئے ثنا کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، ویسے بھی یہ اس قوت کا دوسرا بڑا امتحان تھا، پہلے امتحان میں تو انتہائی شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

بہت آسانی سے انہیں راجہ ہدایت خان کی حویلی مل گئی، حویلی واقعی کسی بہت بڑے رئیس کی دکھائی دیتی تھی، تمام تر روایتوں سے آراستہ بڑے سے چوبی دروازے پر دربان کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے دروازہ کھول کر کار کو اندر آنے کی اجازت دی، گویا یہاں آنے والے مہمانوں کی کوئی شناخت ضروری نہیں تھی۔

بڑے چوبی دروازے کے دوسری طرف ایک انتہائی وسیع و عریض پارکنگ لاٹ تھا جو بائیں ہاتھ کو تھا اور اس وقت اس پارکنگ لاٹ پر دس بارہ گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن کی نمبر پلیٹیں بتاتی تھیں کہ وہ مختلف جگہوں سے آئے ہوئے لوگ ہیں، مختلف شہروں کے باسی...... جب ان کی کار اندر داخل ہوئی تو ایک شخص نے بڑے احترام سے ان کی رہنمائی پارکنگ لاٹ کی طرف کی اور پھر کار پارکنگ لاٹ پر رک گئی، یہاں بھی دو آدمی کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔ "آپ یقیناً راجہ صاحب سے ملنے آئے ہوں گے؟"

"ہاں...... ہم ان کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔"

"وہ مہمان خانہ ہے، اس طرف تشریف لے جایئے، وہاں آپ کو ہر سہولت مہیا کر دی جائے گی۔"

بہرحال یہ لوگ یہاں کے اہتمام سے بہت متاثر ہوئے تھے، مہمان خانہ بھی بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور اس میں آٹھ دس کمرے نظر آ رہے تھے، وہاں بھی خادم موجود تھے اور انہوں نے انہیں ایک خوبصورت کمرہ آرام کیلئے دیا، یہ لوگ کمرے میں فروکش ہوئے ہی تھے کہ ایک ملازم اندر آیا اور بولا۔ "آپ کا کوئی سامان وغیرہ؟"

"نہیں...... مگر ہمیں کچھ معلومات درکار ہیں۔"

"جی فرمایئے، میں آپ کی ہر طرح مدد کروں گا۔"

"راجہ صاحب سے کب ملاقات ہوگی؟"

"شام کو سات بجے وہ درس دیں گے اسی میں وہ مہمانوں سے ملاقات کیا کرتے ہیں، یہ درس ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رہتا ہے۔" ملازم نے جواب دیا۔

تقریباً ساڑھے پانچ بجے انہیں بہت عمدہ قسم کی چائے پیش کی گئی، اس کے ساتھ ہی ایک اچھی شخصیت کا آدمی آیا اور اس نے کہا۔ "براہ کرم اپنا نام درج کرا دیجئے، آپ کو کس نام سے پکارا جائے گا؟"

"حیات علی، ثنا حیدر۔" حیات علی نے جواب دیا۔ اس شخص نے نام لکھا اور اس کے بعد چلا گیا۔

"ثنا! دیکھ رہی ہو یہ سب کچھ؟"

"ہاں بڑا متاثر کن ہے۔"

"مجھے صرف اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ راجہ ہدایت خان نے جو یہ میلہ لگایا ہے، اس کا پس منظر کیا ہے؟"

"کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیا کروں پولیس والا ہوں، رگ تجسس پھڑک رہی ہے، چھٹی حس کہتی ہے کہ اس کے پس منظر میں کچھ ضرور ہے، یہ سب کچھ بے مقصد نہیں ہے۔"

ثنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خوف کے آثار اس کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

پھر شام کے سات بجے مہمانوں کو درس گاہ میں آنے کی دعوت دی گئی، یہ درس گاہ بھی باکمال تھی، بہت بڑی جگہ تھی لیکن ایئر کنڈیشنڈ...... ایک طرف ایک بڑا سا تخت بچھا ہوا تھا جس پر اعلیٰ درجے کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ باقی فرشی نشست تھی، مہمان صرف دس بارہ ہی تھے، ایک دو مقامی افراد بھی بعد میں آ گئے تھے۔

پھر راجہ ہدایت خان پچھلے کمرے سے نمودار ہوا، بڑی متاثر کن شخصیت کا مالک تھا، دراز قامت اور پرجلال چہرے والا...... وہ نگاہیں جھکائے اندر آیا اور تخت پر بیٹھ گیا، تمام لوگ عقیدت سے کھڑے ہو گئے تھے، کچھ خواتین بھی تھیں اس لئے ثنا کو وہاں کوئی عجیب احساس نہیں ہوا۔

تخت پر آرام سے بیٹھنے کے بعد راجہ ہدایت خان نے حاضرین پر نگاہ دوڑائی، وہاں موجود ہر شخص کے چہرے کو غور سے دیکھا، غالباً پانچویں نمبر پر ثنا اور حیات علی تھے، ان کی نگاہیں راجہ صاحب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور جب راجہ ہدایت کی نگاہیں ان پر پڑیں تو انہوں نے نمایاں طور پر راجہ کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

حیات علی کی عقابی نگاہیں بھی راجہ ہدایت کا جائزہ لے رہی تھیں، ایک ذہین پولیس آفیسر کی حیثیت سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ راجہ ہدایت خان کے پرجلال چہرے کی آڑ میں ایک شیطانی چہرہ چھپا ہوا ہے۔

اس نے ثنا سے سرگوشی کی۔ "ثنا......! اپنا کام مت بھول جانا۔"

ثنا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

راجہ ہدایت خان نے صرف ایک چونکی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور پھر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ فوراً ہی ایک مصاحب قسم کا آدمی راجہ صاحب کے پاس پہنچ گیا اور اس نے ایک کاغذ راجہ صاحب کے سامنے کردیا، جس پر انہوں نے آنکھیں کھول کر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور دوبارہ آنکھیں بند کرکے گردن جھکالی۔

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 5

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

اسی وقت مصاحب کی آواز ابھری۔ ”کنور علی اور ان کی اہلیہ۔“ میاں، بیوی اپنی جگہ سے اٹھے اور عقیدت بھرے انداز میں راجہ ہدایت خان کے سامنے پہنچ کر جھکے، اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بیٹھ گئے۔

راجہ ہدایت خان مدھم لہجے میں ان سے باتیں کرنے لگا، اس کی آواز دوسروں تک نہیں پہنچ رہی تھی، چھ یا سات منٹ تک وہ ان سے گفتگو کرتا رہا اور اس کے بعد وہ دونوں عقیدت بھرے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے درسگاہ کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ تب مصاحب نے اسی طرح کی کارروائی کے بعد دوسرا، تیسرا اور پھر چوتھا نام پکارا، کافی وقت لگ گیا تھا، اس دوران راجہ ہدایت خان نے حیات علی اور ثنا کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا، وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف رہا تھا، چھٹا جوڑا پہنچا تو بہت وقت گزر چکا تھا، کچھ افراد اور تھے لیکن چھٹے جوڑے کو دیکھنے کے بعد راجہ صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور مصاحب نے انہیں سہارا دے کر ان کی جگہ سے اٹھا دیا۔

راجہ صاحب اندر چلے گئے تو مصاحب نے کہا۔ ”جن حضرات کا کام ہو چکا ہے، وہ جاسکتے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں اور ان کا تعلق باہر سے ہے، وہ مہمان خانے میں چلے جائیں اور کل کا انتظار کریں، وقت ختم ہو چکا ہے۔“

لوگ خاموشی سے اٹھ گئے تھے۔

حیات علی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ثنا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس کے ذہن میں شدید تجسس تھا، کچھ دیر کے بعد وہ مہمان خانے میں منتقل ہوگئے، ثنا نے کچھ کہنا چاہا تو حیات علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ثنا چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد حیات علی چہل قدمی کے انداز میں ثنا کے ساتھ باہر نکل آیا، اس نے ثنا سے کہا۔ ”معاف کرنا ثنا! احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے، یہاں آکر میں نے جو محسوس کیا ہے، وہ بڑا سنسنی خیز ہے، میں نے تمہیں اس لئے خاموش کردیا تھا کہ ہوسکتا ہے اس مہمان خانے میں خفیہ مائیک لگے ہوں جن کے ذریعے یہاں ہونے والی گفتگو کہیں اور سنی جاسکتی ہو، اصل میں یہاں آنے کے بعد شروع ہی سے میں اس احساس کا شکار ہوگیا ہوں کہ راجہ ہدایت خان کی یہ تمام کاوشیں بے مقصد نہیں ہیں، یہاں تم نے جو کاریں کھڑی دیکھیں، وہ معمولی گاڑیاں نہیں تھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں آنے والے معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہوتے، بے شک وہ راجہ ہدایت خان کو نذرانے بھی پیش کرتے ہوں گے لیکن میرے ذہن میں ایک اور بات ہے۔“

”کیا......؟“

”راجہ ہدایت خان کا چہرہ تم نے دیکھا؟“

”ہاں اس پر روحانیت نہیں بلکہ خباثت تھی۔“ ثنا نے جواب دیا۔

”ویری گڈ......اس کا مطلب ہے کہ تم بھی کافی گہری نگاہ رکھتی ہو۔“

”اصل میں حیات علی، گھر والوں سے میرا یہی اختلاف تھا، میں ان سے کہتی تھی کہ زندگی اتنی محدود نہیں ہے جتنی ان لوگوں نے کررکھی ہے، باہر جاکر دنیا کو جاننے کا موقع ملتا ہے، نرس کی حیثیت سے مجھے بے شمار مریضوں کو جاننے کا موقع ملا ہے اور میں ان کے چہرے پڑھتی ہوں چونکہ ہمیں عزت آبرو کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دینا ہوتی ہے، اس طرح مجھے چہروں کی شناخت بھی ہوگئی ہے اور میں یہ پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ راجہ ہدایت خان دہری شخصیت کا مالک ہے، وہ جو ظاہر کرتا ہے، اندر سے وہ نہیں ہے۔“

”یار! تم تو واقعی ایک پولیس والے کی بیوی بننے کے قابل ہو، میرے دل میں بھی یہی خیال ہے، اچھا جلدی سے ایک بات بتاؤ تم نے اسے ریڈ کیا ہے؟“

”میں کسی کو اس طرح ریڈ نہیں کرسکتی کیونکہ میرا تجربہ اتنا وسیع نہیں ہے لیکن اس کے سامنے بیٹھ کر میں نے اس کی شخصیت کو اپنے ذہن میں اتار لیا ہے اور اللہ نے چاہا تو آج رات میں اسے خواب میں دیکھوں گی اور کل تمہیں اس کے ماضی کے بارے میں تفصیل بتادوں گی۔“

”گڈ......ویری گڈ......! آہ جلدی سے رات گہری ہوجائے اور پھر صبح ہوجائے۔“

”مگر ایک بات بتاؤ، اگر اس سلسلے میں کوئی خاص راز نکل آیا تو کیا تم اتنے بڑے آدمی کے خلاف کچھ کرسکتے ہو؟“

”ہاں......تمہیں یاد نہیں جیلر نے کتنی مشکل سے ہمیں شمشاد علی سے ملاقات کی اجازت دی تھی، وہ کس قدر خوف زدہ تھا، یقیناً اسے کچھ اس طرح کی ہدایات ملی ہوں گی جن کے تحت وہ کسی کو شمشاد علی سے ملنے نہیں دیتا ہوگا اور جس نے اسے یہ ہدایات جاری کی ہوں گی، وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہوگی، یار! یہ راجہ ہدایت خان یا پھر اس کے وہ حواری جو اس سے فائدے حاصل کرتے ہوں گے اور اعلیٰ حیثیت رکھتے ہوں گے مگر تم یہ سوچو کہ یہ سارا سیٹ ورک کس لئے ہے؟“

”آپ کے خیال میں راجہ ہدایت خان اندر سے کیا ہوسکتا ہے؟“

”کوئی بہت بڑا بلیک میلر جو لوگوں کے راز لے کر انہیں بلیک میل کرتا ہو یا پھر کوئی بہت بڑا اسمگلر جو ان لوگوں کی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے لئے دولت اکٹھی کرتا ہو، بہرحال یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ راجہ ہدایت خان یقیناً کوئی جرائم پیشہ آدمی ہے اور بے چارہ شمشاد علی اس کے کسی ایسے راز سے واقف ہوگیا ہے جس سے اسے خدشہ ہو اور اسی کی وہ سزا بھگت رہا ہے۔“

”لیکن رانیہ تو راجہ ہدایت خان کی بہن تھی، اسے کیوں قتل کرادیا گیا؟“

”ہوسکتا ہے اس کے پس منظر میں بھی کوئی گہری کہانی ہو بہرحال ہمیں پوری احتیاط کے ساتھ اس مشن پر کام کرنا ہوگا اور ہم جب تک مہمان خانے میں ہیں، کوئی ایسی گفتگو نہیں کریں گے جو اس سے متعلق ہو۔“

”ٹھیک ہے۔“ ثنا نے جواب دیا اور حیات علی مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

ثنا چونک کر بولی۔ ”کیوں......مسکرائے کیوں؟“

”نہیں......موڈ ایک دم بدل گیا ہے، اب میں سوچ رہا ہوں کہ میں اور تم ایک بالکل اجنبی جگہ ایک ساتھ موجود ہیں، کیسا لگ رہا ہے؟“ ثنا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

☆......☆......☆

ادھر راجہ ہدایت خان اپنے خاص کمرہ نشست میں ایک آرام کرسی پر دراز سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ دیر تک وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے پاس رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا اور وہی مصاحب جو درسگاہ میں اس کے ساتھ تھا، اندر آگیا۔

نور دین......! خاقان کو بلاؤ۔“ خاقان ایک دراز قامت اور بے ڈول جسم کا مالک تھا، چہرے ہی سے جن معلوم ہوتا تھا، وہ آکر ہدایت خان کے سامنے جھک گیا۔

”حکم مالک......!“

”خاقان! تمہیں دو کام کرنے ہیں، نور دین تمہیں ان دونوں کے بارے میں بتائے گا جو مہمان خانے میں قیام پذیر ہیں، وہ جس گاڑی پر آئے ہیں اس کا نمبر لے کر معلومات حاصل کرو کہ یہ کون لوگ ہیں، کیا کرتے ہیں اور دوسرا کام بھی تمہیں نور دین ہی بتادے گا، بس میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔“

”جو حکم مالک......!“ خاقان نے گردن خم کی اور باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

حیات علی کی چھٹی حس نے اسے ہوشیار کردیا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوئی ہے اور ممکن ہے ہدایت خان نے جان بوجھ کر وقت بڑھا دیا ہو تاکہ کچھ لوگ باقی رہ جائیں۔ حیات علی کا انداز بالکل درست تھا۔

رات کو وہ لوگ مہمان خانے میں سوئے تھے، حیات علی نے تمام تر بندوبست کرلیا تھا کہ ثنا سکون کی نیند سوئے اور راجہ ہدایت خان کے بارے میں خواب دیکھے، وہ خود بھی آدھی رات تک جاگتا رہا تھا اور ایک طرح سے ثنا کے خواب یا اس کی نیند کی حفاظت کررہا تھا لیکن نجانے کونسا وقت تھا جب ایک بہت ہی مسحور کن بھینی بھینی خوشبو اس کی ناک سے ٹکرائی۔

نیم خوابیدہ ذہن تھا، اس خوشبو کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں سوچ سکا اور پھر لمحوں میں پلکیں جڑ گئیں اور صبح جب جاگا تو تقریباً سوا آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے ایک انگڑائی لے کر ماحول کا جائزہ لیا اور صورتحال کا اندازہ ہوتے ہی چونک کر ثنا کو دیکھنے لگا جو دوسرے بستر پر سوئی ہوئی تھی لیکن بستر خالی تھا، اس کی نگاہیں کمرے کے اندر بنے ہوئے واش روم کی جانب اٹھ گئیں اور پھر ایک لمحے کے اندر اس کی چھٹی حس نے ایک بار پھر اس کے ذہن پر دستک دی۔

واش روم میں کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا، دوسری نگاہ اس نے کمرے کے دروازے پر ڈالی جو اندر سے بند تھا۔ حیات علی بجلی کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اس چھوٹے سے کمرے میں اور کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں کوئی جان بوجھ کر چھپ جائے۔

باتھ روم کے قریب پہنچ کر اس نے ثنا کو آوازیں دیں لیکن ثنا کا کوئی نشان نہیں مل سکا، مسہری کے پاس اس کے جوتے تلاش کئے، جوتے بھی موجود نہیں تھے، دروازہ بند ہے، ثنا دروازہ کھولے بغیر کہاں غائب ہوگئی۔ ایک لمحے کے اندر اندر ہزاروں وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوگئے اور وہ شدید خوف کے عالم میں سوچنے لگا، کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو ثنا کے ساتھ......سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، مسہری وغیرہ کے نیچے بھی جھانک کر دیکھا اور پھر ایک پولیس والے کی حیثیت سے اس نے واش روم، دروازے اور فرش کا جائزہ لیا لیکن کوئی ایسا نشان نہ ملا جس سے پتہ چلے کہ کوئی خاص جدوجہد ہوئی ہے۔

پھر اس نے کمرے کی دیواروں وغیرہ کو بھی ٹٹول کر دیکھا لیکن کوئی ایسا خفیہ دروازہ تلاش نہ کرسکا جس سے ثنا کو باہر لے جایا گیا ہو، اس کے بعد اسے راجہ ہدایت کی روحانی حیثیت کا خیال آیا اور اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکل گئی۔

”نہیں......ثنا کی گمشدگی میں اس کی روحانیت کا کوئی دخل نہیں ہے، راجہ ہدایت خان بہت بڑی شخصیت ہے، تمہاری اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ اگر ثنا کو کچھ ہوگیا تو کم ازکم میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، بعد میں جو ہونا ہوگا، وہ ہوتا رہے گا۔“

اس نے واش روم میں جاکر اپنا حلیہ درست کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کوریڈور میں راجہ ہدایت خان کے ملازم موجود تھے، اس نے ان میں سے ایک کو اشارے سے بلایا اور وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

”سنو......دروازہ اندر سے بند تھا لیکن میری منگیتر غائب ہوگئی، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟“

”غائب ہوگئی؟“ ملازم حیرت سے بولا۔

”ہاں اب یہ بتاؤ اس کی گمشدگی کی خبر کسے دوں؟“

”بڑی عجیب بات کہہ رہے ہیں صاحب آپ......ہم نے تو کسی کو دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

”دروازہ اندر سے بند تھا لیکن وہ کمرے میں موجود نہیں ہے۔“

”آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، آپ وہ سامنے ہمارا چیف بیٹھا ہوا ہے، اسے بتادیں۔“

حیات علی پر ایک شدید جنونی کیفیت طاری تھی۔ راہداری عبور کرکے وہ اس شخص کے پاس پہنچ گیا جو بھاری بدن کا ایک تونتلی سا آدمی تھا۔

”جی صاحب! کوئی حکم؟“ جواب میں حیات علی نے اسے ثنا کی گمشدگی کے بارے میں بتایا اور وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

”نہیں صاحب! یہاں راجہ صاحب کی ہدایت کے مطابق مہمانوں پر نگاہ رکھی جاتی ہے، کبھی کبھی غلط لوگ بھی آکر مہمان خانے میں ٹھہر جاتے ہیں، انہیں چیک کیا جاتا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی منگیتر گم ہوگئی ہو؟“

”راجہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”جی آپ کی اطلاع پہنچادی جائے گی۔“

”فوراً مجھے یہ بتاؤ وہ کہاں ملیں گے؟“

”اب فوراً تو ہر کام......!“ ملازموں کے چیف نے کہنا چاہا۔

لیکن حیات علی نے اس کا گریبان پکڑا اور اسے اٹھا کر کھڑا کردیا اور بولا۔ ”فوراً کا مطلب فوراً ہوتا ہے، سمجھے؟“

”یہ کیا کررہے ہیں آپ......؟“

جواب میں حیات علی کا زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور وہ الٹتے الٹتے بچا۔

”آپ......آپ......!“ جلدی سے کئی محافظ اس طرف دوڑے تھے لیکن حیات علی نے پاس رکھا ہوا ڈنڈا اٹھالیا جو ملازموں کے چیف کے پاس ہوا کرتا تھا، اس کی طرف بڑھنے والے رک گئے۔

”تین چار کو ٹھنڈا کردوں گا میں سمجھے......راجہ ہدایت خان کو بتاؤ کہ ایک مہمان جسے انہوں نے رات کو ٹھہرنے کیلئے کہا تھا، ان سے ملنا چاہتا ہے۔“

”میں جاتا ہوں۔“ چیف خود بولا۔ شاید اس نے جان بچا کر بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

دوسرے ملازم کینہ توز نگاہوں سے حیات علی کو دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص واپس آیا اور اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آیئے۔“

حیات علی اس کے ساتھ چل پڑا۔ جس جگہ اسے لے جایا گیا، وہ درسگاہ نہیں تھی بلکہ ایک اور بڑا سا کمرہ تھا لیکن یہ کمرہ بھی کافی سجا ہوا تھا، خوبصورت فرنیچر، اعلیٰ ترین پردے اور ڈیکوریشن کا دوسرا سامان......وہ شخص حیات علی کو چھوڑ کر باہر نکل گیا اور حیات علی کسی زخمی چیتے کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اسے کوئی سات آٹھ منٹ انتظار کرنا پڑا اور اس وقت اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہورہا تھا، جب ایک پردے کے عقب سے بلند و بالا قدوقامت کا مالک راجہ ہدایت خان نمودار ہوا، پردے سے باہر نکل کر وہ عجیب سی نگاہوں سے حیات علی کو دیکھنے لگا پھر اس کی گونجدار آواز ابھری۔

”آداب میزبانی تو ہوتے ہیں لیکن آداب مہمانی بھی کچھ ہوتے ہیں، آپ تشریف رکھئے، سنا ہے آپ نے یہاں دنگا فساد برپا کردیا تھا؟“

”راجہ صاحب! میں یہاں آپ کے پاس حاجت روائی کیلئے آیا تھا، آپ کے حکم پر مجھے قیام کی ہدایت کی گئی لیکن رات کو میری منگیتر غائب ہوگئی۔“

”آپ بیٹھئے میرے خیال میں آپ کو بیٹھ جانا چاہئے۔“ راجہ ہدایت خان نے کہا۔

حیات علی چند قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ ”میرے سارے وجود میں آگ لگی ہوئی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں بیٹھ جاؤں؟“

”ہم بیٹھے جاتے ہیں، آپ سرکشی کرتے رہیے۔“ راجہ ہدایت خان نے کہا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ”میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک مہمان خاتون گم ہوگئی ہیں اور ان کے ساتھ آنے والے صاحب ملازموں کی پٹائی کررہے ہیں، آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ یہاں ملازموں کی کتنی تعداد موجود ہے اور یہ وہ ہیں جو ہمارے اس چھوٹے سے گھر کی حفاظت کرتے ہیں، آپ ہمارے معزز مہمان ہیں اور اس حویلی کی تاریخ میں آج تک کسی مہمان کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی گئی ہے، ہمارا ایک ہلکا سا اشارہ آپ کے ساتھ وہ عمل کراسکتا ہے جسے آپ نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو، حویلی کے کتا گھر میں سولہ خونخوار کتے موجود ہیں جو ہلکے سے اشارے پر انسانی جسم کے اتنے ٹکڑے کرسکتے ہیں کہ انہیں گننے والا کوئی نہ ہو، آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کو دھمکیاں دے رہے ہیں، ہم صرف بتا رہے ہیں کہ کسی ایسے عمل کے نتیجے میں جو ہماری مرضی اور ہماری پسند کے خلاف ہو، یہاں وہ سب کچھ ہوسکتا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہ جاسکے، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو......یہ بتایئے کہ آپ کو یہ کیسے شبہ ہوا کہ خاتون گم ہوگئی ہیں، مہمان خانے میں آنے والوں پر کوئی پابندی تو نہیں ہوتی، کہیں آئیں اور کہیں جائیں، ہوسکتا ہے وہ آپ کو بتائے بغیر کسی ایسے جذبے کے تحت کہیں چلی گئی ہوں جس میں ناراضی کا عنصر ہو۔“

”ایسی بات نہیں راجہ صاحب! وہ ایک معصوم سی لڑکی ہے جو صرف اس لئے میرے ساتھ یہاں آئی ہے کہ ہم آپ سے اپنے لئے دعا کرائیں، کچھ رکاوٹیں تھیں درمیان میں جنہیں ہم آپ کی دعاؤں سے دور کرانا چاہتے تھے۔“

”ہوں......! تو پھر ہم آپ کو ایک بات کا اطمینان دلا دیں جب عقیدت اور محبت سے آپ ہمارے پاس آئے ہیں تو ہمارے موکل آپ کی منگیتر کا احترام کریں گے اور اس کی حفاظت کریں گے، اسے بالکل نقصان نہیں پہنچے گا، انہیں ہماری ہدایت ہے، آپ کیا کرتے ہیں، اپنا کام بتائیں گے؟“

”نوکری کرتا ہوں، نوکری پیشہ ہوں۔“ حیات علی نے جواب دیا۔

”خیر کوئی بات نہیں ہے، اتنا مختصر جواب ہمیں عموماً ناپسند رہتا ہے لیکن ہم کسی کو مجبور نہیں کرسکتے، بہتر یہ ہوگا کہ آپ اب مہمان خانے سے چلے جائیں، ہر شخص کے سینے میں انتقام پلتا ہے، آپ نے یہاں اگر کسی ملازم کو مارا ہے تو وہ آپ کے خلاف کوئی غلط کارروائی کرسکتا ہے، آپ اگر چاہیں تو یہاں آس پاس اپنا کوئی ٹھکانہ بنا کر رہ سکتے ہیں اور انتظار کرسکتے ہیں، ہمارے کسی ملازم کو اپنا فون نمبر دے دیجئے، اگر خاتون کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات حاصل ہوئیں تو ہمارا فرض ہوگا کہ وہ معلومات ہم آپ تک پہنچائیں، دوسری صورت میں ایسی کوئی ذمہ داری بھلا کیوں قبول کی جائے، ہم کوئی مفاد تو نہیں رکھتے۔“

”راجہ صاحب! معمولی سا آدمی ہوں لیکن میری منگیتر کو اگر کوئی نقصان پہنچا تو آپ کی حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔“

”سبحان اللہ......کیا عمدہ گفتگو فرمارہے ہیں آپ! کیا آپ اپنے اندر وہ سکت پاتے ہیں کہ اس حویلی کی ایک اینٹ کو بھی ادھر سے ادھر کرسکیں؟“

”یہ آنے والا وقت بتائے گا۔“

”مفاہمت کی کوئی بات نہیں کی آپ نے، جایئے ہم یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتے، آپ سے جو کیا جاسکتا ہے، وہ ضرور کرلیجئے گا۔“

حیات علی غصے سے پاگل ہورہا تھا، اس نے خونخوار نگاہوں سے راجہ ہدایت خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وقت بتائے گا راجہ صاحب! وقت بتائے گا۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

اسے سو فیصد یقین تھا کہ ثنا اپنی مرضی سے کہیں نہیں گئی ہے، ایسا کسی طور ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ مہمان خانے میں آیا اور اس کے بعد حویلی سے باہر نکل آیا لیکن اس کے دماغ میں غصے کا طوفان امڈ رہا تھا، یہ بڑی خوفناک بات ہوئی ہے، ثنا کو کیوں اغوا کیا گیا ہے، کیا یہاں حویلی میں اس طرح کے جرائم ہوتے رہتے ہیں، ایسے بہت سے کیس اس کے علم میں تھے جن میں بڑے بڑے لوگوں نے اس طرح کے روپ دھارے ہوئے تھے اور اس کے درپردہ بہت سی المناک کہانیوں نے جنم لیا تھا، کہیں ثنا بھی ایسے کسی حادثے کا شکار نہ ہوجائے۔

تھوڑا وقت گزرا تو اسے احساس ہوا کہ اس نے جلد بازی کی ہے، اسے حویلی چھوڑنی نہیں چاہئے تھی، ممکن ہے ثنا بھاگ کر اس تک پہنچے، بس ایک عجیب ذہنی پریشانی کا شکار ہوگیا تھا، عقل خبط ہوگئی تھی ورنہ اصولی طور پر اسے تھوڑے سے ٹھنڈے مزاج سے کام لینا تھا۔

آبادی میں آکر وہ ایک چھوٹے سے چائے خانے میں جا بیٹھا اور پریشانی سے سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے، کیا ثنا کو اس طرح بے یارومددگار چھوڑ کر گھر کا رخ کیا جائے یا پھر اس حویلی ہی میں کچھ کیا جائے، غلطی ہوگئی لیکن اس غلطی کو نبھانا پڑے گا، اسے یاد آیا کہ یہاں کے ایک پولیس اسٹیشن میں اس کا دوست داور شاہ تعینات ہے، دونوں کافی عرصہ ایک ساتھ رہ چکے تھے چنانچہ یہاں سے اٹھ کر وہ داور شاہ کی طرف چل پڑا، داور شاہ نے اس کا اچھا خیرمقدم کیا تھا۔

ابتدائی گفت وشنید کے بعد حیات علی نے کہا۔ ”داور! میں ایک مشکل میں گرفتار ہوگیا ہوں۔“

”خیریت حیات علی!“

”میں اپنی منگیتر کے ساتھ یہاں آیا تھا، ہماری شادی میں کچھ رکاوٹیں تھیں اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ راجہ ہدایت خان ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اور بہت سوں کو ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں، میں بھی اسی سلسلے میں آیا تھا لیکن......!“ حیات علی نے اس کے بعد کی پوری تفصیل داور شاہ کو بتادی لیکن اصل بات اس نے خوبصورتی سے چھپالی تھی۔

داور شاہ حیرانی سے حیات علی کو دیکھ رہا تھا چنانچہ حیات علی نے پوچھا۔ ”کیوں......! تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟“

”میں تم سے کچھ عرصہ دور ضرور رہا ہوں لیکن تمہاری فطرت کو نہیں بھولا ہوں، تم تو بڑے پریکٹیکل آدمی تھے۔“

”تو پھر......؟“

”جو ہونا تھا، ہوچکا ہے داور شاہ! تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کرسکتے ہو؟“

”دل وجان سے لیکن تمہیں کچھ ضروری باتیں بتانا چاہتا ہوں، خود اس کی ایک خفیہ فورس ہے، سرکاری لوگ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں، سنا گیا ہے کہ روحانیات میں بھی تھوڑی بہت شدبد رکھتا ہے، مجھے خصوصی ہدایات دی گئی تھیں کہ راجہ صاحب سے ہٹ کر رکھوں، لوگ بلاوجہ بھی دشمن بن جاتے ہیں اور راجہ صاحب کے بھی بے شمار دشمن ہیں اس لئے اگر کوئی ان کے ساتھ کوئی ریشہ دوانی کرے تو اس کا خیال رکھا جائے اور راجہ صاحب کو فوراً اس کے بارے میں اطلاع دی جائے، بات سمجھ میں آگئی؟“

”ہاں......آتو گئی ہے۔“ حیات علی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔

”بالکل نہیں......اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہارے کام سے گریز کررہا ہوں، میں اصل میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، وہ دوسرے انداز میں کرنا چاہتا ہوں، میرا دعویٰ ہے کہ تمہاری یہاں آمد راجہ ہدایت خان سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔“

"اوہ...... لیکن انہیں ہماری دوستی کے بارے میں تو کچھ نہیں معلوم ہوگا؟" حیات علی نے کہا اور داور شاہ طنزیہ ہنسی ہنسنے لگا۔ حیات علی نے کینہ توز نگاہوں سے داور شاہ کو دیکھا تو داور شاہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خدا کے واسطے میری کسی بھی بات کا غلط مطلب مت نکالو۔"

"یار! یوں لگتا ہے جیسے تم درپردہ اس شخص کی مدح سرائی کر رہے ہو۔"

"ہاں لگتا یونہی ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ کوئی جذباتی قدم مت اٹھا بیٹھنا، تم میری اور اپنی دوستی کے بارے میں کہہ رہے ہو، میں پورے وثوق سے یہ بات کہتا ہوں کہ اب تک اسے تمہارے بارے میں پوری تفصیل معلوم ہو چکی ہوگی، سب کچھ پتہ چل گیا ہوگا اسے، ویسے ایک بات بتاؤ کیا تم راجہ ہدایت خان کی حویلی چھوڑ آئے ہو؟"

"تقریباً جبکہ میری کار وہیں موجود ہے۔"

"زبردست...... یعنی ایک اچھا کام۔" داور شاہ نے کہا اور پھر اردلی کو بلانے کیلئے گھنٹی بجادی، جب اردلی آیا تو اس نے کہا۔ "محرر کو بلا لاؤ۔"

اردلی باہر نکل گیا تو داور شاہ بولا۔ "بڑی احتیاط کے ساتھ ہر قدم اٹھانا ہے، اب میں تمہاری طرف سے تمہاری منگیتر کی گمشدگی کی رپورٹ لکھ لیتا ہوں، اس میں اپنے بارے میں بالکل سچ سچ لکھوا دینا کہ تمہارے یہاں آنے کا جواز پیدا ہو جائے، میں خود تحقیقات کیلئے بھی جاؤں گا، یہ میں جانتا ہوں کہ میرا واسطہ ملازموں ہی سے پڑے گا لیکن بات راجہ صاحب کے کانوں تک پہنچ جائے گی، انہیں پتہ چل چکا ہوگا کہ تم نہ صرف پولیس والے ہو بلکہ شاید میرے دوست بھی ہو بہرحال یہ مجھے کام کرنے دو، تم اپنی گاڑی وہاں سے لے آؤ کیونکہ راجہ صاحب سے تم جو کچھ کہہ کر آگئے ہو، اس کے بعد تمہارا وہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔"

"مگر داور شاہ! میں اس مسئلے کو چھوڑوں گا نہیں، تم مجھے صرف ایک بات بتا دو کیا راجہ ہدایت خان نے اس سے پہلے یہاں آنے والی کسی نوجوان لڑکی کو اغوا کرایا ہے؟"

"یقین کرو بالکل نہیں، ایسی کوئی شکایت آج تک یہاں کے کسی رجسٹر میں درج نہیں ہے۔" داور شاہ نے کہا۔

حیات علی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔ "میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا ہے لیکن نجانے کیوں میری چھٹی حس بتاتی ہے کہ راجہ ہدایت خان کو ثنا کی گمشدگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں۔"

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان، خاقان کی دی ہوئی رپورٹ پڑھ رہا تھا، جس میں تھوڑی سی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں، نام حیات علی، عہدہ محکمہ پولیس میں باقاعدہ انسپکٹر ہے اور اس کی کارکردگی کو اچھے معنوں میں دیکھا جاتا ہے، ثنا ایک اسپتال میں نرس ہے اور اپنے والدین سے علیحدہ رہتی ہے، حیات علی اس کا باقاعدہ منگیتر تو نہیں ہے لیکن دونوں کے درمیان ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔

پھر دوسری رپورٹ میں درج تھا۔ "یہاں سے نکل کر وہ ایک چائے خانے میں بیٹھا رہا اور اس کے بعد پولیس اسٹیشن پہنچ گیا، وہاں سے نکلنے کے بعد وہ یونہی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا پھرا ہے اور اب حویلی میں مہمان خانے میں آچکا ہے۔"

راجہ ہدایت خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسی وقت ایک ملازم نے اطلاع دی کہ تھانہ انچارج قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا ہے۔ راجہ ہدایت خان کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"کیا اس نے ہم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے؟"

"نہیں...... نور دین اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" راجہ ہدایت خان نے کہا اور اس رپورٹ پر نگاہیں دوڑانے لگا۔

ادھر داور شاہ نے بہت برق رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا، وہ سیدھا اس رپورٹ کے ساتھ راجہ ہدایت خان کی حویلی پہنچ گیا تھا، نور دین کی حیثیت راجہ کے سامنے کچھ ہو یا نہ ہو لیکن وہ راجہ کا مصاحب خاص تھا، داور شاہ نے اسے سلام کیا اور مصافحہ کیا۔

"نور دین صاحب! میرے پاس ایک رپورٹ آئی ہے، یہاں سے کوئی لڑکی گم ہوگئی ہے۔" نور دین کو پوری تفصیل بتانے کے بعد داور شاہ نے کہا۔ "آپ براہ کرم یہ تفصیل راجہ صاحب کو پہنچا دیجئے، میں ان کی طرف سے ہدایت چاہتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے، جس شخص نے رپورٹ درج کرائی ہے، وہ میرے ہی محکمے کا آدمی ہے بہرحال میں راجہ صاحب کا نمک خوار ہوں، ان کی جو بھی ہدایت ہو، میں اسی پر عمل کروں گا۔"

"جاؤ تمہیں تھانے اطلاع پہنچا دی جائے گی۔" نور دین نے پر رعب لہجے میں کہا اور داور شاہ وہاں سے چلا گیا لیکن نور دین کچھ ہی لمحوں کے بعد راجہ ہدایت خان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے وہ رپورٹ راجہ صاحب کے سامنے رکھی اور راجہ ہدایت خان اسے پڑھ کر مسکرانے لگا پھر بولا۔ "داور شاہ ہمارا اپنا آدمی ہے، ہم اس پر کسی بھی شکل میں کوئی شبہ نہیں کر سکتے، اس سے کہہ دو کہ اس کی اطلاع ہمیں مل گئی ہے، لڑکی کو ہم بھی تلاش کریں گے لیکن اس پولیس انسپکٹر کو ہم اپنے پاس نہیں رکھ سکتے، کسی آدمی کو بھیجو اور اس سے کہو کہ وہ مہمان خانہ خالی کر دے، اگر اس میں کوئی تعرض کرے تو اسے دھکے دے کر باہر نکال دو۔"

"جو حکم مالک!" نور دین نے کہا اور الٹے قدموں واپس باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

ثنا جاگ گئی، وہ گہری نیند سو رہی تھی، کچھ اس طرح کی نیند کہ اس کی آنکھوں میں کوئی خواب نہیں تھا، ذہن بڑی شدت کے ساتھ تھکن محسوس کر رہا تھا، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی شدید ذہنی مشقت کا سامنا کرنا پڑا ہو اور اس ذہنی مشقت نے اسے بری طرح تھکا دیا ہو، تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹی رہی، دماغ جاگ گیا تھا، نجانے یہ کیفیت کیوں ہوگئی ہے، کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور ماحول کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن اسے ایک عجیب سا احساس ہوا، جہاں وہ موجود تھی، وہاں گھپ اندھیرا تھا مگر ایک جگہ کچھ تھا، کوئی ایسی چیز جو ہلکی ہلکی روشنی دے رہی تھی، اس نے غور سے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا دل اچھل پڑا، وہ کسی انسان کی دو آنکھیں تھیں لیکن بہت عجیب وغریب...... ان آنکھوں سے مدھم مدھم نیلی روشنی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، ان آنکھوں کی پلکیں بھی جھپک رہی تھیں لیکن باقی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، خاص بات یہ تھی کہ وہ دونوں انسانی آنکھیں انسانی آنکھوں سے کافی بڑے سائز کی تھیں لیکن وہ متحرک تھیں پلکیں جھپکا رہی تھیں۔

ثنا کا دل خوف سے بھر گیا، یہ کیا ہے؟ اس نے ڈرے ڈرے انداز میں سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن اسی وقت جہاں وہ موجود تھی، تیز روشنی پھیل گئی، لگ رہا تھا کہ روشنی کئی مرکری بلبوں سے نکلی ہے، شفاف نیلگوں اور ٹھنڈی...... لیکن وہ آنکھیں...... اس کے بعد آنکھوں کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، شیشے کا ایک خوبصورت فریم تھا جو دیوار میں لٹکا ہوا تھا لیکن وہ تصویر صرف آنکھوں کی تھی، چبھتی ہوئی گھورتی ہوئی آنکھیں......

لیکن نجانے کیوں یہ آنکھیں اسے شناسا محسوس ہو رہی تھیں، ذہن نے کچھ اور آگے کی طرف قدم بڑھایا تو اسے اسپتال کا وہ مریض یاد آگیا جس نے اسے خوابوں کا علم دیا تھا۔ اس کے دانت بھینچ گئے، راجہ ہدایت خان کی وہ محفل، وہ مہمان خانہ جہاں وہ حیات علی کے ساتھ قیام پذیر تھی اور پھر بس اس کے بعد اچانک یہ احساس...... اس نے دہشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی کہ یہ وہ مہمان خانہ نہیں تھا بلکہ ایک بہت وسیع وعریض کمرہ تھا جس میں وہ ایک بہت ہی خوبصورت مسہری پر لیٹی ہوئی تھی، قرب وجوار میں انتہائی قیمتی فرنیچر موجود تھا، دروازوں پر پردے نظر آرہے تھے، سامنے ہی بڑی خوبصورت سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جن کا اختتام ایک بڑے دروازے پر ہوتا تھا، یہ دروازہ بند تھا۔

سیڑھیوں پر اعلیٰ درجے کا قالین بچھا ہوا تھا اور روشنی دیواروں سے پھوٹ رہی تھی، روشنی کیلئے جو انتظام کیا گیا تھا، وہ نگاہوں سے محفوظ تھا لیکن کمرہ زرق برق ہوگیا تھا۔ یہ کونسی جگہ ہے؟ اس نے بیٹھے بیٹھے سوچا اور اس کے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری ہوگئی۔

یہ رات تو خواب کی رات تھی کیونکہ راجہ ہدایت خان کی اس درسگاہ میں اس نے حیات علی کی ہدایت کے مطابق راجہ صاحب کے ماضی پر غور کیا تھا اور اگر اس کے خواب سچے تھے اور وہ علم اس کے پاس آچکا تھا تو اسے راجہ ہدایت خان کے بارے میں ہی خواب دیکھنا تھا لیکن یہ سارا منظر کیسے بدل گیا؟ وہ خوف زدہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔

دیوار پر وہ تصویر آویزاں تھی اور وہ سو فیصد یہ بات کہہ سکتی تھی کہ یہ اسی شخص کی آنکھوں کی تصویر تھی جس نے اسے خوابوں کا علم دیا تھا، یہ تصویر کہاں سے آگئی۔

ان تمام سوچوں نے اسے وحشت زدہ کر دیا، وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور پھر اس کی آواز ابھری۔ "کوئی ہے...... کون ہے یہاں...... کوئی ہے تو میرے سامنے آؤ۔" اس کی آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

تبھی اسے ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور وہ وحشت زدہ انداز میں پلٹی، سیڑھیوں کے اوپر والا دروازہ کھلا تھا اور اس سے کوئی اندر داخل ہوا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی، وہی دراز قامت شخص تھا جسے دنیا راجہ ہدایت خان کے نام سے جانتی تھی، سفید سلک کے لبادے میں ملبوس وہ اس وقت بڑا مختلف نظر آرہا تھا، بہت ہی پروقار انداز میں چلتا ہوا وہ سیڑھیوں سے نیچے اترا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"مم...... مجھے معاف کر دیجئے گا، دیکھئے میں آپ کو بتاؤں میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں تو...... میں تو۔"

"تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو لڑکی! راجہ ہدایت خان کے پاس ہو تم، تمہاری عزت، تمہاری زندگی محفوظ ہے، میں تمہیں اس کی ضمانت دیتا ہوں، آرام سے بیٹھو، اس جگہ تم تنہا ضرور ہو لیکن مجھے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اور اس کے بعد تم یقین کرو تمہیں ہر سہولت فراہم کی جائے گی، آؤ بیٹھ جاؤ، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"لیکن جناب! میں یہاں کیسے آگئی، میں تو آپ کے مہمان خانے میں تھی؟"

"یہ کوئی اہم بات نہیں ہے، تمہیں ایک بہت ہی خوشگوار خوشبو والی نشہ آور گیس سے بے ہوش کر دیا گیا تھا اور پھر تمہیں یہاں اٹھا لایا گیا۔" راجہ ہدایت خان نے اس طرح کہا جیسے اسے کسی بہت ہی نیک کام کے بارے میں بتا رہا ہو۔

"مگر کیوں......؟" ثنا بولی۔

"تم سے کچھ بات کرنی ہے، کیا سمجھیں؟"

"میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی، آپ مجھے یہاں سے باہر لے چلئے، آپ جو چاہیں مجھ سے سوالات کر سکتے ہیں، میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

"نہیں یہ کام کیے لیتے ہیں، حیات علی تمہیں تلاش کر رہا ہے اور خاصا غصے میں ہے، آخر کار تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا، پوری عزت، پورے احترام کے ساتھ...... مجھے تم سے کچھ معلومات کرنی ہیں، آؤ بیٹھ جاؤ۔" راجہ ہدایت خان نے نرم انداز میں اسے پچکارتے ہوئے کہا اور ثنا واپس مسہری پر بیٹھ گئی۔ راجہ ہدایت خان مسہری سے تھوڑے فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا تم نے یہ آنکھیں دیکھیں، وہ جو تصویر لگی ہوئی ہے اور جو تمہارے چہرے کے عین سامنے تھی؟"

"ہاں دیکھی ہے۔"

"اور کیا تم نے اپنی آنکھیں بھی دیکھی ہیں؟" راجہ نے گہری نگاہوں سے ثنا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ہاں۔" ثنا گہری سانسیں لیتی ہوئی بولی۔

"لڑکی! تمہاری آنکھوں میں کسی اور کا سحر ہے، مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟"

"مم...... میں نہیں جانتی۔"

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی، یہ سوال میں تم سے کہیں اور بھی کر سکتا تھا یعنی مہمان خانے میں یا درسگاہ میں، بھلا مجھے روکنے والا کون ہوتا لیکن لڑکی! کیا نام ہے تمہارا شاید ثنا...... کیوں یہی نام ہے نا؟"

"ہاں...... ہاں......!"

"ڈرو نہیں، انسان خوف خود اپنے پاس بلاتا ہے، اگر تم مجھ سے تعاون کرو گی ثنا تو تم یقین کرو وہ فائدے ہوں گے تمہیں جو تمہارے تصور سے بھی باہر ہیں، مجھے جواب دو، تمہاری آنکھوں میں کس کا سحر ہے، ثنا! دیکھو میں تمہیں صاف لہجے میں بتا دوں کہ اگر تم نے مجھ سے تعاون نہ کیا تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گی، میں تمہیں قتل کر دوں گا اور وہ تمہارا دوست پولیس انسپکٹر تمہارا سراغ بھی نہیں لگا سکے گا بلکہ اگر تم نے مجھے جواب نہ دیا تو سب سے پہلے میں اسے قتل کر کے اس کی لاش تمہارے سامنے لاؤں گا بعد میں افسوس نہ کرنا۔"

"نہیں...... خدا کیلئے نہیں۔" ثنا دہشت زدہ لہجے میں بولی۔

"تو پھر سکون سے بات کرو، خوف کے ہر احساس کو دل سے نکال کر مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟"

ثنا دہشت زدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "آپ مجھے آزاد کر دیں گے؟"

"کیا تم وقت برباد نہیں کر رہیں، کیا تم میرے غصے کو آواز نہیں دے رہیں......؟" راجہ ہدایت کا لہجہ یکلخت خونخوار ہوگیا اور ثنا کی جان نکل گئی۔

"میں نہیں جانتی...... میں تو اسپتال میں نرس کا کام کرتی تھی، وہ ایک مریض تھا۔"

"بولتی رہو۔" راجہ ہدایت نے کہا اور ثنا کی زبان مشینی انداز میں چل پڑی۔ ویسے بھی وہ ایک سادہ لوح عورت تھی، حیات علی کے قتل کی دھمکی نے اس کا دل ہلا دیا تھا، راجہ ہدایت کی شان وشوکت وہ دیکھ چکی تھی اور اسے اندازہ تھا کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے ڈاکٹر تصور جلیل سے لے کر یہاں تک کی کہانی اسے سنا دی اور رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"خدا کیلئے آپ حیات علی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں، میرا حیات علی کے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے، والدین اور بہن، بھائی پہلے ہی مجھ سے ناراض ہیں۔"

راجہ ہدایت خان نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ گہری نظروں سے ثنا کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک وہ اپنا موڈ بدل کر بولا۔ "تم...... تم جو کچھ ہو ثنا! تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے، اپنی قیمت نہیں جانتیں تم...... میں تمہیں آسمان کا ستارہ بنا دوں گا، اتنا بڑا انعام دوں گا تمہیں کہ تم نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا ثنا! کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ اس قوت کے حصول کے بعد تم کتنی بڑی شخصیت بن گئی ہو، وہ پولیس انسپکٹر تمہاری کیا قدر کر سکے گا، وہ تمہیں صرف اپنے مقصد کیلئے استعمال کرے گا جبکہ میں تمہیں سچ مچ آسمان کا ستارہ بنا دوں گا، پوجا کی جائے گی تمہاری پوجا۔"

"نہیں...... خدا کیلئے نہیں، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے، آپ اب مجھے رہائی دے دیجئے۔"

"ثنا! میری بات سنو، میں یہ نہیں کہتا کہ تم حیات علی کو چھوڑ دینا، میں بس یہ کہتا ہوں کہ جو عزت، جو شہرت اور جو مقام میرے پاس ہے، میرے لئے کوئی خواب مت دیکھو، تم یہی چاہتی ہو نا کہ شمشاد علی آزاد ہو جائے، چلو ٹھیک ہے، اسے باعزت بری کر دیا جائے گا، تم اور حیات علی اسے بچانا ہی چاہتے ہو نا...... ! وہ بچ جائے گا لیکن میں تمہیں اپنا دست راست بنا لوں گا تم یہ سمجھ لینا کہ حیات علی کی زندگی ہمیشہ بندوق کی گولی پر رہے گی، جہاں بھی تم نے میری حکم عدولی کی، سب سے پہلے تمہاری نگاہوں کے سامنے حیات علی کی لاش پہنچا دی جائے گی، یہ بات ہمیشہ رہے گی، مجبوراً مجھے تم سے یہ الفاظ کہنا پڑ رہے ہیں، کہیں دھوکا نہ کرنا، میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں، میں جہاں چاہوں تمہیں، تمہارے اہل خاندان کو اور ہر اس شخص کو جو تمہاری مدد پر آمادہ ہوگا، موت کی آغوش میں پہنچا دوں گا اور اگر تم نے میرے ساتھ تعاون کیا تو تم دیکھنا تمہاری حیثیت ہی بدل جائے گی۔"

ثنا سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے دل میں خوف نے بسیرا کر لیا تھا، وہ سوچنے لگی کہ اگر اس نے اس شیطان آدمی سے تعاون نہ کیا تو نہ صرف حیات علی، اس کے ماں، باپ، اس کے بہن، بھائی سب اس کے انتقام کا نشانہ بن جائیں گے، ہم لوگ اس قدر بے بس اور بے کس ہیں کہ اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے، حیات علی اگر اتنا ہی طاقتور ہوتا تو میری گمشدگی پر ہی کچھ کر ڈالتا۔ یہ ساری باتیں ثنا کے ذہن میں آرہی تھیں اور راجہ ہدایت گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ثنا کو یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ خود ہدایت خان بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے، اس کے اندر کوئی ایسی بات ضرور ہے جو اس کو دہشت زدہ کر رہی تھی، اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ ہدایت خان کی بات مان لے۔ اس نے کہا۔ "آپ شمشاد علی کو آزاد کرا دیں گے؟"

"میرے تمہارے درمیان یہ معاہدہ ہے، دیکھو ثنا! یہ ساری باتیں مجھے تم سے اس لئے کہنا پڑی ہیں کہ تم میرے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو جاؤ، تمہارا بال بیکا نہیں ہوگا اور تمہیں بہت بڑا مقام مل جائے گا، اصل میں تم اس قدر چھوٹی عمر کی ہو اور تم نے دنیا کو اس قدر کم دیکھا ہے کہ تمہارے ذہن میں دنیا کا اصل تصور ہی نہیں ہے، یہاں ہر شخص طاقت کا پجاری ہے، تم کسی کے سامنے رحم، انصاف کی بھیک مانگو گی، وہ ہنس کر تمہارے سامنے سے چلا جائے گا لیکن اگر تم اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دو گی تو وہ رک کر تمہیں دیکھے گا اور تم سے پوچھے گا کہ تم کیا چاہتی ہو، اس دنیا سے اسی طرح پیش آؤ، میں تمہیں بتاؤں گا کہ زندگی میں کوئی بڑا مقام کیسے حاصل کیا جاتا ہے ثنا...... ! بہت فائدے میں رہو گی تم، میں تمہیں چاہوں تو مجبور بھی کر سکتا ہوں، تنگ بھی کر سکتا ہوں تمہارے ساتھ لیکن تمہیں دوست بنانا ہی میری ضرورت ہے کیونکہ دوست رہ کر تم بہتر کام کر سکتی ہو، تمہیں تھوڑی سی تربیت دینا پڑے گی پھر تم سب کچھ قبول کر لو گی۔"

ثنا ایک ایک لفظ پر غور کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ واقعی وقت ایسا ہی ہے، بے بس انسان جو طاقت سے محروم ہوتے ہیں، سڑکوں پر گھسٹنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پاتے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو زندگی سے عاجز کر دیتے ہیں۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "اگر میں آپ کی بات مان لوں تو جناب......؟"

"میں نے کہا نا وہ سب کچھ ہو جائے گا جو تم چاہو گی اور اس کا سب سے پہلا مظاہرہ شمشاد علی کی رہائی ہے، میں تمہیں اس درمیان قید نہیں رکھوں گا، میں تمہیں حیات علی کے پاس بھیج دوں گا لیکن میں تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھ سے غداری کی تو ثنا میں تمہیں غداروں کا انجام دکھا دوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔"

"اب میں کیا کروں......؟"

"میرے بارے میں کوئی خواب نہ دیکھو، جس شخص نے تمہیں علم دیا ہے اس کا نام جانتی ہو؟"

"بالکل نہیں...... جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں تو اسپتال میں نرس ہوں، اس رات اس شخص کے کمرے میں میری ڈیوٹی تھی، اس نے سوچا تھا کہ جو بھی پہلے اس کے پاس آجائے گا، وہ اسے اپنا یہ علم دے دے گا کیونکہ اس رات وہ مر جائے گا۔"

"قابل نفرت جادوگر...... ایک منحوس وجود جس نے آخر کار وہ علم پا ہی لیا جس کیلئے میں نے اپنی آدھی زندگی کوشش کی ہے، اس کا نام فرزان تھا، میرا بدترین دشمن...... اس نے اپنی جو کہانی تمہیں سنائی، وہ بالکل جھوٹی تھی، سچا تو خیر وہ تھا ہی نہیں کیونکہ جو لوگ اس علم کے پجاری ہوتے ہیں، ان کا سچ سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، وہ جھوٹا تھا، بے شک وہ ایک زمیندار کا بیٹا تھا لیکن جو کچھ اس نے بتایا، وہ سب غلط تھا، بالکل جھوٹ بولا تھا اس نے، نجانے کس کس کو دھوکا دے کر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔"

ثنا تعجب سے ہدایت خان کو دیکھ رہی تھی۔

ہدایت خان نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "اور اس کی وجہ سے مجھے اپنی بہن کی قربانی دینی پڑی، اگر تم میرے بارے میں خواب دیکھتیں تو وہ خواب بے شک سچا ہوتا، میری زندگی کی کہانی تمہارے علم میں آجاتی اور اگر میری زندگی کی کہانی تمہارے علم میں آجاتی تو سمجھ لو کہ میری زندگی ختم ہو جاتی، ساتھ ہی میرے تمام علوم فنا ہو جاتے جو میں نے زندگی بھر کی مشقت سے حاصل کیے ہیں، ثنا میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے یہ سب کچھ بتا رہا ہوں تاکہ تم ہر چیز کو اپنے ذہن میں رکھو، بولو کیا کہتی ہو؟"

"میں آپ کے ساتھ تعاون کیلئے تیار ہوں۔"

"جھوٹا تعاون نہیں، جس طرح تم انسان کے بارے میں خواب دیکھ کر معلوم کر لیتی ہو اسی طرح میں انسانوں کے ذہن کو پڑھ لیتا ہوں کہ وہ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ...... ثنا تمہارا ہر جھوٹ تم سے تمہارے ایک عزیز کو جدا کر دے گا، جانتی ہو یہ بات؟"

"جانتی ہوں...... جانتی ہوں۔"

"بہنیں ہیں، تمہاری بھائی ہیں، اب تک مجھے ان کے بارے میں نہیں معلوم تھا لیکن صرف چند گھنٹے مجھے دے دو ان چند گھنٹوں میں تمہارے گھر کی، تمہارے ماضی کی پوری تفصیل بتا دوں گا، سمجھ لو یہ میرا علم ہے۔"

"آپ کو اس شخص سے کوئی نقصان پہنچے گا جس کا نام آپ نے فرزان بتایا؟"

"نقصان...... میں نے تمہیں بتایا کہ میری بہن اس کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتری۔"

"کیا رانیہ کی شادی شمشاد علی سے ہوئی تھی؟"

"ہاں...... وہ میری بہت بڑی مجبوری بن گئی تھی، میں رانیہ کی زندگی بچانا چاہتا تھا کیونکہ وہ پاگل تھی۔"

"پاگل......؟" ثنا نے حیرت سے پوچھا۔

راجہ ہدایت خان جیسے چونک پڑا۔ وہ بولا۔ "ہاں ایک سلسلہ ہوتا ہے پاگل ہونے کا، ابھی تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکو گی لیکن بعد میں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"تو پھر آپ مجھے بتایئے میں کیا کروں؟"

"ثنا! میں موقع دیکھ کر تمہیں حیات علی کے حوالے کر دوں گا، تم حیات علی کو کھل کر یہ بات بتا دو گی کہ شمشاد علی آزاد ہو جائے گا، حیات علی یہی چاہتا ہے نا، میں تمہیں ساری تفصیل بتا دوں گا اور اگر حیات علی تمہیں اس بات کیلئے مجبور کرے کہ تم میرے بارے میں خواب دیکھو تو تم حیات علی سے منحرف ہو جانا، ثنا! اگر تم نے حیات علی کو میرے بارے میں کچھ بتا دیا تو میں ایک ایک کر کے تمہارے اہل خاندان کو ختم کر دوں گا، ان کی لاشیں تمہارے سامنے آئیں گی پھر تمہیں سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"نہیں...... آپ خدا کیلئے مجھ پر یقین رکھیں، میں آپ سے وعدہ کر رہی ہوں کہ میں حیات علی کی بات مانوں گی نہ آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گی، پلیز اگر کسی اور طرح کی کوئی غلط بات آپ کے سامنے آجائے تو پہلے اس کی تصدیق کر لیجئے گا کہ کم از کم وہ میں نے نہیں کیا ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط فہمی ہو جائے آپ کو اور آپ......!" ثنا کا پورا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔

ہدایت خان نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "اطمینان رکھو، حقیقتیں اسی طرح مجھ تک پہنچ جاتی ہیں جس طرح کوئی کبوتر اڑ کر کسی کے کندھے پر آبیٹھے، وہ شخص میرا بدترین دشمن تھا اور اس نے مجھ سے اتنا کچھ چھین لیا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں اور میں تمہیں خصوصاً ایک بات بتاؤں، اس کا کچھ نہیں بگڑا ہے سمجھیں، اس کا کچھ نہیں بگڑا ہے۔" ہدایت خان نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

(جاری ہے)

ثنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ہدایت خان کے الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ کچھ دیر وہ اس کی صورت دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''میں سمجھی نہیں جناب! آپ نے کہا ہے کہ اس کا کچھ نہیں بگڑا، اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

ہدایت خان کے چہرے پر نفرت کے آثار تھے اور اس وقت وہ

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 6

انتہائی مکروہ نظر آرہا تھا، اس نے اسی نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''ہاں! ہم لوگ اپنا ایمان بیچ چکے ہیں، ہم ان راہوں پر سفر کررہے ہیں جو......!'' اس نے ایک بار پھر خود کو سنبھالا، شدت جوش میں وہ نجانے کیا کیا کچھ کہتا جارہا تھا۔

ثنا خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔ ''بہت زیادہ گہرائی میں اترنے کی ضرورت نہیں ہے، وقت بہت سی وضاحتیں خود کردیتا ہے، میں نے اگر تم سے یہ الفاظ کہے کہ اس نے مجھ سے میرا بہت کچھ چھین لیا ہے، تو غلط نہیں ہے، یوں سمجھ لو ہم دو حریف ہیں جو ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرجانے کی فکر میں سرگرداں رہے ہیں، کہیں اسے کامیابی حاصل ہوئی اور کہیں مجھے...... لیکن اس کی وجہ سے مجھے بہت نقصانات پہنچے ہیں، اتنے نقصانات جو میرے لئے ناقابل برداشت ہوچکے ہیں، سمجھ رہی ہو نا تم...... میں ہر قیمت پر اس کی موت چاہتا ہوں، اس کی موت چاہتا ہوں، میں ہر قیمت پر...... ہر قیمت پر......!''

''لیکن وہ تو مرچکا ہے جناب......!'' ثنا حیران لہجے میں بولی۔

لیکن ہدایت خان حسب عادت پھر دیر تک خاموش رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔ ''اس کا انتقال اسپتال میں ہوا تھا؟''

''جی۔''

''اور اس کی لاش کسی نے وصول نہیں کی؟''

''نہیں...... یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں، وہ ایک لاوارث لاش کی حیثیت سے اسپتال کے سردخانے میں پہنچادیا گیا تھا۔''

''سردخانے میں جو لوگ پہنچائے جاتے ہیں، ان کے بارے میں کوئی اور کارروائی ہوتی ہے؟''

''جی ہاں...... ان کی تصاویر اخبارات کو دی جاتی ہیں اور ورثا تلاش کئے جاتے ہیں اور اگر کوئی وارث نہیں ملتا تو سرکاری طور پر ان کی تدفین کردی جاتی ہے۔''

''کسی مخصوص جگہ......؟''

''مجھے اتنی تفصیل نہیں معلوم۔''

''اسپتال سے معلوم ہوسکتا ہے؟''

''جی ہاں! بالکل ان کے اندراجات ہوتے ہیں۔''

''ہوں......!'' ہدایت خان پھر دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے بعد بولا۔ ''ثنا! تمہیں گھر واپس جانے کی جلدی تو نہیں ہے؟''

''سر! میں جانا چاہتی ہوں، آپ نے جو ہدایات مجھے دی ہیں، میں ان پر بھرپور عمل کروں گی۔''

''ثنا! اگر میں تم سے کہوں کہ کچھ وقت اور میرے ساتھ گزارو تو کیا تم انکار کردوگی؟''

''نہیں سر......! اپنے گھر والوں کو تو میں آپ کے بارے میں بتاچکی ہوں کہ انہیں میری کوئی پروا نہیں ہوگی لیکن حیات علی......!''

''حیات علی......! ٹھیک ہے، مجھے سوچنے کا موقع دو، میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس سلسلے میں، میں نے کیا، کیا ہے لیکن تمہارا پرسکون رہنا ضروری ہے، ہاں ایک بات میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، اگر تم نے میرے بارے میں خواب دیکھنے کی کوشش کی تو ہمارا تمہارا معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔''

''نن...... نہیں سر! میں...... میں آپ کے بارے میں سوچوں گی ہی نہیں اور جب میں سوچوں گی نہیں تو آپ کا خواب مجھے نظر نہیں آئے گا۔''

''یہ تم بہتر سمجھتی ہو، اس بات کو یاد رکھنا کہ میں تمہارے خوابوں سے بھی دور نہیں رہوں گا۔'' ہدایت خان کا لہجہ حسب سابق خونخوار ہی تھا۔

ثنا نے کہا۔ ''مجھے اتنا ضرور بتادیجئے کہ مجھے کتنے دن یہاں رہنا ہوگا؟''

''ثنا! میں اور تم مل کر آگے کا جو سفر طے کریں گے، وہ میرے ہی نہیں تمہارے حق میں بھی اتنا اچھا رہے گا کہ بعد میں تم مجھے دعائیں دوگی، میں تمہارے مکمل حالات سے واقف ہوچکا ہوں، حیات علی اگر تمہاری زندگی میں کوئی اہم حیثیت رکھتا ہے تو میں اسے تم سے دور نہیں کروں گا لیکن بس اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھ سے کوئی غداری نہ ہونے پائے۔''

''جی۔'' ثنا نے آہستہ سے کہا۔ اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ ہدایت خان ایک طاقتور شخص ہے اور اس کے خلاف ذرا بھی کچھ سوچنا خوفناک ثابت ہوگا، اسے بہرحال اپنے عزیز واقارب کی زندگی عزیز تھی۔

ہدایت خان نے آخرکار اسے ایک اور جگہ منتقل کردیا جو ہر لحاظ سے رہائش کیلئے عمدہ تھی۔

☆......☆......☆

نوردین نے بذات خود حیات علی سے ملاقات کی تھی۔ اس نے کہا۔ ''جناب آپ نے غالباً راجہ صاحب کے بارے میں تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہے، راجہ صاحب کی جو حیثیت ہے، آپ نے اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں، راجہ صاحب کے پاس اتنا کچھ ہے کہ ان کی دس نسلیں آرام سے زندگی بسر کرسکتی ہیں، وہ تو بس راہ خدا میں سب کچھ کررہے ہیں اور انسانیت کی بھلائی کیلئے کام کررہے ہیں، اگر ان پر کیچڑ اچھالی جائے تو آپ خود بتایئے کہ کیا انہیں برداشت کرلینا چاہئے، وہ ایک نیک فطرت انسان ہیں لیکن اب ایسا بھی نہیں ہے کہ اپنے کسی دشمن کو اپنے سینے پر رکھ کر پالا جائے، براہ کرم آپ اپنا بندوبست کسی اور جگہ کرلیجئے گا، یہ ہمارا حق ہے، ایک میزبان کا حق کہ وہ کسی کو مہمان رکھے یا نہ رکھے۔''

''ٹھیک ہے، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں لیکن......!''

''کچھ نہیں، یہاں سے جانے کے بعد آپ ہمارے خلاف باقاعدہ فوج کشی کرسکتے ہیں، ہم آپ کے ہر عمل کا انتظار کریں گے، آپ براہ کرم فوری طور پر یہاں سے نکل جایئے۔''

حیات علی کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ وہ راجہ ہدایت خان کی حویلی سے باہر آگیا، کار بھی واپس کرنی تھی اور دوسرے کچھ معاملات تھے۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے سب سے پہلے پولیس اسٹیشن کا رخ کیا تھا اور داور شاہ اسے تھانے میں مل گیا تھا، اس نے عجیب سے انداز میں حیات علی کو دیکھا، اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔

''حیات علی! تم یقین کرو میں بھی تمہاری منگیتر کیلئے اللہ سے دعا گو ہوں، یہ مت سمجھنا کہ میں غیر مخلص انسان ہوں، تم تمام حالات سے واقف ہو اور میرے ہم پیشہ ہو، میں ہدایت خان کی حویلی گیا تھا، بہت بڑے آدمی ہیں وہ، ان کی درگاہ میں تو لوگ آتے جاتے ہیں لیکن بذات خود ان سے ملنا اتنا آسان نہیں ہوتا، میں ان کے مشیر خاص نور دین سے ملا تھا اور میں نے اسے ساری باتیں بتائی تھیں، نور دین نے بڑے آرام سے کہہ دیا کہ اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں ہے، اب کوئی ایسا ذریعہ میرے پاس نہیں ہے کہ میں اندر گہرائیوں میں اتر سکوں۔''

''ٹھیک کہتے ہو مجھے اندازہ ہے، دیکھوں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''میرے دوست! ہر شخص تم سے ایک ہی بات کہے گا کہ کوئی جذباتی قدم اٹھا کر اپنے اور اپنے خاندان کیلئے کوئی مصیبت مت خرید لینا، راجہ ہدایت خان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، اس بات کو بھی ذہن میں رکھوں گا۔'' حیات علی نے کہا۔

''میں تمہیں دوستانہ طور پر بتارہا ہوں کہ راجہ ہدایت خان کوئی چھوٹی شخصیت نہیں ہے، کچھ لوگ اس کی روحانیت کا تذکرہ بھی کرتے ہیں لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے، وہ سفلی علوم کا ماہر ہے اور انہی کے ذریعے وہ بہت سارے مسائل حل کرتا ہے۔''

''مجھے اس کا پس منظر بتاؤ گے، چاہتا کیا ہے وہ...... جیسا کہ تم کہہ چکے ہو کہ دولت کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔''

''یار! معاف کرنا حیات علی! دولت کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، دیکھو میں ایک مخلص ساتھی ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ بتارہا ہوں کہ راجہ ہدایت خان کے پاس بہت بڑی بڑی شخصیات آتی ہیں، وہ سب صاحب اختیار لوگ ہوتے ہیں، وہ راجہ صاحب کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور جب اتنی اتنی بڑی شخصیتیں راجہ صاحب کی عقیدت مند ہوں تو راجہ صاحب کا دماغ ساتویں آسمان پر کیوں نہ ہو لیکن جہاں تک میرا خیال ہے راجہ ہدایت خان اپنے سفلی علوم کی مدد سے ان شخصیتوں کے راز حاصل کرلیتا ہے اور پھر تم یہ سمجھ لو کہ ایسا کوئی راز جو زندگی اور موت کی حیثیت رکھتا ہو، کسی کے علم میں آجائے تو پھر صاحب راز تو اس شخصیت کے ہاتھوں میں کھیلے گا ہی، یہ بھی ممکن ہے کہ راجہ صاحب ان لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں بھی وصول کرتے ہوں، جن کے راز ان کے علم میں آجاتے ہوں، ظاہر ہے ایسے حالات میں لوگ اور کیا کرسکتے ہیں مگر تمہیں خدا کا واسطہ اس چیز کو کبھی منظر عام پر مت لانا، تم بھی جاؤ گے اور میں بھی چلا جاؤں گا۔''

''نہیں داور شاہ! تمہارا بے حد شکریہ، تم نے جو کچھ مجھے مخلصانہ طور پر بتایا ہے، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔''

''اب کیا کروگے؟''

''شہر واپس جانا ضروری ہے۔''

''ایک بات کی پیشکش میں تمہیں کرتا ہوں۔''

''کیا......؟''

''میرا برادر نسبتی اے ایس آئی لگا ہوا ہے، اور لیس ہے اس کا نام، میرا دوست بھی ہے اور رازدار بھی...... مہم جوئی کا شوق رکھتا ہے، ابھی نئی نئی جوانی آئی ہے اس لئے اپنے آپ کو عقل و دانش کی سب سے بلند جگہ پر فائز سمجھتا ہے اور اس بات کا خواہشمند ہے کہ ایک اے ایس آئی سے لے کر ڈی آئی جی کے عہدے تک پہنچے، پڑھا لکھا بھی ہے، میں اسے اس بات کیلئے مخصوص کردوں گا کہ وہ راجہ ہدایت خان پر خصوصی نگاہ رکھے خاص طور سے ثنا بھابی کے سلسلے میں۔''

حیات علی نے خلوص دل سے داور شاہ کا شکریہ ادا کیا تھا اور کہا تھا۔ ''داور شاہ...... ثنا کی زندگی بہت عجیب ہے، کبھی بتاؤں گا تمہیں اس کے بارے میں مگر تم یہ سمجھ لو کہ مجھے اپنی زندگی سے زیادہ اس کی زندگی عزیز ہے اور اگر اور کچھ نہ کرسکا اور مجھے اس بات کا شبہ ہوگیا کہ راجہ ہدایت خان نے ثنا کو کسی طرح اپنے جال میں پھانسا ہے یا اسے نقصان پہنچایا ہے تو ایک بات میں تمہیں بتادوں کہ میں راجہ ہدایت خان کو چھوڑوں گا نہیں...... اس کے بعد جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

''نہیں میرے دوست! اس حد تک جانے کی ضرورت نہیں ہے، وقت خود بخود ہمارے حق میں فیصلہ کرے گا۔''

حیات علی، داور شاہ سے رخصت ہوکر شہر واپس چل پڑا تھا۔

☆......☆......☆

خوف جب حد سے گزر جاتا ہے تو انسان نڈر ہوجاتا ہے، ثنا کو جتنا ڈرنا تھا، ڈر چکی تھی، اب وہ پرسکون تھی، حیات علی کے بارے میں اسے اندازہ تھا کہ اس کی گمشدگی کے بعد اس نے اس کی تلاش کے سلسلے میں کیا کچھ نہ کیا ہوگا، اس کا اس تک نہ پہنچ سکنا، اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ وہ راجہ ہدایت خان کے خلاف کچھ نہیں کرسکا۔

محدود زندگی کی مالک ثنا انسانوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتی تھی، لیکن راجہ ہدایت کے بارے میں اسے ضرور اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ انسان کی شکل میں بھیڑیا ہے اور وہ سب کچھ آسانی سے کرسکتا ہے، جو کہہ رہا ہے، اب وہ راجہ ہدایت کے احکامات پر عمل کرکے اپنے اہل خاندان اور حیات علی کی زندگی بچانے کی خواہاں تھی، گھر والے تو اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک چکے تھے، ایک حیات علی تھا جو اس کیلئے سرگرداں ہوگا۔

وہ بستر پر لیٹی تو وحشت زدہ ہوگئی۔ مالک دوجہاں! مجھے کوئی خواب نظر نہ آئے، میں ہدایت خان کے بارے میں خواب نہیں دیکھنا چاہتی، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتی...... لیکن جب نیند نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو اس کے ذہن میں روشنی پھیل گئی، اس روشنی میں اس نے وہ آنکھیں دیکھیں جو زبردستی اس کے حواس پر مسلط ہوگئی تھیں، آنکھوں کے نیچے گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا لیکن ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''ہدایت خان کی آلہ کار نہ بن، میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں بس تھوڑا سا وقت جارہا ہے کہ اس کی گردن میری گرفت میں ہوگی، اس کو ذہن میں لاکر اور اس کی حقیقت تلاش کرکے دنیا کو بتادے۔''

اسی وقت ایک سایہ اس کے ذہن سے گزر گیا، اس کے بعد ساری رات اسی طرح گزری تھی، کبھی فرزان کی آنکھیں اسے غضبناک شکل میں نظر آتیں، وہ اسے گھور رہا ہوتا اور اس کی سانپ جیسی پھنکار سنائی دیتی۔

''اسے خواب میں دیکھ اور اس کے بارے میں حیات علی کو بتا تاکہ حیات علی اس کے خلاف کارروائی کرسکے، اس کی حقیقتیں جان لے، بات بہت گہرائی کی ہے، میں تجھے نہیں بتا سکتا، یہ سارے کام تجھے خود کرنے ہیں، اسے کیفر کردار تک پہنچا، اسے خواب میں دیکھ، اسے خواب میں دیکھ۔'' یہ آواز اس کے حواس پر مسلط ہوتی محسوس ہوتی، اس کا ذہن بھول بھلیوں میں کھو جاتا اور ایک مدھم سا دھواں اس کے حواس پر چھاتا چلا جاتا لیکن پھر اس دھویں میں سے وہی تاریک سایہ گزر جاتا جو دھواں سمیٹتا ہوا لے جاتا تھا اور اس کا ذہن ایک سادہ ورق کی طرح ہوجاتا۔

یہ رات اسی طرح گزری تھی اور صبح کو جب روشنی نے صبح کا احساس دلایا تو اس کا دماغ اس طرح دکھ رہا تھا جیسے اس نے شدید ذہنی مشقت کی ہو، وہ بری طرح نڈھال تھی۔

ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کی تو راجہ ہدایت خان اس کے پاس پہنچ گیا۔ راجہ ہدایت خان نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ ''بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں بالکل اتفاقیہ طور پر وہ سب کچھ مل جاتا ہے جسے پانے کیلئے لوگ زندگیاں خرچ کردیتے ہیں، تم انہی میں سے ایک ہو ثنا......! میرے دشمن نے تمہیں آلہ کار بنایا اور اسی کی آلہ کار بن کر تم یہاں تک پہنچیں لیکن یہ ایک خاص عمل تھا، تم نے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تمہیں گھیر کر اس طرف لایا تھا، اتنا چالاک ہے وہ کہ تم تصور تک نہیں کرسکتیں، تم اسے دنیا سے گم سمجھتی ہو، تمہارے ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی تھی، میں تمہیں بتاؤں کہ وہ مرا نہیں ہے، وہ زندہ ہے، میں اس بات کو ثابت کردوں گا، میرے آدمیوں نے اسپتال کے مخصوص افراد کو دے دلا کر اس کی قبر کے بارے میں معلوم کرلیا ہے اور آج رات میں تمہاری موجودگی میں اس کی قبر کشائی کروں گا۔''

ثنا ایک بار پھر لرز گئی۔ اس نے کہا۔ ''نہیں راجہ صاحب! میں اتنی دلیر نہیں ہوں کہ ایسے کسی منظر کو برداشت کرسکوں۔''

جواب میں راجہ ہدایت خان ہنسنے لگا۔ ''یہی تو میں بتارہا تھا تمہیں، وہ جو کہتے ہیں نا کہ بن مانگے موتی ملیں، مانگے ملے نہ بھیک...... تم یقین کرو تمہیں جو کچھ مل گیا، وہ ایک ذہنی قوت تھی، اس نے درحقیقت تمہیں اپنا برسوں کی ریاضت سے حاصل کیا ہوا علم دے دیا لیکن اس کے ذہن میں اصل معاملہ کچھ اور ہی تھا، اسے یہ خوف پیدا ہوچلا تھا کہ شاید میں اس پر قابو پالوں، ہم دونوں ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہیں، وہ اپنی چالیں چلتا رہتا ہے اور میں اسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں، اس نے جو منصوبہ بندی کی، وہ اس پر عمل پذیر ہوا لیکن میں اس کے جال میں نہ آسکا، ثنا! تمہیں میری خاص شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہونے والا ہے، میں بہت کچھ کرسکتا ہوں، اتنے بڑے بڑے لوگ میرے مرید ہیں جو ہر طرح کے کام کرسکتے ہیں اور تم سوچو تمہیں میری شاگرد ہونے کا درجہ حاصل ہوجائے تو تمہیں بھی وہی قدر و منزلت حاصل ہوجائے گی جو مجھے ہے، پتہ ہے میں تم سے کیا کام لینا چاہتا ہوں، تھوڑے ہی عرصے کے بعد تم ایک ایسی بزرگ خاتون کی حیثیت سے مشہور ہوجاؤ گی جس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ پتھر کی لکیر ہوگا، یہ سارے کام میرے موکل کریں گے اور میرے موکل کون ہیں، اس کا پتہ تمہیں کچھ عرصے کے بعد چل جائے گا، تم منظر عام پر ہوگی اور لوگوں کی فلاح کیلئے کام کروگی اور در پردہ میں ان علوم کے حصول کیلئے سرگرداں ہوجاؤں گا جو مجھے اور اس کے بعد تمہیں زندہ جاوید کردیں، بہت زیادہ گہرائی میں مت جانا ثنا......! ایک پولیس والا تمہیں زندگی میں کیا دے سکے گا جو میں تمہیں دوں گا اور ایک بات کو خاص طور سے ذہن میں رکھنا، تم کسی بھی وقت میرے لئے کوئی عورت یا لڑکی نہیں ہوگی، اپنا مقام پانے کے بعد بھی اگر تمہیں اس پولیس والے سے دلچسپی ہوگی تو میں تمہیں اس کے قریب جانے سے نہیں روکوں گا، اپنے خلاف ہونے والے ہر راستے کو بند کرنا میں اچھی طرح جانتا ہوں، وہ نہ میرا کچھ بگاڑ سکے گا اور نہ تمہارا...... لیکن اگر تم چاہو تو اسے اپنے قدموں میں جگہ دے دینا لیکن اس حد تک جس حد تک میں چاہوں اور پھر آنے والا وقت تمہیں جو مقام دے گا، وہ مقام تمہیں یہ بات سمجھائے گا کہ کسی ایک پر تکیہ کرکے بیٹھ جانا عقل کی بات نہیں ہے، زندگی بہت آگے کی چیز ہے۔'' راجہ ہدایت خان نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کرڈالی پھر وہ ثنا سے بولا۔

''اپنا دل مضبوط کرو، رات بھر جس کشمکش کا شکار رہی ہو، اس سے تمہیں یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ فرزان میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، وہ تمہیں اپنی آنکھوں کی روشنی دینے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ تمہارا ذہن بھی اس کے قبضے میں ہوگا اور وہ سب کچھ حاصل کرے گا جو میرے اپنے ذہن میں ہے یا جو میرا ماضی ہے لیکن تم نے دیکھا کہ میں تمہارے راستے کاٹتا رہا اور میں نے تمہارے ذہن کو یکسو نہ ہونے دیا۔''

ثنا کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔ راجہ ہدایت خان اسے اس کے احساسات اور اس کی گزری ہوئی رات کی تفصیل بتارہا تھا، اس سے زیادہ حیرت ناک بات اس کیلئے اور کوئی نہیں تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی راجہ ہدایت خان نے اسے اس کے مستقبل کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ بھی ایک عجیب پیشکش تھی، ثنا نے ایک لمحے کے اندر اندر اپنے آپ کو ایک عجیب روپ میں دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں راجہ ہدایت خان کی طرف اٹھ گئیں۔

''ہاں بالکل...... یہی میں چاہتا ہوں۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا اور ثنا دنگ رہ گئی۔

''اب تم بتاؤ، کیا تم میرے کہنے پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو؟''

''راجہ صاحب! آپ جتنی بلند شخصیت ہیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''ثنا......! یہ بالکل اتفاق ہے کہ اس شخص نے تمہیں میرے خلاف استعمال کرنے کے بارے میں سوچا اور تم یہاں تک پہنچ گئیں لیکن یہ بات تمہارے حق میں بہت ہی اچھی ہوئی، تم لڑکی ہو اور ایک لمبی زندگی تمہارے سامنے پڑی ہے، سکون سے وقت گزارو، میں تمہیں صرف ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں، میں نے تمہارے دماغ میں بسیرا کرلیا ہے، فرزان نے تمہیں اپنا علم سونپ کر ایک کھیل کھیلا ہے، وہ اپنے علم کی حفاظت تمہارے ذہن میں کرنا چاہتا تھا گویا تم سمجھو جیسے ایک شخص ایک خوبصورت پرندہ ایک پنجرے میں بند کرکے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوجاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ پرندہ اس پنجرے سے باہر نہیں نکل سکے گا جب تک اس کا تالا نہ کھولا جائے گا، اس نے اپنے علم کو تمہارے ذہن میں رکھ کر اپنے آپ کو آزاد کرلیا ہے تاکہ وہ تم پر نگاہ رکھ کر میرے خلاف جنگ کرسکے، تمہیں ایک ایسی شاندار زندگی ملے گی جس کے تم نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھے ہوں گے مگر مجھ سے بھرپور تعاون کرنا ہوگا، رات کو ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہم نکل چلیں گے اور اس کے بعد قبرستان میں اس کی قبر کھود کے اس کے بدن کی ہڈیاں نکال لیں گے، وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی راجہ ہدایت خان سے واسطہ پڑا ہے، تم نہیں سمجھتیں وہ کس قدر چالاک انسان ہے، اس نے اسپتال میں جان دے کر اپنے آپ کو دفن کرالیا ہے لیکن در پردہ وہ کہیں اور موجود ہے، خیر چھوڑو یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی، ساڑھے گیارہ بجے تک آرام سے وقت گزارو، حیات علی شہر واپس چلا گیا ہے اور بے فکر رہو، تم اگر میرے ساتھ سفر کرتی رہیں تو میں حیات علی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، چلتا ہوں۔'' راجہ ہدایت خان، ثنا کے کمرے سے باہر نکل گیا اور ثنا اس آرام کرسی پر نیم مردہ سی کیفیت میں دراز ہوگئی۔

اس کے دل میں بار بار خیال اٹھ رہا تھا کہ یاالٰہی! مجھ سے میری زندگی میں یہ امتحان کیوں لیا گیا، میں تو کسی امتحان کے قابل نہیں ہوں، کیا کروں؟ ایک طرف یہ شیطان صفت انسان بلکہ دو شیطان مجھے میری شخصیت سے الگ کررہے ہیں، مجھ سے میرا دین چھین رہے ہیں اور دوسری طرف میں ایک بے بس اور تنہا لڑکی ہوں، میری مدد کر میرے معبود......! میں کسی بھی شیطانی علم کا حصہ نہیں بننا چاہتی، میری مدد کر۔

اس کی آنکھوں میں حیات علی گھوم گیا جو اس کیلئے نجانے کس کس طرح سرگرداں ہوگا، میں کیا کروں حیات علی، میں کیا کروں، دیکھو وقت کیا کرتا ہے۔ ثنا نے سوچا اور آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان اس وقت ایک روایتی قسم کا جادوگر نظر آرہا تھا، اس کے جسم پر سلک کا سفید لبادہ تھا، سر پر چمکتی ہوئی پگڑی پہنے ہوئے تھا، گلے میں منکوں کی بڑی بڑی مالائیں پڑی ہوئی تھیں، وہ ایک بہت بڑی غیر معمولی سائز کی کتاب کو کھولے بیٹھا تھا اور بڑے انہماک سے اس کے اوراق کا جائزہ لے رہا تھا پھر وہ کچھ لمحے آہستہ آہستہ بڑبڑاتا رہا جیسے کچھ پڑھ رہا ہو پھر اس نے کتاب بند کردی اور پیچھے کی طرف گھوما جہاں خاقان اور نور دین دوزانو آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔

''خاقان......!'' اس نے لمبو خاقان کو آواز دی اور خاقان اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''مالک......!'' اس نے گردن خم کرکے کہا۔

''تمام بندوبست ہوگیا؟''

''جی مالک......!''

''میں نے دن کی روشنی میں اپنے آدمی کو جگہ دکھادی تھی اور ساری بات سمجھادی تھی۔''

''باہر کے معاملات ٹھیک ہیں؟''

''جی مالک......!''

''حیات علی کہاں ہے؟''

''واپس چلا گیا۔''

''پھر بھی خیال رکھنا، پولیس والا ہے، نوجوان ہے، عاشق ہے، کچھ بھی کرسکتا ہے۔''

''جی مالک! آپ اطمینان رکھیں۔'' خاقان نے کہا اور پھر اچانک ہی خوفزدہ ہوگیا کیونکہ ان الفاظ پر راجہ ہدایت خان نے کسی قدر ناخوشگوار نگاہوں سے خاقان کو دیکھا تھا اور پھر کہا۔ ''ہاں میرا سارا اطمینان تمہاری ہی وجہ سے تو ہے۔''

''معافی چاہتا ہوں مالک! معافی چاہتا ہوں۔'' خاقان لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''چلو، باہر جاؤ اور میرا انتظار کرو۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا۔

خاقان اور نور دین باہر نکل گئے، ہدایت خان تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے وہ کتاب ایک الماری میں رکھی اور الماری مقفل کر دی پھر پُر اعتماد قدموں سے چلتا ہوا اس کمرے سے باہر نکل آیا، ایک کوریڈور عبور کر کے وہ کوریڈور کے اختتام پر آخری کمرے کے پاس پہنچ گیا، کمرے میں داخل ہو کر اس نے ایک الماری میں رکھی ہوئی

کتابوں کو ہٹایا اور اس کے پیچھے لگا ہوا ایک بٹن دبایا جس سے الماری گھوم گئی اور اس کے پیچھے ایک بڑا دروازہ نظر آنے لگا۔

راجہ ہدایت خان دروازے سے داخل ہو کر سیڑھیاں طے کرنے لگا، سات آٹھ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ اس تہہ خانے میں پہنچ گیا جہاں ثنا موجود تھی اور شاید راجہ ہدایت خان کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ وہ وقت ہو رہا تھا جس کے بارے میں راجہ ہدایت خان نے اس سے کہا تھا۔

راجہ ہدایت خان نے پُرسکون نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ''تیار ہو بے بی......؟''

''جی راجہ صاحب......!''

''آؤ۔'' راجہ واپسی کیلئے مڑ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک قیمتی لینڈ کروزر میں کسی نامعلوم سمت جا رہے تھے، لینڈ کروزر خاقان ڈرائیو کر رہا تھا، خاقان کے برابر نور دین بیٹھا ہوا تھا، پچھلی سیٹوں پر راجہ ہدایت خان اور ثنا تھے۔ ثنا کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات گردش کر رہے تھے، سادہ سی زندگی گزاری تھی اب تک بس کچھ مخالفتیں تھیں جن کا سامنا کرتی رہی تھی اور اب کافی پُر اعتماد ہو گئی تھی لیکن یہ سب کچھ جو اچانک ہی اس کی زندگی میں شامل ہوا تھا، اس کیلئے ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھا۔

لینڈ کروزر ایک سنسان اور ویران قبرستان میں داخل ہو گئی تھی۔ ثنا نے زندگی میں کبھی قبرستان نہیں دیکھا تھا، قبریں ہی قبریں نظر آ رہی تھیں، ایک قبر کے گرد کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے مٹی کے تیل کے لیمپ پکڑے ہوئے تھے، ان میں کچھ کے پاس کدالیں اور پھاوڑے وغیرہ تھے۔

لینڈ کروزر ایک جگہ روک دی گئی، راجہ ہدایت خان نے ثنا کو سہارا دے کر نیچے اتارا، ثنا کے بدن پر کپکپاہٹ طاری تھی، راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ''میں تمہیں یہاں نہ لاتا لیکن ایک چھوٹی سی ضرورت نے مجھے اس کیلئے مجبور کر دیا، جس وقت اس کی ہڈیاں قبر سے نکالی جائیں گی، تمہیں اس کے سامنے ہونا ضروری ہے، یہ اس عمل کا ایک حصہ ہے جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، خوف زدہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں گا، وہ اپنی قوتیں کھو چکا ہے لیکن اس بات کے امکانات ہیں کہ اس کی روح جو در حقیقت روح نہیں ہے بلکہ جسم سے جدا ایک انوکھی چیز ہے، جس کے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں تو تم نہیں سمجھ پاؤ گی، اصل میں یہ سب کچھ میں نے اس لئے کہہ دیا ہے کہ تم خوف نہ کھاؤ بس تم اپنے آپ کو مضبوط رکھنا۔'' ان الفاظ نے ثنا کو اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔

وہ نڈھال تھی لیکن ہمت سے کام لے رہی تھی۔

راجہ ہدایت خاں اسے ساتھ لئے ہوئے قبر کے نزدیک پہنچ گیا، ایک آدمی جسے ثنا اچھی طرح پہچانتی تھی، یہ اس کے اسپتال کے عملے کا ایک فرد تھا اور سرد خانے میں ملازمت کرتا تھا، ثنا نے اسے اور اس نے ثنا کو غور سے دیکھا لیکن ثنا سمجھ گئی کہ یہ وہ شخص ہے جس نے قبر کی نشاندہی کی ہے کیونکہ لاوارث لاشوں کی تدفین میں اس کا بڑا ہاتھ ہوتا تھا۔

راجہ ہدایت خان کے پہنچنے پر سب مؤدب ہو گئے اور راجہ ہدایت خان نے گونج دار آواز میں کہا۔ ''چلو احتیاط کے ساتھ قبر کھودو ثنا! تم چند قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔''

ثنا کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے لیکن راجہ ہدایت خان اسے سہارا دیئے ہوئے تھا، وہ اس وقت بڑی کمزوری محسوس کر رہی تھی۔

قبر کی کھدائی شروع ہو گئی، کئی افراد احتیاط کے ساتھ قبر کی مٹی ہٹانے لگے، اس کے بعد پتھر کی سلیں ہٹائی گئیں اور جب پتھر کی سلیں ہٹیں تو قبر کھودنے والوں کے منہ سے آوازیں نکل گئیں، راجہ ہدایت خان آگے بڑھ کر قبر کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا ہے......کیا بات ہے؟''

''راجہ صاحب، راجہ صاحب......!'' قبر کھودنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

خاقان بھی اندر جھانک رہا تھا، اس نے کہا۔ ''مالک! قبر خالی ہے، کچھ بھی نہیں ہے اس میں۔''

راجہ ہدایت خان جلدی سے قبر کے نزدیک آ گیا، پیٹرو میکس لیمپ قبر میں لٹکا دیا گیا، قبر واقعی خالی تھی۔

راجہ ہدایت خان گم صم سا ہو گیا، کچھ لمحے وہ خاموش رہا اور اس کے بعد کئی قدم پیچھے ہٹ گیا، اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، نور دین نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور بولا۔ ''مالک! کیا قبر بند کرا دی جائے؟''

راجہ ہدایت خان نے خونی نگاہوں سے نور دین کو دیکھا، اس وقت اس کی آنکھیں کچھ عجیب و غریب کیفیت کا شکار نظر آ رہی تھیں پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہاں قبر بند کرا دو۔''

ثنا خاموشی سے یہ سارے مناظر دیکھ رہی تھی، اس کی الگ حالت خراب تھی، ابھی تک اسے نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ خالی ہے۔ بس وہ اپنی ہی کیفیت میں مبتلا تھی، راجہ ہدایت خان، نور دین کا سہارا لے کر آگے بڑھ گیا پھر اسے کچھ خیال آیا اور اس نے کہا۔ ''لڑکی کو بھی ساتھ لے آؤ۔''

خاقان نے ثنا سے کہا۔ ''آئیے بی بی صاب!''

وہ واپس آ کر لینڈ کروزر میں بیٹھ گئے اور لینڈ کروزر جس طرح سے آئی تھی، اسی طرح واپس چل پڑی۔ راجہ ہدایت خان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، راستے میں اس نے ثنا سے کہا۔ ''جس قبر میں اسے دفن کیا گیا ہے، وہ خالی ہے، وہ قبر میں موجود نہیں ہے، میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس نے اپنی بلا تمہارے سر ڈال دی ہے اور خود روپوش ہو گیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آخر کار میں اس تک پہنچ جاؤں گا، وہ اپنے فن میں کافی آگے بڑھ چکا ہے، آہ یہ غلط ہے، یہ ٹھیک نہیں ہوا۔''

ثنا بیچاری اس سلسلے میں کیا جواب دیتی۔ راجہ ہدایت خان راستے بھر اسی کی باتیں کرتا آیا۔

''اس نے اپنی قوت کافی بڑھا لی ہے، ساری کی ساری کہانی اس نے تم سے جھوٹ کہی تھی، نہ وہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا اور نہ ہی اس نے اپنا بدن چھوڑا ہے، لیکن معرکہ تو جاری رہے گا، فرزان تو عارضی طور پر مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے، تو نے مجھ پر وار کیا ہے، دیکھ میں نے تیرا وار روک دیا ہے یہ لڑکی میرے بارے میں کبھی خواب نہیں دیکھے گی، یہ مجھے علم دے گی، سمجھا...... میں اسے جو روپ دوں گا، تو اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا فرزان......!''

دفعتاً ہی راجہ ہدایت خان کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکل گیا۔ جہاں اس قہقہے سے ثنا کا دل لرزا تھا، وہیں ڈرائیونگ کرنے والے خاقان کے ہاتھ بھی اسٹیئرنگ پر بہک گئے تھے، لینڈ کروزر لڑکھڑائی لیکن اس کے بعد خاقان نے اسے سنبھال لیا۔

راجہ ہدایت خان نے ان تمام باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی، وہ مسلسل قہقہے لگا رہا تھا اور اس کے ساتھ لینڈ کروزر میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ لرز رہے تھے۔

☆......☆......☆

حیات علی، ایس ایس پی سجاد حسین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور سجاد حسین کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ اس دور میں اور تم جیسے تعلیم یافتہ لوگ ایسی احمقانہ باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ایک اتفاق اگر کارگر ہو گیا تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح کی کہانیاں سچ ہوتی ہیں، تم مجھے بتاؤ اگر ایک خبط الحواس شخص بے تکی باتیں کر کے مر گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، کسی سمجھدار آدمی کو ایسی باتیں سوچنی چاہئیں، چلو ثنا تو لڑکی تھی، تم تو انتظامیہ کے ایک اعلیٰ عہدیدار ہو، تم بھی ایسی باتوں پر یقین کرنے لگے، تم نے سوچا ہو گا کہ چلو ٹھیک ہے تم اس کے ذریعے مجرموں کا کھوج پا سکو گے یار!

حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا سا بے وقوف میں بھی بن گیا تھا لیکن میری بات سنو تم نے بڑا نقصان اٹھایا ہے۔''

''میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں جناب......! چلئے ٹھیک ہے میں نے ایک حماقت کی اور ثنا کو لے کر وہاں پہنچ گیا، لیکن آپ بھی راجہ ہدایت خان کے ہاں جا کر دیکھئے اس نے ایک درسگاہ وہاں آپ کی چیز بنا رکھی ہے جہاں وہ لوگوں کو درس دیتا ہے، ان کے مسائل حل کرتا ہے۔ جناب عالی! میں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ لوگوں سے ان کے دلوں کے راز معلوم کر کے وہ انہیں بلیک میل کرتا ہے، آپ مجھے موقع دیجئے کہ میں اس کے بارے میں تحقیقات کروں۔''

''دیکھو حیات علی! ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں، وہاں ہر شخص کچھ نہ کچھ بنا ہوا ہے مگر یہ ہاتھ لے کرنے والے بھی ہم ہی لوگ ہیں، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں کھلی چھوٹ دے دوں گا کہ راجہ ہدایت خان کے خلاف تحقیقات کرو تو یہ ممکن نہیں ہے، اگر کوئی گڑبڑ ہو گی تو جواب دہی بھی مجھے ہی کرنی ہو گی حالانکہ میں خود دل سے یہ چاہتا تھا کہ شمشاد علی رہا ہو جائے کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔''

''اس کے باوجود جناب......!'' حیات علی نے فریادی انداز میں کہا۔

''ہاں......اس کے باوجود۔''

''لیکن ثنا میری منگیتر ہے اور وہ......وہ اس کے قبضے میں ہے۔''

''ثبوت ہے تمہارے پاس؟'' سجاد حسین نے کہا اور حیات علی خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سجاد حسین نے کہا۔ ''میں تمہیں اس کے خلاف بغیر کسی ثبوت کے کچھ کرنے کی اجازت نہیں دے رہا لیکن میں جانتا ہوں تم خاموش نہیں بیٹھو گے، اپنی منگیتر کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور کرو گے، کوئی ٹھوس ثبوت حاصل کر لو تو مجھ سے ضرور رابطہ کرنا۔''

سجاد حسین نے کھری باتیں کی تھیں جو حقائق پر مبنی تھیں، حیات علی نے دل سے انہیں تسلیم کیا تھا لیکن وہ ثنا کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا، وہ صرف اس کی وجہ سے کسی عذاب میں گرفتار ہوئی تھی۔

پھر دل کی بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ موقع پاتے ہی قصبہ شاہ میر پہنچ گیا۔ راجہ ہدایت خان کے بارے میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خطرناک آدمی ہے اور اگر وہ اس کی حویلی کے قریب بھی پھٹکا تو راجہ کو خبر ہو جائے گی، چنانچہ اس نے تھانے کا رخ کیا اور داور شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ داور شاہ کے ہاتھ میں فون کا ریسیور تھا اور وہ کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ پُرجوش ہو گیا۔

''یہ دیکھو میں تمہارا ہی نمبر ڈائل کر رہا تھا۔'' اس نے سی ایل آئی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''خیریت......کچھ کام بن گیا کیا؟''

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ایک آدمی کو راجہ صاحب کے پیچھے لگا دوں گا، میں نے ایسا ہی کیا، میرے آدمی نے مجھے ایک رپورٹ دی ہے۔''

''پچھلی رات راجہ ہدایت خان اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تمہارے شہر کے ایک قبرستان گیا تھا، وہاں اس نے ایک قبر کو کھلوایا اور کچھ کر کے واپس آیا، ویسے تو راجہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ روحانی عمل کرتا ہے چنانچہ یہ قبر کشائی بھی اسی عمل کا ایک حصہ کہی جا سکتی تھی لیکن اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جس کا حلیہ تمہارے بتائے ہوئے حلیے سے ملتا جلتا تھا۔''

''ثنا......!'' حیات علی اچھل پڑا۔ ''پھر کیا ہوا......وہاں کیا، کیا راجہ نے......؟'' حیات علی کا سانس پھول رہا تھا۔

''نہیں، جو کچھ تم سوچ رہے ہو، وہ غلط ہے، جب وہ وہاں سے واپس پلٹا تو لڑکی اس کے ساتھ تھی، میرے آدمی کا کہنا ہے کہ لڑکی کے ساتھ اس کا رویہ برا نہیں تھا۔''

''اوہ......!'' حیات علی نے گہری سانس لی پھر بولا۔ ''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ لڑکی زندہ سلامت ہے، ممکن ہے راجہ ہدایت اس سے کوئی کام لے رہا ہو۔''

یہ سچائی تھی، حیات علی نے داور شاہ کو تفصیل نہیں بتائی تھی لیکن اس بارے میں بہت گہرائی سے سوچا تھا۔ اس بات کے امکانات تھے کہ راجہ ہدایت کے پاس واقعی کوئی علم ہو اور اسے پتہ چل گیا ہو کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں کوئی خاص بات ہے، ثنا کی اس خاصیت سے فائدہ اٹھانے کیلئے اس نے ثنا کو اغوا کر لیا ہو اور اب ثنا اس کے قبضے میں ہو۔

''اپنے آدمی سے مجھے یہ معلوم کر کے بتا سکتے ہو کہ وہ قبر کہاں تھی؟''

''معلوم کر چکا ہوں، وہ قبرستان صاحب گڑھی کا قبرستان کہلاتا ہے، قبر پیپل کے ایک درخت کے نیچے ہے۔''

☆......☆......☆

صاحب گڑھی کے قبرستان میں پیپل کے نیچے والی قبر اب بھی کھلی پڑی تھی، گورکن اسے قبر کے پاس کھڑے دیکھ کر آ گیا، پہلے اس نے حیات علی کو مشکوک نظروں سے دیکھا پھر ایک معقول انسان پا کر بولا۔

''صاحب! آپ کے کسی رشتے دار کی قبر تھی؟''

''ہاں......لیکن یہ تو خالی پڑی ہے۔''

''بس صاحب جی! قیامت آس پاس ہی ہے، پہلے کسی قبر کی بے حرمتی کا خیال کر کے ہی بندہ کانپ جاتا تھا مگر اب کسی کو کسی کا ڈر نہیں رہا ہے، پہلے بس کفن چوری ہوتے تھے، اب مردے چوری ہو جاتے ہیں۔''

''یہ کس کی قبر تھی؟''

''اسپتال والے لائے تھے، بہت دن پہلے کی بات ہے، لاوارث مردہ بتا رہے تھے، سب جعلی باتیں ہیں صاحب جی......! انہیں پتہ ہو گا کہ کتنے دن کے بعد گوشت گل جائے گا اور پنجر رہ جائے گا، سوکھا پنجر اچھے پیسوں میں بک جاتا ہے، بس صاحب جی! جو نہ ہو جائے، کم ہے۔''

کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی، بے حد افسردہ تھا، ذہن کام نہیں کر رہا تھا بس یہ احساس مارے ڈال رہا تھا کہ کہیں ثنا کسی مشکل میں نہ ہو، نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہو۔

تھک ہار کر ایک دن وہ پھر قصبہ امیر شاہ جا پہنچا اور راجہ ہدایت خان کی حویلی کے سامنے جا کھڑا ہوا، فوراً ہی دو خونخوار چوکیدار اس کے پاس پہنچ گئے۔

''کیا بات ہے؟'' ان میں سے ایک نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''میں......میں راجہ ہدایت خان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''تم پہلے بھی آئے تھے نا اور تم نے ان سے بدتمیزی کی تھی؟'' چوکیدار نے کرخت لہجے میں کہا۔

''ہاں، اسی غلطی کی معافی مانگنے آیا ہوں۔'' حیات علی نے لہجے میں شرمندگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''مگر راجہ صاحب کا حکم ہے کہ تمہیں دوبارہ کسی صورت حویلی میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔''

''میں درس میں شامل ہونا چاہتا ہوں، کیا راجہ صاحب اپنی درسگاہ میں بھی اپنی پسند کے لوگوں کو آنے دیتے ہیں؟''

''تم ایسا کرنا درس کے وقت آ جانا، اس دوران میں تمہارے بارے میں راجہ صاحب تک اطلاع پہنچا دوں گا، اگر ان کی اجازت ہوئی تو ٹھیک ہے ورنہ مجبوری ہے۔''

حیات علی خاموش ہو گیا لیکن درس کے وقت بھی اسے چوکیدار سے وہی جواب ملا۔

''نہیں راجہ صاحب کا حکم ہے کہ تمہیں ہرگز اندر نہ آنے دیا جائے اور اب تم مجھ سے کوئی خدمت کرو، میں صرف وہی کر سکتا ہوں جس کا حکم راجہ صاحب دیں۔''

حیات علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر واپس چل پڑا تھا۔ اب اور کوئی راستہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن داور شاہ نے جو انکشاف کیا تھا، وہ بھی قابل غور تھا، اس سے تو یہ ثابت ہوتا تھا کہ ثنا، راجہ ہدایت خان کی تحویل میں ہے لیکن راجہ ہدایت خان جس معیار کا انسان تھا، کوئی ایسی ترکیب نہیں تھی کہ اسے مجبور کیا جا سکے۔

☆......☆......☆

ثنا پر عجیب کیفیت طاری تھی، عذاب اس طرح اچانک انسان کی زندگی میں چلے آتے ہیں، اس کا اس سے بڑا تجربہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا، حیات علی بالکل ہی بودا ثابت ہوا، کچھ بھی نہیں کر پایا اس کیلئے، حالانکہ وہ صرف حیات علی کے کہنے پر یہاں آئی تھی۔

راجہ ہدایت خان اس رات کے عمل کے بعد دوبارہ اس سے نہیں ملا تھا لیکن اسے ہر طرح کی آسائشیں حاصل تھیں، ملازمین اس کی خدمت میں لگے رہا کرتے تھے، جب وہ سامنے آتے تو ان کی نگاہیں جھکی ہوا کرتی تھیں اور وہ بڑی عزت، بڑے احترام کے ساتھ اسے مخاطب کرتے، اس سے اس کی ضرورت پوچھتے۔ یہ سب کچھ اسے حاصل تھا لیکن ظاہر ہے یہ اس کی زندگی کا مقصد نہیں تھا۔

راجہ ہدایت خان ایک خونخوار عفریت کی طرح اس کے ذہن پر مسلط تھا پھر ایک دن وہ اس کے پاس آیا۔ کمبخت کا چہرہ انتہائی پُرجلال تھا، دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی، اس رات جب اس نے قبر کھودی تھی اور اس میں کچھ نہ پا کر واپس پلٹا تھا تو اس کے انداز میں ایسی بھیانک کیفیت تھی کہ سوچ سوچ کر دل لرز جاتا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ اس کے بارے میں کسی خواب کا تصور اب ثنا کے ذہن سے نکل چکا تھا۔

بہر حال راجہ ہدایت خان اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''کیسی ہو؟'' اس نے گونجدار آواز میں پوچھا۔

''ٹھ......ٹھ......ٹھیک ہوں۔''

''ثنا! مجھے مایوس مت کرو، مجھے یہ احساس مت دلاؤ کہ میں نے اتفاقیہ طور پر جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے، وہ مجھ سے غیر مطمئن ہے، آج پھر میں تم سے وہی باتیں دہراتا ہوں، تم نے اس دوران یہاں رہ کر یہ محسوس کر لیا کہ یہاں تمہاری عزت، آبرو محفوظ ہے، کسی کی مجال نہیں ہے جو تمہیں نگاہ بھر کر دیکھ سکے، ثنا! میں تمہیں ایک اتنا بڑا مقام دینا چاہتا ہوں کہ تم نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا، مجھ سے تعاون کرو، مختصر الفاظ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ فرزان میرا بدترین دشمن ہے، تم نے دیکھ لیا اس نے تم سے سب کچھ جھوٹ کہا تھا، وہ اپنی قبر میں موجود نہیں ہے، اس نے پُراسرار قوتیں حاصل کر لی ہیں اور اپنے عمل میں سرگرداں ہے۔''

ثنا کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ''لیکن راجہ صاحب! وہ آپ کا دشمن کیوں ہے؟''

''وقت آنے دو ثنا! اس سوال کا جواب خود بخود تمہیں مل جائے گا، میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خوشی سے میرے پاس رہو۔''

''ایک سوال کا جواب اور دیں گے راجہ صاحب......؟''

''ہاں پوچھو۔''

''کیا میں حیات علی سے کبھی نہیں مل سکوں گی؟''

راجہ ہدایت خان تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''نہیں......مل سکو گی لیکن ابھی اس وقت تک نہیں جب تک میرے مقصد کی تکمیل نہ ہو جائے۔''

''اس سے فون پر بھی بات نہیں کر سکتی؟''

''نہیں ثنا......! میں اس کیلئے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔''

''وہ مجھ سے دور ہو جائے گا۔''

''اسے جب تمہاری اصل حیثیت کا پتہ چلے گا تو وہ تمہارے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جائے گا، خیر تمہیں میری یہ بات ماننی ہی ہو گی، میں تمہیں اپنے ساتھ پھر کہیں لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں کیسے منع کر سکتی ہوں راجہ صاحب!'' ثنا نے جواب دیا۔

''شکریہ......یہی میں بھی چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مکمل تعاون کرو۔''

یہ گاڑی جس میں راجہ ہدایت خان اسے لے کر چلا تھا، حویلی کے پچھلے دروازے سے باہر نکلی تھی۔ رات کی تاریکی میں روشنی جلائے بغیر وہ دور تک چلی گئی، اس دوران راجہ ہدایت خان موبائل فون پر کسی سے پوچھتا رہا تھا کہ کوئی ان کے تعاقب میں تو نہیں ہے۔ جواب یہی ملا تھا کہ راستہ خالی ہے، آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔

یہ سفر تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہا اور اس کے بعد تاریکی میں ڈوبے ہوئے ایک ڈاک بنگلے نما عمارت میں یہ گاڑی داخل ہو گئی تھی، عمارت میں بھی ایک خونخوار قسم کا چوکیدار موجود تھا جس نے بڑی نیاز مندی سے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور ہدایت خان نیچے اتر آیا تھا، وہ ثنا کو ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا اور پھر اندر ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچ گیا، یہاں بڑا معمولی سا فرنیچر پڑا ہوا تھا اور کوئی موجود نہیں تھا۔

راجہ ہدایت خان ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے ثنا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''ثنا! میں تمہیں ایک اہم راز سے آگاہ کرنے کیلئے یہاں لایا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میں تمہارا امتحان بھی لینا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کچھ بتانا اور دکھانا چاہتا ہوں۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا اور پھر ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل فون پر کسی کا نمبر ڈائل کر کے کہا۔ ''لے آؤ۔''

جو لوگ اندر داخل ہوئے تھے، ان میں ایک خاقان تھا، دوسرا نور دین اور مزید تین افراد جو راجہ ہدایت خان کے وفادار لگتے تھے لیکن وہ اپنے ساتھ جن لوگوں کو لائے، انہیں دیکھ کر ثنا کو جھرجھری سی آ گئی تھی، یہ دو جوان آدمی تھے جن کا حلیہ انتہائی خراب ہو رہا تھا، ان کے چہرے جگہ جگہ سے جلے ہوئے تھے، کان اور ہونٹ کاٹ دیئے گئے تھے اور کٹے ہوئے ہونٹوں سے ان کے دانت نظر آ رہے تھے، ان کے جسموں پر چیتھڑے جھول رہے تھے، اندر آتے ہی وہ دو زانو زمین پر بیٹھ گئے اور بڑی عجیب سی آواز میں راجہ ہدایت خان سے معافیاں مانگنے لگے۔

ہونٹوں کے نہ ہونے سے ان کے جملے صحیح انداز میں نہیں نکل رہے تھے لیکن ان کا مفہوم سمجھ میں آ رہا تھا، وہ زمین پر پیشانی رگڑ رگڑ کر زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔

راجہ ہدایت خان نے ثنا سے کہا۔ ''یہ میرے نافرمان ہیں، میں نے انہیں ایک اہم مقصد کیلئے راضی کیا تھا اور صلے کے طور پر میں نے ان کی زندگی سنوار دی تھی، بیس بیس لاکھ روپے دونوں کو دیئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ یہ چھوٹا سا کام کرنے کے بعد یہ آزاد ہوں گے اور جہاں چاہے، جا سکیں گے، یہ بالکل معمولی سے لوگ تھے اور بیس بیس لاکھ کا انہوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہو گا، لیکن ان بے وقوفوں نے نہ صرف وہ کام نہیں کیا بلکہ جن لوگوں کے خلاف انہیں کام کرنا تھا، انہیں بھی صورتحال سے آگاہ کر دیا اور ان کی ہلاکت کا باعث بنے، مجھے چار افراد کی زندگی ختم کرنا پڑی، صرف ان کی حماقت کی وجہ سے کیونکہ انہوں نے انہیں آگاہ کر دیا تھا، خیر چھوڑو میں نے انہیں پکڑوا کر بلوا لیا اور اس کے بعد انہیں چودہ دن کی زندگی دی لیکن یہ زندگی میں نے ان کیلئے موت سے بدتر کر دی، آج ان کی نجات کا دن ہے۔''

''ہمیں ماف کر دیجئے راجہ بابا۔'' ان کے منہ سے عجیب و غریب آواز نکلی لیکن مفہوم سمجھ میں آ رہا تھا۔

''معاف نہ کرتا تمہیں تو تمہاری باقی زندگی اسی طرح گزرنے دیتا، معاف کر دیا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں واپسی کی اجازت دے دوں، خاقان! میرا مقصد صرف ثنا کو ان سے متعارف کرانا تھا، لے جاؤ انہیں اور دوسرے کمرے میں لے جا کر گولیاں مار دو۔''

وہ لوگ رونے پیٹنے اور گڑگڑانے لگے لیکن خاقان کے ساتھ آنے والے انہیں مردہ کتوں کی طرح گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

''صرف آخری بار، میں تم سے اس طرح کا سلوک روا رکھ رہا ہوں ثنا! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے الفاظ کو نہ دھمکی سمجھنا، نہ دھوکا...... میں اپنے نافرمانوں کو اسی طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کر دیتا ہوں اور تم بھی میری نافرمانی نہ کرنا، عشق، محبت، شادی ساری چیزیں زندگی کا حصہ ہیں لیکن سب سے پہلی چیز زندگی ہوتی ہے، تم میرا مطلب سمجھ چکی ہو گی نا......وہ لڑکا جس پر قتل کا الزام ہے، میرے تم سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق رہا ہو جائے گا، لیکن شرط وہی ہے کہ تمہیں مجھ سے تعاون کرنا پڑے گا، آؤ۔'' یہ کہہ کر راجہ ہدایت خان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

اسی عمارت کے ایک گوشے میں ایک کمرے میں پہنچ کر اس نے کچھ عمل کیا اور اس کے نتیجے میں ایک تہہ خانے کا راستہ کھل گیا، نجانے وہ ثنا کو کہاں لے جا رہا تھا۔ ثنا کے قدم لرز رہے تھے، راجہ ہدایت خان نے یہ بات محسوس کر کے اسے سہارا دیا اور بولا۔ ''آؤ، میں تم پر ایک انتہائی انوکھا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔''

(جاری ہے)

ثنا بدستور دہشت سے کانپ رہی تھی۔ راجہ ہدایت خان کے بارے میں اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ انسان نہیں درندہ ہے۔ جو منظر ابھی اس نے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا، اس کی روح قبض کر لینے کیلئے کافی تھا، اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ زندگی کی بازی ہار چکی ہے، اب نہ حیات علی اس کی مدد کو آسکتا ہے اور نہ اور کوئی...... یہ شخص اس قدر طاقتور ہے کہ دنیا

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 7

کا ہر کام کرسکتا ہے۔

ماں، باپ، بہن، بھائی سے بغاوت کر کے ثنا نے اپنا گھر تو کھو ہی دیا تھا لیکن اب جو کچھ اس پر گزر رہی تھی، وہ اسے اپنی تقدیر کا حصہ سمجھتی تھی، کم از کم اپنے ماں، باپ اور حیات علی کو وہ ایسے کسی حادثے کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

کوئی دس بارہ سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک بہت ہی وسیع و عریض کمرے میں پایا، کمرہ روشن تھا تھوڑے فاصلے پر ایک لڑکی مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی، دور ہی سے وہ اجڑی اجڑی نظر آرہی تھی، ہدایت خان اور ثنا کو دیکھ کر وہ کسی قدر سمٹ گئی لیکن اپنی جگہ سے اٹھی نہیں، راجہ ہدایت اسے لئے ہوئے لڑکی کے پاس پہنچ گیا، لڑکی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ثنا کو دیکھا تو راجہ نے مسکرا کر ثنا سے کہا۔

''ثنا! اسے پہچانو، یہ کون ہے؟''

ثنا کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، لڑکی کو اس نے پہلی بار دیکھا تھا، راجہ ہدایت خود ہی بولا۔ ''یہ رانیہ ہے۔''

ثنا کو یہ نام جانا پہچانا محسوس ہوا اور پھر ایک لمحے کے اندر اندر اس کے ذہن میں ایک کلک سی ہوئی، شمشاد علی کو اس کی بیوی رانیہ ہی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور اسی قتل کے سلسلے میں اسے سزا ملی تھی۔

راجہ ہدایت نے کہا۔ ''ہاں یہ وہی رانیہ ہے، شمشاد علی کی بیوی جسے اس نے قتل کر دیا تھا، یہ میری بہن ہے، میری سوتیلی بہن۔''

ثنا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری، اس کے دماغ میں جوار بھاٹے پیدا ہو رہے تھے لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولی تو ہدایت خان نے کہا۔ ''تمہیں تعجب ہو رہا ہوگا، مختصر الفاظ میں ساری حقیقت تمہیں بتائے دیتا ہوں، یہ ایک ضدی لڑکی ہے، یہ میری سگی بہن نہیں ہے، میرا باپ ایک غریب آدمی تھا، وہ اس حویلی میں نوکری کرتا تھا اور رانیہ کی ماں میرے باپ سے محبت کرتی تھی جبکہ میرا باپ شادی شدہ تھا اور میں پیدا ہو چکا تھا، رانیہ کی ماں بھی شادی شدہ تھی، وہ اور اس کا شوہر یہیں رہتے تھے لیکن رانیہ کی ماں اور میرے باپ کے درمیان تعلقات ہو گئے اور اس کے بعد سازشیں ہونے لگیں، رانیہ اپنی ماں کے پہلے شوہر کی بیٹی تھی بہرحال یہ سارا سلسلہ چلتا رہا اور پھر جب رانیہ کے نانا کا انتقال ہو گیا تو رانیہ کی ماں نے سازش کر کے اپنے شوہر کو زہر دلوایا اور ساتھ میری ماں کو بھی...... اس میں میرے باپ کا بھی ہاتھ تھا، اس نے میری ماں کی موت کے بعد رانیہ کی ماں سے شادی کر لی اور اس طرح وہ اس حویلی کا مالک بن گیا لیکن رانیہ کی ماں چالاک عورت تھی، اپنے باپ کی طرف سے منتقل ہونے والی جائیداد کے بارے میں اس نے ایک وصیت نامہ تیار کرایا اور اسے کہیں محفوظ کر دیا، اس وصیت نامے میں حویلی اور جائیداد کے سلسلے میں کچھ خاص ہدایات تھیں پھر میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور رانیہ کی ماں نے مجھے حویلی سے نکالنے کا حکم صادر کر دیا لیکن اس وقت میں بہت آگے بڑھ چکا تھا، مجھے پراسرار علوم سیکھنے میں دلچسپی تھی اور میں اس سلسلے میں بہت کچھ کر رہا تھا، لوگ مجھے اس حویلی کا مالک سمجھتے تھے لیکن میری ساری حیثیت ان کاغذات میں چھپی ہوئی تھی جنہیں رانیہ کی ماں نے کہیں محفوظ کر دیا تھا اور رانیہ کو ان کا علم تھا پھر میں نے رانیہ کی ماں کو بھی ہلاک کر دیا کیونکہ وہ مجھ سے دشمنی پر آمادہ ہو گئی تھی، اس کیلئے میں نے بہت ماہرانہ پروگرام بنایا تھا، مجھ پر کوئی کسی طرح کا شک نہیں کر سکا لیکن مجھے اس وصیت نامے کی تلاش تھی، میں نے ہر طرح سے رانیہ کو مجبور کیا کہ وہ وصیت نامہ میرے حوالے کر دے لیکن رانیہ میری نیت کو سمجھتی تھی بہرحال میں نے اس کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا سلوک شروع کر دیا تاکہ وہ نرم ہو جائے، یہاں تک کہ اس نے ایک لڑکے کو پسند کیا جس کا نام شمشاد علی تھا اور میں نے رانیہ کی شادی اس لڑکے سے کر دی۔ میں نے رانیہ سے کہا کہ وہ کاغذات مجھے دے دو تاکہ میں ساری دولت اور جائیداد اپنے نام منتقل کرا لوں۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ ساری زندگی عیش و عشرت سے گزارے گی، اس کے شوہر کو جو کچھ بھی چاہئے، میں اسے دینے کیلئے تیار ہوں لیکن رانیہ وہ کاغذات میرے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوئی، تم دیکھ رہی ہو نا اسے...... اسے غور سے دیکھو اور دیکھتی رہو۔'' راجہ ہدایت خان نے اپنی بات روک کر ثنا سے کہا۔

ثنا کچھ نہیں سمجھی تھی لیکن وہ اس کہانی کو غور سے سن رہی تھی۔ ہدایت خان بولا۔ ''میں رانیہ کو مجبور کرتا رہا اور اس کے بعد ایک دن غصے کی حالت میں، میں نے ایک فیصلہ کیا، میں نے رانیہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اصل میں نہیں...... اصل میں اس کی جگہ ایک دوسری ملازمہ جو رانیہ نہیں تھی، رانیہ جیسی تھی، ہلاک کر دی گئی اور میں نے اس طرح کے حالات پیدا کئے کہ شمشاد علی اپنی بیوی کا قاتل ثابت ہو جائے، وہ گرفتار ہو گیا، رانیہ کو میں نے زندہ رکھا اور اسے اس تہہ خانے میں پہنچا دیا، شمشاد علی کو میں نے موت کی سزا نہیں ہونے دی، اسے عمر قید میں تبدیل کرا دیا حالانکہ میں چاہتا تو پچاس عینی گواہ پیش کر سکتا تھا لیکن میں نے گنجائش رکھی تھی، آج بھی رانیہ سے میں یہی کہتا ہوں کہ اگر وہ شمشاد علی کو بچانا چاہتی ہے تو کاغذات میرے حوالے کر دے، ورنہ وہ یہاں مر جائے گی اور اس کا شوہر جیل کی سلاخوں کے پیچھے...... جائیداد، دولت تو میرے پاس ہے ہی، میں نے اپنی ساکھ تو بنا ہی لی ہے، اتنے بڑے بڑے لوگ میرے مرید بن چکے ہیں کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے، ہاں ذرا مجھے جائیداد وغیرہ کی تفصیل معلوم ہو جائے گی اور یہ میرے لئے ایک اضافی عمل ہے کیونکہ......!'' راجہ ہدایت خان کچھ اور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

نجانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا، اس گفتگو کے دوران وہ لڑکی جس کا چہرہ دہشت سے سفید پڑا ہوا تھا، وہ آنکھیں پھاڑے پھاڑے کر ان دونوں کو دیکھتی رہی تھی، ثنا کو اس پر بے حد رحم آرہا تھا۔ راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ''سمجھیں، رانیہ! اگر تم کاغذات ہمارے حوالے کر دو تو میں تمہارے شوہر کو رہا کرا کے تم دونوں کو ملک سے باہر نکال دوں گا ورنہ پھر تم خود سوچ لو، بولو کیا تم کاغذات میرے حوالے کرنے کو تیار ہو؟''

''میرے علم میں ایسا کوئی کاغذ یا کاغذات نہیں ہیں راجہ صاحب! آپ یقین کریں یا نہ کریں۔'' لڑکی نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔ اس کی آواز بے حد کمزور تھی۔

ثنا کو اس پر بے حد رحم آرہا تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ قابل رحم حالت اس کی اپنی تھی۔

راجہ ہدایت خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، چند لمحات وہ اسی طرح کھڑا دانت پیستا رہا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے، انتظار کرو مگر اس بات کو ذہن میں رکھو کہ جس دولت اور جائیداد کو تم بچانا چاہتی ہو، وہ تمہارے لئے بالکل بے مقصد ہے، کسی کام نہیں آئے گی وہ تمہارے...... تمہیں اسی جگہ مرنا ہوگا، ویسے دنیا کی نگاہوں میں تو تم مر چکی ہو، تمہاری تدفین تک ہو چکی ہے، کون تمہارے بارے میں سوچے گا، ہاں اگر زندگی چاہتی ہو، اپنی اور اپنے شوہر کی تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اسی شکل میں کہ وہ کاغذات تم میرے حوالے کر دو۔''

''آپ یقین کریں راجہ صاحب......!'' رانیہ نے کہنا چاہا۔

لیکن راجہ ہدایت خان کے حلق سے بھیڑیوں جیسی غراہٹیں نکلنے لگیں۔ اس نے کہا۔ ''آؤ ثنا! ابھی اسے کچھ اور وقت چاہئے۔'' وہ ثنا کا ہاتھ پکڑ کر واپس چل پڑا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی اعصابی کیفیت کافی خراب ہو گئی ہو۔ تہہ خانے سے باہر آنے کے بعد اس نے کہا۔ ''میں تم سے دو گھنٹے کے بعد ملاقات کروں گا، غصے کی حالت میں میری کیفیت بہتر نہیں رہتی، چلو میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دوں۔''

وہ ثنا کو لے کر دوسرے تہہ خانے میں آیا جہاں اس نے ثنا کو رکھا ہوا تھا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جیسے ہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہوا، ثنا کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی، وہ بری طرح کانپ رہی تھی، پہلے اسے ان دونوں مظلوموں کا خیال آیا جن کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا گیا تھا، راجہ ہدایت خان، ثنا کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ اس طرح کے کام بھی کر سکتا ہے، انسانوں کی زندگی سے کھیلنا اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں تھا اور پھر اس کے بعد انہیں گولی مار دی گئی تھی۔ ثنا نے فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور پھر رانیہ...... آہ کاش ایسا کوئی ذریعہ مل جاتا کہ یہ ساری باتیں حیات علی کو بتائی جا سکتیں، اس تہہ خانے کی نشاندہی کی جا سکتی تھی، شمشاد علی تو خود بخود آزاد ہو جاتا کیونکہ جس عورت کے قتل کے الزام میں وہ سزا بھگت رہا تھا، وہ تو زندہ سلامت موجود تھی پھر سزا کیسی...... لیکن راجہ ہدایت خان جیسے شیطان کے خلاف کوئی کارروائی کرنا بھی تو ایک مشکل کام تھا، آہ......! میں کیا کروں، کس مشکل میں گرفتار ہو گئی۔ وہ دیر تک سوچتی رہی۔

دو گھنٹے کے بعد راجہ ہدایت خان نے اسے آنے کی دھمکی دی تھی، تمام سوچوں کے بعد ثنا کو یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے، راجہ ہدایت خان سے تعاون کر کے اپنے اہل خاندان اور حیات علی کی جان بچائی جائے۔

پھر دو گھنٹے کے بعد راجہ ہدایت خان خود اس کے پاس نہیں آیا بلکہ اس کے دو ملازم آئے تھے۔ ''راجہ صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔'' انہوں نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور ثنا اٹھ کھڑی ہوئی۔

ملازم اسے لے کر ایک ایسے کمرے میں آئے تھے جسے ثنا نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ حویلی میں تو کمروں کی کمی تھی نہیں، یہ کمرہ بھی بہت شاندار طریقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ راجہ ہدایت خان اب کافی پرسکون نظر آرہا تھا، وہ ایک بہت ہی خوبصورت دیوان پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے سامنے خوشنما پھل رکھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''آؤ ثنا! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ یہاں تم عزت آبرو کے ساتھ وقت گزار رہی ہو، خیر یہ کوئی احسان نہیں ہے تم پر، تم خود بہت اچھی لڑکی ہو ثنا! سچ بتاؤ کیا تم میرے بارے میں یہی خواب نہیں دیکھنا چاہتی تھیں جس کی تفصیل خود میں نے تمہیں بتا دی ہے اور کیا معلوم کرتیں تم اپنے خواب میں، میرا خیال ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، بہرحال راجہ ہدایت خان سے تو تمہیں واقفیت حاصل ہو ہی چکی اور ثنا اگر تم ذرا بھی ذہین ہو تو اس بات کو تم ضرور سوچ سکتی ہو کہ جو شخص تمہیں اپنا اتنا گہرا راز دے سکتا ہے، وہ اتنا بے وقوف تو نہیں کہ کسی کو اس طرح اپنا راز دے دے، کوئی اور نہیں تم راجہ ہدایت خان کو زمین بوس کر سکتی ہو، تم اسے برباد کر سکتی ہو، اس کے بہت سے ذرائع ہیں، وہ بھی میں تمہیں خود ہی بتا دوں گا لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا، یہ ثنا کو اپنا امتحان لینے کے مترادف ہے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ راجہ ہدایت خان کہاں کمزوری برت رہا ہے۔ ثنا! بات بہت چھوٹی نہیں ہے، میں نے اتنا علم حاصل کر لیا ہے کہ اب میں انسانوں سے بآسانی کھیل سکتا ہوں، اصل میں انسانی فطرت میں ایک بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے اور وہ کمزوری ہے دولت...... میں اس دولت کو کیوں اور کس کیلئے حاصل کرنا چاہتا ہوں، اسے صیغہ راز میں رہنے دو چونکہ یہ میری زندگی کا دوسرا پہلو ہے اور میں اس دوسرے پہلو کو ابھی منظر عام پر نہیں لانا چاہتا، وقت اگر کبھی اس کی رونمائی کر دے تو کر دے ورنہ خیر چھوڑو ان باتوں کو...... تو میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ ثنا میں نے تمہیں یہ جو سب کچھ بتا دیا ہے، وہ اس لئے بتا دیا ہے کہ اب تم راجہ ہدایت خان کی دست راست ہو گی، اپنی خوشی سے نہ سہی نا خوشی سے...... اس کمینے فرزان نے بڑی چالاکی سے کام لیا تھا کہ اپنا علم تمہیں دے کر خود روپوش ہو گیا، میرے ڈر سے اور اب بھی وہ چور نجانے کہاں چھپا ہوا ہے شاید میرے کہیں آس پاس ہی ہو لیکن میں اسے زندگی کا ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ صحیح معنوں میں وہ موت کے بعد بھی یاد رکھے گا، خیر ثنا سنو......! دولت میری بہت بڑی کمزوری ہے اور میں اتنی دولت حاصل کر لینا چاہتا ہوں کہ دنیا کے ان بڑے بڑے لوگوں میں شامل ہو جاؤں جن کے نام نمبروں کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، میں بھی کئی جزیروں کا مالک بننا چاہتا ہوں، میں بھی چاہتا ہوں کہ میرے سمندری جہاز دنیا بھر کی سیر کریں اور میرے نام کو روشن کریں اور اس کیلئے میں جدوجہد کر رہا ہوں، تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا کیونکہ بالکل اتفاقیہ طور پر تم مجھے مل گئی ہو، اس چور نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ تمہیں اپنے طور پر استعمال کرے گا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ واسطہ کس سے پڑا ہے، ثنا میں تمہیں رانیہ کے پاس اس لئے لے گیا تھا کہ اب تم رانیہ کا خواب دیکھو اور اس خواب میں وہ جگہ تلاش کرو جہاں اس نے کاغذات چھپائے ہیں، یہ کام تم بآسانی کر سکتی ہو اور تمہیں میرے لئے یہ سب کچھ کرنا ہو گا۔''

ثنا صبر و سکون کے ساتھ راجہ ہدایت خان کا مقصد سن اور سمجھ رہی تھی، اس نے کچھ دیر تک سوچا پھر بولی۔ ''راجہ صاحب! بے شک مجھے وہی کرنا ہو گا جو آپ کہیں گے لیکن ایک بات آپ بھی تسلیم کریں وہ یہ کہ اگر کسی کو اپنا مخلص کرنا ہو تو پہلے اس سے مخلص ہوا جاتا ہے۔''

راجہ ہدایت خان نے حیران نگاہوں سے ثنا کو دیکھا تھا پھر اس نے کہا۔ ''جو کہنا چاہتی ہو، واضح الفاظ میں کہو، میں تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''آپ نے کہا تھا کہ ثنا! شمشاد علی کو آزاد کر دیا جائے گا، میں چاہتی ہوں کہ آپ پہلے شمشاد علی کو آزاد کر دیں۔''

راجہ ہدایت خان پرخیال نگاہوں سے ثنا کو دیکھنے لگا تھا پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔ ''ٹھیک ہے، وہ آزاد ہو جائے گا لیکن ایک بار پھر میں تمہیں اپنی وہ شرط یاد دلانا چاہتا ہوں جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تم میرے لئے ایک اہم حیثیت اختیار کر گئی ہو، یوں سمجھ لو جو کچھ میرے دل میں ہے، اس کی تکمیل میں تمہارا بڑا ہاتھ ہو گا، تم میرے لئے خواب دیکھو گی، سچے خواب اور میں ان خوابوں سے اپنے آئندہ راستے منتخب کروں گا، تم مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھو گی کہ جس کے بارے میں تم نے کوئی خواب دیکھا ہے، وہ کون ہے، کیا ہے یا میں اس کیلئے کیا کرنا چاہتا ہوں اور میں تمہیں وہ مقام دوں گا کہ تم ایک اعلیٰ ترین شخصیت کی حیثیت سے ابھرو گی اور تمہیں ایک نام ایک شہرت حاصل ہو گی، ثنا! دل اور محبت کی کہانیاں تو اونچ اونچ پر بکھری ہوئی ہیں لیکن وہ لوگ عقلمند ہوتے ہیں جو صرف محبت کی آگ میں جل کر راکھ نہیں ہو جاتے، وہ اپنا مقام پانے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں، محبت بھی ساتھ ساتھ چلے تو کوئی ہرج نہیں ہے، مجھے معاف کرنا، بحالت مجبوری میں تمہیں بار بار ایک چیز کا احساس دلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے انحراف کرنے والوں کو میں کبھی معاف نہیں کرتا، یہ میری کمزوری ہے، میں تمہیں قید کر کے نہیں رکھوں گا بلکہ مکمل آزادی دوں گا لیکن اس بات کو تم یاد رکھو گی کہ مجھ سے ایک لمحے کا انحراف تمہیں موت سے بدتر سزا دے گا اور موت سے بدتر سزا یہ ہو گی کہ تمہارے خاندان کے افراد ایک ایک کر کے زندگی سے محروم ہوتے جائیں گے، حیات علی پر بھی زندگی تنگ ہو جائے گی، وہ ایک کوڑھی کی حیثیت سے سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا تو یقیناً تمہیں ان باتوں سے خوشی نہیں ہو گی، یہ کام میں کروں گا اور تمہیں ان کی شکلیں دکھاتا رہوں گا، رانیہ کی طرح تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ میں تمہیں دکھاؤں گا کہ راجہ ہدایت خان سے انحراف کتنی بڑی تباہی کا باعث بن جاتا ہے، ایک بار پھر تم سے معافی چاہتا ہوں کہ میں تمہیں یہ دھمکیاں دینے پر مجبور ہوں کیونکہ تم میرے ارادوں کا سنگ میل ہو، تم وہ کر سکتی ہو جو میں چاہتا ہوں اور تمہیں وہی کرنا ہو گا...... باقی سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق ہو گا اور سنو تم حیات علی کے ساتھ شمشاد علی کے گھر گئی تھیں، اس کی ماں، بہن اور باپ سے تم دونوں نے شمشاد علی کی آزادی کی جدوجہد کرنے کا وعدہ کیا تھا، اگر شمشاد علی کو جیل سے آزاد کرا کے تم خود اس کے گھر جاؤ اور اسے اس کے والدین کے حوالے کرو تو کیا تمہیں خوشی نہیں ہو گی؟''

ثنا جو راجہ ہدایت خان کی باتوں سے دہشت زدہ ہو کر اندر ہی اندر کانپ رہی تھی، شمشاد علی کے بارے میں یہ سن کر حیران رہ گئی اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''کیا حیات علی بھی میرے ساتھ ہو گا؟''

''نہیں...... ایک ایسے وقت تک جب تک حیات علی کو یہ احساس نہ ہو جائے کہ راجہ ہدایت خان کی مخالفت اسے کچھ نہیں دے گی، اس وقت تک میں تمہیں حیات علی کے سامنے نہیں لا سکتا، اگر میرے اس پروگرام میں کوئی تبدیلی آجائے کسی خاص وجہ سے تو دوسری بات ہے، ہاں جب اسے یہ احساس ہو جائے گا کہ اسے اپنی محبت کو پانے کیلئے بھی ہدایت خان ہی کا سہارا درکار ہے تو شاید میں اسے اپنے جوتوں کے درمیان جگہ دے دوں کیونکہ اور بھی بہت سے ایسے ہیں جو میرے جوتوں کے ساتھ پرورش پا رہے ہیں۔'' راجہ ہدایت خان کی آواز میں نمرود بول رہا تھا اور بہرحال خدا کے پاس ہر نمرود کیلئے عذاب موجود ہے۔ صرف وقت کی دیر ہوتی ہے جب آسمانوں سے احکامات جاری ہو جائیں۔

ثنا لرز رہی تھی، اس نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکا دی، اس وقت راجہ ہدایت خان کا ستارہ عروج پر تھا، وہ جو چاہتا، کر سکتا تھا۔

ایک انتہائی قیمتی لینڈ کروزر ثنا کو شہر لے گئی تھی، ثنا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سینٹرل جیل ہے اور پھر کوئی دس منٹ اسے انتظار کرنا پڑا، اس کے بعد اس نے شمشاد علی کو حیران پریشان، لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آتے ہوئے دیکھا، ثنا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا، شمشاد علی کو ڈرائیور کے پاس بٹھا دیا گیا، اس کی قوت گویائی جیسے ختم ہو گئی تھی۔

لینڈ کروزر چل پڑی۔ جو لوگ ثنا کو لے کر شہر آئے تھے، انہیں محفوظ علی کا گھر بھی معلوم تھا، محفوظ علی کے گھر کے پاس رک کر ان میں سے ایک شخص نے ثنا سے کہا۔ ''میڈم! وہ سامنے اس کا گھر ہے، آپ اسے گھر لے جایئے۔''

ثنا کی اپنی حالت بہتر نہیں تھی، لیکن دل میں وہ جس قدر خوشی محسوس کر رہی تھی، اس کا دل ہی جانتا تھا۔ شمشاد بدستور لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ عالم ہوش میں ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

دروازہ کھولنے کیلئے محفوظ علی کی بیگم ہی آئی تھیں۔ حسرت و یاس کی تصویر...... شمشاد علی کو دیکھا تو منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ شمشاد علی کے بازوؤں میں جھول گئیں۔ شمشاد علی کے حلق سے بھی آوازیں نکل رہی تھیں، وہ ''اماں اماں'' پکار رہا تھا، اندر سے بہن اور محفوظ علی بھی باہر نکل آئے اور پھر جو منظر نگاہوں کے سامنے آیا، اس کا تصور بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

ثنا نے محفوظ علی سے کہا۔ ''آپ کی امانت آپ کے حوالے...... میں اور حیات علی آپ سے یہی کہہ کر گئے تھے کہ شاید ہم آپ کیلئے کچھ کر سکیں، شمشاد علی کو آزادی مل گئی ہے اور اب وقت اپنے فیصلے خود کرے گا، میں پھر آؤں گی آپ کے پاس، میرے حق میں دعا کیجئے۔''

''بیٹی...... بیٹی......!'' محفوظ علی نے کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں، میری واپسی ضروری ہے۔'' ثنا نے کہا اور آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کے ساتھ واپس مڑ گئی۔ اندر تو کسی کو ہوش ہی نہیں تھا، ماں، باپ، بہن، بھائی سب لپٹے ہوئے تھے، شمشاد علی کی والدہ کو شمشاد علی کے بازوؤں میں ہی ہوش آگیا تھا اور وہ چیخ چیخ کر ہیجانی انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''میرا بیٹا آگیا، میرا بیٹا آگیا، ہمارا گھر پھر سے آباد ہو گیا۔''

پڑوس کے لوگ دروازے پر جمع ہوتے جا رہے تھے۔

ثنا واپس آکر لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی اور لینڈ کروزر چل پڑی۔ ثنا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے، وہ سوچ رہی تھی کہ قربانی تو دینی پڑی لیکن ایک گھر کو اس کا چراغ مل گیا، کاش شمشاد علی مستقل طور پر آزاد ہو کر آیا ہو۔

پھر یہ الفاظ اس نے راجہ ہدایت خان کے سامنے ادا کئے۔ ''راجہ صاحب! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا درجہ بہت بلند ہے، آپ وہ کچھ کر سکتے ہیں جس کے بارے میں کوئی دوسرا سوچ بھی نہ سکے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال کروں؟''

''ہاں ضرور۔''

''کیا شمشاد علی مستقل بنیادوں پر آزاد ہوا ہے؟''

راجہ ہدایت خان نے کچھ لمحے سوچا پھر بولا۔ ''دیکھو ثنا! میں نے رانیہ کو وہ کاغذات بتانے کیلئے مجبور کیا تھا اور پھر شمشاد علی کو اس کا قاتل بنا کر سزا دلوا دی تھی صرف اس بنیاد پر کہ شاید رانیہ اپنی محبت اور اپنے شوہر کی آزادی کیلئے زبان کھول دے لیکن وہ بہت سخت گیر نکلی اور اس نے ان تمام تر مصائب کے باوجود زبان نہیں کھولی، شمشاد علی کو میں نے مستقل طور پر آزادی دلا دی ہے، کچھ تعلقات ہیں میرے جن کی بنا پر میں نے یہ سب کچھ کر دیا ہے لیکن اگر کوئی ایسا عمل سامنے آیا کہ اس کے ذریعے مجھے رانیہ کی زبان کھلنے کے امکانات پیدا ہوئے تو میں اسے قتل بھی کر سکتا ہوں، رانیہ کے سامنے بہرحال اس وقت اسے جیل سے مکمل آزادی مل گئی ہے اور اب بہت بڑی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ہے، تمہیں رانیہ کے پاس میں اسی لئے لے گیا تھا کہ اس کی شخصیت کو جانچو، اس کا خواب دیکھو اور اس خواب میں وہ لمحے تلاش کرو جب اس نے جائیداد کے وہ کاغذات محفوظ کئے تھے، یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''کاش میں......!'' ثنا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

حیات علی اپنی جیسی ہر کوشش کر چکا تھا، راجہ ہدایت خان کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا اور اس کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے راجہ کو مجبور کر کے اس سے ثنا کو حاصل کر لے۔ اسے یہ شواہد تو مل گئے تھے کہ ثنا، راجہ ہی کے قبضے میں ہے لیکن ابھی تک ایسا کوئی

ذریعہ ہاتھ نہیں آیا تھا، جس سے راجہ کو مجبور کیا جا سکے، اس کے تعلقات بھی اس قدر زبردست تھے کہ اسے قانونی طور پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس کا ایک اور زبردست ثبوت اس وقت ملا جب ایس ایس پی سجاد حسین کے اردلی نے اسے ایس ایس پی کا سلام دیا۔

"صاحب آپ کو آفس میں بلا رہے ہیں۔"

"نہیں جناب......!"

"جس گاڑی میں وہ لوگ تمہیں یہاں چھوڑ کر گئے تھے، وہ؟"

"جی راجہ ہدایت ہی کی تھی۔"

"ٹھیک، تو تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری اچانک رہائی کا کیا ذریعہ بنا؟"

"میں تو حیران رہ گیا تھا جناب......! جیلر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایک عظیم انسان نے تمہارے لئے رہائی کا بندوبست کیا ہے، اب تم آزاد ہو، تمہارے تمام مقدمات ختم کر دیئے گئے ہیں، اپنے گھر جاؤ، میں نے کچھ پوچھنا چاہا تو اس نے کرخت لہجے میں کہا کہ جاؤ اپنے گھر جاؤ اور فضول باتوں سے گریز کرو، میں نے بس اتنا پوچھا تھا کہ ہم چاہیں تو یہ شہر چھوڑ سکتے ہیں تو جیلر صاحب نے کہا کہ بہتر یہی ہوگا کہ شہر چھوڑ دو کیونکہ آگے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کیا ہو۔"

"ہوں...... پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"جناب! میں اور میرے والدین اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ ہم یہ شہر چھوڑ دیں اور کسی گمنام گوشے میں پناہ حاصل کر لیں، آگے نجانے کیا ہو، کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اب جبکہ اس کی اجازت بھی مل گئی ہے۔"

ایس ایس پی سجاد پر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ظاہر ہے میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں، اچھا اب آپ لوگ ہمیں اجازت دیجئے۔" اور اس کے بعد ایس ایس پی سجاد حسین اور حیات علی وہاں سے واپس چل پڑے لیکن دونوں ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے۔

سجاد حسین نے کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ "حیات علی اثنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"صرف ایک بات جناب! وہ یہ کہ راجہ ہدایت خان نے اسے کسی طرح اپنے شکنجے میں کسا ہوا ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ......!"

"ایک منٹ...... دیکھو، تمہیں ایک سہارا ملا ہے، وہ یہ کہ تمہیں ثنا کی زندگی اور اس کے ایک عمل کا پتہ چل گیا ہے، میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں، وہ یہ کہ اگر یہ سارا کھیل راجہ ہدایت خان کا ہے بلکہ اگر کیا، اب تو مجھے پورا یقین ہو چلا ہے لیکن ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ بہت چھوٹے ہیں اور وہ اپنے تعلقات سے کھیل رہا ہے۔"

"میں آپ سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں جناب عالی! کیا ایسے کسی مسئلے میں جس میں ایک غلط شخص، غلط اقدامات کر رہا ہے تو کیا قانون اسے ان اقدامات کی اجازت دے گا؟"

سجاد حسین خاموشی سے کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔ "قانون کو جگہ جگہ کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ہمارا ایمان ہے کہ آخرکار قانون کا مذاق اڑانے والوں کو عبرتناک نتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ انہیں کچھ عرصے کامیابیاں ملتی رہتی ہیں لیکن آخرکار ان کی گردن کی رسی تنگ ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے جناب! لیکن میں آپ سے صرف ایک عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں ثنا کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور جب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا تو میں نہیں جانتا کہ میں کیا کر بیٹھوں گا۔"

"ٹھیک ہے، میں صرف اتنا تم سے کہوں گا کہ اپنی زندگی کی حفاظت بھی تمہارے لئے ضروری ہے، زندہ رہو گے تبھی ثنا کیلئے کچھ کر سکو گے اور تمہیں بہرحال زندہ رہنا ہے، ہوشیاری کے ساتھ، باقی جیسا تم مناسب سمجھو۔"

حیات علی غمزدہ انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

شمشاد علی کی رہائی کے بعد جو رقت آمیز مناظر ثنا کی نگاہوں سے گزرے تھے، ان کے زبردست اثرات اس کے ذہن پر تھے۔ یہاں رہنے کے دوران اسے اپنی زندگی کے بہت سے تجربات ہوئے تھے جن میں ایک تجربہ یہ بھی تھا کہ طاقتور جب چاہے اپنی طاقت کے مظاہرے کر سکتا ہے اور عام طور سے اسے ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے، حیات علی سرکاری طور پر ایک بڑی حیثیت کا مالک تھا لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکا تھا اور وہ راجہ ہدایت خان کی قید میں تھی، شمشاد علی کو عمر قید کی سزا ہو چکی تھی، لیکن اس نے اپنی آنکھوں سے شمشاد علی کی آزادی دیکھی تھی، اب ان حالات میں اس کے سوا اور کیا چارۂ کار رہ جاتا تھا کہ وہ تقدیر سے سمجھوتہ کرے اور وقت کا انتظار کرے، ہاں اس کے دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ کوئی ایسا موقع ملے جب راجہ ہدایت خان کو زندگی کے بدترین لمحات سے دوچار ہونا پڑے لیکن یہ وقت بہت مشکل سے آئے گا اور اس کیلئے ایک لمبی چال چلنا پڑے گی، اس نے بس یہی سوچا تھا کہ لمبی چال یہ ہوگی کہ وہ فی الحال راجہ ہدایت خان کی باتوں پر عمل کرتی رہے، البتہ ایک بات اس نے دل میں ضرور سوچی تھی، وہ یہ کہ راجہ ہدایت خان سے بات کرے گی کہ ایک بار اسے حیات علی سے بات کرنے کا موقع دیا جائے۔

راجہ ہدایت خان، شمشاد علی کی رہائی کے کئی دن کے بعد اس کے پاس آیا۔ ثنا کیساتھ اس کا رویہ کافی اچھا ہوتا تھا، وہ مسکرا کر ثنا سے ملا اور بولا۔ "یقیناً تمہارے دل میں بہت سی باتیں ہوں گی، میں اس وقت اتنی مصروفیت میں تھا کہ تم سے کوئی تفصیلی بات نہیں کر سکا، لیکن مجھے امید تھی کہ تم میرے وعدے کی تکمیل کے بعد خوش ہو گی۔"

"ہاں میں شمشاد علی کو اس کے گھر چھوڑ کر آئی تھی، ایک ایسے بیٹے کے مل جانے پر جس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو، اس کے ماں، باپ اور بہن جس طرح خوش ہوئے تھے، آپ یقین کیجئے راجہ صاحب کہ وہ خوشی انسان کو کہیں سے نہیں مل سکتی اور اس خوشی کا محرک میں تھی، میرا دل بھی اتنا ہی خوش ہوا۔"

"تو اب میرا حق بنتا ہے کہ تم بھی مجھے اسی خوشی سے ہمکنار کر دو، میرے دل میں یہ آرزو بہت شدت کے ساتھ ہے کہ وہ کاغذات مجھے حاصل ہو جائیں اور تم یقین کر لو کہ میری اس خواہش کی تکمیل کے بعد تمہیں جو مقام ملے گا تم اس کا خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتیں، بات یہ ہے ثنا کہ اس دور میں انسان صرف اور صرف اپنی ذات کیلئے سوچتا ہے، فرشتہ بننے کی کوشش کبھی کارگر نہیں ہو سکتی، ہم دنیا کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن دنیا ہمارے لئے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی، ثنا! چھوڑو ان باتوں کو، اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم رانیہ کے بارے میں خواب دیکھو اور مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے وہ کاغذات کہاں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔"

"آپ ایک کام کیجئے گا، ایک بار پھر مجھے رانیہ سے ملوا دیجئے اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اس کے ساتھ کچھ وقت کیلئے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

راجہ ہدایت خان نے گہری نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور کچھ لمحے سوچتا رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے، میں تمہاری اس خواہش کی تکمیل کروں گا، آج ہی رات کو میں تمہیں کچھ گھنٹوں کیلئے اس کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔"

☆......☆......☆

رانیہ نے معمول کے مطابق بے بس اور تھکی ہوئی نگاہوں سے ثنا کو دیکھا۔ راجہ ہدایت خان نے ثنا کو بہت سی ہدایات دے کر تہہ خانے میں بھیجا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ رانیہ ویسے تو ایک نرم خو لڑکی ہے لیکن پھر بھی اس کی قید اسے دیوانگی کا شکار کر سکتی ہے چنانچہ ثنا ہوشیار رہے اور ثنا ہوشیار تھی۔

رانیہ نے ثنا کے پیچھے دیکھا شاید یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ راجہ ہدایت خان کتنے فاصلے پر ہے اور جب اس نے راجہ ہدایت خان کو وہاں نہ پایا تو اس کے انداز میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی۔

"میں یہ جانتی ہوں کہ تم راجہ صاحب کی اجازت سے ہی یہاں آئی ہو گی، یہاں آنے کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"ہاں رانیہ! خاص ہی وجہ ہے، میں عورت ہوں اور مجھے اصولی طور پر ایک عورت سے ہمدردی ہونی چاہئے خاص طور سے تمہاری جیسی مظلوم عورت سے۔"

"چلو کر لو ہمدردی، بتاؤ تمہاری ہمدردی کے جواب میں مجھے کیا کرنا چاہئے یا تم یہ ہمدردی کس انداز میں ظاہر کرو گی۔"

"رانیہ...... راجہ صاحب نے شمشاد علی کو تمہارے قتل کے الزام میں سزا دلوا دی ہے، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے؟"

"ہاں...... میرے دل پر چوکے لگانے کیلئے یہ ضروری تھا، وہ مجھے مزے لے لے کر یہ تفصیل بتا چکے ہیں۔"

"کیا ان کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ وہ تم سے کاغذات حاصل کر لیں؟"

"چھوڑو ان باتوں کو تم صرف ان کاغذات کیلئے یہاں آئی ہو، میں تمہیں صرف ایک بات بتا دوں، ان کاغذات کا علم مجھے ہے بلکہ میں نے ہی انہیں چھپایا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ میری زندگی اور خاص طور سے شمشاد علی کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک وہ کاغذات راجہ ہدایت خان کے ہاتھوں تک نہیں پہنچتے، چنانچہ تم جانتی ہو کہ میں ان کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی، کم از کم میرا شوہر زندہ تو ہے، میں بھی اسی لئے زندہ ہوں اور براہ کرم اب تم ایسی کوئی کوشش نہ کرو، مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔"

ثنا بہت دیر تک رانیہ کو کریدتی رہی لیکن کچھ نہیں معلوم کر سکی، ہاں اس نے رانیہ کی شخصیت ضرور ذہن میں رکھ لی تھی۔ جب وہ باہر آئی تو راجہ ہدایت خان اسی عمارت کے ایک کمرے میں ایک چھوٹے سے چوکور بکس کے ساتھ موجود تھا جو وائرلیس تھا اور اس میں کچھ ہندسے اور ڈائل وغیرہ نظر آ رہے تھے۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور پھر محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "تم ایک قابل اعتماد اور اچھی لڑکی ہو، میں سچی بات یہ کہوں کہ دنیا اتنی بری ہے کہ اس پر اعتماد کرنا مشکل ترین کام ہے، لیکن میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں، میں نے تمہاری اور رانیہ کی گفتگو سنی ہے، ثنا! میں نے یہ سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے تم رانیہ سے کچھ اور کہنے کی کوشش کرو یا رانیہ تمہیں کچھ اور بتانا چاہے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا، تم نے صرف وہ باتیں کیں جو میرے کام کی ہو سکتی تھیں، میں نے سب کچھ سن لیا ہے بہرحال اب میری نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں، اس کے بارے میں خواب دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ اس نے کاغذات کہاں چھپا کر رکھے ہیں۔"

ثنا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی تھی پھر اس رات اس نے اپنے آپ کو رانیہ کے بارے میں خواب دیکھنے کیلئے تیار کر لیا اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی۔

رانیہ اسے اسی حویلی میں نظر آئی تھی، ایک ہنستی بولتی لڑکی لیکن کبھی کبھی اداسیوں میں ڈوبی ہوئی پھر اس کی ماں کی موت، باپ کا تصور، وہ کاغذات جن میں جائداد کی تفصیل تھی، ماں کا وصیت نامہ...... یہ ساری چیزیں رانیہ کی تحویل میں آ گئیں اور اس کے بعد اس نے ایک ایسی چیز دیکھی جس نے عالم خواب میں بھی اس کے بدن میں ایک تھرتھری سی پیدا کر دی، یہ ایک بزرگ صورت انسان تھا جو اس حویلی کا ایک ملازم تھا۔

ثنا نے اسے بے شک حویلی میں نہیں دیکھا تھا لیکن اسے اپنے علم سے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ حویلی کا ایک قدیم خادم ہے اور اس شخص کو لوگ چاند بابا کے نام سے جانتے ہیں۔ ثنا نے دیکھا کہ ایک بادلوں بھری رات جب آسمان میں گڑگڑاہٹیں ہو رہی تھیں اور بجلی چمک رہی تھی۔

رانیہ ایک کالا لباس اوڑھے ہوئے، چلتی ہوئی حویلی کے اس حصے کی جانب جا رہی تھی جہاں ملازموں کی رہائشگاہیں تھیں، پھر اس نے ایک رہائشگاہ کے دروازے پر دستک دی اور بوڑھے چاند بابا نے دروازہ کھولا پھر حیرت سے بولا۔ "ارے رانیہ بیٹی تم......؟"

"ہاں بابا......! میں آپ کے پاس ایک کام سے آئی ہوں، آپ کے بارے میں ایک بار میری ماں نے کہا تھا کہ رانیہ اگر تمہیں کبھی کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے تو اپنی مشکل چاند بابا سے بیان کر سکتی ہو، وہ ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔"

"آؤ بیٹا! بیٹھ جاؤ، باہر کوئی ہے؟" چاند بابا نے اپنی چارپائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رانیہ بیٹھ گئی۔

"بولو بیٹی! کیا بات ہے؟"

رانیہ نے اپنے لباس سے کاغذات نکالے اور بولی۔ "بابا صاحب! یہ میری ماں کی جائداد کے کاغذات اور ان کا وصیت نامہ ہے۔ انہوں نے یہ جائداد میرے نام کر دی ہے اور اس کیلئے وصیت نامہ بھی تیار کر دیا ہے، آپ ان کاغذات کی حفاظت کریں، راجہ صاحب انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کیلئے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، میری ماں نے کہا تھا کہ اگر میں کسی مشکل میں گرفتار ہوں تو آپ سے مدد مانگوں۔"

بوڑھا چاند بابا رونے لگا پھر اس نے کاغذات لے کر چومے اور انہیں اپنے لباس میں سینے کے قریب چھپا کر بولا۔ "میں انہیں اپنی جان کے ساتھ رکھوں گا۔"

کچھ باتیں کرنے کے بعد رانیہ وہاں سے چلی آئی۔ پھر زندگی کے کچھ دوسرے معمولات سامنے آئے پھر ثنا نے راجہ ہدایت خان کو رانیہ کے ساتھ دیکھا، وہ رانیہ سے کاغذات مانگ رہا تھا۔

"نہیں راجہ بھائی! میں آپ کو وہ کاغذات نہیں دوں گی۔"

پھر بہت بار راجہ نے رانیہ پر سختیاں کیں، اس کے بعد رانیہ اور شمشاد علی کی ملاقات، شمشاد علی کے بیان کے مطابق سامنے آئی پھر راجہ ہدایت خان نے رانیہ سے کہا۔ "میرا تیرا ایک رشتہ ہے رانیہ! تو نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا لیکن میں تجھے تیری خوشی انعام میں دینا چاہتا ہوں......"

رانیہ کی شادی شمشاد علی سے ہو گئی پھر شمشاد علی کو تشویش کے عالم میں رانیہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

"رانیہ! آج ایک نئی مشکل سامنے آئی ہے، تمہاری والدہ کی وصیت اور جائداد کے کچھ کاغذات ہیں۔"

"ہاں۔" رانیہ نے چونک کر کہا۔

"آج راجہ صاحب نے بہت سخت الفاظ میں کہا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے، میں تم سے وہ کاغذات حاصل کر کے انہیں دے دوں ورنہ وہ ہم دونوں کی زندگی برباد کر دیں گے۔"

"مجھے یہ خدشہ تھا۔" رانیہ نے سرد لہجے میں کہا پھر بولی۔ "تم کیا چاہتے ہو شمشاد علی؟"

"یہ کہ تم ہم دونوں کی زندگی کی قیمت پر بھی یہ کاغذات انہیں نہ دو۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔" رانیہ نے کہا۔

اس کے بعد رانیہ کی قید تک کی وہ کہانی جس کا تعلق راجہ کی ذات سے تھا، ثنا کی آنکھوں میں آ گئی لیکن پھر اسے ایک نئی کیفیت سے آشنا ہونا پڑا، خواب ہی کی کیفیت میں اسے یوں لگا جیسے لائٹ چلی گئی ہو، جیسے تیز روشنی سے اچانک وہ گہرے اندھیرے میں آ گئی ہو، وہ خواب ہی کے عالم میں بڑبڑائی۔

"یہ کیا ہو گیا...... یہ روشنی کیسے ختم ہو گئی؟"

دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں گھورتی رہی پھر اچانک کسی طرف سے ایک تیز سرسراہٹ ابھری اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگی، اسے یوں لگا جیسے تاریکی میں ہی ایک ہیولا کسی طرف سے نمودار ہوا ہو، انسان جیسا یہ ہیولا متحرک تھا، اس کی آؤٹ لائن نظر آ رہی تھی، وہ دور سے چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

"کون...... کون ہے؟" ثنا کی آواز ابھری۔

"اپنی روشن آنکھوں سے دیکھو، جو ہر عالم میں دیکھ سکتی ہیں۔"

ثنا نے ہیولے کو غور سے دیکھا اور اسے ایک چہرے کے نقوش نظر آئے، یہ نقوش واضح ہوتے جا رہے تھے اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ نقوش اجنبی نہ ہوں۔

اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "فرزان......؟"

(جاری ہے)

حیات علی نے سجاد حسین کو سیلوٹ کیا تو انہوں نے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حیات علی کے بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا۔ "ایک خبر ہے، اسے دل چاہے تو خوشخبری کہہ سکتے ہو۔"

"جی سر......!" حیات علی نے سوالیہ نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھا۔

"شمشاد علی آزاد ہو گیا۔" ایس ایس پی سجاد حسین نے کہا۔

حیات علی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی اور وہ حیران نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھتا رہا تو انہوں نے کہا۔ "ہم جس دور سے گزر رہے ہیں حیات علی! اس میں ہر چیز ممکن ہے اور پھر کم از کم اتنا تو تمہیں اندازہ ہو ہی چکا ہے کہ راجہ حیات خان بہت بارسوخ شخص ہے۔"

"وہ سب ٹھیک ہے جناب! لیکن بھلا شمشاد علی کی آزادی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"بہت سی باتیں ہیں سوچنے کیلئے، ہو سکتا ہے اس کا تعلق ثنا کی گمشدگی سے ہو۔"

حیات علی کے ذہن میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ پچھلے کچھ دن اس کیلئے جس قدر ہولناک گزرے تھے، انہوں نے اس کا ذہن کسی حد تک ماؤف کر دیا تھا، رات رات بھر جاگ کر ثنا کے بارے میں سوچتا رہتا تھا، اس بات کو وہ کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ ثنا اس کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوئی ہے اور کون جانے اب تک اس پر کیا بیت چکی ہو، کوئی رابطہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔

بہرحال سجاد حسین نے کہا۔ "کیا کہتے ہو اب اس بارے، میں میری رائے ہے کہ ہم شمشاد علی کے گھر جا کر ان سے ملیں اور اس سے ساری صورتحال معلوم کریں، ویسے میں نے انسپکٹر الیاس کو جیل بھیجا ہے اور اسے ہدایت کی ہے مکمل طور سے شمشاد علی کی رہائی کی تفصیل معلوم کر کے آئے، پہنچنے والا ہوگا، اس کا انتظار کر لیتے ہیں پھر شمشاد علی سے ملتے ہیں، دیکھتے ہیں کیا نکلتا ہے۔"

حیات علی کے دل میں بھی یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر اس سلسلے میں ثنا کا کوئی ہاتھ ہے تو ہو سکتا ہے شمشاد علی سے کچھ تفصیلات معلوم ہو جائیں۔

انسپکٹر الیاس کو واپس آنے میں تقریباً بیس منٹ اور لگ گئے اور اس کے بعد وہ سجاد حسین کے آفس پہنچ گیا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے سجاد حسین کی طرف دیکھا اور پھر حیات علی کی طرف تو سجاد حسین نے کہا۔

"ہاں الیاس! بتاؤ کیا صورتحال رہی؟"

"جیلر صاحب نے بڑے تلخ انداز میں کہا کہ اس طرح کے بڑے کام بڑے لوگوں کے ذریعے ہی ہوتے ہیں، ایس ایس پی صاحب اگر چاہیں تو سرکاری طور پر مجھ پر دباؤ ڈال کے مجھ سے معلوم کر سکتے ہیں، یہ بات دوستانہ انداز میں بتانے کی نہیں ہے کیونکہ مجھے بھی جینا ہے۔"

سجاد حسین سر ہلانے لگے پھر بولے۔ "جس طرح جیلر صاحب نے شمشاد علی سے ملاقاتوں پر پابندی لگا رکھی تھی اور اس سلسلے میں ہمیں جو تگ و دو کرنا پڑی، اس سے مجھے اسی بات کا اندازہ تھا لیکن صورتحال پر یقین کر لینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ اس سلسلے میں کون آگے بڑھ کر کام کرنے کا ذریعہ بنا ہے، ٹھیک ہے تم آرام کرو الیاس!"

انسپکٹر الیاس سیلوٹ کر کے باہر نکل گیا تو سجاد حسین نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس سے پہلے کہ کوئی اور صورتحال تبدیل ہو جائے، ہمیں شمشاد علی سے ملنا چاہئے، جہاں تک رہی جیلر کی بات تو میں اس طرح کے معاملات کو سمجھتا ہوں، میرا خیال ہے کہ راجہ ہدایت خان کی مداخلت کے بغیر اس طرح شمشاد علی کی رہائی ممکن نہیں ہو سکتی، تم ایسا کرو، گھر جاؤ، لباس تبدیل کرو اور میرے گھر پہنچ جاؤ، وہاں سے ہم دونوں ساتھ چلیں گے، ظاہر ہے وردی میں جانے کا مطلب ہے کہ مزید کچھ الجھنیں مول لے لی جائیں۔" حیات علی نے سجاد حسین کی بات سمجھ لی۔

وہ دونوں اس بستی آبادی میں پہنچے جہاں شمشاد علی اور اس کے والد محفوظ علی کی رہائشگاہ تھی۔ اس گھر میں تو جیسے عید ہو رہی تھی، قرب و جوار کے لوگ بھی خوش نظر آ رہے تھے حالانکہ شمشاد علی کی رہائی کو خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن غریب علاقوں میں ایک دوسرے کی خوشیاں ہی بانٹنے کا رواج ہوتا ہے، پڑوس کے لوگ ابھی تک اس گھرانے کو مبارکبادیں دے رہے تھے۔

دو اجنبی لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی تو محفوظ علی نے انہیں دروازے پر خوش آمدید کہا۔ ایک نگاہ میں ہی اس نے حیات علی کو پہچان لیا، محفوظ علی نیازمندی سے حیات علی کے پیروں کی جانب جھکا تو حیات علی نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے سیدھا کیا اور بولا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں، آپ میرے بزرگ ہیں، مجھے گناہگار کر رہے ہیں۔"

"بیٹے! تم نے اس گھر میں چراغ روشن کر دیا ہے ورنہ ہم تو تاریکیوں ہی میں بھٹک رہے تھے، آؤ اندر آ جاؤ، آئیے صاحب آپ بھی آ جائیے۔" اس نے سجاد حسین سے کہا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔

گھر میں اندر چند افراد موجود تھے جن کا تعلق باہر سے تھا، سامنے ہی شمشاد علی بھی بیٹھا ہوا تھا، جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں کو حیران نگاہوں سے دیکھنے لگا، غالباً وہ ایس ایس پی سجاد حسین کو بھی پہچانتا تھا، اس کی ہمت نہ پڑی کہ آگے بڑھے بس آہستہ سے سلام کر کے خاموش ہو گیا۔

"بیٹے! یہ...... یہ انسپکٹر حیات علی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں ابو! میں جانتا ہوں اور......!"

"بیٹا! انہوں نے ہی تمہاری رہائی کیلئے کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ ہم تو مرنے کے بعد بھی ان کا احسان نہیں اتار سکتے، ثنا بٹیا نہیں آئیں؟" محفوظ علی نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں وہ...... وہ......!"

"پہنچا کر گئی تھیں وہ شمشاد علی کو، ہم تو انہیں وہ عزت بھی نہیں دے سکے جو دینی چاہئے تھی۔"

"جی۔" حیات علی نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں ثنا بیٹی ہی تو شمشاد علی کو لے کر آئی تھیں۔"

حیات علی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ایس ایس پی سجاد حسین نے اس کا شانہ دبا دیا پھر اس نے شمشاد علی سے کہا۔ "شمشاد علی! ایک دو باتیں تم سے پوچھنی ہیں، کچھ وقت دے سکو گے؟"

"آپ حکم دیجئے جناب!"

"تھوڑی سی تفصیل مجھے رانیہ کے قتل کے بارے میں بتاؤ۔"

شمشاد علی کا چہرہ اتر گیا، اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ یقین کریں، میں نے حیات علی کو جو کچھ بتایا، اس میں سے ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں حیات علی سے بات کروں گا لیکن اگر تم......؟"

"نہیں جناب! آپ کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے۔" شمشاد علی نے کہا اور پھر آہستہ آہستہ وہی تمام باتیں اس نے سجاد حسین کے سامنے دہرا دیں۔

سجاد حسین اس کے ایک ایک نکتے پر غور کرتے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "تمہاری آزادی کا کیا ذریعہ بنا؟"

"جناب! وہ دونوں راجہ ہدایت خان ہی کے آدمی تھے، میں انہیں پہچانتا ہوں، مقدمے کے دوران کئی بار میں نے انہیں راجہ صاحب کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ان کے ساتھ ثنا بھی تھیں، جنہوں نے مجھے یہاں میرے گھر تک پہنچایا اور پھر واپس چلی گئیں۔"

"ثنا نے کچھ تم سے کہا؟"

"بالکل نہیں۔"

"کیا وہ کسی طرح خوف زدہ تھی؟" حیات علی نے پوچھا۔

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 8

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

وہ حیران نگاہوں سے تاریک لبادے والے کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے کا کوئی نقش نگاہوں کے سامنے نہیں تھا، چہرہ بھی تاریک لبادے میں چھپا ہوا تھا یا پھر وہ تاریک لبادے ہی کا ایک حصہ تھا۔ اس نے دوبارہ آواز دی۔ ”فرزان......؟“

”ہاں...... میں وہی ہوں، دیکھو وہ تمہارے دماغ کی چوکیداری کر رہا ہے۔ شاید تم نے محسوس کیا ہو کہ تمہارے خواب کے دوران ایک پرچھائیں سی گزر جاتی ہے، یہ وہ ہے جو تمہارے دماغ کی حفاظت کر رہا ہے تاکہ تم مکمل طور سے خواب نہ دیکھ سکو، جیسے ہی تمہیں یہ پرچھائیں نظر آئے گی، میری آواز گم ہو جائے گی، میں انتظار کروں گا کہ وہ گزر جائے تو میں تم سے دوبارہ بات کروں، اپنے آپ کو اس وقت تک ہوش میں لانے کی کوشش مت کرنا جب تک میری تم سے بات ختم نہ ہو جائے، میں تمہیں بہت سی کام کی باتیں بتانا چاہتا ہوں۔“ وہ لمحوں کیلئے خاموش ہوا پھر بولا۔ ”ثنا! زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا، تمہیں ایک بات بتاؤں، اس نے اب تک تم سے میرے اور اپنے بارے میں جو باتیں کی ہیں، وہ سچ ہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کے حریف ہیں، اس نے مجھ سے میرا وجود چھین لیا ہے اور میں نقلی بدن میں نقلی چہرے کے ساتھ وقت گزارتا رہا ہوں جو صرف ایک ہوا جیسا تھا، تم تفصیل نہ سمجھ سکو گی اس لئے میں اپنے الفاظ تبدیل کرتا ہوں، میں نے تمہیں بتایا کہ اس نے مجھ سے میرا وجود چھین لیا ہے اور میں اس سے اس کا علم چھین کر اسے دو کوڑی کا انسان بنانا چاہتا ہوں، کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام...... یہ تو آنے والا وقت ہی فیصلہ کرے گا، ثنا! میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، سوال بے شک غیر مناسب ہے لیکن براہ کرم جواب ضرور دینا، سوال یہ ہے کہ کیا تم خوشدلی سے اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہو؟ مجھے جواب دو، اس نے شمشاد علی کو آزادی دلا دی ہے، اپنے تعلقات سے کام لے کر اور اس کے تعلقات بے شک بڑے بڑے لوگوں سے ہیں کیونکہ وہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں، وہ انہیں بلیک میل کرتا ہے اور ثنا یہ بھی ایک سچائی ہے کہ وہ تمہارے ذریعے بھی کچھ لوگوں کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے، رفتہ رفتہ وہ تمہیں اپنے ڈھب پر لاتا جا رہا ہے، دراصل اس کیلئے تم سے زیادہ قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہے، ثنا! تم مجھے اس بات کا جواب دو کہ کیا تم خلوص دل سے اس کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہو؟“

”نہیں۔“ ثنا نے جواب دیا۔

”تو پھر میں تمہیں جو کچھ بتا رہا ہوں، اس پر عمل کرتی رہو، تمہیں ناکامی نہیں ہوگی، زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا اوہو...... میں خاموش ہو رہا ہوں کیونکہ وہ تمہارے دماغ میں آ رہا ہے۔“

ثنا کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے وہی سایہ پھر دوبارہ اپنے ذہن سے گزرتا ہوا محسوس کیا، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔

جب وہ بالکل معدوم ہو گیا تو فرزان کی آواز دوبارہ ابھری۔ ”ہاں ثنا! اس خواب کی تکمیل میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر دو، اپنے خواب کا ایک حصہ اپنے ذہن سے صاف کر دو اور تم یہ کر سکتی ہو، جس طرح موبائل یا کمپیوٹر سے کچھ یادداشتیں اور کچھ آوازیں ڈیلیٹ کی جاتی ہیں، اسی طرح تم اپنا یہ خیال ڈیلیٹ کر سکتی ہو اور اس کی جگہ کوئی اور خیال رکھ دو، کیا سمجھیں؟“

”کوئی اور خیال......؟“ ثنا کے منہ سے آواز نکلی۔

”ہاں...... رانیہ کے خواب میں اپنے خواب کا ایک حصہ شامل کر دو اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس دماغ میں تم ایک دوسرا تصور بسا لو، وہ تمہارے دماغ میں کبھی نہیں جھانک سکتا، یہی کمی ہے ابھی اس میں، بولو کیا تم یہ کام کر سکو گی؟“

”ہاں میں کر سکوں گی لیکن مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ ثنا نے عالم خواب میں کہا۔

”سنو رانیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے تم اسے بتاؤ گی کہ وہ کاغذات رانیہ نے ایک شخص کو دیئے تھے اور یہ شخص بالکل اتفاقیہ طور پر رانیہ کو ملا تھا، اس نے رانیہ کو پیناٹائز کیا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو رانیہ نے اسے کاغذات اور وصیت نامے کے بارے میں بتایا، اس شخص نے رانیہ سے وہ کاغذات مانگے تو رانیہ نے نیم غشی کے عالم میں وہ کاغذات اس شخص کو دے دیئے، سنو! تم اس شخص کی تصویر ذہن میں بسا لو، گھٹے ہوئے سر اور موٹے بدن کا مالک ہے وہ اور طالب نگر میں ایک جیوتشی کی حیثیت سے رہتا ہے، لوگ اس سے جیوتش ودیا کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں لیکن اصل میں وہ کچھ اور ہے، اس کا نام سنت پرمیشوری ہے۔ سنت پرمیشوری، طالب نگر کے ایک محلے میں رہتا ہے اور بڑا مشہور آدمی ہے، میں تمہیں اس کا حلیہ بتا چکا ہوں، موٹا بدن، گنجا سر...... یہ ہے صورتحال...... چاند بابا کو بالکل ذہن سے نکال دو، اسے بھی تمہیں محفوظ رکھنا ہوگا اور پھر جس طرح بھی بن پڑے، تم راجہ ہدایت خان کا اعتماد حاصل کر کے اس سے کہو کہ ایک بار صرف ایک بار حیات علی کو اپنی خیریت بتانا چاہتی ہو، بے شک یہ ایک مشکل کام ہوگا لیکن اگر تم اس سلسلے میں ذہانت کا مظاہرہ کرو گی تو حیات علی سے بات ہو سکتی ہے، تم اس سے کہو کہ وہ چاند بابا سے مل لے یا پھر انہیں اٹھا کر لے جائے اور اپنی حفاظت میں لے لے، کاغذات چاند بابا ہی کے پاس ہیں، سب سے پہلے ان کاغذات کو حیات علی کی تحویل میں پہنچا دو پھر بعد میں رانیہ کی آزادی کے بارے میں سوچیں گے، میری بات تمہارے ذہن میں جذب ہو گئی ہے؟“

”ہاں...... ہاں۔“ ثنا نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

”ثنا! سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم اس کے لالچ میں نہیں آئیں اور یہی وجہ ہے کہ تم بہت سے معاملات سے محفوظ رہو گی، وہ دیکھو، وہ پھر آ رہا ہے۔ شاید اسے کچھ بے چینی سی ہو گئی ہے، میں چلتا ہوں۔“ ہیولا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ ثنا کی آنکھ کھل گئی۔

خواب میں فرزان کے الفاظ، اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ، ثنا کے ذہن میں اس طرح موجود تھا جیسے وہ کسی کمپیوٹر میں فیڈ ہو گیا ہو، اس کا پورا بدن پسینے میں تر تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی اس نے رانیہ کے بارے میں جو خواب دیکھا ہے، وہ سچا خواب ہے۔ آہ ایک انوکھی قوت مجھے حاصل ہوئی لیکن وہ کس طرح ضائع ہو گئی، اگر اس قوت کو میں کسی اور جگہ استعمال کرتی تو کیا ہی اچھا ہوتا، میں اپنے ماں، باپ اور بہن، بھائیوں کی مدد بھی کر سکتی تھی اور اپنا ایک مقام بھی بنا سکتی تھی۔ بہت دیر تک وہ اس بارے میں سوچتی رہی اور اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔ اگر میں ہمت سے کام لوں اور اپنی اس قوت کو دوسرے انداز میں استعمال کروں تو کیا واقعی میں اپنا ایک مقام بنا سکتی ہوں۔ اپنی کوئی حیثیت ہو تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، ماں، باپ نے راندۂ درگاہ کر دیا ہے، حیات علی کو بھی دیکھ لیا ہے، وہ ایک بے بس انسان ہے، آج تک میرے لئے کچھ نہیں کر سکا، کیوں نہ اس شخص سے تعاون کر کے اپنا کوئی مقام حاصل کیا جائے۔

اس صبح راجہ ہدایت خان کی شخصیت ہی بدلی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

”میں نے سوچا آج ناشتہ تمہارے ساتھ کروں گا، میں نے ملازم سے کہہ دیا ہے کہ ناشتہ یہاں لے آئے۔“

”آپ مجھے بہت عزت دے رہے ہیں راجہ صاحب......؟“ ثنا نے متاثر لہجے میں کہا۔

”ثنا! تم میرے لئے بہت بڑا مقام رکھتی ہو، میں تم سے تعاون کا طلب گار ہوں، اس کے بدلے میں تمہیں جو کچھ ملے گا، اسے ابھی میرے ذہن میں رہنے دو۔“

”راجہ صاحب! اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ دنیا میں کوئی مقام ضرور حاصل کرنا چاہئے اور اگر اس کیلئے آپ جیسے کسی عظیم انسان کا تعاون حاصل ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔“

”میرا مکمل تعاون تمہارے ساتھ ہے۔“ پھر ناشتے کے دوران راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”تم نے وہ خواب دیکھ لیا......؟“

”ہاں راجہ صاحب! لیکن ایک بڑی انوکھی بات میں نے محسوس کی ہے۔“

”وہ انوکھی بات کیا تھی؟“

”راجہ صاحب! یوں لگا جیسے کسی نے میرے خواب کی نگرانی کی ہے، جیسے کوئی غور سے میرے احساسات کو دیکھ رہا ہے۔“

”تمہیں اس سے خوف محسوس ہوا؟“

”نہیں......!“

”کوئی اور پریشانی ہوئی؟“

”کوئی پریشانی نہیں ہوئی، بس میں بار بار ڈسٹرب ہوتی رہی۔“

”کیا خواب کا تسلسل ٹوٹا؟“

”ہاں...... کئی بار اور یہی پریشانی ہوئی اور کچھ نہیں۔“

”ثنا! وہ میں تھا جو بار بار تمہارے ذہن سے گزر رہا تھا۔“

ثنا نے حیرانی کا اظہار کیا اور کئی لمحوں تک عجیب سی نگاہوں سے راجہ ہدایت کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”راجہ صاحب! یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے، میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ مجھے کسی اجنبی شخص کے ذریعے ایک ایسی انوکھی قوت حاصل ہو گئی، آپ میرے ذہن کو مزید الجھنوں کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔“

”سوال یہ ہے ثنا کہ جو باتیں تمہارا مستقبل بنا سکتی ہیں، تم انہیں الجھنوں کا نام دیتی ہی کیوں ہو، تم اگر اسے تجربہ کہو تو غلط نہیں ہوگا۔“

”میرا یہی مقصد ہے راجہ صاحب......! کیا انسان کو اس طرح کی قوتیں بھی حاصل ہو چکی ہیں کہ وہ کسی کے خواب میں داخل ہو سکے؟“

”ہاں یہی سمجھ لو، میں نے دماغ کی کائنات میں سفر کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا ہے اور اس بدبخت کو بھی یہ سب کچھ آتا ہے، میں اسی کی وجہ سے تمہارے دماغ کی چوکیداری کر رہا تھا کہ کہیں وہ ہمارے راز نہ لے اڑے، وہ انتہائی خبیث انسان ہے اور کمبخت مجھ سے ایک آدھ ہاتھ آگے ہی نکل جاتا ہے۔ ثنا! میں اکیلا اس سے مقابلہ کر رہا تھا لیکن اب تمہاری شمولیت کے بعد میں اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں، دیکھو ایک بار پھر میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے تعاون کرو، میں تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر رکھ سکتا ہوں، یہ لالچ مجھے اس لئے دینا پڑتا ہے ثنا کہ دنیا کا سارا نظام ہی اپنے لئے کچھ کرنے پر چل رہا ہے، تم میرے لئے کچھ کرو گی اور میں جواب میں تمہارے لئے...... ذہنوں کا یہ سفر اس سائنس کے دور میں بھی جادوگری کے حوالے سے جاری رہ سکتا ہے اور اس کے ذریعے ہم اس قدر دولت کما سکتے ہیں کہ سوچی بھی نہ جا سکے۔“

”مجھے اندازہ ہو رہا ہے راجہ صاحب! لیکن ایک بڑی بدقسمتی ہے۔“ ثنا نے چالاکی سے کہا۔ ”راجہ صاحب! میں یہ کہنے میں عار نہیں سمجھتی کہ میں حیات علی سے محبت کرتی ہوں، مجھے اپنے اہل خاندان کی زندگی بھی عزیز ہے، آپ کی پیشکش کو بھی میں جانتی ہوں اور میری عقل یہ کہتی ہے کہ اپنا مستقبل بنانے کیلئے اس سے اچھا موقع مجھے اور کوئی نہیں مل سکتا، میں آپ سے کچھ حاصل کر کے اپنے والدین کی مدد بھی کر سکتی ہوں۔“

”اس طرح ثنا کہ وہ بھی یاد کریں، تم مجھے اجازت دو، میں چراغ کے جن کی طرح ان کیلئے محل تعمیر کر دوں گا، انہیں زندگی کی ہر آسائش فراہم کر دوں گا لیکن کچھ وقت کے بعد......“

”راجہ صاحب! وہ لوگ بھی سر پھرے ہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ میرے ذریعے ہوا ہے تو شاید وہ اسے قبول نہ کریں۔“

”اس کی تو تم فکر ہی مت کرو، تمہارا نام نہیں آئے گا لیکن تم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لو گی کہ وہ لوگ کیسی عیش بھری زندگی گزار رہے ہیں۔“

”تب میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی۔“ ثنا نے کہا۔

راجہ ہدایت خان مسکرانے لگا پھر بولا۔ ”اور محترمہ! میرے صبر کو آپ کب تک آزمائیں گی، میں آپ کے رات کے خواب کا حال جاننا چاہتا ہوں۔“

”میں صرف آپ کی اجازت کی منتظر تھی راجہ صاحب! میں نے رانیہ کا ماضی دیکھا، ابتداء دیکھی جب وہ آپ کی شفقت کے درمیان عیش و آرام سے پل رہی تھیں پھر میں نے شمشاد علی کو دیکھا، شمشاد علی کیلئے رانیہ کے دل میں ایک مقام پیدا ہوا، آپ نے انہیں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا اور اس کے بعد وہ کاغذات جو رانیہ صاحبہ کے پاس تھے اور جن میں جائیداد کی تفصیل اور وصیت نامہ موجود تھا، وہ سامنے آئے، رانیہ صاحبہ کو نجانے کن ذرائع سے ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور راجہ صاحب آپ ان کی نگرانی نہیں کر سکے، یہاں کوئی جگہ ہے جس کا نام طالب نگر ہے، کیا آپ اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں؟“

”طالب نگر......! ہاں ایک مشہور جگہ ہے۔“ راجہ ہدایت خان کی سانس آہستہ آہستہ پھولنے لگی، وہ غالباً جوش میں آتا جا رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ”طالب نگر کی بات کیوں کی تم نے؟“

”طالب نگر میں ایک ہندو جوتشی ہے جسے لوگ سنت پرمیشوری کے نام سے جانتے ہیں۔“

”مجھے اس کے بارے میں علم نہیں لیکن بہرحال اور کیا کہنا چاہتی ہو، یہ بتاؤ؟“

”میں نہیں جانتی کہ محترمہ رانیہ یا سنت پرمیشوری کے درمیان رابطہ کیسے ہوا، اس کا کوئی خواب میں نے نہیں دیکھا حالانکہ سوچا ضرور تھا غرضیکہ رانیہ صاحبہ ٹرین کے ذریعے طالب نگر پہنچیں، وہاں سے تانگہ کر کے سنت پرمیشوری کے ڈیرے پر گئیں، وہ شخص بظاہر صرف ایک جیوتشی ہے لیکن راجہ صاحب وہ شاید کالے علوم بھی جانتا ہے اور خاموشی سے اپنے کام کرتا رہتا ہے، راجہ صاحب! رانیہ نے اس سے ملاقات کی اور بڑی عقیدت کا اظہار کیا، لیکن اس کے بعد اس نے وہ کاغذات سنت پرمیشوری کے حوالے کر دیئے اور اس سے کہا کہ وہ ان کی حفاظت کرے، سنت پرمیشوری تیار ہو گیا، راجہ صاحب! اس کے بعد رانیہ وہاں سے چلی آئیں۔ انہوں نے آج تک کسی کو ان کاغذات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا، میں نے جو کچھ دیکھا، رانیہ ہی کے پوائنٹ آف ویو سے دیکھا، ادھر ادھر کی کوئی تفصیل سامنے نہیں آئی۔“

راجہ ہدایت خان پریشان نگاہوں سے ثنا کو دیکھنے لگا پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ ”سنت پرمیشوری، طالب نگر...... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رانیہ کو اس شخص کے بارے میں کیسے معلوم ہوا، مزید یہ کہ اس شخص نے رانیہ کی مدد کا فیصلہ کس طرح کیا؟“

”راجہ صاحب! میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے۔“ ثنا نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”کیا......؟“

”آپ کا دشمن فرزان ہو سکتا ہے، درپردہ رانیہ کی مدد کر رہا ہو اور اس نے کسی طرح انہیں سنت پرمیشوری تک پہنچایا ہو، یہ صرف ایک خیال ہے میرا......“ ثنا نے تو سادگی سے کہا لیکن راجہ ہدایت خان پر ایک عجیب سا اثر ہوا، وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے ثنا کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر مسکرا کر بولا۔ ”میں نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا تھا ثنا تمہارے بارے میں، آخرکار ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، کتنی ذہانت کی بات کی ہے تم نے، فرزان کو کالے علوم سے بھی دلچسپی ہے، سو فیصد اس کا کوئی نہ کوئی تعلق سنت پرمیشوری سے ہوگا لیکن کوئی ہرج نہیں ہے، مجھے تو خود یہ جنگ پسند ہے، لڑوں گا میں، اس سے لڑوں گا، کم از کم ایک کام تو ہوا کہ مجھے سنت پرمیشوری کا پتہ مل گیا، دیکھ لوں گا اسے...... ثنا! میں تمہارا بے حد احترام کرتا ہوں، میرے ساتھ اسی طرح کام کرتی رہو، یہ تو ایک ننھی سا کام ہے، ہمیں تو بہت دور تک جانا ہے، ٹھیک ہے ثنا! میں سنت پرمیشوری سے نمٹ لوں گا، تم آرام کرو اور ہاں سنو! میرا تم پر اعتبار بڑھتا جا رہا ہے، کیا تم مجھ سے کوئی اور کام لینا چاہتی ہو؟“

”راجہ صاحب! بس ایک پھانس چبھی ہوئی ہے میرے دل میں...... میں آپ سے کوئی فریب نہیں کرنا چاہتی، ایک سچ آپ سے کہنا چاہتی ہوں، میرے ماں، باپ مجھ سے ناراض ہیں، ہمارے گھر کا ماحول ذرا دقیانوسی سا تھا اور میں نے ان سے انحراف بھی کیا تھا، الگ ہوں میں ان سے مگر وہ مجھ سے اچھی طرح نہیں ملتے، حیات علی میرا منگیتر ہے مگر یہ منگنی بھی آپ سمجھ لیجئے باقاعدہ منگنی نہیں ہے، ہم لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے محبت ہے، حیات علی جو وقت گزار رہا ہے، وہ یقیناً ایسا ہے کہ اس پر دکھ ہو، میرے دل میں اگر کوئی پریشانی ہے تو صرف اس کیلئے ہے، پتہ نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا؟ راجہ صاحب! اگر وہ بددل ہو گیا اور میری طرف سے اس کا ذہن ہٹ گیا تو مجھے غم ہوگا۔“

راجہ ہدایت خان کی بھنویں سوچنے والے انداز میں سکڑ گئیں۔ غالباً وہ کوئی فیصلہ کر رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ”دیکھو ثنا! کچھ باتیں تمہارے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے تمہاری ایک ایک ادا پسند ہوگی لیکن غداری ناپسند ہوگی، اپنے ذہن کو کبھی میرے خلاف استعمال مت کرنا، مجھے بدترین حالات سے نمٹنا آتا ہے، دیکھو تم محسوس مت کرنا، میں بھی تمہیں ساری سچائی بتائے دیتا ہوں، میرے پاس اتنے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں جو یہ حکومت چلا رہے ہیں، وہ مجھ سے عقیدت رکھتے ہیں، میں ان کے کام بھی کرا دیتا ہوں اور وہ میری ہر بات مانتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے اندرونی حالات میرے علم میں ہیں اور وہ میرے لئے سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں، میرا مقصد صرف اتنا سا ہے کہ حیات علی ہو یا اور کوئی...... میرے بارے میں کوئی ایسی بات کسی کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے جو میرے لئے رسوائی کا باعث بن جائے۔“

”میں آپ کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ ثنا نے متانت سے کہا۔

”میں تمہیں سمجھائے دیتا ہوں، تم نے مجھے اپنے دل کی بات بتائی ہے، فرض کرو میں حیات علی سے تمہاری بات کرا دوں؟“

”جی......!“ ثنا بولی۔

”فرض کرو، میں تم پر اعتماد کرتا ہوں لیکن وہ تمہیں میرے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرے؟“

”اس سلسلے میں دو باتیں کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔“

”کہو......!“ راجہ ہدایت نے کہا۔

”یہ بات آپ ہی مجھے بتائیں گے راجہ صاحب کہ میرے پاس آپ کو اعتماد دینے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے، دوسری بات فرض کیجئے اگر میں آپ سے غداری کر لیتی ہوں تو آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ آپ ہر طرح کے حالات سے نمٹنا جانتے ہیں۔“

راجہ ہدایت خان سوچنے لگا پھر ایک دم مسکرایا۔ ”ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بلکہ میرے خلاف عمل کرنے والے کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کیلئے برے انداز میں سوچ رہا ہے، جہاں تک تم پر اعتماد کرنے کی بات ہے تو میں تم سے کہوں کہ میں نوے فیصد تم پر اعتماد کرتا ہوں، دس فیصد کی گنجائش انسان کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھنی چاہئے، ٹھیک ہے لیکن ایک بات تمہیں اور بتا دوں، تم حیات علی سے مل نہیں سکو گی اس وقت تک جب تک کہ میرے سارے معاملات صاف نہ ہو جائیں، وہ کاغذات، وہ جائیداد میرے لئے بہت بڑی حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن بس یہ میری انا ہے، شمشاد علی کو تمہارے کہنے پر میں نے جیل سے آزادی دلا دی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر رانیہ میری بات مان جائے یا پھر کاغذات مجھے مل جائیں اور رانیہ اس وصیت کی نفی کر دے تو میں ان دونوں کو ایک اعلیٰ زندگی دے دوں، یہاں رہیں یا ملک سے باہر کسی بھی ملک میں جا کر رہیں، رانیہ شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کر سکے گی، بہرحال تم حیات علی سے رابطہ قائم کر کے اسے اپنی صحت اور سلامتی کی اطلاع دے دو، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“

ثنا نے اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اسے موبائل فون لا کر دینے والا خاقان تھا جو اب ثنا کی بہت زیادہ عزت کرنے لگا تھا، نوردین بھی ثنا کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے موبائل فون دیتے ہوئے خاقان نے کہا۔ ”مالک نے بھجوایا ہے آپ کیلئے، آپ اس کا استعمال تو جانتی ہیں؟“

”ہاں۔“ ثنا نے جواب دیا اور خاقان باہر نکل گیا۔ ثنا کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا، راجہ ہدایت خان جیسا آدمی کیا اس پر اتنا اعتماد کر سکتا ہے یا واقعی وہ اس پر اپنا اعتماد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ بہرحال سانپ کا کام ڈسنا ہوتا ہے اور اس سے ہوشیار رہنا بے حد ضروری...... بہرحال اسے اس بات کی خوشی تھی کہ حیات علی کو اپنی زندگی کا پتہ دے گی۔ لرزتے دل سے اس نے حیات علی کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف سے اسے ایک بجھی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”انسپکٹر حیات علی۔“

”حیات! میں ثنا بول رہی ہوں۔“ ثنا نے کہا اور حیات علی کا ری ایکشن اسے دیکھنے کو تو بے شک نہیں ملا لیکن اس نے محسوس ضرور کر لیا تھا۔ چند لمحوں تک تو حیات علی کے منہ سے آواز ہی نہ نکل سکی۔ ثنا ہی دوبارہ بولی۔ ”حیرت سے نکل آؤ حیات علی اور میری باتوں کو غور سے سنو۔“

”ثنا......! تم کہاں ہو؟“

”جہاں بھی ہوں، اس بارے میں بتا نہیں سکتی، میرا مطلب ہے جانتی نہیں ہوں کہ کہاں ہوں۔“

”ثنا! تم پر کیا بیتی، رات کو کہاں غائب ہو گئی تھیں تم؟“

''میں نہیں جانتی حیات علی! لیکن میری آنکھ ایک اجنبی جگہ کھلی تھی، مختصر الفاظ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں راجہ صاحب کے پاس ہوں اور ان کے ساتھ ہوں، اصولی طور پر یہ احساس ذہن میں پیدا ہونا چاہئے تھا کہ راجہ صاحب نے مجھے کس مقصد کے تحت اٹھوایا ہے اور یہ احساس میرے دل میں پیدا ہوا تھا لیکن حیات علی...... ! راجہ صاحب نے مجھے مقام دیا ہے اور مجھے کسی بھی طرح ذہنی دباؤ کا شکار نہیں ہونے دیا، سوائے اس کے کہ انہوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان کے بارے میں کوئی خواب نہ دیکھوں، حیات علی! بہت بڑی شخصیت ہے ان کی لیکن تم جانتے ہو کہ دنیا کا ہر آدمی اپنے بے شمار دوست اور دشمن رکھتا ہے، راجہ صاحب کے دشمنوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور بہرحال انہوں نے اپنے علم اور اپنی روحانیت سے میرے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ میں کیا ہوں، اس کے علاوہ فرزان نامی وہ شخص جس نے مجھے اپنا علم دیا تھا، ان کا دشمن ہے اور یہاں پراسرار علوم کی لڑائی ہے، خیر میں تم سے یہ کہنا چاہتی تھی حیات علی کہ مجھے تلاش کرنے کی جدوجہد ترک کردو، راجہ صاحب سے اچھے تعلقات قائم کر کے آخرکار ایک دن میں ان کے ہاتھوں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی، مجھ سے بددل نہ ہونا تمہاری قسم میں عزت آبرو کے ساتھ یہاں ہوں اور ناخوش نہیں ہوں، راجہ صاحب نے مجھ سے بہت سے وعدے کئے ہیں، حیات علی ان کے ساتھ تعاون کر کے مجھے بہترین معاوضہ ملے گا، چنانچہ میں خوشی سے تعاون کر رہی ہوں۔''

''تمہارے سلسلے میں جس قدر ذہنی کوفت کا شکار میں تھا، ثنا آج اس وقت مجھے اس بات پر شرمندگی ہو رہی ہے۔'' حیات علی کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا۔

''کیوں حیات علی......؟''

''تم ایک ایسے شخص کے پھندے میں پھنس گئی ہو جو بہرحال ایک اچھا انسان نہیں ہے۔''

''معاف کرنا حیات علی! تم پولیس میں ملازمت کرتے ہو اور ہر شخص پر شک کرنا تمہارے پروفیشن کا حصہ ہے، راجہ صاحب بہت اچھے انسان ہیں اور دیکھو اب اگر میں تم سے کچھ تلخ الفاظ کہوں تو برا مت ماننا، میں محسوس کر رہی ہوں کہ اگر مجھ پر راجہ صاحب کی عنایتیں رہیں اور انہوں نے مجھے اچھا مقام دیئے رکھا تو میرا مستقبل بہترین ہو جائے گا، مجھے اپنا غربت زدہ گھرانہ یاد ہے، دنیا میں ہر شخص اپنوں کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہے، میں بھی ان لوگوں کیلئے کچھ کرنا چاہتی ہوں اور یہ میری مجبوری ہے حیات علی...... ! میرے بارے میں اگر زیادہ برے خیالات دل میں نہ آئیں تو مجھے بھولنا نہیں، بس یہ ایک وقت ہے جو میرے اور تمہارے درمیان فاصلے پیدا کرتا رہے گا لیکن آخرکار یہ فاصلے ختم ہو جائیں گے، میرا خیال ہے میرے پاس اس سے زیادہ کرنے کیلئے اور کوئی بات نہیں ہے، اگر میری آواز سن کر تمہیں میری زندگی کے بارے میں پتہ چل گیا ہے اور تمہیں خوشی ہوئی ہے تو میں بھی خوش ہوں ورنہ آگے میری تقدیر...... کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''نہیں۔'' حیات علی نے کہا اور خود ہی فون بند کر دیا۔

ثنا کچھ دیر ہاتھ میں موبائل فون لئے بیٹھی رہی پھر اس نے کندھے اچکا کر کہا۔ ''ٹھیک ہے حیات علی! ٹھیک ہے، جیسا تم پسند کرو۔'' یہ کہہ کر اس نے بھی فون بند کر دیا اور پھر اس گفتگو کے بارے میں سوچنے لگی۔

بہرحال یہ سب کچھ غلط نہیں ہوا تھا، اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ حیات علی کو اس کے بارے میں علم ہو گیا ہے، اب آگے یہ دیکھنا تھا کہ حالات کیا رخ لیتے ہیں اور کب اسے صفائی کا موقع ملے گا، حیات علی کی ناراضی کا اسے تھوڑا سا دکھ بھی تھا لیکن یہ سب کچھ اسے کرنا تھا، بے شک کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا، اس موبائل فون میں بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن کچھ بھی ہو سکتا ہے، وہ کوئی الٹی سیدھی بات کر کے راجہ ہدایت خان کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ ساری گفتگو اس نے بے تکے انداز میں کی تھی تاکہ اگر راجہ ہدایت خان کسی طرح اس گفتگو کو ٹریس کر بھی لے تو اسے کوئی شبہ نہ ہو سکے۔

اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے شبے کی تصدیق ہو گئی۔ اسے ایک ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی تھی اور اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگی تھیں، پھر چھت پر لگے ہوئے فانوس میں اسے ایک کالی کالی چیز نظر آئی، کھڑکھڑاہٹ کی آواز وہیں ہوئی تھی، فانوس اس وقت بے شک روشن نہیں تھا لیکن ثنا کو یہ اندازہ تھا کہ اس فانوس کا ایک حصہ روشنی سے خالی ہے اور تاریک رہتا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ حیات علی سے گفتگو کرتے ہوئے اس نے کسی جذباتیت سے کام نہیں لیا تھا، اگر یہ موبائل فون اس کے پاس کچھ وقت رہ جائے تو دوبارہ وہ کوشش کرے گی لیکن یہاں اس کمرے میں نہیں، کہیں اور کیونکہ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ راجہ ہدایت خان نے اسے ایسے ہی خالی نہیں چھوڑ دیا ہے۔

وہ گہری سوچوں میں ڈوبی رہی تھی اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ راجہ ہدایت خان غالباً کسی کام سے چلا گیا تھا، خاقان، نوردین اور ایک دو اور ملازم اس کی خدمت گزاری کیلئے آتے رہتے تھے۔ تیسرے دن راجہ ہدایت خان نے خاقان کے ذریعے اسے بلایا اور اپنے کمرۂ خاص میں اس کا استقبال کیا، اس کے ہونٹوں پر پرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''کہو کیسی ہو ثنا......؟''

''آپ کی عنایتوں کے سائے میں جی رہی ہوں۔''

''تم بہت اچھی لڑکی ہو، مجھے ان لوگوں سے بہت محبت ہے جو اعتماد کو نہیں توڑتے۔''

''کاش میں آپ کی نگاہوں سے زیادہ سے زیادہ مقام پا سکوں۔''

''تم نے اپنا مقام بنا لیا ہے ثنا! بہت اچھی لڑکی ہو تم۔''

''یہ آپ کی امانت اس دن سے میرے پاس ہی رکھی ہوئی ہے۔'' ثنا نے موبائل راجہ ہدایت خان کو دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں، اسے تم اپنے پاس رکھو، تم خود جانتی ہو کہ آگے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، خیر چھوڑو ان باتوں کو، میں تمہیں یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ میں نے سنت پرمیشوری کا پتہ لگا لیا ہے، طالب نگر میں وہ شیطان کی طرح مشہور ہے، وہاں کے رہنے والوں کا خیال ہے کہ وہ صرف جیوتشی ہی نہیں ہے بلکہ کالے علوم کا ماہر بھی ہے، خفیہ طور پر لوگ اس سے کام لے لیا کرتے ہیں، بہرحال اتنی معلومات میں کر آیا ہوں، یوں سمجھو کہ جس طرح یہاں قصبہ امیر شاہ میں راجہ ہدایت خان کے بے شمار مرید ہیں، وہاں اس جگہ سنت پرمیشوری بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے، میں منصوبہ بندی کر رہا ہوں کہ جس طرح بھی بن پڑے، میں اس سے وہ کاغذات نکلواؤں جو میرے لئے بے حد ضروری ہیں۔''

''یہ تو بڑا اچھا ہوا اور یہ اور بھی اچھا ہوا کہ آپ فوراً ہی اس پر حملہ آور نہیں ہو گئے، پہلے اس کی طاقت کا اندازہ لگا لیں اس کے بعد دیکھیں کہ اس کیلئے آپ کیا کریں گے۔''

''ثنا! تم صحیح معنوں میں میری دست راست بن چکی ہو، بہت سے منصوبے ہیں میرے ذہن میں تمہارے لئے، ابھی تو تم یہاں صرف ایک سادہ سی زندگی گزار رہی ہو لیکن آنے والے وقت میں تمہیں بہت بڑا مقام دوں گا میں۔''

''آپ کا بے حد شکریہ...... میں جانتی ہوں کہ آپ میرے لئے بہت کچھ کریں گے اور معاف کیجئے گا راجہ صاحب! میں آپ کے ساتھ جو تعاون کر رہی ہوں، وہ اپنی ذات کیلئے کر رہی ہوں۔''

''تمہاری یہ سچائی مجھے بہت پسند آئی، تم اپنی ذات کیلئے جو چاہو گی، اگر وہ میرے بس میں ہوا تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔''

''بے حد شکریہ تو اب آپ اس کے خلاف مہم کا آغاز کب سے کر رہے ہیں؟''

''بہت جلد، بس یہ سوچ رہا ہوں کہ جو کچھ بھی کروں، پوری طرح سوچ سمجھ کر کروں، میں نے اپنے دو تین بندے وہاں چھوڑ دیئے ہیں جو اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر رہے ہیں، اچھا یہ بتاؤ اس دوران فرزان کا تو تمہارے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا یا تمہیں کوئی احساس ہوا؟''

''بالکل نہیں...... ذرہ برابر نہیں۔''

''کیا تم نے کبھی اس کے بارے میں سوچا؟''

''یہ بھی نہیں کیا میں نے کیونکہ میری ذہنی پہنچ اتنی نہیں ہے، راجہ صاحب کہ اپنے طور پر سوچوں اور فیصلے کر سکوں۔''

''ہوں...... چلو ٹھیک ہے، میں نے تمہارے لئے کمرہ درست کرا دیا ہے، اب تمہیں تہہ خانے میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں اپنے دل اور اپنے گھر میں ایک حصہ دلانے کا احساس دلا سکوں۔''

''آپ کی عنایتوں سے میں کبھی سر نہیں اٹھا سکتی اور آپ اطمینان رکھیں، آپ کے مقاصد سے بھی کبھی منحرف نہیں ہو سکتی۔''

''مجھے یقین ہے۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا۔

بہرحال ثنا اپنی کوششوں میں کامیاب ہو چکی تھی۔ راجہ ہدایت خان اس پر پورا پورا بھروسہ کرنے لگا تھا۔ ثنا نے اس دن کے بعد سے موبائل استعمال ہی نہیں کیا، اسے بہرطور اس بات کا علم ضرور تھا کہ راجہ ہدایت خان فرشتہ نہیں ہے، وہ ضرور کوئی ایسا ذریعہ رکھتا ہے جس سے اس کے معمولات کا پتہ چل سکے اور وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس دن اس نے حیات علی سے جو بات کی تھی، وہ اس طرح کی تھی کہ حیات علی بھی اس کے بعد اس کے بارے میں جدوجہد ترک کر دے لیکن صورتحال ایسی تھی کہ وہ حیات علی کو کوئی بات نہیں بتا سکتی تھی۔

بہرطور ثنا صورتحال کا بھرپور طریقے سے جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس دن وہ اپنے کمرے سے ٹہلتی ہوئی باہر نکلی اور یونہی کوریڈور کا جائزہ لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی تھی۔ راجہ ہدایت خان کی حویلی میں اسے جو کمرہ دیا گیا تھا، وہ بہت خوبصورت تھا لیکن عام رہائش سے بالکل ہٹ کر تھا۔ راجہ ہدایت خان کے خاندان کے لوگوں کا آج تک اس سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا تھا اور کئی بار اس نے سوچا تھا کہ پتہ نہیں راجہ کے اہل خاندان کہاں ہیں، ہیں بھی یا نہیں...... حویلی کے بارے میں وہ یہ جان چکی تھی کہ اس کے دو پورشن ہیں، ان کی تعمیر اس طرح ہوئی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ تھے، نہ جانے اس طرف کون کون ہے۔ یہی تمام باتیں سوچتی جا رہی تھی کہ ایک کمرے پر نگاہ اٹھ گئی، دروازہ کھلا ہوا تھا کمرہ بالکل خالی تھا لیکن جو چیز اس کی نگاہوں کا مرکز بنی، وہ سامنے اسٹینڈ پر رکھا ہوا ٹیلیفون سیٹ تھا، یہ سیٹ دیکھ کر اس کا دل دھک سے ہو گیا، اگر یہ درست حالت میں ہے تو اس سے حیات علی کو فون کر کے چاند بابا کے بارے میں بتا سکتی ہے۔

دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا، ادھر ادھر دیکھا اور اندر داخل ہو گئی۔ حیات علی کیلئے شروع ہی سے بے قرار تھی لیکن مجبور تھی، اس وقت بے اختیار ہو گئی، اب نتیجہ کچھ بھی نکلے، حیات علی کو ایک بار اپنی بپتا سنا ہی دے۔

اس نے پھرتی سے دروازہ بند کیا اور فون کے پاس پہنچ گئی، دل سے دعا نکلی کہ فون کی لائن ڈائریکٹ ہو، اگر وہ ایکسٹینشن نکلا تو بیکار ہوگا، ریسیور سے ٹون سنائی دے رہی تھی، خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے حیات علی کے نمبر ڈائل کئے، ہزار وسوسے دل میں تھے لیکن حیات علی کا موبائل آن ملا۔

''ہیلو......!'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''کون......؟'' دوسری طرف سے حیات علی کی آواز سنائی دی۔

''حیات علی! میں ثنا بول رہی ہوں...... پلیز صرف سن لو، کچھ بولنا نہیں۔''

''بولو......!'' حیات علی کا لہجہ خشک تھا۔

''موبائل فون پر میں نے تم سے جو کچھ کہا، وہ مجبوری تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ راجہ ہدایت خان کسی ذریعے سے میری آواز سن رہا ہوگا، پلیز اس وقت مجھے ذرا سا موقع مل گیا ہے اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا، تمہیں چند باتیں بتانا بہت ضروری ہیں، راجہ ہدایت خان نے ابھی تک میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی سوائے اس کے کہ وہ مجھے اپنے ضروری کاموں میں الجھائے ہوئے ہے اور خوابوں کے ذریعے مجھ سے کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہے جس میں بنیادی چیز جو ابھی تک ہوئی ہے، وہ رانیہ کے بارے میں تھی، حیات علی! اگر زندگی نے وفا کی تو تمہیں سامنے بیٹھ کر سب کچھ بتاؤں گی، اس وقت صرف ایک نام ذہن نشین کرو، ہدایت خان کی حویلی میں ایک بزرگ ملازم چاند بابا کے نام سے جانے جاتے ہیں جس طرح بھی بن پڑے، چاند بابا سے ملاقات کر لو، رانیہ کی ماں کی وصیت اور جائیداد کے کاغذات چاند بابا کے قبضے میں ہیں، میں نے راجہ ہدایت خان کو بھٹکا دیا ہے، اس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی، راجہ ہدایت خان ان کاغذات کیلئے بہت لمبا چکر چلائے ہوئے ہے بہرحال میری عزت آبرو محفوظ ہے اور تمہاری محبت میرے دل کے گوشے گوشے میں ہے حیات علی...... ! بس فون بند کر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے خدا حافظ۔''

''ایک بات بتا دو، موبائل فون پر ہونے والی گفتگو کی وجہ سے تم مجھ سے بددل ہو؟''

''اب نہیں ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مشکل کا شکار ہو، خدا حافظ۔'' حیات علی نے کہا اور دوسری طرف سے خود ہی فون بند کر دیا۔

ثنا نے جلدی سے خود بھی فون بند کیا اور دروازے کی جانب بھاگی، دروازہ کھول کر باہر دیکھا، کوریڈور دور دور تک سنسان پڑا ہوا تھا، اس کے دل میں خوشی کی لہر پھوٹنے لگی، اس کا مطلب ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان کی شخصیت معمولی نہیں تھی، دور دور تک لوگ اسے جانتے تھے لیکن طالب نگر جاتے ہوئے راجہ کو اپنی شخصیت بدلنی پڑی تھی، چہرے مہرے سے وہ ایک رعب دار انسان تھا لیکن چہرے کی تھوڑی سی تبدیلی نے اسے کوئی ہندو جاگیردار بنا دیا تھا، بڑی بڑی مونچھیں، آنکھوں پر چشمہ، بڑے سے پگڑ کے ساتھ خاص قسم کے لباس نے واقعی اسے تبدیل کر دیا تھا۔

خاقان اور نوردین بھی اس کے ساتھ تھے، خاقان بذات خود ایک متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ ان لوگوں نے بذریعہ ٹرین طالب نگر تک کا سفر کیا تھا اور آخرکار طالب نگر اتر گئے تھے جہاں راجہ ہدایت خان کے آدمی اسٹیشن پر موجود تھے، خاقان نے انہیں راجہ صاحب کے آنے کی خبر دے دی تھی۔ چھوٹا سا اسٹیشن تھا، اس سے پہلے یہ لوگ طالب نگر نہیں آئے تھے لیکن راجہ ہدایت خان نے اپنے جن لوگوں کو یہاں بھیجا تھا، انہوں نے طالب نگر کے بارے میں پوری تفصیل نوردین کو بتا دی تھی اور نوردین نے راجہ ہدایت خان کو۔

''سرکار! چھوٹا سا قصبہ ہے، زیادہ آبادی نہیں ہے، کوئی قاعدے کا ہوٹل بھی نہیں ہے، ایک سرائے ہے، صاف ستھرے کمرے ہیں، ہم نے وہاں کئی کمرے لے لئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' سرائے کے کمرے واقعی صاف ستھرے اور ہوادار تھے، راجہ ہدایت خان کے شایان شان تو نہیں تھے لیکن راجہ کے ملازموں نے انہیں کافی ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا۔

''ہمیں یہاں مہینوں قیام نہیں کرنا، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ یہاں ہمیں کوئی نہ پہچانے اور ہم اپنا کام کر نکلیں، یہاں لوگوں کے سامنے عام ہونے کی کوشش مت کرو، ہاں اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ سنت پرمیشوری کیا چیز ہے، کیا حیثیت ہے اس کی؟''

''راجہ صاحب! بہت سے ایسے ہیں جو اس کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو اس کا نام سن کر عقیدت سے خاموش ہو جاتے ہیں، پر بولتا کوئی نہیں ہے اس کے بارے میں، اس کا ڈیرہ شہر کے آخری سرے پر کھیتوں کے درمیان ہے، بہت کم لوگ اس کے پاس آتے جاتے نظر آتے ہیں، ان چند دنوں میں ہم نے کوئی ایسی خاص بات نہیں پائی جو قابل ذکر ہو۔''

''ہوں...... ! ٹھیک ہے، وہاں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے؟''

''تانگے مل جاتے ہیں لیکن اگر آپ کبھی کسی تانگے والے سے یہ کہیں کہ آپ کو سنت پرمیشوری کی گڑھی جانا ہے تو وہ معذرت کر لیتا ہے البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور گاؤں ہے جہاں تانگے آتے جاتے رہتے ہیں، اس گاؤں کیلئے آپ تانگہ کریں اور راستے میں اتر جائیں تو تھوڑا سا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑتا ہے اور آپ گڑھی پرمیشوری پہنچ جائیں گے۔''

''تم اس کے پاس گئے؟''

''ہاں میں اکیلا گیا ہوں، لیکن سنت پرمیشوری سے مل نہیں سکا، وہاں اس کے کچھ ملازم ہوتے ہیں جو عام طور پر لوگوں کو ٹال دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پرمیشوری مہاراج جسے خود بلائیں گے، اسے خود بخود ان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔''

راجہ ہدایت خان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ''بہت اونچا بنتا ہے، دیکھ لوں گا اسے بھی۔''

جس شخص نے سنت پرمیشوری کے بارے میں تفصیل بتائی تھی، اس کا نام وحید تھا۔ راجہ نے اس سے کہا۔ ''وحید! میں بھی اس کے پاس اکیلا جاؤں گا، ایک بات مجھے اور بتاؤ سڑک کے آس پاس لوگ نظر آتے ہیں؟''

''ڈیرے کے آس پاس کھیت بکھرے ہوئے ہیں، اس وقت وہاں گنے کی فصل کھڑی ہوئی ہے اور ڈیرے کے آس پاس بھی گنا لگا ہوا ہے۔''

''ٹھیک، خاقان تم، نوردین تم اور وحید تم...... تین آدمی ڈیرے کے آس پاس گنے کے کھیتوں میں کسانوں کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے ملنا، میں اپنے پاس موبائل رکھوں گا، موبائل پر تمہیں سگنل دوں گا، اگر ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لوں گا ورنہ صرف نگرانی رکھنا۔''

''بہتر ہے راجہ صاحب!''

راجہ ہدایت خان نے زندگی بھر حکمرانی کی تھی، وہ بھلا کسی کو کیا خاطر میں لاتا، لیکن مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ تانگے نے اسے سڑک پر اتار دیا اور تانگے والے نے پیسے وصول کر کے بڑی عجیب سی نگاہوں سے راجہ ہدایت خان کو دیکھا اور تانگہ واپس موڑ دیا۔

دوسرے تانگے سے خاقان وغیرہ آتے نظر آ رہے تھے، راجہ ہدایت خان نے دیہاتی قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، ڈیرے تک جاتے ہوئے جو پگڈنڈی پڑی تھی، وہ کچی تھی، راجہ ہدایت خان کو اس پر چلنا بڑا عجیب سا لگا، باریک مٹی اڑ اڑ کر اس کے لباس کو ہی نہیں چہرے کو بھی خراب کر رہی تھی۔

آخرکار وہ فاصلہ طے کر کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ اچھی خاصی عمارت تھی، اونچی اونچی دیواریں، دروازے کی دوسری طرف جگہ تھوڑی سی نیچی تھی اور اس کے بعد ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، چبوترے پر دو تین افراد نظر آ رہے تھے، اس سے آگے دالان تھا، دالان کے پیچھے بھی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا، دالان میں پتھروں کی دو مورتیاں نظر آ رہی تھیں جو ہاتھی کی سونڈ والے گنیش جی کی تھیں۔ راجہ ہدایت خان کو چبوترے پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے گہری نگاہوں سے دیکھا تو راجہ ان کے پاس پہنچ گیا۔

''جے رام جی کی۔'' اس نے کہا۔ جس کو اس نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور راجہ ہدایت خان کو گھورتا رہا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندرونی کمرے سے ایک دبلا پتلا پجاری نکلا اور اس نے آ کر کہا۔ ''سنت جی مہاراج نے آنے والے مہمان کو بلایا ہے۔''

جو شخص راجہ ہدایت خان سے مخاطب تھا، اس نے ایک دم سے اپنا رویہ تبدیل کر لیا، اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''پرنام مہاراج...... ! جائیے اندر چلے جائیے۔''

راجہ ہدایت خان نے ایک نگاہ اس عمارت میں دونوں طرف ڈالی اور اس کے بعد پروقار قدموں سے چلتا ہوا اس شخص کے پیچھے پیچھے پہلے دالان میں اور پھر وہاں سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

بڑا وسیع اور روشن کمرہ تھا، سامنے ہی ایک خاص قسم کی چوکی پر ایک بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا جس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی، گلے میں جنیو پڑا ہوا تھا۔ باقی بدن ننگا تھا، گھٹا ہوا سر جس کے درمیان ایک چوٹی نظر آ رہی تھی، اس کے چہرے پر سب سے جاندار اس کی آنکھیں تھیں، وہ آنکھیں جو راجہ ہدایت خان کے حواس پر چھائی ہوئی تھیں اور جن سے وہ ہمیشہ خوف زدہ ہو جاتا تھا۔

ایک لمحے کیلئے اس کے قدم ٹھٹکے تھے، لیکن ساتھ ہی سنت پرمیشوری کی آواز سنائی دی۔

''آ جائیے، آ جائیے مہاراج...... ! سنت پرمیشوری اپنے ڈیرے پر آپ کا سواگت کرتا ہے، چوکی کھینچ کر بیٹھ جائیے۔''

بڑی چوکی کے سامنے اسٹول قسم کی کسی قدر چوڑی چوکیاں پڑی ہوئی تھیں، ان کی تعداد پانچ چھ کے قریب تھی۔ راجہ ہدایت خان آگے بڑھا اور ایک چوکی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''بڑی دور سے آئے ہیں مہاراج، جوتوں پر مٹی لگی ہوئی ہے، پر ہماری سمجھ میں کچھ باتیں نہیں آئیں، چلیں چھوڑیں، جب آپ ہمیں سمجھائیں گے تو ہم سمجھ لیں گے۔''

''آپ کی سمجھ میں کیا باتیں نہیں آئیں سنت پرمیشوری......؟''

''کہانا بتا دیں گے، ہمارے لئے کیا حکم ہے؟''

''سنا ہے آپ بڑے مہان جوتشی ہیں؟''

''کیا آپ ہمیں ہاتھ دکھانے آئے ہیں؟''

''دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہم آپ کو ہاتھ دکھا دیں۔'' راجہ ہدایت خان معنی خیز لہجے میں بولا۔

''من جو چاہتا ہے، وہ منش کو کرنا چاہئے، من کی بات کبھی سچی کبھی جھوٹی نکل آتی ہے، بولیں کیا کریں آپ کیلئے؟''

''میرا ہاتھ دیکھ لیجئے پہلے مہاراج!'' راجہ ہدایت خان نے اپنا چوڑا چکلا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

سنت پرمیشوری کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''کامیاب لوگوں کا کامیاب ہاتھ ہے۔ ریکھائیں ہر ایک کے سامنے یوں نہیں کھول دینی چاہئیں، یہ بڑی بڑی کہانیاں سنا دیتی ہیں اور ان کی سنائی ہوئی کتھائیں کبھی کبھی گلے کا پھندا بھی بن جاتی ہیں، پر ٹھیک ہے مہمان ہیں آپ ہمارے، جیسا کہیں گے، ویسا ہی کریں گے، ہاتھ میں ہاتھ لے لیں آپ کے مگر ہم شاکاہاری ہیں، ماس نہیں چھوتے، آپ کے ہاتھ میں ماس کی بو رچی ہوئی ہے، آپ کی مونچھوں کے بال گھوڑے کے بالوں سے بنے ہوئے ہیں، اتنے موٹے بالوں کی مونچھیں نہیں ہوتیں، بلاوجہ اپنے آپ کو تکلیف دے رہے ہیں، آپ نے ہندو بننے کی کوشش کی ہے، پر پہلی غلطی آپ نے یہ کی، جب کسی رشی منی کے پاس جاتے ہیں تو پہلے جوتے باہر اتار دیتے ہیں اس کے بعد جھک کر پرنام کرتے ہیں، آپ نے کچھ بھی نہیں کیا، چلیں نہ بھی کرتے، پر ہاتھ تو ہمارے سامنے نہ کرتے، آپ نے ہمیں ہاتھ دکھایا، ہم بھی آپ کو ہاتھ دکھا دیں، اے یہ لیجئے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا داہنا ہاتھ راجہ ہدایت خان کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا اور راجہ ہدایت خان کو اچانک ہی یوں لگا جیسے کچھ لمحوں کیلئے اس کے بدن کی ساری قوت ختم ہو گئی ہو، اس کا بدن اکڑ کر پتھر کا ہو گیا ہو۔

پورے بدن میں جان ہی نہیں رہی تھی، اس نے اپنا ہاتھ بھی پیچھے کرنا چاہا لیکن ہاتھ پیچھے نہیں ہوا اور پھر اچانک ہی اسے اپنے کانوں میں ایک ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا، ایک طنزیہ قہقہہ اور یہ آواز اس کیلئے اجنبی نہیں تھی۔ راجہ ہدایت خان کچھ لمحوں کیلئے تو بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا تھا، یہ آواز فرزان کی تھی لیکن اس وقت جو کیفیت راجہ ہدایت خان کی ہوئی تھی، وہ ناقابل یقین تھی، اس نے فرزان کے قہقہے کو نظرانداز کر دیا۔

اسی وقت سنت پرمیشوری نے حیران لہجے میں کہا۔ ''ارے...... ارے یہ تو نئی آواز سامنے آ رہی ہے، ہم نے تو، ہم نے تو تمہارے شریر کی شکتی کھینچی تھی، پر یہ تو کچھ اور ہی نظر آ رہا ہے، کون ہو تم......؟'' یہ کہہ کر سنت پرمیشوری نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور راجہ کو اپنی قوت بحال ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے مجھ پر شبہ کیوں کیا مہاراج......؟''

''بھیس جو بدلا ہوا تھا تم نے، بھیس بدل کر نقلی مونچھیں لگا کر، دھرم چھپا کر کوئی کسی کے پاس آئے تو شبہ تو ہوتا ہی ہے، تم مسلمان ہو، پر بھوگ ودیا جانتے ہو، تمہارے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے ہمیں پتہ چل گیا۔''

''چلو ٹھیک ہے، تمہارے بارے میں بھی مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم کالا علم جانتے ہو اور صرف جوتشی ہی نہیں ہو۔''

''ہم پری پرماتما اور کالی ماتا کا سنجوگ کر کے ایک نئے کالے دھرم کی ''نیو'' رکھ رہے ہیں، پر تم بتاؤ اپنا دھرم چھوڑ کر کالے جادو کے چکر میں کیوں پڑ گئے، ایک پوتر اور ایک گندا دھرم ملا کر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''مجھے تم سے کام ہے سنت پرمیشوری۔''

''ایسی بات تھی تو سیدھے سیدھے پر بھوگ ودیا کے بھوگی بن کر ہمارے پاس آ جاتے، ہمارا امتحان لینے کیوں آئے تھے؟''

''شاید مجھ سے غلطی ہو گئی۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا۔

''چلو غلطی مان لی، کافی ہے، اب اٹھو، آؤ ہمارے ساتھ۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

پچھلی دیوار کے پاس جا کر اس نے کوئی کل دبائی اور ایک دروازہ سا کھل گیا، سنت پرمیشوری اندر داخل ہو گیا لیکن جب راجہ ہدایت خان دروازے سے اندر داخل ہوا تو اچانک پھر اس کے کانوں میں فرزان کا طنزیہ قہقہہ ابھرا تھا۔

(جاری ہے)

ایک لمحے کیلئے راجہ ہدایت خان کے پاؤں ٹھٹکے تھے۔ یہ قہقہہ اس نے اس وقت بھی سنا تھا جب اس کے بدن کی قوت ختم ہو گئی تھی، اس کا مطلب ہے کہ فرزان آس پاس موجود ہے، اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کی پریشانی پر طنز بھی کر رہا ہے۔ یہ راجہ ہدایت خان کیلئے بڑی شرمناک بات تھی، لیکن اس وقت اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، وہ غیر متوقع طور پر مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔

سنت پرمیشوری نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور کچھ لمحوں کیلئے اس کے بدن کو بے جان کر دیا تھا۔ شاید وہ اسے بہت بڑی کچھ رہا تھا لیکن یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی اور تھوڑا سا سنبھلنے کے بعد راجہ ہدایت خان، سنت پرمیشوری کے اس عمل کا توڑ کر سکتا تھا۔

بہر حال وہ اب اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا اور سنت پرمیشوری کے ہر وار کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھا۔ جس دروازے سے سنت پرمیشوری اسے اندر لے گیا تھا، وہ پیچھے خود بخود بند ہو گیا، اس کے آگے ایک اور دروازہ تھا جو ایک تنگ سی راہداری کے بعد نظر آتا تھا لیکن جب پرمیشوری نے وہ دروازہ کھولا تو دوسری طرف کا ماحول دیکھ کر راجہ ہدایت خان تھوڑی دیر کیلئے ٹھٹک سا گیا۔ بہت خوبصورت جگہ تھی، جگہ جگہ پھول کھلے ہوئے تھے اور وہ جگہ بہت روشن تھی جسے خاص طریقے سے گملوں کے اندر روشنیاں لگا کر جگمگایا گیا تھا لیکن وہاں تین پنجرے دیکھ کر راجہ ہدایت خان کو ایک ہلکی سی پریشانی کا احساس ہوا تھا، ایک لمحے کیلئے راجہ ہدایت کا دل چاہا کہ وہ پلٹ کر بھاگ نکلے لیکن یہ بزدلی تھی اور وہ کسی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

سنت پرمیشوری ان میں سے ایک پنجرے کے پاس جا کر رکا۔ پنجرے میں جو شخص قید تھا، وہ اچھی خاصی پروقار شخصیت کا مالک تھا لیکن بہت مشکل میں نظر آ رہا تھا، داڑھی بڑھی ہوئی تھی، لباس بھی بوسیدہ تھا، پنجرے کا قطر دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ انسان اس میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

پتہ نہیں یہ تینوں کب سے یہاں ان پنجروں میں بند تھے، ان کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی۔ سنت پرمیشوری جس پنجرے کے قریب پہنچ کر رکا تھا، اس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑا ہو گیا، راجہ ہدایت خان نے ایک گہری سانس لی اور سنت پرمیشوری کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ کون لوگ ہیں مہاراج؟“

”وہ جنہوں نے ایک مہان آتما کی مہانتا کو ماننے سے انکار کر دیا یعنی میں...... یہ ڈی ایس پی صاحب ہیں طالب نگر کے، بڑا نام ہے ان کا چوہدری نیاز...... ہمارے پیچھے لگے تھے، ہم نے کہا بھی کہ چوہدری صاحب اپنے کام سے کام رکھو، جو چاہئے، وہ بتا دو، سیوا کر دیں گے، آپ ہمیں کسی بھی طرح تنگ کرنے کی کوشش نہ کریں، نہ مانے، کہنے لگے کہ میں تمہیں سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں، ہم نے کہا بھی تھا کہ بابا ہمارے لئے سلاخیں تیار نہ کرو، پر نہ مانے...... نتیجہ یہ ہوا کہ پکڑ لائے ہم انہیں اور اب کھڑے ہوئے ہیں یہاں سولہ دن سے...... کیوں ڈی ایس پی صاحب! سولہ دن ہوئے ہیں نا پورے؟“

ڈی ایس پی نے خونخوار نگاہوں سے سنت پرمیشوری کو دیکھا اور بولا۔ ”کتے! ایک بار اگر میں نکل گیا یہاں سے تو تجھے بتاؤں گا۔“

سنت پرمیشوری نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”دیکھا منش جب بے بس ہو جاتا ہے تو ایسی ہی الٹی سیدھی ہانکتا ہے اور ادھر آؤ، انہیں دیکھو، ان کا نام ہے چترجی...... یہ ایک علاقے میں بڑا نام رکھتے ہیں...... ایک گیان ہے ان کے پاس، ہم نے بڑے پریم سے انہیں بلایا اور کہا کہ چترجی مہاراج! جس منش کے پاس پورا گیان بھنڈار ہو، اس کے سامنے تمہاری حیثیت کیا ہے، اپنا یہ چھوٹا سا گیان ہمیں دے دو جس کام کیلئے یہ گیان کر رہے ہو، اس میں تمہیں جو بھی منافع ہے، ہم سے لے لو، دولت چاہئے، محبت چاہئے، دشمنی پوری کرنی ہے، بتاؤ، ہمیں ہم کر دیتے ہیں تمہارا کام...... پر یہ گیان ہمیں دے دو، نہ مانے...... اب بند پڑے ہوئے ہیں، تیار ہو گئے تو ٹھیک ہے اور نہیں ہوئے تو پھر سارے گیان دھیان سمیت ہمیں ان کی چتا جلا دیں گے۔“

تیسرے آدمی کا تعارف بھی کچھ ایسا ہی تھا بہر حال راجہ ہدایت خان اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”مگر سنت پرمیشوری! تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو، کیا دکھانا چاہتے ہو؟“

”ارے بھیا! دکھانے کی بات نہیں ہے، تمہارے پاس کافی خزانہ معلوم ہوتا ہے، اپنا بھنڈار ہمارے حوالے کر دو بس اسی لئے ہم نے تمہیں یہاں لانے کی تکلیف کی ہے، تمہاری کلائی سے کلائی ملا کر ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ تھوڑا بہت گیان تمہارے پاس ہے، پر دیکھو وہی ہم تم سے بھی کہیں گے، اپنے گیان کو ہمارے بڑے بھنڈار میں ڈال دو، جو مانگو گے، دے دیں گے۔“

”ہوں، مگر ایک بات بتاؤ سنت پرمیشوری......! اگر میں تمہاری بات مان لوں تو کیا تم میرے ساتھ سچائی کا ثبوت دو گے، مجھے قتل تو نہیں کر دو گے؟“

”نا ہیں، ان تینوں کو بھی قتل نہیں کیا، مان لیں گے ہماری بات تو چھوڑ دیں گے انہیں...... بات اصل میں یہ ہے بھیا کہ جو کام سیدھی انگلیوں سے ہو جائے، سب سے اچھا ہووے ہے، تمہی سمجھا لو انہیں۔“

”میں تو تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں سنت پرمیشوری کہ اپنی ان گندی حرکتوں سے باز آ جاؤ، آخر تمہیں یہ سب کچھ کر کے کیا مل رہا ہے؟“

”ارے یہ سوال تم کر رہے ہو ہم سے، ہمیں تمہارے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو چکی ہیں راجہ ہدایت خان جی! ہم تو کالی شکتناؤں کا پریوگ کر رہے ہیں، پر تم جو کچھ کر رہے ہو وہ تو بڑا ہی عجیب ہے، ایک طرف دین دھرم، دوسری طرف بھوگ ودیا...... رام رام...... تم تو ہم سے بھی برے ہو، اپنا ایمان کھویا ہے تم نے، چلو خیر چھوڑو اب تمہاری مرضی، جو تم نے کیا، وہ تم جانو، ہم جو کر رہے ہیں، وہ ہم جانیں، لاؤ پھر آ گیا دو ہمیں کہ ہم تمہارے سر سے بھوگ ودیا کا بوجھ اتار دیں اور جو چھوٹے موٹے کام تم نے کئے ہیں، وہ ہم اپنے بھنڈار میں ڈال لیں۔“

”مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا جو کچھ کرنا ہے، ہم کریں گے، ارے کہاں ہے رے للوا نائی؟“

سنت پرمیشوری نے کسی کو آواز دی اور ایک چھوٹا سا بونا ہاتھ میں کسبت لئے قریب پہنچ گیا۔

”حجامت کر دو ہمارے راجہ جی کی، ان کے سر سے ان کے کرموں کا بوجھ اتار دو، ان کی کھوپڑیا یہ بوجھ نہ سنبھال سکے گی، چلو آؤ شروع ہو جاؤ، بیٹھ جاؤ رے۔“ سنت پرمیشوری نے کہا اور اسی وقت راجہ ہدایت خان کی ایک بھرپور لات اس کے پیٹ پر پڑی۔

سنت پرمیشوری اچھل کر دور جا گرا تھا، وہ بونا بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا، لیکن ایک لمحے کے اندر اندر راجہ ہدایت خان کے اوپر ویسا ہی ایک پنجرہ آ پڑا جیسے پنجرے میں یہ تینوں بند تھے۔ سنت پرمیشوری زمین پر پڑا ہوا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا اور بونا اسے اٹھانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

بمشکل تمام سنت پرمیشوری کھڑا ہو سکا پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”راجہ ہدایت خان! اب ہمارے تیرے بیچ دوسرا رشتہ ہو گیا ہے، ہم تجھے بتائیں گے کہ سنت پرمیشوری کیا ہے، سنسار ہمیں صرف ایک جیوتشی کے نام سے جانتا ہے، مگر سنت پرمیشوری تھوڑے دن کے بعد ایک مہان آتما بن کر ابھرے گا اور تو دیکھنا سنسار اس کے چرنوں میں

ایم اے راحت

قسط : 9

ہوگا، ارے اسی لئے تو ہم سب کچھ کر رہے ہیں، پاپی، دو ٹکے تو نہ ادھر کا ہے نہ ادھر کا...... کیا سمجھا، چل رے۔“ سنت پرمیشوری نے بونے کو ایک لات ماری اور بونا تیز تیز بھاگنے لگا۔ سنت پرمیشوری اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ ادھر راجہ ہدایت خان پنجرے کے اندر ساکت و جامد کھڑا ہوا تھا اور وہ تینوں افراد اپنی جگہ پتھرائے ہوئے راجہ ہدایت خان کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف کے تاثرات تھے۔

راجہ ہدایت خان نے انہیں دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔ ”تم نے اچھا نہیں کیا، وہ بہت برا ہے، اس وقت تو وہ چلا گیا ہے لیکن اب وہ تمہارے لئے چوٹ کھایا ہوا سانپ جیسا بن گیا ہے۔“

”تم لوگ کون ہو......؟“

”بس تقدیر کے مارے ہوئے ہیں، اس کے کالے کرتوتوں کے بارے میں تحقیقات کر رہے تھے، اس نے پکڑ لیا۔ وہ صرف جیوتشی ہی نہیں جادوگر بھی ہے۔“

”کچھ اور جانتے ہو اس کے بارے میں؟“

”اور کیا جانیں گے، جو جانتے ہیں، سامنے ہے۔“

راجہ ہدایت خان خاموش ہو گیا۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا، غیر متوقع تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ راجہ ہدایت خان کچھ لمحوں کیلئے اپنی حیثیت بھول گیا تھا، اسی کیفیت میں وہ سنت پرمیشوری کی چالاکی کا شکار ہو گیا تھا لیکن اب جب سنت پرمیشوری چلا گیا تو اسے اپنی حماقتوں کا احساس ہونے لگا۔ جو کچھ ہوا تھا، غلط سوچ اور جلد بازی میں ہو گیا تھا، نہ تو اسے بھیس بدلنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی سنت پرمیشوری سے کوئی جھگڑا مول لینے کی...... کاغذات کے بارے میں معلومات حاصل کرتا اور سنت پرمیشوری سے پوچھتا کہ وہ کیا چاہتا ہے، ہو سکتا ہے کوئی سودا ہو ہی جاتا، بات شروع ہی سے بگڑ گئی مگر اب اسے منایا کیسے جا سکتا ہے، دو بارہ وہ نروس ہوا تھا، پہلے سنت پرمیشوری کی آنکھیں دیکھ کر اور فرزان کا قہقہہ سن کر اور دوسری بار بھی فرزان کے قہقہے ہی نے اسے نروس کر دیا تھا مگر اب وہ دوسرے انداز میں سوچنے لگا تھا۔

سنت پرمیشوری واقعی کالے جادو کا ماہر ہے اور وہ کوئی پراسرار عمل کر رہا ہے۔

پھر اس نے چونک کر چوہدری نیاز کی طرف دیکھا، جس کے بارے میں سنت پرمیشوری نے بتایا تھا کہ وہ طالب نگر کا ایک بڑا پولیس افسر رہ چکا ہے۔ پہلی بار وہ چوہدری نیاز سے مخاطب ہوا۔ ”آپ کا تعارف مجھ سے کرا دیا گیا ہے چوہدری صاحب! کس چکر میں آ پھنسے تھے؟“

”بس بھائی! اپنا فرض سرانجام دے رہا تھا، یہ شخص بظاہر ایک جیوتشی کی حیثیت سے یہاں اپنے قدم جمائے ہوئے ہے لیکن بے شمار لوگوں نے اس کے بارے میں شکایت کی تھی کہ وہ کالا جادو جانتا ہے، لوگ بھاری رقمیں دے کر اس سے اپنے دشمنوں کے خلاف کام کراتے ہیں، ایسا ہی ایک حادثہ یہاں طالب نگر میں ہوا تھا جس میں اس کے ملوث ہونے کے شواہد ملے تھے، بس میں اسی پر تحقیقات کرتا ہوا اس تک پہنچا تھا اور یہ مجھے انتہائی دھوکے بازی سے اس تہہ خانے میں لے آیا تھا اور اس وقت سے میں اس کا قیدی ہوں، ہمیں بھوکا پیاسا نہیں رہنے دیا جاتا، ہماری دوسری ضرورتیں بھی پوری کی جاتی ہیں، لیکن وہ ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے، یہ کچھ نہ کچھ کر ہی ڈالے گا، یہی کیفیت چترجی کی ہے، چترجی اچھے خاصے گیانی تھے، ان کے پاس کچھ علوم ہیں، اسے پتہ چل گیا، پکڑ لایا چترجی کو اور جیسا کہ وہ آپ کو بتا چکا ہے مگر آپ کس چکر میں یہاں پہنچ گئے؟“

راجہ ہدایت خان پرغرور انداز میں خاموش ہو گیا۔ اسے اپنے اوپر بڑا مان تھا بس حادثاتی طور پر وہ سنت پرمیشوری کے ہاتھوں ان حالوں تک پہنچ گیا تھا، ورنہ اس کے پاس بھی کچھ پراسرار قوتیں تھیں اور ان پراسرار قوتوں کی کہانی بہت عجیب اور سنسنی خیز تھی مگر اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اپنی قوتوں کا مظاہرہ کرتا ہے تو سنت پرمیشوری سے دو دو ہاتھ ہو جائیں گے اور کاغذات کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا، ایک بار سنت پرمیشوری سے کاغذات کے بارے میں تفصیل معلوم کر لے، بعد میں جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔

پھر وہ انتظار کرنے لگا، سنت پرمیشوری حیرت انگیز طور پر بہت کم وقت میں دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا، اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ اس نے کہا۔ ”ہاں میاں جی! کہو کیسی گزر رہی ہے، تمہارے لئے میں بہت کچھ کر سکتا تھا، پر تم نے میرے پیٹ پر الٹی لات ماری تھی، میرا مطلب ہے الٹے پاؤں کی، سو اب تم یہ سمجھو کہ یہ پاؤں میرے پاس محفوظ رہے گا اور میں اسے دیکھ دیکھ کر یہ سوچتا رہوں کہ سنسار میں تھوڑے بہت بھی بلوان ہوتے ہیں، اچھا چلو چھوڑو اس بات کو...... اب تم یہ بتاؤ مجھے کہ میرے پاس آئے کیوں تھے؟“

راجہ ہدایت خان دل میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ سنت پرمیشوری سے اپنے کام کی بات کرے گا اور کچھ لے دے کر وہ کاغذات وصول کر لے گا، چنانچہ اس نے کہا۔ ”سنت پرمیشوری! سب سے پہلی بات میں تمہیں یہ بتاؤں گا کہ جو کچھ ہوا ہے، بالکل اتفاقیہ طور پر ہوا ہے، تمہارے پاس بھیس بدل کر آنے کی وجہ یہ تھی کہ میں تمہیں یہ کہہ کر متاثر کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی ہندو دھرم سے تعلق رکھتا ہوں، مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ تم اتنے مہان گیانی ہو، اگر میں تم سے کہوں سنت جی کہ مجھے تھوڑا سا وقت دے دو کہ میں تم سے دوستوں کی طرح بات کر سکوں تو......؟“

”پنجرے کے اندر ہی اندر، باہر کی بات مت کرنا میاں جی!“

”ٹھیک ہے، تم نے جس بات پر مجھے پنجرے کے اندر بند کیا ہے، وہ واقعی ایسی ہی تھی کہ تمہیں یہی کچھ کرنا چاہئے تھا۔ سنت جی...... ایک لڑکی ہے جو میری سوتیلی بہن ہے، اس کا نام رانیہ ہے، تمہارے پاس جیسے، جس طرح اور جس وجہ سے پہنچی ہو، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، وہ تمہارے پاس جو کاغذات رکھوا کر گئی ہے، وہ میرے لئے زندگی کی طرح قیمتی اور ضروری ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ کاغذات تم مجھے دے دو، جہاں تک بھوگ ودیا کا تعلق ہے تو ابھی تو میں اس کا طالب علم ہوں، کوشش کر رہا ہوں، ایک شخصیت میرے راستے کاٹ رہی ہے، سنت جی! میں دہری مشکل کا شکار ہو گیا ہوں، میری خواہش ہے کہ آپ مجھ سے دوستی کریں اور وہ کاغذات مجھے واپس کر دیں، اس کے بعد ہم ہر طرح کا لین دین کر لیں گے جو آپ کی پسند کے مطابق ہوگا، ایک اور پیشکش کروں میں آپ کو سنت جی! وہ یہ کہ جیسا آپ نے خود بھی کہا، میں مسلمان دھرم سے تعلق رکھتا ہوں اور دنیا مجھے ایک مسلمان ہی کی حیثیت سے جانتی ہے، لیکن جو کچھ مجھ پر بیتی ہے، اس کی وجہ سے میں اپنا دین، ایمان کھو بیٹھا، بھوگ ودیا کے جال میں گرفتار ہو گیا، بہر حال سنت جی! میں ان کاغذات کیلئے آپ کے پاس آیا ہوں، مجھے جس حیثیت سے استعمال کرنا چاہیں، میں آپ کا بھرپور طریقے سے ساتھ دوں گا۔“

جواب میں سنت پرمیشوری ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔ ”اور میں یہ غور کر رہا ہوں کہ تم نے یہ کہانی کس مقصد کیلئے گھڑی ہے، اس کے پیچھے تمہاری کیا چال چھپی ہوئی ہے؟“

”کہانی......؟“ راجہ ہدایت خان نے خونخوار نگاہوں سے سنت پرمیشوری کو دیکھا۔

”ہاں میاں جی! کہانی...... نہ میں کسی رانیہ کو جانتا ہوں، نہ کسی کاغذ کو...... میں اس طرح کا کوئی کام کبھی نہیں کرتا اور دوسری بات میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ سنسار میں اگر کسی کام کو کامیابی سے کرنا ہے تو سب سے پہلے ناری سے پرہیز کرنا ہوتا ہے چونکہ منش کی موت کا کارن ناری جال ہی ہوتا ہے، اس لئے بھلا مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہاری سوتیلی بہن کے کاغذات اپنے پاس چھپا کر رکھوں اور سنو! میں جھوٹ نہیں بول رہا، میں ماتا کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ ایسے کسی کاغذ کا مجھے کوئی پتہ نہیں ہے، اب تم چاہے کچھ سوچو، کچھ بھی کرو، جو کام تم کر بیٹھے ہو، اس کی سزا تو تمہیں بھگتنی ہی پڑے گی۔“

”کاغذات تمہارے پاس نہیں ہیں؟“

”اس کے بعد اگر تم نے تیسری بار یہ سوال کیا تو ٹانگ کے ساتھ ساتھ تمہاری زبان بھی کاٹنی پڑے گی کیونکہ میں ہلکا نہیں ہوں کہ تمہارے سامنے جھوٹ بولوں۔“

راجہ ہدایت خان نے اس کی بات پر غور ہی نہیں کیا، وہ بار بار یہی الفاظ دہرا تا رہا تھا۔

”اگر کاغذات تمہارے پاس نہیں ہیں تو پھر ثنا کا خواب غلط کیوں ثابت ہوا، اس نے تو مجھے یہی بتایا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ غلط خواب دیکھے، یہ ممکن تو نہیں ہے، یہ کیسے ہوا آخر...... کیسے ہوا؟“

”اپنی بات کئے جا رہے ہو، کتنا جیون چاہتے ہو یہ بتاؤ؟“

”مجھے تھوڑا سا وقت دے دیجئے سنت جی! اس کے بعد پھر آپ کا جو دل چاہے کیجئے گا۔“ راجہ ہدایت خان نے اپنی فطرت کے برعکس بڑے نرم اور عاجزانہ لہجے میں یہ الفاظ کہے تھے۔

سنت پرمیشوری تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے گردن ہلا کر کہا۔ ”ٹھیک ہے، مجھے بھی جلدی نہیں ہے، مزہ آئے گا تمہارے ساتھ کھیل کھیلتے ہوئے۔“ یہ کہہ کر وہ واپسی کیلئے مڑ گیا اور راجہ ہدایت خان کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

جب سنت پرمیشوری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو راجہ ہدایت خان چونکا اور اس نے ان تینوں کی طرف دیکھا، فوری طور پر اپنے کسی عمل سے اپنی آزادی کو یقینی بنانے کیلئے پہلے صحیح تجزیہ ضروری تھا اس کے بعد ان قیدیوں سے کوئی بات کی جا سکتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا، ذہن ابھی تک منتشر تھا، فرزان کے وہ قہقہے اسے اب بھی یاد آ رہے تھے اور فرزان کا پراسرار وجود اس کے ذہن میں بار بار آ رہا تھا اور اس کے دل میں غم و غصے کی آگ بھڑکتی جا رہی تھی۔

کیا فرزان کے علم میں تھا کہ یہاں کوئی ایسی ذلت راجہ ہدایت خان کا انتظار کر رہی ہے اور کیا فرزان کا بھیانک وجود اتنی آسانی سے یہاں تک پہنچ سکتا ہے جبکہ یہ ایک کالے جادو کے ماہر کی مملکت تھی۔ بہر حال ان تمام باتوں پر غور کر کے ذہن کو مزید منتشر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے عمل کو دہرانے لگا، اس نے اپنی ذہنی قوتوں سے کام لے کر سب سے پہلے اس پنجرے کو پانی کی طرح پگھلا دیا، اسے اس وقت اپنی کامیابی کا احساس ہوا جب باقی تینوں قیدیوں کی حیرت ناک آوازیں بلند ہوئی تھیں، وہ آزاد کھڑا ہوا تھا اور پنجرے کا ڈھانچہ زمین پر پگھلا ہوا پڑا تھا، اس نے اس دائرے سے قدم باہر رکھے، پھر وہ ان تینوں کی جانب مخاطب ہوا اور بولا۔ ”کیا تم آزادی چاہتے ہو؟“

جواب میں وہ تینوں گڑگڑانے لگے، انہوں نے اس سے درخواست کی کہ انہیں بھی آزادی دلا دی جائے اور راجہ ہدایت خان کسی انسانی ہمدردی کیلئے نہیں بلکہ سنت پرمیشوری کو زک پہنچانے کیلئے ایک بار پھر اپنی ذہنی قوتوں سے کام لینے لگا۔

تینوں کے پنجرے بھی اسی طرح پگھل گئے۔ اس کے بعد اس تہہ خانے سے باہر نکلنے کا معاملہ تھا، چنانچہ یہاں بھی راجہ ہدایت خان نے دوسرا عمل کیا۔ تہہ خانے کے دروازے کو پگھلانے کے بعد وہ ایک دیوار کی جانب بڑھا اور وہاں سے اس نے اپنے نکلنے کیلئے جگہ بنائی، ان تمام مراحل سے گزر کر تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر کھڑے ہوئے تھے، تینوں قیدی بڑی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔

راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”تم لوگ اپنے فرار کا بندوبست کر لو، اس بات کے امکانات ہیں کہ اس جادوگر کو ہمارے فرار کا علم ہو جائے اور وہ ہمارا تعاقب کرے۔“

چترجی نے کہا۔ ”یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک دھرم شالہ ہے، ہم اگر وہاں تک پہنچ جائیں تو سنت پرمیشوری ہمارا پتہ نہیں پا سکے گا۔“

راجہ ہدایت خان کو خاقان اور نور دین کی فکر تھی، پتہ نہیں ان پر کیا گزری، بہر حال وہ ان کے ساتھ دھرم شالہ تک کا سفر کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ تھوڑا سا توقف ضروری تھا، یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا واقعی سنت پرمیشوری کو کاغذات کا علم نہیں ہے، اس کے بعد آگے کیلئے فیصلہ کیا جائے گا۔

جہاں تک سنت پرمیشوری سے کاغذات کے بارے میں باتیں ہوئی تھیں، ان سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کاغذات کا واقعی اسے کوئی علم نہیں ہے، جس حیرانی سے اس نے اس بات کی تردید کی تھی اس نے راجہ ہدایت خان کو الجھا دیا تھا اور بار بار یہی سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ ثنا نے جھوٹا خواب کیوں دیکھا یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ثنا نے اس سے جھوٹ بولا تھا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ راجہ ہدایت خان نے اس رات ثنا کے ذہن کی پوری طرح نگرانی کی تھی، وہ اپنے علوم میں خاصا آگے بڑھ چکا تھا جس کا مظاہرہ اس نے اس وقت کیا تھا اور سنت پرمیشوری کو شکست دی تھی۔

بہر حال دھرم شالہ تک کا سفر اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا اور یہاں پہنچ کر وہ اپنے آپ کو سکون دینے لگا۔ ذہنی انتشار سے نجات پانا بہت ضروری تھا تاکہ آگے بھرپور طریقے سے کام کیا جا سکے، وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت وہ خاصے چکر میں پھنسا ہوا ہے، چوہدری نیاز، چترجی اور امر سنگھ ابھی تک اس خوف کا شکار تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، دھرم شالہ میں ان تینوں نے راجہ ہدایت خان کے پاؤں پکڑ لئے۔ چترجی نے کہا۔ ”مہاراج! یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ آپ کا گیان سنت پرمیشوری سے کہیں زیادہ ہے اور واقعی اگر آپ چاہیں تو اسے تگنی کا ناچ نچا سکتے ہیں، پرنت ہمیں یہ بتا دیجئے کہ آپ ہیں کون؟ ہم جیون بھر آپ کی کرپا چاہتے ہیں۔“

”ابھی میں تم لوگوں کو نہ اپنے بارے میں کچھ بتا سکتا ہوں اور نہ تم لوگوں کی کوئی مدد کر سکتا ہوں، تم لوگ اپنے اپنے راستے تلاش کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔“

”آپ جو کوئی بھی ہیں جناب! میں آپ سے تھوڑی سی مدد چاہتا ہوں، یہ کالے جادو کا ماہر شخص بہت سے انسانوں کو نقصان پہنچا چکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ پولیس کی مدد کریں، آپ اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر سنت پرمیشوری کو ہمارے جال میں پھنسانے میں مدد کریں، یہ ایک انسانی ہمدردی کا مسئلہ ہوگا۔“

صفحہ نمبر......2

"بھائی! میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ میں اس وقت بالکل ذہنی طور پر منتشر ہوں، بہتر ہے کہ آپ مجھے سکون کا تھوڑا سا وقت دے دیں، ورنہ میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ لوگ خاموش ہوگئے۔
راجہ ہدایت خان اس وقت واقعی خاصی الجھنوں میں مبتلا تھا، سب سے پہلی الجھن یہی تھی کہ اگر کاغذات ست پریشوری کے پاس نہیں ہیں

تو ثنا نے جھوٹا خواب کیوں دیکھا اور اگر اس نے اس خواب کو غلط طریقے سے بیان کیا ہے تو اس کے پس پردہ کیا ہے؟ کیا فرزان یا پھر ثنا کی اپنی کوئی کوشش...... یہ احساس اس کیلئے بڑا پریشان کن تھا کیونکہ وہ ثنا پر کافی اعتبار کر چکا تھا اور اس نے ثنا کو اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے بہت دور تک لے جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے خاقان اور اپنے دوسرے ساتھیوں کی فکر بھی تھی، جنہیں ابھی تک کچھ نہیں معلوم تھا، وہ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ راجہ ہدایت خان ست پریشوری کے پاس ہے، ان سے رابطے کا مسئلہ بھی تھا۔
دھرم شالہ کے بارے میں چوہدری نیاز وغیرہ کا کہنا تھا کہ یہاں تک ست پریشوری کی پہنچ نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ کوئی ٹھوس بات نہیں تھی، اس لئے اسے ہر صورت ہوشیار رہنا تھا، بہت سے مسائل ایک ساتھ آپڑے تھے اور اس کا دماغ دکھ رہا تھا۔
بہرحال رات گہری ہوگئی، ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا، وہ تینوں جو پچھلے کچھ دنوں سے مصیبتوں کا شکار تھے، گہری نیند سوئے ہوئے تھے، راجہ ہدایت خان بہت دیر تک جاگ کر آگے کے اقدامات کے بارے میں سوچتا رہا، اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب یہاں سے واپس نکل جایا جائے، اس کے بعد قصبے پہنچ کر صورتحال کا جائزہ لیا جائے، قصبہ امیر شاہ میں بہرحال اس طرح کے بہت سے انتظامات موجود تھے جن سے وہ خاقان وغیرہ کے معاملے میں کام کرسکتا تھا۔
رات کے کسی پہر اسے نیند آگئی اور پھر اس وقت صبح کا اجالا پھوٹ رہا تھا، جب اچانک کچھ آہٹوں سے اس کی آنکھ کھل گئی، ذہن سو رہا تھا، اس نے ان آہٹوں سے کسی قدر تکلیف محسوس کی لیکن یہ آہٹیں معمولی نہیں تھیں، گاڑی کے انجنوں کی آوازیں تھیں اور لگتا تھا کہ گاڑیاں وہاں آکر رکی ہیں۔
راجہ ہدایت خان کے ذہن میں فوراً ہی ست پریشوری کا نام ابھرا اور وہ جلدی سے اچھل کر بیٹھ گیا، بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، وہ ابھی صحیح طور پر اپنے آپ کو سنبھالنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے اپنے سامنے کچھ وردی والوں کو دیکھا، پولیس کے لوگ تھے، راجہ ہدایت خان حیران ہوگیا، ایک پولیس آفیسر اس کے قریب آکھڑا ہوا باقی اور بہت سے دوسرے ادھر ادھر دوڑ لگانے لگے، اس سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا، راجہ ہدایت خان بھی خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک نوجوان پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔
"تین تین لاشیں ہیں جناب!"
"اوہ...... کہاں؟"
"وہ ادھر اس طرف، تینوں کی گردنیں ان کے جسموں سے علیحدہ کردی گئی ہیں، آلۂ قتل بھی قریب ہی موجود ہے۔"
"اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دو۔" پولیس آفیسر نے راجہ ہدایت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
راجہ ہدایت خان کو ایک دم جوش آگیا۔ "اے پولیس آفیسر! ہوش میں آؤ، تم مجھے نہیں جانتے، کیا بدتمیزی کر رہے ہو؟"
"اور آپ مجھے نہیں جانتے مسٹر! تین آدمیوں کے قاتل ہیں آپ، دوبارہ اگر منہ کھولا تو دانت باہر نکال کر رکھ دوں گا۔" پولیس آفیسر نے بھی کڑک دار لہجے میں کہا۔
راجہ ہدایت خان دوسری بار تین کا لفظ سن کر چونک پڑا تھا، اس کے ذہن میں چوہدری نیاز، چترجی اور امر سنگھ آئے تھے جو رات کو اس کے پاس ہی سوئے تھے، پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں، راجہ ہدایت خان غصے سے سرخ ہوگیا تھا لیکن مصلحت تھی اس لئے خاموش ہوگیا۔
پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے ان تینوں سروں کو دیکھ لیا جو چوہدری نیاز، چترجی اور امر سنگھ کے تھے جس جگہ یہ سر تھے، وہاں خون کا تالاب بنا ہوا تھا، خون ہی خون بکھرا ہوا تھا چاروں طرف...... پاس ہی ان تینوں کے جسم بھی پڑے ہوئے تھے۔
راجہ ہدایت خان کچھ لمحے کیلئے تو سکتے میں رہ گیا تھا اور پھر اس کے اندر بہت سے احساسات جنم لینے لگے، یقیناً یہ اسے پھنسانے کی کوئی بدترین کوشش کی گئی تھی اور اسے پھنسانے والا کون ہوسکتا ہے؟ اس کا فیصلہ ابھی مشکل تھا، بہت سے دوست، بہت سے دشمن...... بہرحال پولیس آفیسر دھرم شالہ کی تلاشی لیتا رہا، آلۂ قتل کو احتیاط کے ساتھ محفوظ کرلیا گیا تھا اور اس کے بعد پولیس آفیسر نے اپنے ساتھیوں کو لاشیں اٹھانے کا حکم دیا اور راجہ ہدایت خان کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر پولیس کی گاڑیاں وہاں سے چل پڑیں۔
پولیس کی گاڑیوں کا یہ سفر کافی طویل تھا، ویران علاقوں کو عبور کر کے یہ گاڑیاں آخر کار شہر میں داخل ہوگئیں، کونسا شہر تھا، کونسی جگہ تھی، راجہ ہدایت خان کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا، تھوڑی دیر میں وہ ایک پولیس اسٹیشن پہنچ گئے اور یہاں راجہ ہدایت خان کی ہتھکڑیاں کھول کر لاک اپ میں بند کردیا گیا، اس دوران پولیس آفیسر نے اور کوئی بات نہیں کی تھی۔
دن کافی چڑھ چکا تھا، اسے ناشتہ دیا گیا تھا جو اس نے صبر و سکون کے ساتھ کرلیا تھا، کوئی ڈیڑھ بجے کا وقت تھا کہ اس نے دور سے کسی کو آتے ہوئے دیکھا اور جو آیا، اسے دیکھ کر راجہ ہدایت خان کے تن بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں، ست پریشوری ہی تھا جو دو تین پجاریوں کے ساتھ آرہا تھا اور اس کا رخ لاک اپ ہی کی طرف تھا، پیچھے ایک پولیس آفیسر تھا لیکن یہ وہ نہیں تھا جو اسے گرفتار کر کے یہاں لایا تھا۔
ست پریشوری نے ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا۔ "تم جاؤ بھائی! میں ذرا اپنے متر سے بات کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ لاک اپ کے قریب آگیا، اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی، کچھ دیر تک وہ راجہ ہدایت خان کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "پربھو پرماتما ہم سب کو اپنے سائے میں رکھے، میں تم سے کوئی بری بات کہنے نہیں آیا، تم پر کیچڑ اچھالنے آیا ہوں، تم نے اپنا کام کیا اور میں نے اپنا...... تم میرے پاس کاغذات کی تلاش میں آئے تھے، پر جب میں نے تمہارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو میرے گیان نے مجھے بتایا کہ تم بھوگ ودیا جانتے ہو، علم والوں سے مجھے دوستی اچھی لگتی ہے، تم نے جس طرح میری قید کا جال توڑ دیا، وہ معمولی کام نہیں تھا، میں نے تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کیلئے ان تینوں کو ختم کرا دیا اور ان کا الزام تم پر آگیا۔ مہاراج! میری بات سنو، اب میں تم سے دشمنی نہیں دوستی کرنے آیا ہوں، میرے ساتھ مل جاؤ، ہم دونوں کالی کھنشاؤں کا پریوگ کریں گے، تم اپنی بھوگ ودیا سے کام لینا اور میں اپنے گیان سے...... بولو، یہ بات مان سکتے ہو یا نہیں؟"
راجہ ہدایت خان نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔ "یہ بالکل سچ ہے ست پریشوری کہ میں تمہارے پاس اپنے کچھ کاغذات کی تلاش میں آیا تھا، جن کی نشاندہی مجھے ہوئی تھی، پر اب صورتحال بدل گئی ہے، میرے تمہارے بیچ دشمنی ہوگئی ہے اور یہ چھوٹا سا کام جو تم نے کیا ہے، یہ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، تم نے میرے اوپر صرف تین آدمیوں کے قتل کا الزام لگوایا ہے، میں تین سو سے زیادہ آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں اور میرا بال بیکا نہیں ہوا جس کے سامنے کہو یہ اعتراف کرلوں، اب سے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میں یہاں سے نکل جاؤں گا، تم سے روکا جائے تو روک لینا اور اس کے بعد ست پریشوری میرے اور تمہارے بیچ جنگ ہوگی، میں دیکھوں گا تم کتنے گیانی ہو۔"
"ہم نے تو سچے من سے تمہیں دوست بنانا چاہا تھا، نہیں بن رہے، تمہاری مرضی...... ابھی ہم سے کہو تو تمہیں اپنے ساتھ ہی لے چلیں، یہ ہمارا تم سے وعدہ ہے۔"
"میں چاہتا تو مکاری کر کے تمہارے ساتھ نکل سکتا تھا، پر تمہاری یہ غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں، تم ایسا کرو کہ مجھے روکنے کی کوشش کرو، کیا سمجھے؟"
جواب میں ست پریشوری نے گردن ہلائی اور بولا۔ "ٹھیک ہے، طالب مگر دور نہیں ہے اور ست پریشوری کسی بھی طرح اپنا گھر نہیں چھوڑے گا، اگر یہاں سے آزاد ہو جاؤ تو آجانا ہمارے پاس، دیکھیں گے کہ تم کیا کرسکتے ہو اور ہم کیا کرسکتے ہیں۔" پھر ست پریشوری دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کر کے واپس چل پڑا اور راجہ ہدایت خان غور سے اسے دیکھنے لگا۔
جب ست پریشوری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سلاخوں کے پاس پہنچ گیا، باہر سنتری موجود تھا۔
"تمہارا افسر اعلیٰ کہاں ہے؟"
"انچارج صاحب آفس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"
"ان سے کہو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، یہ بہت ضروری ہے، اگر انہوں نے میری بات نہ سنی تو پھر میرا عمل شروع ہوجائے گا اور تم لوگوں کو پریشانی کا شکار ہونا پڑے گا۔"
"قاتل ہو تم اور پولیس کو دھمکی دے رہے ہو؟" اس شخص نے کہا لیکن اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر زور سے گھونسا مارا ہو، ضرب اتنی زوردار تھی کہ وہ لڑکھڑا کر پیچھے جا گرا، سینے میں زبردست تکلیف ہو رہی تھی، اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے، دوسرے دو سنتری بھی آس پاس موجود تھے، اس کے قریب پہنچ گئے، وہ درد سے کراہ رہا تھا، سنتری پوچھنے لگے۔
"کیا ہوا، کیا ہوگیا؟"
"پپ...... پتہ نہیں، م...... معلوم نہیں۔" سنتری نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔
"اسے شاید دل کا دورہ پڑا ہے، اٹھا کر لے چلو۔" دونوں سنتری اس سنتری کو اٹھا کر لے گئے تھے اور راجہ ہدایت خان پر غرور نگاہوں سے سامنے دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

حیات علی مختلف طریقوں سے چاند بابا کو تلاش کر رہا تھا، اس دن کی گفتگو کے بعد دوبارہ ثنا سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی دوسرے کسی طریقے سے ثنا کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا، اس کے انسپکٹر دوست نے بھی معذوری کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ اس آہنی پردے کے پیچھے جھانکنا ممکن نہیں ہے، ایس ایس پی سجاد حسین بھی اس سے اظہار افسوس کرتے رہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اگر ثنا زندہ ہے تو اسے دوبارہ ضرور ملے گی، چاند بابا کے بارے میں ابھی حیات علی نے سجاد حسین کو زیادہ تفصیل نہیں بتائی تھی۔ الغرض اس کا ایک پاؤں قصبہ امیر شاہ میں ہوتا اور دوسرا یہاں...... وہ سارے جتن کر رہا تھا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ حویلی میں اس کا داخلہ بند تھا اور ہر پہریدار اسے جانتا تھا، کوئی غیر قانونی عمل بھی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس بارے میں سجاد حسین نے بھی معذوری ظاہر کردی تھی، پھر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی۔ کریم شاہ اس کے تھانے کا ایک کانسٹیبل تھا، بہت تیز، چالاک آدمی تھا، حرفوں کا بنا ہوا لیکن اپنے افسر اعلیٰ کے سامنے بھیگی بلی ہی بنا رہتا تھا، البتہ حیات علی کو اس کے بارے میں ساری تفصیل معلوم تھی۔ اس نے کریم شاہ کو طلب کرلیا۔
"کریم شاہ! کام سرکاری ہے لیکن تھوڑا سا تعلق میرا بھی ہے، میں تم سے ایک اہم کام لینا چاہتا ہوں۔"
"سرکار! حکم کریں، کریم شاہ غلام ہے آپ کا؟" کریم شاہ نے کہا اور حیات علی اسے کام بتانے لگا۔ کریم شاہ خوب غور سے تفصیلات سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے سرکار! آپ فکر نہ کریں، میں معلوم کرلوں گا۔"
کریم شاہ کی شکل بھی دیہاتیوں جیسی ہی تھی، بڑا سا پگڑ باندھ کر اور دھوتی، کرتا پہن کر وہ قصبہ امیر شاہ میں حویلی پہنچ گیا۔ چوکیدار کے پاس پہنچ کر اس نے سلام کیا اور بولا۔ "ہمیں جی چاند بابا سے ملنا ہے، آپ ان سے کہہ دو کہ ان کا بھانجا ان سے ملنے آیا ہے۔"
"تم چاند بابا کے بھانجے ہو؟"
"ہاں جی۔"
"پہلے تو کبھی یہاں نہیں آئے۔"
"اماں سے لڑائی تھی صاب جی ان کی، اماں نے کہہ دیا تھا کہ کریم شاہ دودھ نہیں بخشوں گی اگر تو کبھی چاند بابا سے ملا، پر جی وہ اللہ کو پیاری ہوگئی، ایک ہی تو ماما ہے ہمارا، آپ اس سے کہہ دو جی کہ اس کا بھانجا کریم شاہ آیا ہے، ملنا چاہے گا تو مل لے گا، نہیں ملا تو ہماری تقدیر، اماں کی نشانی ہے۔"
چوکیدار کو کچھ اس طرح رجھایا کریم شاہ نے کہ اس نے دوسرے چوکیدار کو بلا کر کہا کہ جاؤ چاند بابا کو بلا کر لے آؤ۔ کریم شاہ انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک انتہائی شریف صورت بزرگ آدمی اندر سے نکل آیا، کریم شاہ نے چاند بابا کو دیکھا اور روتے ہوئے اس سے لپٹ گیا۔
"ماما جی! معاف کردو، معاف کردو ماما جی...... اماں مرگئی، تمہاری بہن مرگئی ماما جی۔"
چاند بابا بیچارہ ہکا بکا کریم شاہ کو دیکھ رہا تھا، چوکیدار بھی کریم شاہ سے متاثر نظر آرہے تھے، چاند بابا نے کچھ کہنا چاہا لیکن کریم شاہ نے کہا۔
"میرے ساتھ آؤ ماما جی...... آؤ وہاں پیڑ کے نیچے بیٹھ کر بات کریں گے، آجاؤ ماما جی! تمہیں اماں کی قسم آجاؤ۔" وہ چاند بابا کو دھکیلتا ہوا باہر لے آیا۔
چاند بابا نے گھبرا کر کہا۔ "میری بات تو سنو، کون ہو تم، کوئی بھول ہوگئی ہم سے بیٹا! میری تو کوئی بہن ہی نہیں ہے اس دنیا میں۔"
"ایسا مت کہو ماما جی! اماں مرتے مرتے بتا گئی تھی کہ معمولی سی بات پر جھگڑا ہوا تھا اور تم نے اسے چھوڑ دیا تھا، آؤ تو سہی چبوترے پر چل کر بیٹھو۔" کریم شاہ نے کہا اور آخر کار چاند بابا کو گھسیٹتا ہوا چبوترے تک لے ہی گیا۔
چاند بابا بہت پریشان نظر آرہا تھا، چبوترے پر ایک جگہ بیٹھتے ہوئے کریم شاہ نے کہا۔ "چاند بابا جی! میری بات تو سنو۔"
"مگر تم بھی میری بات سنو، میری کوئی بہن ہے ہی نہیں، تمہیں ضرور کسی نے غلط بتایا ہے، میری تو بیٹا پوری زندگی ہی یہاں گزری ہے، کوئی رشتہ ناتا کہیں پر ہے ہی نہیں میرا۔"
"میں جانتا ہوں چاند بابا...... مگر آپ ایک بات غلط کر رہے ہو۔" کریم شاہ نے وہ الفاظ دہرائے جو حیات علی نے اسے طوطے کی طرح رٹا دیئے تھے۔
یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کھیتوں کے ایک سلسلے کے پاس حیات علی ایک پرائیویٹ کار میں بیٹھا ہوا دوربین سے اس درخت کے نیچے کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ کریم شاہ، چاند بابا کو گھسیٹتا ہوا درخت کے نیچے لے آیا ہے، ادھر کریم شاہ چاند بابا سے کہہ رہا تھا۔ "تم نے ایک رشتہ تو بھلا ہی دیا چاند بابا! کیا رانیہ تمہیں اپنے باپ کی طرح نہیں سمجھتی تھی، کیا وہ یہاں پوری حویلی میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد نہیں کرتی تھی، کیا اس کا تم سے کوئی رشتہ نہیں تھا؟"
چاند بابا کا منہ کھل گیا، وہ حیرت سے کریم شاہ کو دیکھنے لگا پھر بولا۔
"رانیہ کی بات، رانیہ کی بات کیوں کی ہے تم نے......؟"
"چاند بابا! میں تمہارا بھانجا نہیں ہوں، مجھے رانیہ ہی نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"
"رر...... رانیہ، رانیہ ہم...... مگر وہ تو......!"
"جل کر مرگئی، یہی کہہ رہے ہو تم بابا جی! رانیہ زندہ ہے اور راجہ ہدایت خان نے اسے قید کر رکھا ہے، یہ بات صرف تمہیں معلوم ہے کہ راجہ ہدایت خان اس کی جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اسی کیلئے اس نے رانیہ کی شادی کا چکر چلایا تھا، رانیہ نہیں مری، اس کی جگہ کوئی دوسری عورت جلا کر ماردی گئی ہے اور اسے رانیہ کا نام دے دیا گیا ہے صرف اس لئے کہ رانیہ ان کاغذات کے بارے میں بتادے، وہ آج بھی راجہ ہدایت خان کی قید میں ہے اور بالکل اتفاقیہ طور پر میرا اس سے واسطہ پڑ گیا تھا، اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے جائیداد وغیرہ کے تمام کاغذات اور وصیت نامہ تمہارے پاس رکھوا دیا ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے چاند بابا کہ وہ وصیت نامہ اور جائیداد کے کاغذات پولیس کے حوالے کردیئے جائیں، میں اس کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں، میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لئے میں نے یہ ماما بھانجے کا چکر چلایا۔"
چاند بابا کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں، اسے جیسے چکر آگیا تھا، وہ کافی دیر تک خاموش رہا اور کریم شاہ کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"
"کاغذات پولیس کی تحویل میں آجائیں، ہم لوگ مقدمہ تیار کرلیں، یہ دیکھو یہ میرا شناختی کارڈ ہے جس میں، میں پولیس کی وردی میں ہوں، اسے دیکھ کر تمہیں شاید یقین آجائے گا۔" کریم شاہ نے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کردیا جس پر اس کی تصویر پولیس کی وردی میں لگی ہوئی تھی۔
سیدھا سادہ چاند بابا پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔ "تم قسم کھاؤ رانیہ زندہ ہے؟"
"ہاں چاند بابا! خدا کی قسم وہ زندہ ہے اور اب اسے کاغذات کی ضرورت ہے، وہ خود تمہارے پاس نہیں آسکتی، اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس کی امانت تم سے لے لوں۔"
"تو وہ میں ابھی لے آتا ہوں، میں نے بھی جان کی طرح انہیں سنبھال کر رکھا ہے، پر بھائی ایک بار مجھے میری رانیہ کی آواز ضرور سنوا دینا۔"
"صرف آواز ہی نہیں چاند بابا! میں آپ کو اس سے ملاؤں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"
"تو پھر میں چلتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو میرے کوارٹر میں، میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا اپنا بھانجا کہہ کر، کھانا وانا کھانا میرے ساتھ اور پھر کاغذات لے لینا کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو کوئی شک ہوجائے، ویسے راجہ صاحب پچھلے کئی دنوں سے حویلی میں موجود نہیں ہیں، کسی کام سے گئے ہوئے ہیں، میں چونکہ اندر کی حویلی میں رہتا ہوں جہاں راجہ صاحب کے خاندان والے رہتے ہیں اس لئے مجھے باہر کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہوتیں، آؤ میرے ساتھ۔" چاند بابا نے کہا اور کریم شاہ کو اپنے ساتھ لے کر اندر کی جانب چل پڑا۔
چاند بابا کریم شاہ کو حویلی میں لے گیا، حویلی کا پرانا ملازم تھا، سب لوگ اس کی عزت کرتے تھے، کسی نے کچھ سوال نہیں کیا اور چاند بابا کریم شاہ کو لے کر اپنے کوارٹر میں پہنچ گیا، کاغذات اس نے اپنی چارپائی کے نیچے زمین میں ایک گڑھا کھود کر ایک بکس میں رکھ کر دبائے ہوئے تھے، کوارٹر کا دروازہ بند کر کے اس نے وہ کاغذات نکالے اور کریم شاہ کے حوالے کردیئے، کریم شاہ نے انہیں اپنے سینے کے پاس چھپالیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد وہ حویلی سے باہر نکل آیا، اسے معلوم تھا کہ حیات علی کی کار کہاں موجود ہے، کچھ دیر کے بعد دونوں شہر واپس جا رہے تھے۔
حیات علی اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا، بہت عرصے سے کوششوں میں مصروف تھا لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی تھی غرضیکہ فاصلے طے کر کے وہ گھر پہنچ گیا، کاغذات لے کر وہ گھر پہنچ گیا، کاغذات کا اس نے جائزہ لیا اور اس کے بعد سجاد حسین سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ سجاد حسین، حیات علی کو بہت پسند کرتے تھے اور انہیں بھی اس بات کا افسوس تھا کہ ایک صاحب حیثیت آدمی نے کس طرح جرم کی بنیاد ڈالی ہوئی ہے پھر انہوں نے کاغذات دیکھے اور کہا۔ "ہاں! ان کاغذات میں جو کچھ درج ہے، اس کے تحت راجہ ہدایت خان ان زمینوں پر قبضہ جمانے کیلئے ہر عمل کرسکتا ہے لیکن تم نے جو تفصیل مجھے بتائی ہے، اس میں بنیادی حیثیت رانیہ کی ہے، اگر رانیہ ہی منظر عام پر نہیں ہوگی تو پھر یہ کاغذات بے معنی ہیں۔"
"جناب عالی! ہم اس طرح بے بس ہوگئے ہیں کہ ہمیں خود اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے، آپ بتایئے اب ہم کیا کرسکتے ہیں؟"
سجاد حسین گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "تم بتاؤ تم زیادہ سے زیادہ کیا کرسکتے ہو؟"
"جہاں تک میرا علم ہے، جناب رانیہ زندہ ہے، جائیداد کے یہ کاغذات رانیہ کے بغیر تو نامکمل ہیں، پر رانیہ کو حاصل کرنے کیلئے راجہ ہدایت خان پر ہاتھ ڈالنا ضروری ہے۔"
"یار! تم کمال کرتے ہو، بات وہی آجاتی ہے کہ راجہ ہدایت خان پر ہاتھ کون ڈالے گا تم......!"
جواب میں حیات علی نے گردن جھکالی اور بولا۔ "بات اپنے فرض کی ادائیگی کی بھی ہے اور اپنی محبت کے تحفظ کی بھی...... میں آپ سے کوئی جذباتی بات نہیں کر رہا، انسان اگر اتنا بے بس ہو کر جیئے تو لعنت ہے ایسی زندگی پر...... میری منگیتر جو میری وجہ سے مشکلات کا شکار ہوئی ہے، اسے رہا کرانا میرا فرض ہے اور اس فرض کو انجام دینے کیلئے میں ہر رسک لینے کو تیار ہوں۔"
"کیا رسک لوگے، مجھے بتاؤ؟"
"راجہ ہدایت خان کو اغوا کروں گا، چاہے اس کیلئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔"
"کیا یہ مناسب ہوگا جبکہ تم جانتے ہو کہ وہ کس قدر بااثر آدمی ہے؟"
"جناب عالی! ایک بااثر آدمی اگر جرم کر رہا ہو تو پھر قانون کو ہم کیا کہیں گے جو اس کے سامنے بالکل بے بس ہوگیا ہے۔"
"مجھے سوچنے دو، تھوڑا سا وقت دو مجھے حیات علی! ہوسکتا ہے میں کوئی کام کی بات سوچ سکوں۔" سجاد حسین نے کہا۔
حیات علی نے بے چینی سے گردن ہلائی پھر بولا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کاغذات کو حاصل کرنے کے بعد ہم راجہ ہدایت خان کا ایک سب سے بڑا منصوبہ فیل کرچکے ہیں، کیوں نہ ہم راجہ ہدایت خان سے اس سلسلے میں براہ راست بات چیت کریں، سودے بازی کریں۔"
"گڈ ویری گڈ......! اچھا آئیڈیا ہے، یہ بھی کیا جاسکتا ہے اس پر ذرا غور کرلو۔"
"میں ہر بات آپ کے علم میں لے آتا ہوں جناب! اس امید پر کہ آپ میری بھرپور مدد کریں گے۔"
"میں دل سے تیار ہوں حیات علی! اس بچی کو میں نے بے شک دیکھا نہیں ہے لیکن میں تمہارے دل کی دھڑکنوں کو سن سکتا ہوں اور اس کی پریشانی سے بھی واقف ہوں، لیکن بہرحال اس بات کی مجھے بھی خوشی ہے کہ وہ زندہ سلامت ہے، پتہ نہیں کس طرح بیچاری نے اپنے آپ کو زندہ رکھا ہے، تھوڑا سا وقت دو، اس سلسلے میں مکمل منصوبہ بناتے ہیں۔" سجاد حسین نے کہا۔
پھر تیسرے دن انہوں نے حیات علی کو بلا کر کہا۔ "میں نے معلومات کی ہیں، راجہ ہدایت خان قصبہ امیر شاہ میں موجود نہیں ہے، کسی کام سے نکلا ہوا ہے اپنے آدمیوں کے ساتھ، وہ واپس آجائے تو ہم اس سے براہ راست گفتگو کریں گے اور کاغذات کے سلسلے میں سودے بازی کرلیں گے، پہلی شرط یہی ہوگی کہ رانیہ اور ثنا کو وہ ہمارے پاس پہنچا دے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، میرے پاس اس سلسلے میں ایک مکمل منصوبہ موجود ہے، ٹھیک ہے کام شروع، ویسے سنو تم نے مجھے ایک بات بتائی تھی، کیا وہ واقعی سچ تھی؟"
"کونسی بات جناب......؟"
"یہی کہ ثنا کو کوئی مریض ایک پراسرار قوت دے گیا تھا۔"
"ہاں۔"
"کیوں نہ ہم اس مریض کو زندہ کرلیں جو مر چکا ہے؟"
"کیسے جناب......؟" اور سجاد حسین حیات علی کو اپنا منصوبہ سمجھانے لگے۔ حیات علی پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا پھر اس نے کہا۔
"وہ بے حد چالاک ہے، آسانی سے بے وقوف نہیں بنے گا، اس کے علاوہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ اس پراسرار قوت کو تسلیم کرے گا بھی یا نہیں۔"
سجاد حسین سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ "تم کوشش کرو کہ ثنا سے دوبارہ رابطہ قائم کرو۔"
"میں......!" حیات علی نے کہا اور پھر ایک دم خاموش ہوگیا، پھر کچھ لمحوں کے بعد بولا۔ "ایک شخص کو ہم استعمال کرسکتے ہیں، اوہو یہ ایک بہترین خیال ہے، ہم اس سے بہت سے کام لے سکتے ہیں۔"
"کون ہے وہ؟" سجاد حسین نے پوچھا۔
"چاند بابا......" حیات علی بولا۔
(جاری ہے)

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 10

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

سجاد حسین سوچ میں ڈوب گئے، کچھ دیر خاموشی سے گردن ہلاتے رہے پھر بولے۔ ''ہاں ہو تو سکتا ہے لیکن بقول تمہارے وہ ایک سیدھا سادہ آدمی ہے جبکہ راجہ ہدایت خان نے پوری حویلی میں اپنا جال بچھا رکھا ہوگا اور اس کے خلاف کی گئی کوئی بھی بات ہو، فوراً اس کے علم میں آجاتی ہوگی، وہ بوڑھا نوکر بیچارہ مفت میں مارا جائے گا، خیر ٹھیک ہے، اس کی تلاش تو کریم شاہ کے ذریعے ہی کرو گے نا تم؟''

''ہاں......!''

''کرلو اور مجھے اس کے نتیجے سے آگاہ کرو۔''

یہ بات حیات علی کے علم میں تھی کہ راجہ ہدایت خان ان دنوں حویلی میں موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں کام آسان ہوسکتا تھا، کریم شاہ تو حکم کا بندہ تھا، حیات علی نے دو چار جوڑے اور مٹھائی کے کچھ ڈبے لے کر کریم شاہ کو حویلی بھیج دیا۔

چوکیداروں کو تو پتہ چل چکا تھا کہ کریم شاہ، چاند بابا کا بھانجا ہے، مٹھائی کے دو ڈبے بھی ان دونوں کو دینے پڑے۔ کریم شاہ نے چوکیداروں کو یہی بتایا تھا کہ ماما جی کیلئے کچھ کپڑے وغیرہ لے کر آیا ہے۔

چاند بابا سے دوسری ملاقات ہوئی تو کریم شاہ نے حیات علی کی ہدایت کے مطابق اس سے کہا۔ ''چاند بابا! وہ وقت دور نہیں ہے جب رانیہ آپ کے سامنے ہوگی، ہمیں کسی کے خلاف کچھ نہیں کرنا، یہاں حویلی میں کچھ دن پہلے ایک لڑکی آئی تھی اور رانیہ ہی نے کچھ معلومات حاصل کرنے کیلئے اسے بلایا تھا، مجھے خوف ہے کہ وہ لڑکی کہیں راجہ ہدایت خان کے جال میں نہ پھنس گئی ہو، چاند بابا! اگر اس لڑکی کا پتہ چل جائے تو بس یوں سمجھ لیں کہ رانیہ ہر مشکل سے آزاد ہو جائے گی۔''

''ہم تو زنان خانے میں رہتے ہیں، حویلی کے دوسرے حصے میں کیا ہوتا ہے، آپ یقین کرو ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''چاند بابا! کیا آپ رانیہ کیلئے کوشش نہیں کرسکتے ہیں، بہت جلد موبائل فون پر آپ کی رانیہ سے بات کرا دوں گا، فی الحال آپ میری بات پر غور کریں۔''

''ٹھیک ہے، میں پوری کوشش کروں گا۔'' چاند بابا نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

سنتری نے یہی بتایا تھا کہ جیسے ہی اس نے ملزم سے سخت انداز میں بات کی، اسے یوں لگا جیسے اس کے سینے پر کوئی گھونسا پڑا ہو، ایک ایسا ان دیکھا گھونسا جس نے اسے دور پھینک دیا۔ بات افسر اعلیٰ تک پہنچ گئی تھی۔ راجہ ہدایت خان کے بارے میں ابھی کسی کو معلومات حاصل نہیں تھیں، لیکن اس سے پہلے کہ راجہ ہدایت خان خود کوئی عمل کرکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا، پولیس کے اس بڑے افسر نے انچارج کی مدد سے راجہ ہدایت خان کو اپنے سامنے بلا لیا۔

راجہ ہدایت خان کی شخصیت بہت متاثر کن تھی، افسر اعلیٰ بھی بہت متاثر ہوا، اس نے کہا۔ ''دیکھو تمہیں تین افراد کے قتل میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے، اس بات سے تو تم انکار نہیں کرسکتے کہ تم قاتل نہیں ہو لیکن پھر بھی ہم تمہاری شخصیت کا خیال کرتے ہوئے تمہیں رعایت دیتے ہیں، ہمیں ساری تفصیل بتا دو۔''

''اگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں کون ہوں تو تمہاری حالت تو ویسے ہی خراب ہو جائے گی، تم میرے اختیارات کو نہیں جانتے آفیسر......! کس وزیر کا نام لوں، کس بڑے آدمی کا نام بتاؤں جو میرے لئے سب کچھ کرنے پر ہر وقت آمادہ ہو جاتا ہے اور اگر میں ان سے تمہاری شکایت کردوں تو تمہیں بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن میں ان لوگوں کو کبھی استعمال نہیں کرتا، کیونکہ میرے اپنے اختیارات اتنے ہیں کہ میں بہت کچھ کرسکتا ہوں، میں تمہیں ایک بات بتاؤں میں نے ان تینوں کو قتل نہیں کیا بلکہ تمہارے علاقے کا ایک جادوگر جس کا نام سنت پرمیشوری ہے، میرا دشمن بن گیا ہے، وہ یہاں تھانے میں بھی مجھ سے ملنے آیا تھا اور اس نے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی، پولیس آفیسر! اگر تم میرا نام ہی جاننا چاہتے ہو تو سنو، میں قصبہ امیر شاہ کا رہنے والا ہوں اور میرا نام راجہ ہدایت خان ہے، اگر یہ نام تمہارے کانوں تک پہنچ چکا ہے تو تمہیں میری اہمیت کا اندازہ ہوگا لیکن اگر تم مجھے میرے نام سے نہیں جانتے تب بھی میں تمہیں بہت سے ایسے نام گنوا سکتا ہوں جو میرے ایک ٹیلیفون پر بذات خود یہاں پہنچ جائیں گے لیکن یہ بات میرے منصوبے میں شامل نہیں ہے، اس کے علاوہ میرا مقابلہ سنت پرمیشوری سے ہے، اس نے مجھے چیلنج کیا ہے اور میں نے یہ چیلنج قبول کرلیا ہے، چنانچہ اب میرے اور اس کے درمیان جنگ شروع ہوگی، جن تین افراد کی بات تم کرتے ہو، انہیں میں نے قتل نہیں کیا، وہ سنت پرمیشوری کے قیدی تھے اور میں نے انہیں سنت پرمیشوری کی قید سے نجات دلائی تھی، ہم چاروں وہاں سے فرار ہوکر دھرم شالہ تک پہنچے تھے اور اس کے بعد جب پرمیشوری کو علم ہوا کہ میں اس کے قیدیوں کو نکال لے گیا ہوں تو اس نے مجھ سے بدلہ لینے کیلئے جادوگری کا مظاہرہ کیا، میں تمہیں ایک بات بتاؤں پولیس آفیسر! جن لوگوں کے قتل کے الزام میں تم نے مجھے گرفتار کیا ہے، وہ سنت پرمیشوری کے قیدی بنے ہوئے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں قید ہیں، تم زندگی بھر یہ بات ثابت نہیں کرسکو گے کہ انہیں قتل کردیا گیا ہے، کیا سمجھے؟''

''کیا بات کرتے ہو، ان کی لاشیں سرد خانے میں موجود ہیں۔''

''جاؤ پھر ذرا ان لاشوں کی تفصیل معلوم کرلو، اس کے بعد مجھ سے بات کرنا۔''

پولیس آفیسر چاہتا تو راجہ ہدایت خان کے ساتھ اس وقت اپنے اختیارات سے کام لے کر کچھ بھی کرسکتا تھا، لیکن اسے ساری کہانی دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ راجہ ہدایت خان کو دوبارہ لاک اپ میں بھیجنے کے بعد اس نے سرد خانے سے معلومات کیں اور یہ سن کر دنگ رہ گیا کہ کوئی لاش وہاں تک نہیں پہنچی اور نہ ہی کہیں ان کا اندراج ہے۔

افسر اعلیٰ دنگ رہ گیا تھا، کوئی ثبوت نہیں تھا، یہاں تک کہ دھرم شالہ میں جو مقتولوں کی تصاویر بنائی گئی تھیں، وہ تصاویر بھی ریکارڈ میں موجود نہیں تھیں۔ افسر اعلیٰ ہکا بکا رہ گیا تھا اور اس نے خفیہ طور پر انسپکٹر وغیرہ سے مشورہ کیا تھا۔

''یہ بات حلق کی ہڈی بن سکتی ہے کہ لاشیں کہاں گئیں، ریکارڈ کہاں گیا، یہ تو کوئی بڑا ہی چکر لگتا ہے۔ سنت پرمیشوری کے بارے میں تو ویسے بھی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں کہ وہ کالے جادو کا ماہر ہے، اس کے بارے میں کچھ شکایات بھی ہمارے پاس درج ہوئی ہیں، لیکن ہمیں ان شکایات کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں مل سکا، راجہ ہدایت خان کے بارے میں ذرا سی تفتیش کرو۔''

''سر! آپ سے ایک بات عرض کروں؟''

''ہاں......! بولو۔''

''نہ کوئی قتل ہوا ہے، نہ کوئی ثبوت ہے ہمارے پاس، اگر ہم اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو کچھ ایسے لوگوں کی دشمنی ہمیں مول لینی پڑے گی جو کالا جادو جانتے ہیں سر! ایک چھوٹا سا واقعہ تو یہاں لاک اپ میں بھی پیش آچکا ہے یعنی سنتری کے سینے پر گھونسا لگنے کا، اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص جس نے اپنا نام راجہ ہدایت خان بتایا ہے، یہ بھی خاصا خطرناک آدمی ہے سر! اب اس کو لاک اپ میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اگر یہ واقعی صاحب حیثیت ہے تو ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرلیا جائے۔''

بات افسر اعلیٰ کی سمجھ میں بھی آگئی تھی، اس نے اس بار بالکل بدلے ہوئے انداز میں راجہ ہدایت خان سے بات کی۔ ''راجہ صاحب! اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ان معاملات سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے تو میرا دل اسے تسلیم کرتا ہے، لاشوں کی گمشدگی بھی آپ کے بے گناہ ہونے کا ثبوت ہے، واقعی لاشیں سرد خانے میں نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی ریکارڈ مل رہا ہے، آپ یہاں سے جاسکتے ہیں، ہمیں اعتراض نہیں ہے، ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو بتا دیجئے کیونکہ بہرحال ہم نے آپ کو لاک اپ میں رکھا ہے، آپ کی توہین ہوئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی کوئی خدمت کرکے اپنی اس غلطی کا ازالہ کریں۔''

راجہ ہدایت خان ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔ ''آفیسر! سنت پرمیشوری کے ڈیرے کے آس پاس کچھ ایسے لوگ تعینات ہیں جو میرے اپنے آدمی ہیں، ان میں ایک کا نام خاقان اور دوسرے کا نور دین ہے، آپ انہیں یہاں بلوا لیجئے، میں ان کے ساتھ ہی قصبہ امیر شاہ واپس جاؤں گا۔''

سب لوگ بالکل سیدھے ہوگئے تھے، انہیں اچھی طرح احساس ہوگیا تھا کہ وہ ایک خطرناک آدمی کے سامنے ہیں، چنانچہ یہی کوشش کی گئی کہ راجہ ہدایت خان کو یہاں سے مطمئن کرکے روانہ کیا جائے، ورنہ مصیبت آسکتی ہے۔ خاقان، نور دین اور راجہ ہدایت خان کے آدمی ابھی تک وہیں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے، پولیس والوں نے انہیں راجہ ہدایت خان کا پیغام دیا تو وہ تھانے آکر راجہ ہدایت خان سے ملے، اس وقت راجہ ہدایت خان لاک اپ میں نہیں تھا، بلکہ پولیس آفیسر کے کمرے میں بیٹھا ناشتہ اڑا رہا تھا، خاقان وغیرہ اسے دیکھ کر مؤدب ہوگئے۔

راجہ ہدایت خان نے واپسی کی تیاریاں کرکے افسر اعلیٰ سے کہا۔ ''پولیس آفیسر! مجھے آئندہ آپ کی مدد کی ضرورت پڑے گی، سنت پرمیشوری کو میں معاف نہیں کرسکتا، جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''سر! آپ کو جس طرح بھی ہماری مدد کی ضرورت پیش آئے، ہم حاضر ہیں۔'' افسر اعلیٰ نے کہا۔

اس وقت شام کے سائے جھک آئے تھے اور فضا میں تیزی سے تاریکی پھیلتی جارہی تھی، راجہ ہدایت خان اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ جب ایک سنسان راستے سے وہ لوگ گزر رہے تھے تو راجہ ہدایت خان نے سامنے کی طرف دیکھا، دو آنکھیں اسے گھور رہی تھیں، صرف آنکھیں باقی وجود تاریکی میں تھا۔

راجہ ہدایت خان نے خاقان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''روکو۔''

خاقان نے گاڑی کے بریک لگا دیئے تھے، سنسان اور ہولناک سڑک تھی، دور دور تک انسانوں کا نام و نشان نہیں تھا، پتہ نہیں راجہ نے گاڑی کیوں رکوائی تھی، وہ سب مستعد ہوگئے، وہ آنکھیں اسے گھورتی رہیں اور پھر یوں لگا جیسے دو بلب بجھ گئے ہوں، اب وہاں ان آنکھوں کا وجود نہیں تھا۔

''چلو۔'' راجہ ہدایت خان نے مردہ سے لہجے میں کہا اور کار پھر آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان کے ماضی کے کچھ حصے اب بھی تاریکی میں تھے، اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی، فرزان سے اس کی دشمنی کا آغاز کب اور کیسے ہوا تھا، یہ تمام باتیں صیغۂ راز میں تھیں، ایک طویل عرصے سے قصبہ امیر شاہ میں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا، حکومت کے اعلیٰ ترین افراد سے اس کے شاندار روابط تھے، قصبہ امیر شاہ کے گرد و نواح میں اس کے بے شمار باغات اور زمینیں تھیں لیکن اس کے باوجود دولت کی ہوس کیلئے اس نے اپنی سوتیلی بہن رانیہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ بھی اس کی شخصیت کا ایک حصہ تھا، اب تک کی جو داستان منظر عام پر آئی تھی، اس کے تحت اس نے کچھ اس قسم کے عمل بھی کئے تھے جو اسے دین اور مذہب سے خارج کرتے تھے لیکن اپنی درسگاہ میں وہ اس طرح کی تقریریں کرتا تھا جس سے اس کے خالص مذہبی ہونے کا ثبوت ملتا تھا، اس کی یہ منافقت ایک مثالی حیثیت رکھتی تھی اور بہت سے ایسے افراد جو اس کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے خواہشمند تھے، ابھی تک اس کے سلسلے میں تاریکی میں تھے اور اس کی شخصیت کا کوئی پہلو کھل کر سامنے نہیں آیا تھا۔

ثنا کے خواب نے اسے سنت پرمیشوری تک پہنچایا تھا لیکن سنت پرمیشوری کہتا تھا کہ ان کاغذات کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں ہے، اس وقت یہ سب سے بڑا مسئلہ اس کے ذہن میں تھا اور وہ اس گومگو کے عالم میں تھا کہ ثنا نے یہ غلط بات کیسے کہی۔

راستے بھر وہ انہی معاملات پر سوچتا آیا تھا، سنت پرمیشوری کیلئے بھی دل میں شدید غصہ تھا اور اس کے بارے میں وہ بہت سے منصوبے بنا رہا تھا لیکن سب سے بڑی بات اس کے دل میں یہ تھی کہ معلومات حاصل کرے کہ ثنا نے جان بوجھ کر ایسا کیا یا پھر یہ صرف اتفاق ہے۔

انہی سوچوں کے درمیان قصبہ امیر شاہ پہنچا تھا، پہلی فرصت میں اس نے ثنا سے ملاقات کی جسے اب حویلی کے اس دوسرے حصے میں جہاں اب اس کے اہل خاندان نہیں رہا کرتے تھے، آزادی مل گئی تھی، لیکن ان بدترین حالات سے گزرنے کے بعد ثنا نے انتہائی احتیاط اختیار کر رکھی تھی کیونکہ اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ راجہ ہدایت خان کو کہیں اصل صورتحال کا علم نہ ہو جائے، وہ یہاں آکر ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہوگئی تھی، ایک طرح سے اسے ایک آزاد قیدی کی حیثیت حاصل تھی، راجہ ہدایت خان کی واپسی کی اطلاع اسی وقت مل گئی کیونکہ اس نے اسے اپنی آنکھوں سے اندر آتے ہوئے دیکھا تھا، راجہ ہدایت خان نے اسے طلب کیا تو وہ اپنی جذباتی کیفیتوں پر قابو پا کر اس کے سامنے پہنچ گئی، راجہ ہدایت خان نے اسے نرمی سے اپنے سامنے بیٹھنے کیلئے کہا، ثنا کو ایک لمحے کے اندر یہ احساس ہوگیا تھا کہ راجہ ہدایت خان اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔

راجہ ہدایت خان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ثنا! میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی راجہ صاحب! حکم۔'' ثنا نے گردن خم کرکے کہا۔

''ثنا! کیا اس بات کے امکانات ہیں کہ تمہارے خواب جھوٹے ہوں، میری ہر بات کا جواب فوراً دیتی جاؤ اور جواب میں سوال مت کرنا۔'' راجہ کے لہجے کی سختی بتاتی تھی کہ اس کے دل میں کوئی بہت ہی اہم بات ہے۔

ثنا نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو تفصیل بتائی ہے راجہ صاحب! کچھ بھی نہیں چھپایا ہے آپ سے، جو کچھ دیکھا، آپ کے سامنے بیان کردیا۔''

''دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں ثنا کہ تمہارے خواب جھوٹے ہیں یا پھر تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔''

ثنا نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب اپنی پوری ذہانت کے ساتھ راجہ ہدایت خان کا سامنا کرے گی، اہل خاندان اور حیات علی کی زندگی کا سوال بھی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اپنی بقا کا احساس بھی...... چنانچہ اس نے ہر مسئلے میں ایک بھرپور عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس وقت بھی راجہ ہدایت خان کے ان الفاظ پر اس نے بڑی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا اور بولی۔ ''میں جانتی ہوں راجہ صاحب! مجھے پہلے بھی اس بات کا علم تھا اور اکثر یہ بات مجھے الجھن کا شکار کئے رہتی ہے کہ میری اپنی اوقات اور حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، میں صرف آپ کی غلام ہوں، آپ کے اشاروں اور آپ کی ہدایت پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے والی راجہ صاحب! میری مجال نہیں کہ آپ کے سامنے کسی بھی طرح کا جھوٹ بولوں، میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ ناقابل تسخیر ہیں، پھر میں آپ سے جھوٹ بول کر کیا کرنا چاہتی ہوں، اگر اس کی نشاندہی آپ ہی کردیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

ثنا نے جن الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا تھا، انہوں نے راجہ ہدایت خان کو متاثر کیا۔

راجہ ہدایت خان تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا موڈ بدل لیا اور بولا۔ ''نہیں ثنا! جو کچھ تم سوچ رہی ہو، وہ غلط ہے، میں نے کبھی کوئی ایسی شخصیت ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جو انسانوں سے دور ہو، بہت سے معاملات میں میرا علم بلندیوں پر ہے لیکن بہت سے معاملات میں میرے اندر کچھ کمی ہے، میں تمہارے ان سچے خوابوں کے ذریعے جو تمہیں کوئی بخش گیا ہے، اپنے بہت سے معاملات کی تکمیل چاہتا ہوں، مجھے وہ کاغذات درکار ہیں جو رانیہ نے کہیں پوشیدہ کردیئے ہیں، تم نے مجھے سنت پرمیشوری کا حوالہ دیا، میں نے سنت پرمیشوری کو ٹٹولا لیکن وہ کہتا ہے کہ کاغذات اس کے پاس نہیں ہیں۔''

ثنا نے راجہ ہدایت خان کو دیکھا اور کہا۔ ''راجہ صاحب! میں نے جہاں زندگی گزاری ہے، آپ اس کے بارے میں تحقیقات بھی کرچکے ہیں اور مجھ سے پوچھ بھی چکے ہیں، آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے کہ اگر میں اپنے خواب میں وہ سب کچھ نہ دیکھتی جو آپ کے سامنے بیان کیا یعنی طالب نگر اور وہاں کا کوئی ہندو جیوتشی سنت پرمیشوری تو مجھے اس کے بارے میں کیسے علم ہوتا، میں نے کسی فرضی نام سے آپ کو بہکانے کی کوشش نہیں کی، وہ بتایا جو مجھے خواب میں نظر آیا، میں نہیں جانتی کہ سنت پرمیشوری کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اگر میں خواب میں یہ سب کچھ نہ دیکھتی تو آپ کے سامنے کیسے بیان کرتی، آپ براہ کرم مجھے اس کی وضاحت فرما دیجئے گا۔''

اتنی ٹھوس دلیل تھی کہ راجہ ہدایت خان خود چکرا کر رہ گیا، واقعی سنت پرمیشوری کا نام تو خود اس نے بھی نہیں سنا تھا، پھر ثنا نے کیسے اس کا حوالہ دے دیا تھا، یہ بات اس کی سچائی کی دلیل تھی جو راجہ ہدایت خان کی سمجھ میں آگئی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''ثنا! یہ بات میرے لئے خاصی تعجب خیز ہے کہ رانیہ اور سنت پرمیشوری کا تعلق کہاں سے ہوا اور اس نے اس پر اتنا بھروسہ کیسے کیا کہ وہ جائیداد کے کاغذات اس کے پاس رکھوا دے، اب میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے، کیا تم اس کیلئے میری مدد کرسکتی ہو، دیکھو میں نے تمہاری طرف توجہ اسی لئے دی ہے کہ تم میرے لئے کام کی لڑکی ثابت ہو اور اس کے صلے میں تمہیں وہ سب کچھ دیا جائے جس کا تم نے کبھی خواب بھی نہ دیکھا ہو، میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں ایک جوگن کا روپ دیا جائے جو لوگوں کو ان کی مشکلات کا حل بتائے، طریقۂ کار یہ ہوگا کہ تم ان سے ملو اور ان کے خواب دیکھو، وہ سچے خواب جن میں ان کے ماضی کی تصویر ہو اور تم انہی کی روشنی میں انہیں ان کی مشکلات کا حل بتاؤ، ہم کسی معمولی آدمی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، جن لوگوں سے میں تمہیں ملواؤں گا، وہ اس قدر دولت مند اور صاحب اختیار ہوں گے کہ تمہیں دنیا کی ہر آسائش حاصل ہو جائے گی۔''

''میں ایک سوال کرنا چاہتی ہوں راجہ صاحب؟'' ثنا نے کہا۔

راجہ ہدایت خان اس کی طرف متوجہ ہوگیا اور بولا۔ ''ہاں...... بولو، کہو۔''

''راجہ صاحب! کیا فرزان کے کہنے کے مطابق میرے تمام خواب سچے ہوں گے؟''

اس سوال پر راجہ ہدایت خان تھوڑی دیر کیلئے سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ ''ہاں اس کے پاس جو علم ہے، وہ نامکمل نہیں ہے، چلو خیر چھوڑو، میں تم سے اپنے ایک کام کے بارے میں کہہ رہا تھا اور وہ کام یہ ہے کہ تم سنت پرمیشوری کا خواب دیکھو۔''

''کیسے......؟'' ثنا نے کسی قدر تعجب کا اظہار کیا۔

''میں تمہیں طالب نگر بھیجوں گا، نور دین اور خاقان تمہارے ساتھ جائیں گے، تم سنت پرمیشوری کو دیکھ کر اس کے بارے میں خواب دیکھو گی خاص طور سے ان کاغذات کے بارے میں سوچو گی اور مجھے بتاؤ گی کہ وہ کاغذات اس کے پاس ہیں یا نہیں۔''

''لیکن میں اس سے ملوں گی کیسے؟''

''میں نے کہا نا تمہیں اسے صرف دیکھنا ہے۔''

''جبکہ آپ کہتے ہیں کہ وہ کالے جادو کا ماہر ہے، کیا اسے یہ نہیں پتہ چلے گا کہ میں اس کے پاس کس مقصد کے تحت آئی ہوں؟''

''چل جائے پتہ...... اس کی قوتیں مجھ سے زیادہ نہیں ہیں، تم بے فکر رہنا، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔''

''اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔'' ثنا نے کہا۔

کسی بھی بات میں راجہ ہدایت خان سے اختلاف کرکے وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی، حالات بھی ایسے ہی تھے، حیات علی ابھی تک اس کی رہائی کیلئے کچھ نہیں کرسکا تھا اور وہ راجہ ہدایت خان کے اختیارات دیکھ چکی تھی، چنانچہ راجہ سے تعاون کرنا ہی بہت سی زندگیوں کا ضامن تھا۔ سارے معاملات طے پاگئے، ثنا ایک بڑی عورت کی حیثیت سے سنت پرمیشوری کے پاس جارہی تھی۔ خاقان اور نور دین کو اس کے ساتھ بے شک بھیجا گیا تھا لیکن انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ ثنا سے فاصلے پر رہ کر صرف اس کی نگرانی کریں، باقی دو افراد کو مزید اس کام کیلئے مخصوص کیا گیا تھا کہ وہ ثنا کے ساتھ سنت پرمیشوری کے پاس جائیں، جس طرح راجہ ہدایت خان درسگاہ میں درس دیتا تھا، اسی طرح سنت پرمیشوری بھی اپنے آپ کو مہان ظاہر کرکے لوگوں کے ہاتھ دیکھتا تھا۔

در پردہ کیا تھا، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ثنا کو اس سے ملاقات کے بعد ہوا، سنت پرمیشوری کے چیلوں نے ثنا کو اس کے پاس بھیجا اور سنت پرمیشوری نے اس کا ہاتھ اپنے سامنے پھیلا لیا، وہ معمول کے مطابق ثنا کا ہاتھ دیکھنے لگا، تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارے بھاگوں کے دھاگے الجھے ہوئے ہیں لڑکی! تم جیسی نظر آ رہی ہو، ویسی نہیں ہو، کیسی ہو، یہ کوئی اور ہی جانتا ہے مگر ہمارے پاس کیوں آئی ہو، یہ ہم بھی نہیں سمجھ پا رہے، کیا تم ہمیں بتانا پسند کرو گی کہ پری پرماتما کے دوار کیوں آئی ہو تم؟''

''مہاراج! جیسا کہ آپ نے کہا میرے بھاگوں کے دھاگے الجھے ہوئے ہیں، اگر آپ میری رہنمائی کر دیں تو میری خوش قسمتی ہوگی اور اگر یہاں سے بھی ناکام جاتی ہوں تو یہ بھی میری تقدیر ہی ہوگی۔''

''جیوتش ودیا پر یقین رکھتی ہو؟''

''آپ کا بہت بڑا نام ہے مہاراج! پہلے کبھی کسی کو ہاتھ نہیں دکھایا۔''

''سنو لڑکی! میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو، تمہاری کیا حیثیت ہے، نیچے سے اوپر آئی ہو یا پھر نیچے ہی ہو، پر تھوڑی سی کٹھنائی ہے تمہارے بھاگوں میں، تم ایسا کرنا اماوس کی رات کو ہمارے پاس آنا، ہم تمہارے بھاگوں کی تصویر بنائیں گے اور پھر تمہیں بتائیں گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے، سولہ دن کے بعد اماوس کی رات آئے گی، اگر اس رات تم آ گئیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تم جانو تمہارے کرم...... بس اب جاؤ۔'' سنت پرمیشوری نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، البتہ اس کے حسین وجود نے اس کے ذہن میں کچھ خواب جگائے تھے اس لئے اس نے اسے اماوس کی رات بلا لیا تھا لیکن ثنا کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ خاقان اور نوردین اسے لے کر واپس قصبہ امیر شاہ پہنچ گئے، جہاں راجہ ہدایت خان اس کا منتظر تھا، اس نے ثنا سے پوچھا۔ ''کام ہو گیا ثنا......؟''

''ہاں راجہ صاحب! میں نے اسے اپنے ذہن میں اتار لیا ہے۔''

''میں بے چین ہوں ثنا کہ آج کی رات تم اس کا خواب دیکھو اور کل کی صبح مجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کر دو۔''

''جو آپ کا حکم راجہ صاحب!'' ثنا نے گردن خم کر کے کہا۔

بڑا مشکل وقت گزار رہی تھی، بس قدرت ہی کے کام تھے کہ بات بگڑ کر بن جاتی تھی، مقابلہ راجہ ہدایت خان جیسے گھاگ شخص سے تھا جس نے ایک عالم کو بے وقوف بنا رکھا تھا، جس کے بارے میں آج تک کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اس کی حقیقت کیا ہے، راجہ بار بار ثنا کی طرف سے مشکوک ہوتا تھا لیکن پھر کوئی ایسی بات نکل آتی تھی کہ صورتحال ہموار ہو جاتی تھی، سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ راجہ کو ابھی تک ثنا کے حیات علی سے رابطے کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا تھا، ثنا نے بھی سوچ رکھا تھا کہ آخر تک کوشش کرے گی کہ راجہ کو اس کے بارے میں شبہ نہ ہو اور اگر کوئی ایسا مرحلہ آ ہی گیا تو جان لے کر جان تو دی جا سکتی ہے، اس سے پہلے کہ راجہ اس کے خاندان کے کسی فرد کو نقصان پہنچائے، وہ ہدایت خان کو قتل کر دے گی، اس کے بعد انجام جو بھی ہو، اس نے اس کا انتظام بھی کر لیا تھا۔

سنت پرمیشوری کے بارے میں اسے خواب دیکھنا تھا، اب اس خواب میں فرزان کی طرف سے کیا عمل ہوتا ہے، یہ وقت ہی بتائے گا البتہ اسے سوچ سوچ کر ہنسی آتی تھی کہ کیسا انوکھا کھیل شروع ہو گیا ہے، جس سے اسے کوئی فائدہ بھی نہ تھا، وہ ایک مشکل میں ہی پھنس گئی تھی، جس کا انجام کسی کو نہیں معلوم تھا۔

رات کو وہ سنت پرمیشوری کا تصور ذہن میں بسا کر سو گئی اور اس کے سچے خواب کا آغاز ہو گیا۔ اب ایک اور خوبی اس کے خوابوں میں پیدا ہو گئی تھی یہ کہ اسے خواب میں ہی خواب کی حقیقت معلوم ہو جاتی تھی، یعنی وہ اس خواب میں دوسری باتیں محسوس کر لیتی تھی اور انہیں سمجھ بھی لیتی تھی مثلاً اس خواب میں اس نے ایک دروازہ دیکھا جسے باقاعدہ بند کیا گیا تھا اور اس دروازے کے باہر ایک سایہ آ کر براجمان ہو گیا تھا، خواب میں ہی اس پر انکشاف ہوا کہ وہ راجہ ہدایت خان ہے جو اس کے خواب کی پہرے داری کیلئے دروازے پر آ کھڑا ہوا ہے تاکہ فرزان کی طرف سے خواب میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ یہ ایک دلچسپ بات تھی کہ یہ دونوں حریف ایک دوسرے کے خوابوں کی نگرانی بھی کرتے تھے، راجہ ہدایت خان کو یہ علم تو بہر صورت نہیں ہو سکا تھا کہ رانیہ کے بارے میں دیکھے گئے خواب میں فرزان نے کوئی تحریف کی ہے لیکن بس اس نے سنت پرمیشوری کے بارے میں دیکھے جانے والے خواب کی ناکہ بندی کر دی تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے۔

ثنا کا ذہن سنت پرمیشوری کا ماضی تلاش کر رہا تھا اور کوئی بھی شخص حال میں اگر ایک بہت ہی برے روپ میں نظر آئے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ماضی بھی ایسا ہی ہوگا۔ سنت پرمیشوری کا ماضی انتہائی دلچسپ شرارتوں سے بھرپور تھا، باپ کا نام بنواری لعل تھا اور بنواری لعل ایک جیوتشی کی حیثیت سے کافی مشہور تھا، وہ اپنا علم اپنے بیٹے کو دینا چاہتا تھا اور زیادہ تر کوشش کرتا تھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے فن سے آراستہ کر دے، اس وقت بھی وہ صبح کی پوجا کر رہا تھا اور اس کی آواز ابھر رہی تھی۔

''ایشور اللہ تیرے ہی نام، سب کو سن مت دے بھگوان'' کہ پاروتی جی کی آواز سنائی دی۔ ''سب کو تو سن مت دے دے گا بھگوان مگر لالہ بھگوتی اب نہ آٹا دے گا، نہ چاول...... صاف کہہ دیا ہے اس نے۔''

''ارے ہے بھگوان، بھگا اس بھوتنی کو صبح ہی صبح۔'' پنڈت جی نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''بھگوتی ایسے نہیں بھگائے گا کسی کو، پہلے سنسار دیکھو پھر آکاش پر نظر ڈالو، گھر میں مہمان آ رہے ہیں اور نہ چاول ہے نہ آٹا۔''

''دھت تیرے چاول اور آٹے کی...... ساری تپسیا بھنگ کر دی، ارے بٹیا تو پاگل ہو گیا ہے، سارا حساب چکتا تو کر دیا ہے اس کا، دیکھوں گا کیسے منع کرتا ہے سودا دینے کو۔'' بنواری لعل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تو زبردستی ادھار لو گے کیا؟ مرضی اس کی، میں تو کہتی ہوں کہ اب بھی بات مان لو، کہیں ڈھنگ کی نوکری کر لو۔''

''نوکری نہیں ہو سکتی مجھ سے، کیا سمجھیں؟''

''دنیا پتہ نہیں کیا سے کیا کر رہی ہے؟''

''مگر میں وہ نہیں کر سکتا جو دنیا کر رہی ہے، میں کسی کو لوٹنے نہیں جا سکتا۔''

''ارے چھوڑو سنسار میں سب ایک دوسرے کو لوٹ رہے ہیں، کوئی کسی کے گھر ڈاکا تو نہیں مارنے جاتا، لوگ خود چل کر آتے ہیں، تم بھی آخر لوگوں کو ان کے آنے والے سمے کے بارے میں بتاتے ہو نا۔''

''میں جو بتاتا ہوں، سچ بتاتا ہوں، ریکھائیں دیکھ کر۔''

''اور لوگ تمہیں اس سچ کے بدلے پھوٹی کوڑی نہیں دیتے۔''

''ارے سچ کا بدلہ ملتا کہاں ہے پاگل! سنسار میں جھوٹ کا بول بالا ہے۔''

''تو پھر تم بھی جھوٹ کیوں نہیں بولتے، پیٹ تو بھرے گا نا۔''

''دل نہیں مانتا پاروتی! کوئی پوچھتا ہے نوکری کب لگے گی پنڈت جی! کیسے کہہ دوں اس سے کہ بچے بس کام ہونے ہی والا ہے، نکال سترہ روپے آٹھ آنے...... ارے سترہ روپے آٹھ آنے ممکن ہے دو دن اس کا پیٹ بھر دیں، اسے بھوکا کر دوں اور خود کھا لوں۔''

''دونوں میں سے ایک کو تو بھوکا مرنا ہی ہے، ہم مریں یا وہ......!''

''نا پاروتی...... دوسروں کو بھوکا مار کر میں اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا۔''

''یہی تو کہتی ہوں کہ یہ جیوتش ودیا چھوڑ کر کوئی اور ڈھنگ کا کام کرو۔''

''سارا جیون تو اس میں گزر گیا، اب کیا ڈھنگ کا کام کروں، اصل بات یہ ہے کہ اب یہ ذمے داری ہمارے سپوت کو سنبھالنی چاہئے، بھگوان کی دیا سے پورے چھ فٹ کا ہے، ماں، باپ تو یہی آرزو کرتے ہیں کہ ان کا بیٹا لمبا تڑنگا ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت مزدوری کر کے ماں، باپ کو سکھ دے، پر ہم اس سے محروم ہیں۔''

پاروتی اس مرحلے پر خاموش ہو جاتی تھی۔ بنواری لعل کا کہنا بالکل ٹھیک تھا، پرمیشوری کچھ بھی تو نہیں کرتا تھا، تھوڑا بہت پڑھا لکھا تھا، پڑھنے لکھنے سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں تھی، قد و قامت شاندار تھا، بہت سی لڑکیوں کی نگاہوں کا مرکز تھا، ماں اکثر اس سے کہتی تھی۔

''بیٹا پرمیشوری! بڑے ہو گئے ہو اب۔''

''ہاں ماتا جی! بھگوان کی دیا ہے۔''

''بھگوان کی دیا تم پر ہے، ہم پر بھی دیا کر دو۔''

''بولو ماتا جی! کیا چاہئے تمہیں؟''

''تن کا سکھ، من کا سکھ۔'' پاروتی کہتی۔

''یہ دونوں چیزیں تو صرف بھگوان کے پاس ہوتی ہیں، ویسے پتا جی کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟''

''پتا جی کہتے ہیں کہ تم کچھ کام دھندا کرو تو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹے۔''

''ماتا جی! اس سنسار میں جو بھی کام کرنا چاہئے، آگے بڑھ کر کرنا چاہئے، اب پتا جی کو دیکھو خواہ مخواہ ستاروں کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔''

''کر دی نا تقریر شروع۔''

''تو اور کیا کروں، بس انتظار کر رہا ہوں اس سمے کا۔'' اور پاروتی خاموش ہو جاتی۔ پرمیشوری کے اور بھی بہت سے دھندے تھے، ایک سے ایک کام کر ڈالتا تھا اور لوگ سینہ پیٹتے رہ جاتے تھے، اس دن پھر بنواری لعل نے اسے پکڑ لیا۔

''بیٹا! اب تو مان لے میری بات، ہمت کر لے، میں تجھے ستاروں کا علم سکھاتا ہوں۔''

''پتا جی! آپ کو اس علم نے کیا دیا؟''

''بیٹا! جو کچھ بھی دیا، تو اسے نہیں جان سکتا، پر میری آرزو ہے کہ تو صبح کے ستارے کا علم سیکھنا شروع کر دے۔''

''مارے گئے، اس کا مطلب ہے کہ صبح کو جلدی اٹھنا پڑے گا، اچھا چھوڑیے، مجھے بتائیے کیا کرنا ہوگا؟''

''بس صبح ساڑھے چار بجے اٹھنا ہوگا۔''

''اس کے بعد......؟''

''اس کے بعد میں تجھے سکھاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے، جیسا آپ کا حکم۔'' پھر یوں ہوا کہ صبح ساڑھے چار بجے بنواری لعل نے اسے جگا دیا اور اسے لے کر چھت پر پہنچ گئے، اس نے اسے دوزانو بیٹھنے کیلئے کہا، کچھ اشلوک بتائے اور کہا کہ صبح کے ستارے کو دیکھتے ہوئے وہ یہ اشلوک پڑھے۔

''ٹھیک ہے پتا جی!''

''اس کام کیلئے تنہائی ضروری ہوتی ہے، میں نیچے جا رہا ہوں، تو اس سمے تک یہ اشلوک پڑھتا رہ جب تک یہ ستارہ ڈوب نہ جائے۔'' پرمیشوری نے باپ سے وعدہ کر لیا اور اس کے بعد اس نے صبح کے ستارے کو دیکھا پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا، برابر کی چھت پر نظر پڑی تو اسے ایک حسین مورت نظر آئی، یہ تلسی تھی، سکھیا ناتھ کی دھرم پتنی...... سکھیا ناتھ کی عمر پچپن سال تھی اور تلسی سترہ سال کی...... دو سال شادی کو ہوئے تھے سکھیا ناتھ نے زندگی بھر دولت کمائی تھی اور شادی کا خیال ہی نہیں رہا تھا، نجانے کیا ہوا کہ تلسی کے ماتا، پتا نے سترہ سال کی تلسی کی شادی سکھیا ناتھ سے کر دی تھی۔ تلسی شکل و صورت کی بہت اچھی تھی، بہرحال پرمیشوری نے صبح کے اس ستارے کی جانب رخ بدل لیا اور صبح کا یہ ستارہ روزانہ نمودار ہونے لگا۔ بنواری لعل کو خوشی تھی کہ بیٹا کچھ نہ کچھ کر رہا ہے اور ستاروں میں مصروف ہو گیا ہے چنانچہ وہ بھی خوش تھا۔

ایک دن صبح جلدی آنکھ کھل گئی تو بنواری لعل نے بیٹے کے بستر کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، سوچا کہ بیٹے کو مزید گیان دے، یہ سوچ کر اٹھا اور جب زینہ طے کر کے تھوڑا سا سر ابھارا تو الگ ہی منظر دیکھا، آکاش کا ستارہ دھرتی پر اتر آیا تھا، کبوتر کا جوڑا غٹرغوں کر رہا تھا اور دوسری طرف سے سکھیا ناتھ بھی آ گیا تھا پھر تو وہ لے دے ہوئی کہ پورے محلے کو خبر ہو گئی اور پرمیشوری کو گھر سے بھاگنا پڑا۔

آوارہ گردی میں وقت گزر رہا تھا کہ کالے جادو کے ماہر ایک سادھو سے واسطہ پڑ گیا اور سادھو نے اسے سنت پرمیشوری بنا دیا، تھوڑا بہت جیوتش ودیا کا علم باپ نے سکھایا تھا، کالے علم کی طرف اس سادھو نے مائل کر دیا اور آخر کار اس نے اپنی ایک مڑھیا بنا لی، بظاہر وہاں جیوتش ودیا کا پرچار کیا گیا تھا لیکن جب برائی فروغ پاتی ہے تو انسان بگڑتا ہی چلا جاتا ہے، سنت پرمیشوری آہستہ آہستہ برائیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور اسی دن اس کے ہاتھوں اپنے مخالفین کے کئی قتل ہوئے اور وہ کالا انسان بنتا چلا گیا۔ یہ تھی اس کی داستان...... لیکن اس داستان میں کہیں بھی ان کاغذات کا ذکر نہیں تھا، یہاں تک کہ راجہ ہدایت خان بھی اس داستان میں شامل ہو گیا اور یہ کہانی اس لحاظ سے ایک سچے خواب کی کیفیت میں مکمل ہو گئی۔

یہ خواب ثنا نے راجہ ہدایت خان کو سنایا تو راجہ ہدایت خان کے ہونٹوں پر ایک مایوس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تعجب کی بات ہے کہ اس خواب میں کاغذات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔''

''راجہ صاحب! کیا آپ میرے اس خواب کو بھی جھوٹا سمجھیں گے؟''

''نہیں، اس لئے کہ میں نے اس خواب کی نگرانی کی ہے۔'' راجہ نے پہلی بار اعتراف کیا۔

ثنا، راجہ ہدایت خان کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''میں نہیں جانتی کہ میں نے آپ کے دل میں کس حد تک اعتماد قائم کیا ہے یا ابھی تک مکمل طور سے محروم ہوں لیکن کبھی کبھی مجھے بڑا تجسس ہوتا ہے راجہ صاحب کہ آپ نے اس قدر پراسرار علم کہاں سے حاصل کئے اور کہاں تک پہنچ گئے؟''

راجہ ہدایت خان نے نجانے کس خیال کے تحت مسکرا کر ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ''کیا تمہیں واقعی ان پراسرار علوم کے حصول سے کوئی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے؟''

''اتنے عرصے سے آپ کے ساتھ ہوں، آپ کا نمک کھا رہی ہوں، آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کے بعد میں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ آپ کے پاس سے چلی جاؤں یا حیات علی کیلئے آپ سے کوئی سفارش کروں۔''

''ایسا کرنا بھی مت ثنا! لیکن میں تم سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ جب ان حالات سے فراغت حاصل کر کے تمہارے ذریعے اپنا مقصد پورا کر کے فارغ ہوں گا تو تمہیں ایک مہان دیوی بنا دوں گا، ایسا کہ لوگ تمہاری پوجا کریں گے، تمہارے لئے میرے دل میں یہی منصوبہ ہے، حیات علی تمہاری نگاہوں میں ایک مضحکہ خیز شخصیت بن جائے گا، تم خود غور کرو تمہارا اپنا کیا مقام ہوگا، کیا تم ایک معمولی سے پولیس افسر کیلئے اپنا یہ عظیم مقام چھوڑ سکتی ہو؟''

ثنا نے گردن جھکا لی، وہ اپنی آنکھوں سے اپنی کسی کیفیت کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی جبکہ اس کے دل میں ایک دم حیات علی کی بے پناہ محبت پھوٹ آئی تھی اور وہ سوچنے لگی تھی کہ راجہ ہدایت خان، میں حیات علی پر یہ کائنات قربان کر سکتی ہوں، تم اور تمہارا علم ہے کیا چیز...... لیکن یہ الفاظ دل کی گہرائیوں ہی میں رکھنے تھے۔

راجہ ہدایت خان اس خواب کے بعد کچھ پریشان سا نظر آنے لگا تھا، اس کے اندر کی گہرائیوں کا ابھی تک کوئی تجزیہ نہیں ہو سکتا تھا، اس وقت وہ اس حجرے میں تنہا تھا، ماحول نیم تاریک تھا اور اس نیم تاریک ماحول میں اس کی مدہم مدہم آوازیں گونج رہی تھیں، شاید وہ کوئی عمل کر رہا تھا، دو تین منٹ تک وہ کچھ بدبداتا رہا اور اس کے بعد اس کی آواز ابھری۔

''فرزان! میرے بدترین دشمن...... میں تجھ سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، اگر تو اس کائنات میں ہے تو مجھ سے بات کر اور اگر نہیں ہے تو اپنی روح کو میرے حضور پیش کر فرزان! میں تجھے آواز دے رہا ہوں، فرزان! میری بات سن...... میرے سامنے پیش ہو، ان سات علوم کی روشنی میں، میں تیری روح کو آواز دیتا ہوں فرزان! حاضری دے میرے سامنے۔'' لیکن ہر طرف ایک خاموشی ہی طاری رہی اور کوئی آواز سنائی نہ دی۔

راجہ ہدایت خان نے ایک بار پھر کوئی عمل بدبدایا اور پھر اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی پتھر کی کچھ کنکریاں زمین پر ماریں، زمین سے ایک شعلہ سا بلند ہوا اور پھر وہ شعلہ اپنی جگہ قائم رہا، راجہ ہدایت خان اس شعلے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ''فرزان! اگر تو نے حاضری نہ دی تو میں وہ عمل کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تیری روح کو شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا، حاضری دے۔''

اسی وقت ایک طنزیہ قہقہہ سنائی دیا اور راجہ ہدایت خان چونک کر اس شعلے کو دیکھنے لگا، شعلہ آہستہ آہستہ مدہم ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ بجھ گیا، فرزان کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

راجہ ہدایت خان کچھ نڈھال سا نظر آنے لگا تھا، کچھ لمحے وہ خاموش رہا اور اس کے بعد تھکے تھکے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اسے غالباً فرزان کے سلسلے میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کے بعد وہ وہاں سے باہر نکل آیا اور اپنی حویلی کے ایک سنسان گوشے میں جا کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا، اس بینچ کے قریب ایک چھوٹا سا خوبصورت حوض بنا ہوا تھا اور اس حوض میں مچھلیاں تیر رہی تھیں، بہت دیر تک وہ سوچتا رہا اور اس کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ٹھیک ہے فرزان! نہ سہی یہ سب کچھ مگر صرف ایک بات کوئی مجھے سمجھا دے، آخر ثنا نے راجہ پرمیشوری کی نشاندہی کیوں کی تھی؟''

بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے خاقان اور نوردین کو طلب کیا، دونوں اس کے سامنے پہنچ کر مؤدبانہ انداز میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔

''خاقان! مجھے سنت پرمیشوری چاہئے، وہ ایک گیان والا سادھو ہے اور کافی خطرناک ہے، مجھے بتاؤ کہ وہ یہاں تک کیسے آ سکتا ہے، تم اسے میرے حجرے تک کیسے پہنچا سکتے ہو؟''

خاقان نے سینہ تان کر کہا۔ ''مالک! آپ حکم کریں، ہم اسے زندہ یا مردہ یہاں لے آئیں گے۔''

''اسے زندہ لانا ہے، صرف تھوڑی سی بات معلوم کرنی ہے مجھے اس سے، تھوڑی سی بات۔''

''آ جائے گا مالک! وہ اگر گیانی ہے تو ہمیں بھی آپ سے کچھ حاصل ہوا ہے۔'' اس بار نوردین نے کہا۔

''تو پھر جس قدر جلد ممکن ہو، اسے میری علم گاہ تک پہنچا دو۔''

''ہو جائے گا مالک! آپ بے فکر رہیں۔'' نوردین نے کہا۔

''مگر سنو! میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دینا چاہتا، خیال رکھنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، آپ بے فکر رہیں۔'' اور اس کے بعد نوردین اور خاقان اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

انہوں نے طالب نگر تک کا سفر کیا اور طالب نگر پہنچ گئے، اس دوران وہ کچھ انتظامات کر کے گئے تھے، ان کے ساتھ تین چار افراد اور بھی تھے جو انتظامات کر کے گئے تھے، ان کے تحت وہ آخر کار سنت پرمیشوری کے پاس پہنچ گئے۔ سنت پرمیشوری اپنے طلسم کدے میں بیٹھا کسی گیان میں مصروف تھا، اس کے آدمیوں نے دو آدمیوں کے آنے کی اطلاع دی تو سنت پرمیشوری نے انہیں طلب کر لیا۔ خاقان اور نوردین بہت سے تحائف لے کر گئے تھے جو انہوں نے سنت پرمیشوری کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔

سنت پرمیشوری نے ان تحائف کو دیکھا اور پھر بولا۔ ''سنسار میں ہمارے لئے سب کچھ موجود ہے بالکو! جس چیز کو من چاہے، اپنے بیروں سے طلب کر سکتے ہیں، پر ہمیں اپنے داسوں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے، ہم تمہاری یہ بھینٹ سویکار کرتے ہیں، بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ ماضی کے بارے میں معلوم کرنا ہے، حال یا مستقبل کے بارے میں؟''

''نہیں پرمیشوری مہاراج! ہم آپ کے پاس ایک بنتی لے کر آئے ہیں۔'' خاقان نے نرم لہجے میں کہا۔

''بولو کیا بات ہے؟''

''ہمارے مالک حمید خان کو کچھ ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ وہ کسی بڑے گیانی سے خفیہ طور پر ملنا چاہتے ہیں، وہ یہاں آئے ہوئے ہیں، پر کچھ لوگ ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور انہوں نے ایک محفوظ ٹھکانہ تلاش کیا ہے، انہوں نے آپ سے بنتی کی ہے کہ آپ صرف تھوڑی دیر کیلئے ان سے مل لیں، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اتنے بڑے گیانی کو ہم کیا دے سکتے ہیں لیکن طالب نگر ہی میں ہماری بہت ساری زمینیں ہیں، اگر پرمیشوری مہاراج چاہیں تو ہم ان میں سے دو چار ایکڑ زمین انہیں دے سکتے ہیں۔''

''کیا......؟'' سنت پرمیشوری کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''دو چار ایکڑ......!''

''ہاں مہاراج! ایک سو بیس ایکڑ زمین ہے ان کی پچھائی پلے میں۔''

''اوہ...... وہ جگہ تو میرے خوابوں کی تعبیر ہے، شمشان گھاٹ کے پاس مجھے بڑی زمین درکار ہے مگر پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ زمین کس کی ہے، میں تو خود اس کی تلاش میں تھا۔''

''مہاراج! وہ زمین ہمارے مالک حمید خان کی ہے، اگر آپ ان سے مل کر اور زیادہ زمین مانگیں گے تو وہ آپ کو دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے، کام بہت چھوٹا سا ہے مہاراج! بس انہیں کسی ناری سے پریم ہو گیا ہے اور وہ اس کیلئے آپ کی مدد چاہتے ہیں۔''

سنت پرمیشوری ہنس پڑا پھر بولا۔ ''چلو ٹھیک ہے، میں مل لیتا ہوں تمہارے مالک سے۔''

سنت پرمیشوری ہی کیا دنیا میں ہر شخص اس دولت کے پھیر میں پڑا ہوا ہے اور اچھے اچھے اس کے لالچ میں نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں، کائنات کی تاریخ دولت کی پرکاریوں سے بھری پڑی ہے، چنانچہ سنت پرمیشوری، خاقان اور نوردین کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑا۔

(جاری ہے)

زیادہ فاصلہ نہیں طے ہوا تھا البتہ یہ لوگ طالب نگر کی حدود سے باہر نکل چکے تھے۔ سنت پرمیشوری نجانے کن خیالات میں گم تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ہاتھ آیا اور سنت پرمیشوری کی ناک پر آ کر ٹک گیا، ایک تیز بو پرمیشوری کی ناک کے راستے دماغ میں چڑھنے لگی۔

پرمیشوری نے چونک کر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی لیکن مضبوط

بند آنکھیں

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

ایم اے راحت

قسط : 11

ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد پرمیشوری کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک نیم تاریک جگہ پایا، دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے قرب وجوار کا جائزہ لینے لگا، یہ جگہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئی تھی، سارے علوم دھرے رہ گئے تھے، وہ منہ سے آوازیں نکالنے لگا اور کچھ لمحات کے بعد اس جگہ تیز روشنی ہوگئی، یہ روشنی جیسے دیواروں سے پھوٹ رہی تھی۔

پرمیشوری نے اب گردن موڑ کر دیکھا تو بہت سی اجنبی چیزیں نظر آئیں پھر ایک دروازہ نظر آیا جس سے کچھ سیڑھیاں نیچے تک آئی تھیں غالباً پرمیشوری کی آواز سن کر ہی کوئی اس کی جانب متوجہ ہوا تھا چونکہ تیز روشنی ہوئی تھی اس لئے سیڑھیوں پر آنے والے کو اس نے بخوبی دیکھا اور ایک لمحے کے اندر اسے پہچان لیا۔

یہ راجہ ہدایت خان ہی تھا جس کے بارے میں اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے پولیس کے چنگل سے نکل آیا ہے۔ سنت پرمیشوری نے اپنی دانست میں بڑی چالاکی سے کام کیا تھا اور اس وقت جب راجہ ہدایت خان دھرم شالہ میں مقیم تھا، اس نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر وہ تینوں افراد قتل کرا دیئے تھے اور پولیس کو اطلاع کر دی تھی، پھر وہ تھانے میں راجہ ہدایت خان سے ملا بھی تھا اور بعد میں جب اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اسے پتہ چلا کہ راجہ ہدایت خان بڑے آرام سے وہاں سے نکل گیا ہے۔

سنت پرمیشوری کو یہ اندازہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وہ کوئی گیانی ہے اور بھوگ ودیا سیکھ رہا ہے، بھوگ ودیا کے بارے میں سنت پرمیشوری کو خود بھی پوری تفصیلات نہیں معلوم تھیں بہرحال مار کھا گیا تھا اور اس وقت اس کے سارے علوم دھرے رہ گئے تھے پھر اس نے اس قوی ہیکل آدمی کو دیکھا جو ایک اور آدمی کے ساتھ اسے لینے گیا تھا اور اس نے اپنے مالک کا نام حمید خان بتایا تھا، وہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

وہ دونوں اس کے قریب پہنچ گئے اور راجہ ہدایت خان نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر مٹھی بند کی اور پھر اسے تین دفعہ فضا میں گھما کر سنت پرمیشوری کی طرف کھول دیا، سنت پرمیشوری کو کوئی احساس نہیں ہوا تب راجہ ہدایت خان نے خاقان سے کہا۔ ”کھول دو اسے۔“

خاقان نے پہلے سنت پرمیشوری کے منہ سے کپڑا نکالا پھر اس کے ہاتھ کھولے اور اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔ سنت پرمیشوری غصیلی نگاہوں سے راجہ ہدایت خان کو گھور رہا تھا۔

”تو تم نے دھوکے سے مجھے یہاں بلا لیا ہے؟“

”ہاں پرمیشوری! جب میں پہلی بار تمہارے پاس پہنچا تھا تو تم نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور کہا تھا کہ تم میرے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہو، میرا خیال ہے اس وقت تم نے میرے بارے میں کچھ نہیں جانا تھا، لو اب کوشش کرو۔“ یہ کہہ کر راجہ ہدایت خان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

سنت پرمیشوری اسے کینہ توز نگاہوں سے گھورتا رہا، اس نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا، راجہ ہدایت خان مسکرا دیا اور بولا۔ ”پرمیشوری! اس وقت بھی میں تمہارے پاس اپنے کام سے گیا تھا اور تم نے اپنے علم کا اثر مجھ پر ڈالنا شروع کر دیا تھا، ہے نا...... چلو اب پھر مجھ پر اپنے علم کا اثر ڈالو۔“

”نام تو تمہارا ہمیں پتہ چل چکا ہے راجہ ہدایت خان، زیادہ نہیں جانتے تمہارے بارے میں پھر بھی گیان والوں کو گیان والوں سے جھگڑا مول نہیں لینا چاہئے، ہم نے اپنا کھیل دکھایا، تم اپنا کھیل دکھا کر واپس آ گئے، اب جھگڑا کس بات کا ہے؟“

”دوستی کا ہاتھ ہی تو ملانا چاہتے ہیں ہم تم سے سنت پرمیشوری......! پر کیا کریں تم جواب ہی نہیں دے رہے۔“

سنت پرمیشوری ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر اس نے اپنا ہاتھ راجہ ہدایت خان کے ہاتھ میں دے دیا اور راجہ ہدایت خان نے اپنے چوڑے پنجے میں سنت پرمیشوری کا ہاتھ جکڑ لیا، لیکن سنت پرمیشوری کو یوں محسوس ہوا جیسے لاتعداد کانٹے اس کے ہاتھ میں چبھ گئے ہوں، اس نے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا، اس کے حلق سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ راجہ ہدایت خان اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے جکڑے رہا۔

سنت پرمیشوری کے ہاتھ سے خون کے چند قطرے زمین پر ٹپک پڑے اور اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”پاپی میرا ہاتھ چھوڑ دے، دیکھ میرا ہاتھ چھوڑ دے ورنہ میں......!“

”ہاں سنت پرمیشوری! میں تمہاری یہ ورنہ ہی سننا چاہتا تھا، چلو کرو اب کیا کرتے ہو؟“

”چھوڑ دے میرا ہاتھ...... تجھے پری پرماتما کا واسطہ، میرا ہاتھ چھوڑ دے۔“

”جھوٹے پرماتماؤں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سنت پرمیشوری! تو جانتا ہے کہ تیرے ساتھ کیا ہو گیا ہے، میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا، میں تیرے بارے میں بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ رانیہ نامی کسی لڑکی نے تجھے کوئی کاغذات دیئے ہیں یا نہیں۔“

”کیسا گیان والا ہے تو...... اپنے گیان سے میرے ہاتھ کو تو زخمی کر سکتا ہے پر اتنا معلوم نہیں کر سکتا کہ لڑکی نے کاغذات مجھے دیئے یا نہیں...... دیکھ میں نے منع کیا تھا نا تجھ سے کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، چھوڑ دے اب میرا ہاتھ۔“

جواب میں راجہ ہدایت خان ہنسنے لگا۔ ”ہاں سنت پرمیشوری! اب تجھ میں کیا رکھا ہے، ہمارے ہاں بھوگ ودیا میں نہیں...... لیکن دوسرے علوم میں ایک قوت ہوتی ہے، کسی کی قوت کو سلب کر لینے کی قوت اور تو نے اب تک جیوتش ودیا کے علاوہ جو علوم سیکھے ہیں، اب تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہا، تو اب تک یہ کوشش کرتا رہا ہے کہ اگر کسی کے پاس کچھ ہے تو وہ تیرے بھنڈار میں پہنچ جائے، پر تو دیکھ لے میں نے تیرا بھنڈار ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خالی کر دیا ہے۔“

سنت پرمیشوری نے ایک جھٹکا دیا اور اپنا ہاتھ چھڑا لیا، اب اس کی آنکھوں میں شدید خوف کے آثار نظر آ رہے تھے، وہ آنکھیں بھینچ کر شاید اپنے دماغ پر زور دینے لگا پھر اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

”ہے پری پرماتما! یہ کیا کر دیا اس پاپی نے؟“

جواب میں راجہ ہدایت خان کا قہقہہ بلند ہو گیا تھا۔ ”تو سنت پرمیشوری! اب تو میرے سوالوں کے جواب دے ورنہ میں تجھے جلا کر ختم کر دوں گا، اگر اس کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہے تو یہ دیکھ۔“ راجہ ہدایت خان نے اپنا ہاتھ سامنے کیا اور اس کی انگلیوں سے ایک قطرہ ٹپکا جو زمین پر پڑا اور زمین سے دھواں اٹھنے لگا، زمین میں سوراخ ہو گیا تھا۔

”میرا یہ ہاتھ تیرے سر پر ہو گا، کوشش کر کے دیکھ لے تو ہل بھی نہیں سکتا، اپنی جگہ سے یہ سوچ کر میرے ہاتھ سے ٹپکنے والا سیال اگر تیرے سر پر ٹپکنے لگے تو تیرا کیا ہو گا؟“

”شما کر دے، شما کر دے مجھے، تو مجھ سے زیادہ گیانی ہے، تو نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا، تو مجھ سے بڑا گیانی ہے، مجھے جانے دے۔“

”دیکھو پرمیشوری! تم جو کچھ کرتے رہے ہو، میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا، مجھے تمہارے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جبکہ میں تمہارے ماضی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں، تمہارا پتا ہواری لعل ایک اچھا آدمی تھا، جیوتش ودیا جانتا تھا، پر تم نے جس طرح اپنے پتا سے منہ موڑا، وہیں سے تمہاری بدنصیبی کا آغاز ہو گیا تھا اور اس کے بعد میں تمہیں دکھاؤں کہ تم نے کیا کیا، چلو دیکھو۔“ یہ کہہ کر راجہ ہدایت خان، پرمیشوری سے کوئی دس گز کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

سنت پرمیشوری اب پوری طرح راجہ ہدایت خان کے ٹرانس میں آ گیا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ راجہ ہدایت خان نے زمین پر ایک چوکور نشان بنایا اور پھر کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا، چوکور نشان روشن ہو گیا تھا، تب راجہ ہدایت خان کے منہ سے بھیانک آوازیں نکلنے لگیں۔ ”تم سب اپنے اپنے چہرے دکھاؤ جو سنت پرمیشوری کا شکار ہوئے ہیں۔“ چوکور نشان سے ایک چہرہ ابھرا اور سنت پرمیشوری کی روح تھرا گئی۔ یہ اس کا ایک بدترین دشمن اوجھا رام تھا جسے سنت پرمیشوری نے قتل کر دیا تھا، اوجھا رام خونی نگاہوں سے پرمیشوری کو دیکھنے لگا پھر اس کی آواز آئی۔ ”تو نے مجھے مار دیا پرمیشوری! تیرا ستیاناس ہو، چھوڑوں گا نہیں میں تجھے، چھوڑوں گا نہیں۔“

”نہیں بچاؤ، مجھے بچاؤ۔“ سنت پرمیشوری نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کا بدن تو اب اس کا تھا ہی نہیں، اس کی قوت تو راجہ ہدایت خان نے پہلے ہی سلب کر لی تھی، وہ اٹھنے کی کوشش میں ناکام ہو کر ایک طرف لڑھک گیا تو راجہ ہدایت خان نے سامنے بنے ہوئے دائرے پر ہاتھ پھیرا اور اوجھا رام غائب ہو گیا۔

پھر ایک دوسرا چہرہ، اس کے بعد تیسرا، چوتھا اور پانچواں...... سنت پرمیشوری کی بری حالت ہو گئی تھی۔ یہ سارے چہرے وہ تھے جنہیں سنت پرمیشوری نے قتل کیا تھا اور راجہ ہدایت خان نے حاضرات کر کے انہیں بلایا تھا، آخری چہرے کے بعد راجہ ہدایت خان نے سنت پرمیشوری کو دیکھا تو سنت پرمیشوری بہت بری حالت میں تھا۔

”شما کر دو میاں جی......! بھگوان کی سوگند طالب نگر چھوڑ کر چلا جاؤں گا، کہیں دور جا کر پہاڑوں میں روپوش ہو جاؤں گا، تمہارا سامنا نہیں کروں گا، تم نے سب کچھ تو چھین ہی لیا میرا، اب میں کس برتے پر جیوں گا میں، جانے دو مجھے۔“

”ہاں سنت پرمیشوری یہی چاہتا ہوں میں، تم کہتے ہو کہ تمہیں کاغذات کا کوئی علم نہیں ہے، ٹھیک ہے، یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پھر تمہاری نشاندہی کیوں کی گئی تھی، چلو ٹھیک ہے، جاؤ، اٹھ جاؤ۔“ وہ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدانے لگا اور اس کے بعد اس نے سنت پرمیشوری پر پھونک مار دی، سنت پرمیشوری حیرت انگیز طور پر ٹھیک ہو گیا تھا پھر وہ بولا۔ ”میں کہاں ہوں، کدھر جاؤں میں؟“

”بتا دیتے ہیں تمہیں، بیٹھو۔“ راجہ ہدایت خان نے کہا اور خاقان کو آواز دی، خاقان آ گیا تو راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر باہر لے جاؤ اور اسے اتنی دور چھوڑ آؤ کہ اسے اس بات کا پتہ نہ چلے کہ یہ کہاں سے آیا تھا۔“

”جو حکم مالک!“ خاقان نے چراغ کے جن کی طرح گردن ہلا کر کہا اور پھر راجہ ہدایت خان سے اجازت لے کر باہر چلا گیا۔ غالباً آنکھوں پر باندھنے والی پٹی کا بندوبست کرنے گیا تھا، اس کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اچھا خاصا بڑا کپڑا تھا جو کالے رنگ کا تھا، اس نے اس طرح سنت پرمیشوری کی آنکھیں کسیں کہ وہ چیخ کر رہ گیا، ساتھ میں نور دین بھی آ گیا تھا۔

دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے باہر لے گئے، راجہ ہدایت خان خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ”فرزان! سمجھ گیا ہوں میں، سمجھ گیا ہوں، یہ تیرا ہی کام تھا، تو نے ثنا کو اپنی آنکھوں کا علم دیا ہے، میں چاہوں تو اس کی آنکھیں پھوڑ کر یا اس کا دماغ منتشر کر کے یہ علم اس کے ذہن سے فنا کر دوں لیکن وہ کام کی لڑکی ہے، اب وہ تیرے نہیں میرے لئے کام کرتی رہے گی، میں دیکھوں گا کہ تو کس طرح میرے راستے روکتا ہے، مردود! صحیح معنوں میں تو نے میری زندگی دوبھر کر دی ہے، بس ایک بار لگ جا میرے ہاتھ، میرے جال میں پھنس جا پھر دیکھوں گا تجھے۔“ وہ ابھی یہ الفاظ کہہ ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ ایک دم پلٹ پڑا لیکن آگے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔

راجہ بہت دیر تک وہاں بیٹھا غم وغصے سے کھولتا رہا، اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی عام نشست گاہ میں آ گیا پھر اس نے نور دین کو طلب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد نور دین اس کے پاس پہنچ گیا۔

”نور دین! ہماری درسگاہ کی کیا کیفیت ہے؟“

”مالک! لوگ آتے ہیں اور انہیں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ راجہ صاحب چلہ کشی کر رہے ہیں اور جب وہ چلے میں بیٹھ جاتے ہیں تو درس نہیں دیتے، آپ لوگ انتظار کیجئے۔“

”کوئی خاص آدمی آیا تھا؟“

”نہیں مالک! کوئی خاص آدمی نہیں آیا۔“

”ہوں...... رانیہ کا کیا حال ہے؟“

”جیسی تھی، ویسی ہی ہے۔“

”اس کی خبر گیری کی جا رہی ہے؟“

”مالک نے جو حکم دیا ہے، اس کے مطابق کیا جا رہا ہے۔“

”اس نے کسی سے رابطے کی کوشش تو نہیں کی؟“

”نہیں مالک......!“

”حویلی میں کوئی اور تبدیلی؟“

”کچھ نہیں مالک!“ نور دین نے جواب دیا۔

راجہ ہدایت خان گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر وہ ثنا سے ملا۔ اس کی پہلی نگاہ جب بھی ثنا پر پڑتی تھی، اس میں شک ہی ہوتا تھا لیکن اس کے بعد اسے خود ہی یہ احساس ہو جاتا تھا کہ ثنا مشکوک لڑکی نہیں ہے، وہ جو کچھ کہتی ہے، اس میں سچائی ہوتی ہے۔ اس نے ثنا سے کہا۔ ”ثنا! میں سخت حیران ہوں، اب تو تم میرے بہت اچھے ساتھیوں میں سے ہو، ذرا یہ اندازہ لگا کر بتاؤ کہ سنت پرمیشوری تمہارے خواب میں کیسے آیا، مجھے شبہ ہے کہ فرزان نے کسی طرح تمہارے ذہن میں مداخلت کر کے تمہارے اس خواب کو پلٹ دیا تھا، سنت پرمیشوری تک مجھے پہنچانے کی اس کوشش کو میں سمجھ رہا ہوں، اس کی دانست میں سنت پرمیشوری کالے جادو کا ماہر تھا اور کالے جادو کا یہ ماہر میرے لئے عذاب بن سکتا تھا اور ایسا ہوا بھی لیکن فرزان بھی مجھے صحیح طور پر نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں، میں نے اسے ناکام کر دیا لیکن میں اس کامیابی کو مانتا نہیں ہوں، میں اسے اس وقت اپنی کامیابی محسوس کروں گا جب میں اسے مکمل طور پر ناکام کر دوں جس طرح میں نے سنت پرمیشوری کو کر دیا، اب وہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے اپنی جان بچاتا پھرے گا کیونکہ جن لوگوں کو اس سے نقصان پہنچ چکا ہے، اب ان دشمنوں سے اپنی کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا، خیر چھوڑو ان باتوں کو...... میں یہ چاہتا ہوں ثنا کہ ایک بار پھر تم رانیہ کا خواب دیکھو اور یہ پتہ لگاؤ کہ اس نے کاغذات کہاں پوشیدہ کر رکھے ہیں، سمجھ رہی ہو نا تم......؟ کیا اس کیلئے تمہیں دوبارہ رانیہ کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی؟“

”نہیں، راجہ صاحب! وہ میری آنکھوں میں ہے۔“

”بس تو پھر آج رات کو اپنے تمام تصور کو اس پر مرکوز کر دو، اسے دیکھو اور پتہ لگاؤ کہ کاغذات کہاں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ ثنا نے جواب دیا۔

راجہ ہدایت خان تو چلا گیا لیکن ثنا سوچنے لگی کہ اب کیا کروں۔ اسے بہت ساری باتوں کا علم ہوتا جا رہا تھا، یہ اندازہ بھی اسے ہو چکا تھا کہ راجہ ہدایت خان اس کے خوابوں کی نگرانی کر سکتا ہے، بیچارے چاند بابا...... سچ بولتی ہوں تو چاند بابا کی زندگی ختم ہو جائے گی، ایک مشکل میں الجھ گئی تھی اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ادھر حیات علی، سجاد حسین سے اس بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ کاغذات اس کے پاس پہنچ چکے تھے اور اب وہ اس کی تحویل میں تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب انہیں کس طرح استعمال کرے۔ سجاد حسین اس کے بہترین رہنما تھے، دبا دبا اندازہ بے شک تھا لیکن بہرحال وہ جس طرح بھی بن پڑتا تھا، حیات علی کی مدد کرتے تھے اور اس بات سے بہت افسردہ تھے کہ شمشاد علی کو رہا کرانے کی کوششوں میں بیچارہ حیات علی اپنی منگیتر کو کھو بیٹھا تھا۔ حیات علی نے انہیں کاغذات کے بارے میں تفصیل بتائی تو سجاد حسین سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے کہا۔ ”میرے ذہن میں صرف ایک بات آتی ہے۔“

”کیا......؟“

”راجہ ہدایت خان سے بات کی جائے اور اسے بتا دیا جائے کہ کاغذات ہماری تحویل میں ہیں اور ہم انہیں راجہ کے حوالے کر سکتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ رانیہ اور ثنا کو ان کاغذات کے بدلے ہمارے حوالے کر دیا جائے۔“

”اس سے کوئی خطرناک صورتحال تو نہیں پیدا ہو جائے گی؟“

”خطرناک صورتحال تو ہے حیات علی! لیکن اگر راجہ ہدایت خان کو ان کاغذات کی ضرورت ہے تو پھر وہ ہماری بات پر غور ضرور کرے گا۔“

”اس سلسلے میں راجہ ہدایت خان سے بات کرنے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے، کیا بالمشافہ ملاقات......؟“

”مناسب نہیں ہوگی، وہ بہت خطرناک آدمی ہے، صاحب اختیار بھی ہے جس کی وجہ سے بہت سے معاملات میں دبنا پڑتا ہے۔“

حیات علی نے افسردگی سے گردن ہلائی اور بولا۔ ”سجاد صاحب! آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ اس سے رابطے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟“

”ٹیلیفون اور صرف ٹیلیفون۔“

”کیا وہ ہمارا فون ریسیو کرے گا؟“

”میں کوشش کرتا ہوں۔“ سجاد حسین نے اپنے طور پر راجہ ہدایت خان کے پاس یہ پیغام پہنچایا کہ ایس ایس پی سجاد حسین اس سے کسی خاص موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ راجہ نے ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کیلئے ایک وقت دیا، انہوں نے انتظار کیا اور اس کے بعد مقررہ وقت پر راجہ ہدایت خان سے رابطہ قائم کیا گیا۔

سجاد حسین نے فون حیات علی کو دیا تھا اور کہا کہ وہ خود بات کرے، تب حیات علی نے کہا۔ ”راجہ صاحب! میں اپنے محکمے کے افسر اعلیٰ کی وساطت سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

”کون ہو؟“ راجہ ہدایت خان نے پروقار لہجے میں پوچھا۔

”حیات علی...... جس کی منگیتر کو آپ نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔“

”اچھا...... کہو حیات علی کیسے ہو؟“

”راجہ صاحب! اچھا نہیں ہوں اور دکھی ہوں اس بات پر کہ آپ مجھ سے ناراض ہو گئے۔“

”ہم کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں چھوڑتے جس سے ہم ناراض ہوں، تمہارا ہمارا کوئی مسئلہ نہیں ہے، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”راجہ صاحب! آپ نے شمشاد علی کو آزاد کرا دیا، صاحب حیثیت اور صاحب اختیار ہیں آپ، اسے تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی عار نہیں ہے۔“

”اور صاحب علم بھی ہوں، صاحب علم و دانش وہ کچھ کر سکتا ہوں جو تمہارے محکمے کو شدید نقصان پہنچا دے، بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”راجہ صاحب! میں ذاتی طور پر کوشش کرتا رہا ہوں اور آپ کے وہ کاغذات اب میرے قبضے میں ہیں جنہیں آپ رانیہ سے حاصل کرنا چاہتے تھے اور مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ محترمہ رانیہ زندہ ہیں اور وہ بھی آپ کے پاس حبس بے جا میں ہیں۔“

راجہ ہدایت خان تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ”اب سیدھی طرح یہ بات بتا دو کہ کاغذات تمہارے پاس کیسے پہنچے؟ کس نے وہ کاغذات تمہیں دیئے ہیں اور کیا جانتے ہو تم ان کے بارے میں؟“

”ان کے بارے میں، میں صرف اتنا جانتا ہوں راجہ صاحب کہ وہ رانیہ کے باپ کی طویل وعریض جائداد کے کاغذات ہیں اور ان کے ساتھ ہی رانیہ کے باپ کی وصیت بھی ہے، آپ ان کے بغیر اگر زمینوں کیلئے دعویٰ کرتے ہیں تو آپ اس میں ناکام رہیں گے۔“

جواب میں راجہ ہدایت خان کا قہقہہ سنائی دیا اور پھر بولا۔ ”چھوٹے سے افسر! جتنے چھوٹے ہو، اتنی ہی چھوٹی بات کیا کرو، جانتے نہیں ہو بڑے آدمیوں سے بات کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر وہ کاغذات تم استعمال کرو تو اس جائداد سے مجھے دستبردار کرا سکتے ہو؟“

”قانونی طور پر ایسا ہی ہوگا راجہ صاحب!“

”پھر وہ زمینیں اور جائداد کس کی تحویل میں دو گے؟“

”جس کی وہ چیزیں ہیں یعنی رانیہ......!“

”رانیہ تو مر چکی ہے۔“ راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”اسے شمشاد علی نے قتل کر دیا تھا، عارضی طور پر میں نے شمشاد علی کو پولیس کے چنگل سے بچا لیا لیکن ایک قاتل تو قاتل ہی ہوتا ہے۔“

”رانیہ زندہ ہے راجہ صاحب!“

”اگر زندہ ہے تو مر جائے گی، اگر نہیں مری تو کیا تم اسے بچاؤ گے، کون بچائے گا اسے، وہ تو مر چکی ہے۔“

حیات علی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ واقعی راجہ ایسا کر سکتا تھا مگر راجہ کی آواز ابھری۔ ”اس کے باوجود میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ بہرحال آگے بھی بہت سے معاملات ہیں، جہاں مجھے اس کی ضرورت پڑے گی، تم ایسا کرو کہ کاغذات لے کر میرے پاس آ جاؤ، پہلی بات تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کاغذات تمہارے پاس کیسے پہنچے؟ رانیہ نے انہیں کہاں رکھا تھا، دیکھو ثنا میرے قبضے میں ہے، وہ رانیہ کے بارے میں خواب دیکھے گی اور مجھے پوری تفصیل بتا دے گی، وہ کام کر ڈالے گی جس کیلئے تم مجھ سے سودے بازی کر رہے ہو، تم اگر چاہو تو کاغذات لے کر میرے پاس آ سکتے ہو، لیکن صرف یہ بتانے کیلئے کہ وہ کاغذات تمہارے پاس کیسے پہنچے

صفحہ نمبر 2......

ہوسکتا ہے، میں تمہارے لئے کچھ کروں لیکن اس کیلئے بھی شرط ہے کہ تم میری محبت حاصل کرلو، فون بند کررہا ہوں، مجھے بتانے کیلئے آجاؤ کہ کاغذات تمہارے پاس کیسے پہنچے، خدا حافظ۔" راجہ ہدایت خان نے کہا اور فون بند کردیا۔

حیات علی کو پسینہ آرہا تھا۔ سجاد حسین بھی پاس ہی موجود تھے اور ایک خاص ذریعے سے راجہ ہدایت خان کی آواز سن رہے تھے، انہوں نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔ "کبھی بہت بڑی غلطی ہوجاتی ہے حیات علی! کاش ہم اس آواز کے ریکارڈ کرنے کا بندوبست بھی کرلیتے مگر یہ بات ذہن میں نہیں آئی تھی۔"

"اب بتایئے سر کہ ہم آگے کیا کریں؟"

سجاد حسین سوچ میں ڈوب گئے۔ اس نازک صورتحال کا انہیں بھرپور احساس تھا، راجہ ہدایت خان ایک عفریت تھا "ہزار پا" تھا، رانیہ کو ختم کردینا اس کیلئے مشکل نہیں تھا، رانیہ کی موت تو منظر عام پر بھی آچکی تھی، اگر راجہ ہدایت خان کو واقعی وہ کاغذات نہ ملتے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا، جائداد تو ویسے ہی اس کے قبضے میں تھی، پھر ان کاغذات کے حصول کیلئے اس قدر جدوجہد کرنا کیا معنی رکھتا تھا، یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"اس نے کہا ہے کہ وہ رانیہ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے کیونکہ آگے بھی اسے اس کی ضرورت پڑے گی، ہوسکتا ہے بدبخت سچ ہی کہہ رہا ہو اور وہ رانیہ کو زندہ رکھے، فرض کرو ہم کاغذات کے ذریعے کچھ کرنا چاہیں لیکن اس کے تعلقات اور اختیارات اس قدر ہیں کہ ہم اس میں بھی ناکام رہیں گے۔"

"ہاں۔" حیات علی نے ایک گہری سانس لی۔

"حیات علی! ایک کام ہوسکتا ہے۔" اچانک سجاد حسین نے چونک کر کہا۔ ان کا چہرہ ایک دم پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ حیات علی سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو سجاد حسین نے کہا۔ "کریم شاہ کے بارے میں جو رپورٹ تم نے دی ہے، وہ ہمارے لئے بڑی کارآمد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک بہت بڑا کام کریم شاہ کے ذریعے ہوچکا ہے، چاند بابا ایک سیدھا سچا آدمی ہے، ہم چاند بابا کے ذریعے مزید کام بھی تو کرسکتے ہیں۔"

"جی سر، کیا......؟" حیات علی نے سوال کیا۔

"کریم شاہ کو دوبارہ چاند بابا کے پاس بھیجا جائے، وہ چاند بابا سے کہے کہ رانیہ اس سے ملنا چاہتی ہے، رانیہ نے کہا ہے کہ پہلے کریم شاہ جاکر چاند بابا کے پاس مقیم ہوجائے اور ایسے راستے ہموار کرے جن سے رانیہ کو وہاں آکر چاند بابا سے ملنے کا موقع مل جائے، چاند بابا کو اس طرح قبضے میں لایا جائے اور کریم شاہ ان کے پاس رہنا شروع کردے، وہ ایک ذہین آدمی ہے پھر وہ وہاں رہ کر رانیہ کو تلاش کرے، کیا سمجھے؟"

حیات علی، سجاد حسین کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "معافی چاہتا ہوں سر......! رانیہ کو اس طرح نہیں رکھا گیا ہوگا کہ کوئی آسانی سے اسے تلاش کرلے، راجہ ہدایت خان نے اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور ہم کر کیا سکتے ہیں، کریم شاہ کو کوشش کرنے دی جائے، وہ چوکیداروں سے رابطہ قائم کرکے ان سے دوستی بھی گانٹھ لے بہرحال وہ ایک تیز آدمی ہے اور اسپیشل میں بھی رہ چکا ہے، جو کام اس نے کردکھایا، وہ بھی معمولی نہیں تھا، کوشش کرلینے میں کیا ہرج ہے۔"

"یقیناً جناب کیا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ راجہ ہدایت خان نے ہمیں کاغذات لے کر آنے کا حکم دیا ہے اور اس حکم کے پیچھے جو دھمکی ہے، آپ کو اس کا بخوبی اندازہ ہے، میرا مطلب ہے کہ کہیں رانیہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"راجہ ہدایت خان کو کوئی قدم اٹھانے سے روکا جائے، وہ ہم سے رابطہ قائم کرے گا تو دیکھیں گے بلکہ اسے بھڑکا دیں گے اور کہہ دیں گے کہ وہ اگر رانیہ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو کردے، ان کاغذات سے ہم اور بھی بہت سے فائدے اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"سر! رسک ہوگا، اس سے جھگڑا مول لینے کا مطلب......!"

"ہاں ہوگا تو سہی، لیکن کیا تم اپنی منگیتر اور میں اپنے وقار کیلئے یہ رسک نہ لوں، کریم شاہ صرف رانیہ ہی کو تلاش نہیں کرے گا بلکہ ہم ثنا کو بھی تلاش کریں گے، کریم شاہ کو اس سلسلے میں تھوڑی سی تربیت دینا ہوگی۔"

کریم شاہ کو طلب کرلیا گیا اور اسے وہ بات بتائی گئی۔ وہ بڑا مست مولا تھا، خطرات مول لینے کا عادی...... کہنے لگا۔ "ہوگا کیا صاحب جی! ہم کوشش کریں گے اور پوری پوری کوشش کریں گے کہ رانیہ اور ثنا بی بی کو تلاش کرسکیں۔"

"ہاں اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا لیکن ایک بات بتاؤ تم حویلی کے اندر کا ماحول دیکھ چکے ہو، وہ کیسا ہے؟"

"پورا طلسم خانہ ہے صاحب جی! دو حصے ہیں حویلی کے، ایک حصے میں راجہ ہدایت خان کا زنان خانہ ہے، وہاں کون کون ہے، اس بارے میں کوئی بات نہیں معلوم، دوسرا حصہ بھی بہت بڑا ہے، وہاں راجہ صاحب کی درسگاہ ہے، لوگ آتے ہیں بہرحال دونوں حصوں میں آنے جانے میں کوئی زیادہ سختی نظر نہیں آئی پھر چاند بابا کا بھانجا ہونے کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں اپنے لئے جگہ بنالینا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا اور پھر میں تلاشیاں لوں گا، صاب جی! پکڑا جاؤں تو ذرا خیال کرلینا، مروں گا تو نہیں ان لوگوں کے ہاتھوں، جان بچالوں گا اپنی، اگر کوئی بڑی گڑبڑ ہوگئی تو نکل بھاگنے کی کوشش کروں گا اور ان کے ہاتھ نہیں آؤں گا اور اگر ہاتھ آبھی گیا تو بس اتنا کہوں گا کہ چوری کی نیت سے قیمتی چیزوں کی تلاش میں پھر رہا تھا، آپ بالکل بے فکر رہو، اصل مسئلے کیلئے کبھی زبان نہیں کھولوں گا۔"

"کریم شاہ! اپنا خیال رکھنا، ہم نے تم پر بڑا بھروسہ کیا ہے۔"

"فکر ہی مت کرو صاب جی!" کریم شاہ نے کہا اور پورا پلان تیار کرلیا گیا، مٹھائی وغیرہ منگوائی گئی اور پھر کریم شاہ نے اپنا روپ بدلا اور پہلے کی طرح چل پڑا، چوکیدار وہی تھے جن کا پہلے کریم شاہ سے واسطہ پڑ چکا تھا، کریم شاہ نے بڑی محبت سے سب کو سلام کیا اور ان سے گلے ملا پھر تھوڑی تھوڑی مٹھائی انہیں دی اور بولا۔ "بھیا جی! غریب آدمی ہوں، پر آپ لوگ یاد تھے بغیر مٹھائی کے آنہیں سکتا تھا، غریب کی سوغات سمجھ کر رکھ لینا، برا مت ماننا۔"

سب نے کریم شاہ کو خوش آمدید کہا تھا اور کریم شاہ، چاند بابا کے پاس پہنچ گیا تھا، چاند بابا اس وقت اپنے کوارٹر میں تھے، کریم شاہ کو دیکھ کر ان کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی اور کریم شاہ نے کہا۔ "ماما جی! اماں نے بھیجا ہے، کہا ہے تھوڑا وقت ماما جی کے ساتھ گزارو۔" پوری طرح جائزہ لینے کے بعد اس نے چاند بابا سے کہا۔ "رانیہ آپ سے ملنا چاہتی ہے چاند بابا جی اور اس نے مجھے یہاں اس لئے بھیجا ہے کہ پہلے یہاں کے حالات کا جائزہ لے لوں اس کے بعد وہ یہاں آئے، بابا جی! وہ آپ سے ملنے کیلئے بہت بے چین ہے، کچھ اہم باتیں کرنی ہیں اسے آپ سے۔"

"ارے بیٹا! میں تو خود اس کیلئے مر رہا ہوں، پر ایک کام کیوں نہیں کرتے تم؟"

"بولئے بابا صاحب!"

"اسے یہاں لانے کا خطرہ مت مول لو بلکہ مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"یہی تو نہیں کرسکتا میں۔"

"کیوں......؟"

"اس لئے بابا صاحب کہ وہ میرے پاس نہیں ہے، وہ یہیں کہیں حویلی میں پوشیدہ ہے اور میں یہاں رہ کر اسے تلاش کروں گا تب اسے لے کر یہاں آسکتا ہوں، کہیں سے اس کے ہاتھ ایک موبائل فون لگ گیا تھا جس پر اس نے مجھے تفصیل بتائی تھی لیکن وہ موبائل فون کسی ایسے آدمی کا تھا جو اس کی پہرے داری کرتا ہے، اس نے مجھے فون کرکے یہ تفصیل بتائی ہے۔"

"بھیا! میں تو سیدھا سادہ آدمی ہوں، پر میری بچی ایک بار مجھے مل جائے تو یوں سمجھو کہ مجھے دنیا کی سب سے قیمتی چیز مل گئی۔"
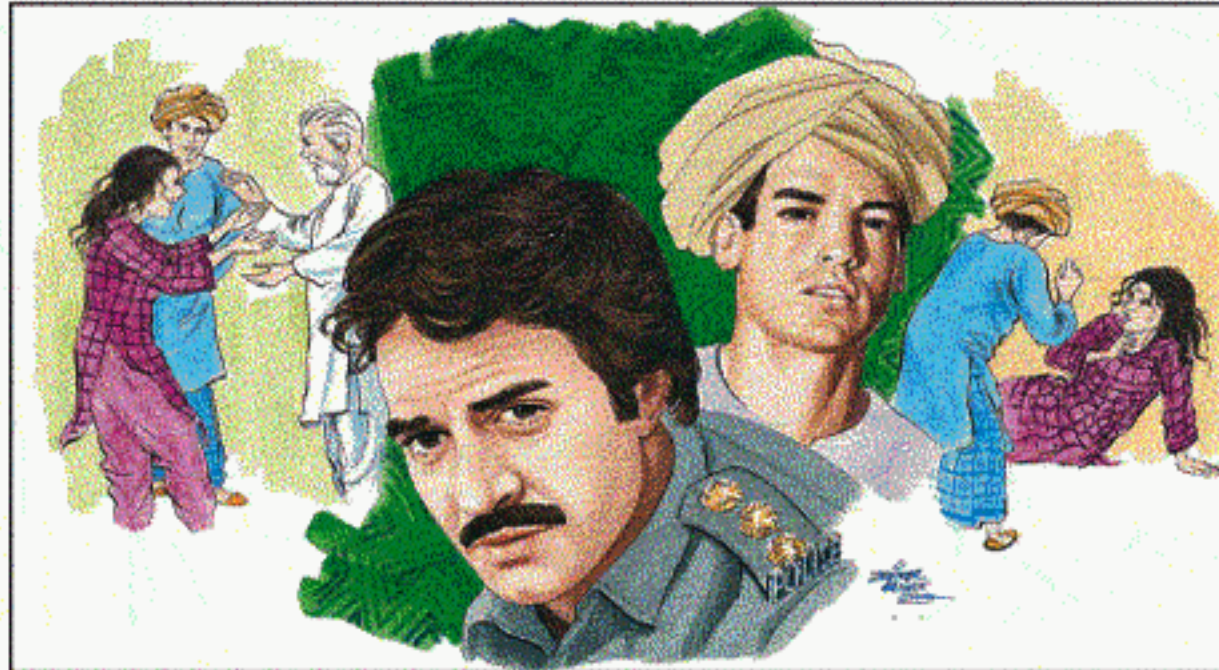
"کچھ وقت مجھے آپ کے ساتھ گزارنا پڑے گا۔" کریم شاہ نے کہا۔

"ارے بھانجے ہو میرے، یہ کیا بات ہوئی، جب تک دل چاہے، رہو، ساری جوانی یہاں گزار دو تو کون میرے بھانجے کو یہاں رہنے سے روکے گا۔"

"بس بابا صاحب! یہی چاہتا ہوں میں۔" کریم شاہ نے کہا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ زندگی جس طرح بھی گزر رہی تھی، پر یہ خوف، یہ دہشت اور یہ وحشت تو نہیں تھی، کمبخت اجنبی اسے سچے خواب بخش گیا تھا، اس نے تو کبھی ایسی کوئی خواہش نہیں ظاہر کی تھی پھر حیات علی فوراً ہی میری اس حیثیت سے فائدہ اٹھانے پر تل گیا، ہر شخص اپنی مطلب براری چاہتا ہے، کسی کے دل میں کسی کیلئے کوئی احساس نہیں ہوتا، کوئی دوسرا آگ میں جل کر مرجائے، کون سوچے اس بارے میں...... وہ اپنی ترقی چاہتا تھا، اپنا عہدہ بڑھانا چاہتا تھا، ایک چھوٹے سے مسئلے میں کامیابی حاصل ہوگئی تو یہ نہیں سوچا اس نے کہ میں بہرحال ایک عام سی لڑکی ہوں، سچے خوابوں کا وزن برداشت نہیں کرسکتی پھر راجہ ہدایت خان کے جال میں اس طرح گرفتار ہوئی کہ نکلنے کی گنجائش نہیں رہی تھی، اب اگر رانیہ کے بارے میں خواب دیکھتی ہوں تو وہی تو بتاسکوں گی، پھر جانے کیا ہوگا؟

"اتنا گھبرانا مناسب نہیں ہے۔" اسے ایک مدھم سی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی، یہ آواز کہاں سے آئی؟ کیا یہ صرف میرا وہم ہے یا واقعی میرے کانوں نے کسی کی آواز سنی ہے۔

"نہیں...... یہ تمہارا وہم نہیں ہے، کچھ حقیقتیں وہم کی طرح ہوتی ہیں۔"

"کون ہو تم......؟ سامنے آؤ، سامنے آکر بولو۔"

"ایک وقت ایسا آئے گا جب میں تمہارے سامنے بھی آسکوں گا لیکن اس وقت میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں، وہ غور سے سنو۔"

"تم فرزان ہونا، بولو؟" ثنا کے حلق سے ہیجانی سی آواز نکلی۔

"ہاں...... میں فرزان ہوں۔"

"وہی جس نے میری زندگی میں سچے خوابوں کی شکل میں زہر گھول دیا ہے۔"

"یہ تمہارا محض احساس ہے، بدقسمتی تمہیں ایک غلط جگہ لے آئی، میں تمہیں بچانا چاہتا تھا لیکن حیات علی نے تمہیں یہاں لاکر پھنسا دیا، راجہ ہدایت خان سے میری بہت پرانی دشمنی چل رہی ہے، میرا اس کا ایک حساب ہے جسے وہ کبھی پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی میں...... سنو لڑکی...... میں تمہارے تحفظ کی ضمانت دیتا ہوں، راجہ ہدایت خان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن تھوڑے دن تک تمہیں مزید میرے لئے کام کرنا ہوگا، وہ مجھ سے میرا علم چھیننا چاہتا ہے اور میں اس سے اس کی قوتیں...... ہمارے درمیان یہ کشمکش کافی عرصے سے چل رہی ہے اور جانے کب تک چلتی رہے گی لیکن اس کا اختتام تمہارے ہی ہاتھوں ہوگا۔"

"وہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں سچے خواب دیکھوں، یہ خواب میرے لئے عذاب بن گئے ہیں، تم نے میرا راستہ روکا ہے، تم نے میرے خوابوں میں تحریف کی ہے اور وہ مشکوک ہوگیا ہے، اب بتاؤ مجھے آئندہ کیا کرنا ہے، کیا جو کچھ میں خواب میں دیکھوں، اسے بتادوں، پچھلی بار تو تم نے میرے خوابوں میں آکر تبدیلی کردی تھی لیکن تم نے دیکھا کہ دوبارہ اس نے میرے خواب کی پہرے داری کی اور میں اسے بتادوں کہ کاغذات چاند بابا کے پاس تھے تو وہ حیات علی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اس کا بندوبست میں کئے دیتا ہوں، تم یہ سمجھ لو کہ ابھی تمہیں یہ خواب نہیں دیکھنا۔"

"تم کیا بندوبست کروگے، آج ہی رات مجھے یہ سب کچھ کرنا ہے اور صبح کو اسے جواب دینا ہے۔"

"تم جواب نہ دو اسے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"میں بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور اچانک ہی ثنا کو یہ محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا ہو، اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گرنے سے بچنے کی کوشش کی، سامنے ہی کارنس بنا ہوا تھا جس کے کچھ کنارے ابھرے ہوئے تھے، دھکا اس طاقت سے دیا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو گرنے سے بچانہ سکی اور اس کا سر کارنس کے ایک کونے سے ٹکرایا، سر اتنی زور سے ٹکرایا تھا کہ بھیجا ہل کر رہ گیا اور پھر پیشانی سے بھل بھل کرکے خون بہنے لگا، یہ خون اس کی آنکھوں تک میں آگیا تھا، اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اندھوں کی طرح ٹٹولا اور پھر بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑی۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک ملازمہ اس کے پاس پہنچی اور اس نے یہ منظر دیکھا اور چیختی ہوئی باہر بھاگی، کچھ ہی لمحوں میں ثنا کو ڈاکٹر کے سامنے پہنچا دیا گیا جسے راجہ ہدایت خان کے حکم پر طلب کیا گیا تھا، خود راجہ ہدایت خان، ثنا کے پاس موجود تھا، ڈاکٹر کو اس نے ہدایت کی۔

"ڈاکٹر! اسے ہر قیمت پر ٹھیک ہونا چاہئے، کسی بھی طرح کی کوئی کمی برداشت نہیں کی جائے گی۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں، خون زیادہ بہہ گیا ہے جس کی وجہ سے ذرا سی الجھن پیش آئے گی، تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔"

راجہ ہدایت خان نے کچھ ملازماؤں سے سوال کیا تھا کہ ثنا اس بری طرح کیسے گری، لیکن اس وقت جب یہ واقعہ پیش آیا تھا، ثنا کے پاس کوئی ملازمہ موجود نہیں تھی چنانچہ بات کھل کر سامنے نہیں آسکی، البتہ جب ثنا کو ہوش آیا تو اسے گزرے ہوئے واقعات بخوبی یاد تھے، وہ اجنبی آواز اور ایک زوردار دیا جانے والا دھکا، اسے اچھی طرح یاد تھا، ساری باتیں الجھانے والی تھیں، لیکن اس نے چند لمحوں میں ایک فیصلہ کیا، سر پر لگنے والی چوٹ کا سہارا لے کر وہ کچھ عرصے تک اپنے آپ کو خواب دیکھنے سے محفوظ رکھ سکتی ہے، اس طرح کم از کم راجہ ہدایت خان اسے خواب دیکھنے کیلئے مجبور نہیں کرے گا، بلکہ سر کی چوٹ کو وہ کچھ زیادہ ہی اہمیت دے دے گی تاکہ بہت سی باتوں سے محفوظ رہے۔ اس نے آنکھیں بند رکھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے محسوس کیا کہ کوئی آیا ہے، راجہ ہدایت خان کی آواز ابھری۔

"نوردین! یہ پتہ نہیں لگ سکا کہ یہ گری کیسے؟"

"مالک! کوئی پاس تھا ہی نہیں۔"

"بس ایک احساس مجھے پریشان کررہا ہے کہ کہیں جان بوجھ کر تو اس نے اپنے آپ کو زخمی نہیں کیا ہے کیونکہ میں نے اس سے رانیہ کا خواب دیکھنے کی بات کی تھی۔"

"مالک! ثنا کا رانیہ سے ایسا کونسا گہرا تعلق ہے؟"

"ہاں اور ویسے بھی یہ پچھلے کچھ دنوں سے ہم سے وفاداری کررہی ہے، بہرحال اس کا علاج کراؤ، یہ ہمارے لئے بے حد قیمتی ہے۔"

ثنا یہ ساری باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ راجہ صاحب اب تو مجھے صحیح معنوں میں موقع ملا ہے، میرا دماغ متاثر ہوگیا ہے اور میں کافی عرصے تک کوئی خواب نہیں دیکھ سکوں گی۔

☆......☆......☆

کریم شاہ صحیح معنوں میں ذہین نوجوان تھا، تین دن اس نے خاموشی کے ساتھ گزارے، اپنے آپ کو ایک نِس کھٹو دیہاتی ظاہر کرکے اس نے اپنے آس پاس بکھرے ہوئے لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھیر دی تھیں، زیادہ تر لوگ اس سے خوش ہوتے تھے اور وہ حویلی کے مختلف لوگوں کے پاس بیٹھتا تھا، پھر اس کے بعد اس نے مزید قدم آگے بڑھائے اور زنان خانے کی طرف رخ کیا۔ جس قدر ممکن ہوسکتا تھا، وہ کوشش کررہا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کا اندازہ بھی لگاتا جارہا تھا کہ راجہ ہدایت خان زیادہ تر حویلی کے دوسرے حصے کی طرف ہی ہوتا تھا، جہاں اس نے اپنی درسگاہ بنائی ہوئی تھی، وہ راجہ ہدایت خان کے معمولات بھی دیکھتا رہتا تھا۔ پانچواں دن تھا جب اس نے راجہ ہدایت خان کو اپنے دو خاص خادموں نوردین اور خاقان کے ساتھ ایک بڑی لینڈ کروزر میں جاتے ہوئے دیکھا، تب اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ راجہ ہدایت خان کی خصوصی نشست گاہ میں داخل ہوکر رانیہ کو تلاش کرے گا۔

رات کو جب حویلی میں تقریباً سناٹا چھا گیا اور ملازم آرام کرنے کیلئے اپنے اپنے کوارٹر میں جاگھسے، اسے یہ بات پہلے نہیں معلوم تھی لیکن یہ حقیقت تھی کہ جب راجہ ہدایت خان حویلی میں نہیں ہوتا تھا تو ملازم سکھ کا سانس لیتے تھے اور زیادہ تر آرام کرتے تھے۔ ہر سو سناٹا پھیلا ہوا تھا، وہ راجہ ہدایت خان کی خصوصی نشست گاہ کی جانب چل پڑا، نیم تاریک ماحول میں وہ یہ اندازے لگا رہا تھا کہ اگر کوئی قیدی بنا کر رکھا جائے تو وہ کہاں ہوسکتا ہے۔ ایک کوریڈور میں سست روی سے چلا جارہا تھا کہ دفعتاً ہی اسے ایک آواز سنائی دی۔ "رکو اس طرف جانا بیکار ہے۔"

کریم شاہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اس کے اندر سے ایک آواز ابھری، مارے گئے، پتہ چل گیا ان لوگوں کو...... وہ اپنی جگہ دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا تو آواز پھر آئی۔

"نہیں...... خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، واپس آؤ، میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں، دیکھو اس سفید روشن دھبے کو دیکھو اور اس کا پیچھا کرتے ہوئے چلے آؤ۔" یہ ایک حیران کن بات تھی۔

کریم شاہ پہلے تو ذرا سا خوف زدہ ہوا، لیکن پھر اس نے اپنی ہمت کو آواز دی۔ سفید دھبہ اسے نظر آگیا تھا، اس نے غیر اختیاری طور پر اس سفید دھبے کا تعاقب شروع کردیا اور ایک بالکل ہی الگ راستے پر چلتا ہوا کافی دور نکل آیا اور اس کے بعد اسے ایک دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا، دروازے کے دوسری طرف سے روشنی امنڈ پڑی تھی، یہ غالباً کوئی تہہ خانہ تھا، کوئی دس سیڑھیاں اس نے طے کیں تو وہ ایک ہال نما جگہ پہنچ گیا اور یہاں آکر وہ دھبہ گم ہوگیا لیکن آواز پھر ابھری۔

"وہ رانیہ ہے، اگر تم اسے لے کر جارہے ہو تو میں تمہاری رہنمائی کروں گا اور سنو چاند بابا کو بھی ساتھ لے لینا ورنہ وہ غریب ذبح کردیا جائے گا، راجہ ہدایت خان کیلئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔" یہ حیران کن رہنمائی کریم شاہ کو بہت عجیب لگی تھی لیکن سامنے جو لڑکی ایک بستر پر سوتی ہوئی نظر آرہی تھی، وہ رانیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ کریم شاہ کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا پھر آہستہ قدموں سے آگے بڑھا اور رانیہ کے قریب پہنچ گیا، اس نے سوتی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"رانیہ صاحبہ......!"

لڑکی ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی تھی، وہ ایک آواز پر اٹھ گئی تھی۔

"کک...... کون ہو تم؟"

"آپ رانیہ ہیں نا......؟"

"ہاں...... مگر تم کون ہو؟"

"کیا آپ اس تہہ خانے سے نکلنا چاہیں گی؟"

"تم میرے ساتھ کوئی مذاق تو نہیں کررہے؟"

"اگر آپ واقعی رانیہ ہیں تو براہ کرم دیر نہ کیجئے، یہاں سے اگر کچھ ساتھ لینا ہے تو جلدی سے لے لیجئے۔"

"مگر میری بات تو سنو۔"

"خدا کیلئے اس وقت کوئی بات نہ سنایئے، ہم کسی بڑے خطرے سے دوچار ہوسکتے ہیں۔"

رانیہ ایک لمحے تک کچھ سوچتی رہی اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "نہیں مجھے کچھ نہیں لینا لیکن اگر راجہ ہدایت خان کو معلوم ہوگیا تو وہ مجھے اور تمہیں دونوں کو قتل کردے گا۔"

"آپ آیئے تو سہی۔" کریم شاہ کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ یہ دوسری کامیابی تھی جو اسے حاصل ہوئی تھی، پہلے اس نے چاند بابا تک پہنچ کر کاغذات کا حصول انتہائی آسان بنالیا تھا لیکن اس وقت ایک سفید دھبے نے اس کی رہنمائی کی تھی، اب اسی کی رہنمائی میں رانیہ کے ساتھ پہلے تہہ خانے سے باہر نکلا اور پھر مختلف راستوں سے چلتا ہوا آخرکار چاند بابا کے کوارٹر تک پہنچ گیا۔ چاند بابا جاگ رہا تھا، رانیہ نے اسے دیکھا تو اس کے حلق سے ایک سسکی سی نکلی۔ "چاند بابا......!"

چاند بابا اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا اور پھر وہ تیزی سے رانیہ کی طرف لپکا۔ "میری بیٹی......! میری بچی۔" جس طرح وہ تیزی سے رانیہ کے پاس پہنچا تھا، اس کے قریب پہنچ کر وہ یہ تیزی برقرار نہ رکھ سکا اور اس کے ہاتھ جو پھیلے ہوئے تھے، نیچے گر گئے لیکن رانیہ خود آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

"چاند بابا! کوئی نہیں ہے میرا اب اس دنیا میں، آپ میرے سب کچھ ہیں چاند بابا، آپ میرے سب کچھ ہیں۔"

چاند بابا نے اس کا سر سینے میں بھینچ لیا تھا اور پھر وہ رونے لگا۔

تبھی کریم شاہ نے کہا۔ "چاند بابا......! ہمیں یہاں سے نکلنا ہے، رانیہ کی زندگی بچانے کیلئے ہمیں یہاں سے جانا ہے۔"

"چلو بیٹا......! چلو چلو رانیہ۔"

رانیہ تیار ہوگئی تو وہی آواز کریم شاہ کے کانوں میں ابھری۔ "آؤ میرے ساتھ ساتھ چلے آؤ، سامنے کے راستے سے تم نہیں جاسکو گے۔"

پھر وہ دونوں تو نہیں سمجھ سکے تھے لیکن کریم شاہ کو اعتماد ہوگیا تھا کہ وہ سفید دھبہ اس کی رہنمائی کررہا ہے۔ چنانچہ وہ سفید دھبے کی رہنمائی میں چل پڑا۔ چاند بابا کو خود بھی شاید اس چور راستے کے بارے میں نہیں معلوم تھا جہاں سے کریم شاہ انہیں لے کر حویلی کے باہر نکل آیا تھا۔ یہ پرانے زمانے کا ایک گٹر تھا جو اب خشک ہوگیا تھا، حویلی کے پرانے حصے میں اس میں داخلے کا راستہ تھا اور نیچے ہی نیچے یہ سرنگ نما جگہ حویلی کے اندر سے گزر کر باہر تک آتی تھی۔ چنانچہ یہاں پہنچنے کے بعد وہ لوگ کھلی فضا میں آگئے۔ تبھی وہ آواز آخری بار کریم شاہ کے کانوں میں ابھری۔

"اب تم جس قدر مشقت کرسکتے ہو، کرو اور انہیں لے کر کسی محفوظ جگہ پہنچ جاؤ۔"

"تم جو کوئی بھی ہو، تمہارا شکریہ۔" کریم شاہ نے دل ہی دل میں کہا۔ اس عجیب پراسرار رہنمائی نے اس کے رونگٹے کھڑے کردیئے تھے اور وہ بالکل نہیں سمجھ پایا تھا کہ یہ پراسرار رہنما کون ہے۔ بمشکل تمام اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "آپ جو کوئی بھی ہیں جناب! آپ کی رہنمائی نے رانیہ کی زندگی بچائی ہے لیکن ایک اور لڑکی ہے جسے تلاش کرکے یہاں سے لے جانا ضروری تھا۔"

"ثنا حیدر......؟" آواز نے کہا۔

"ہاں...... ہاں کیا آپ......؟"

"نہیں...... اس کا یہاں سے جانا ابھی مناسب نہیں ہے۔ البتہ تمہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ یہاں محفوظ ہے، راجہ ہدایت خان کے ناپاک ارادوں کو ناکام بنانے کیلئے اس کا راجہ کے پاس ہونا بے حد ضروری ہے، تم لوگ اس کی طرف سے بے فکر رہو، جب میں سمجھوں گا کہ اسے تمہارے پاس واپس پہنچ جانا چاہئے، میں اسے تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔"

"کیا آپ بتاسکیں گے کہ آپ کون ہیں؟" کریم شاہ نے پوچھا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ "آپ کون ہیں جناب......؟" کریم شاہ نے پوچھا لیکن جو کوئی تھا، اب وہاں نہیں تھا۔

"بیٹا! جلدی چلو، میرا دل گھبرا رہا ہے۔" چاند بابا نے کہا اور کریم شاہ بھی سنبھل گیا۔ پھر وہ وہاں سے چل پڑے تھے۔ لاری اڈہ ذرا دور تھا، چاند بابا کو زیادہ دقت ہورہی تھی لیکن وہ بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا، البتہ کچھ فاصلہ طے کرکے وہ مطمئن ہوئے ہی تھے کہ اچانک انہیں دور سے دو تیز روشنیاں نظر آئیں اور وہ چونک پڑے۔

"لینڈ کروزر......!" کریم شاہ کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

(جاری ہے)

چاند بابا بہت زیادہ بدحواس ہو گیا تھا، وہ ادھر ادھر چھپنے کیلئے جگہ تلاش کرنے لگا۔ لینڈ کروزر تیزی سے قریب آ رہی تھی، کریم شاہ نے چاند بابا اور رانیہ کو ایک طرف گھسیٹا اور وہ سڑک کے کنارے سیدھے لیٹ گئے۔

کریم شاہ آہستہ سے بولا۔ ”ممکن ہے یہ کوئی اور گاڑی ہو۔“

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 12
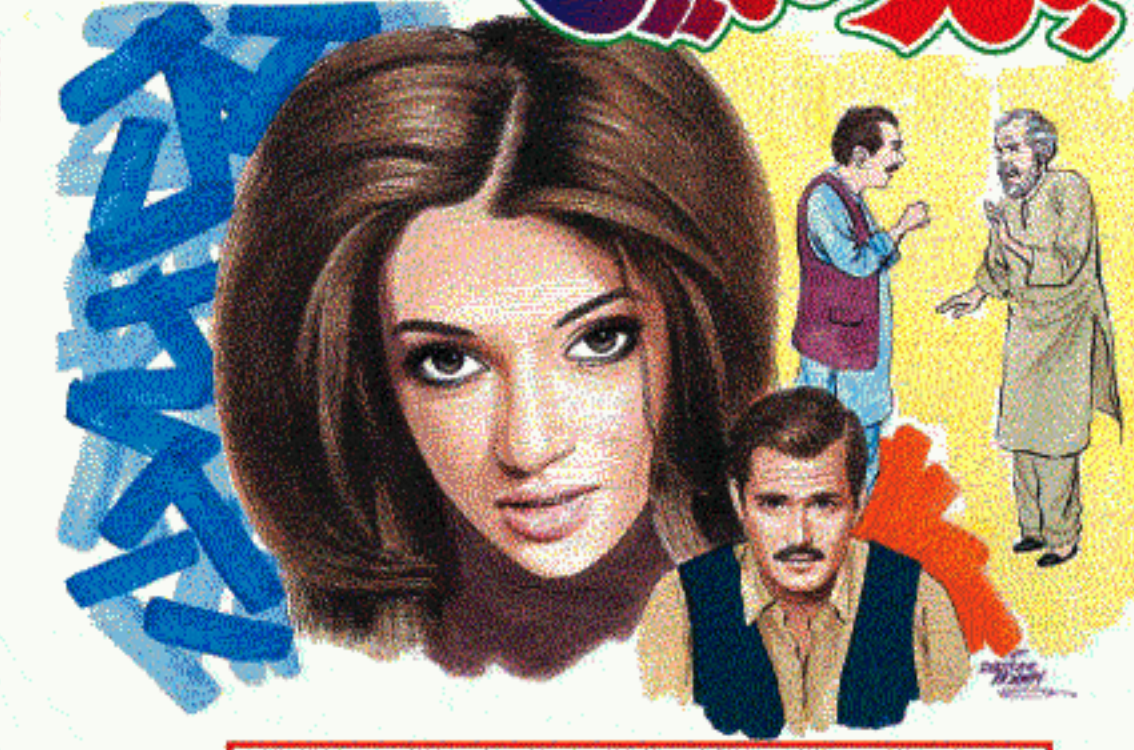
اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

”نہیں، یہ مالک کی گاڑی ہی ہے، ہم تو اس کی روشنیاں پہچانتے ہیں۔“ چاند بابا نے کہا۔

کریم شاہ جلدی سے بولا۔ ”خاموش ہو جاؤ چاند بابا!“

لینڈ کروزر تیزی سے قریب آئی اور آگے بڑھ گئی تو کریم شاہ نے دوبارہ اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی ورنہ اس سنسان راستے پر جو اس حویلی کی طرف سے ہی آتا تھا، وہ کچھ لمحوں کیلئے لینڈ کروزر کی روشنی میں آ گئے، البتہ فاصلہ خاصا تھا اس لئے بات بن گئی، انہیں دیکھا نہیں گیا تھا لیکن کریم شاہ سوچنے لگا کہ اب ان کی رفتار تیز ہو جانی چاہئے، ہو سکتا ہے کسی کو شبہ ہو گیا ہو اور وہ آگے جا کر واپس پلٹ پڑے۔ یہ سوچ کر کہ سڑک پر ابھی تو کچھ لوگ آ رہے تھے، وہ کہاں چلے گئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے راجہ ہدایت خان کو رانیہ کی گمشدگی کے بارے میں فوراً ہی علم ہو جائے۔

بہر حال سڑک کے کنارے سے اٹھ کر کریم شاہ نے اپنا لباس جھاڑا، رانیہ چونکہ کافی عرصے سے راجہ ہدایت خان کی قیدی تھی اور مصائب جھگت رہی تھی، اس لئے بہت کمزور ہو چکی تھی، کریم شاہ کو اسے سہارا دینا پڑ رہا تھا، وہ پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے لاری اڈے کی جانب چلنے لگے، چاند بابا بار بار ٹھوکریں کھا رہا تھا اور کریم شاہ کو اسے بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا۔

”آہ......! مجھے اتنا چلنے کی عادت نہیں ہے، میں بوڑھا آدمی ہوں۔“

”چاند بابا! آپ یہ سوچ کر اپنے اندر ہمت پیدا کریں کہ آپ اپنی رانیہ کو بچا رہے ہیں، اس وقت ہم لوگوں کا یہاں سے نکل جانا ہی ہماری جیت ہے۔“

”ہاں میں چل رہا ہوں، رانیہ بیٹی میرا ہاتھ پکڑ لے۔“ چاند بابا نے کہا اور رانیہ نے محبت بھرے انداز میں چاند بابا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چاند بابا کے جسم میں جیسے نئی زندگی دوڑ گئی تھی۔ انہوں نے کہا۔ ”اب تو بیٹا میں رات بھر چل سکتا ہوں، میری رانی بیٹی......!“

رانیہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی، چاند بابا کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات اس کے ذہن میں تھے، گھر کا یہ بوڑھا ملازم نجانے کب سے اس کی خدمت کرتا تھا۔ غریبوں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے، کسی کو چاہتے بھی ہیں تو ڈر ڈر کر...... یہ سوچ کر کہ کہیں ان کی چاہت کو خود غرضی نہ سمجھ لیا جائے، ضرورت نہ سمجھ لیا جائے۔

بہت دور سے لاری اڈے کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں، وہ لوگ رفتار بڑھانے لگے اور خدا خدا کر کے آخر کار لاری اڈے پر پہنچ ہی گئے اور ایک لاری میں بیٹھ گئے۔

کریم شاہ اسپیشل پولیس میں بھی رہ چکا تھا، وہ کافی ذہین آدمی تھا، اس کا انتخاب سجاد حسین نے بالکل ٹھیک کیا تھا، یہ کریم شاہ کی ذہانت ہی تھی کہ دونوں بار وہ کامیابی سے واپس پلٹ رہا تھا، پہلی بار چاند بابا سے کاغذات کا حصول اور دوسری بار سب سے بڑا کام یعنی رانیہ کو حویلی سے نکال لانا، لیکن یہ بھی ایک سچائی تھی کہ اگر وہ پراسرار آواز اور وہ سفید دھبہ اس کی رہنمائی نہ کرتا تو رانیہ تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ویسے فرزان کے بارے میں بھی اسے بتا دیا گیا تھا لیکن ابھی تک اس کے ذہن میں یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ رہنما آواز فرزان ہی کی تھی۔

لاری چل پڑی اور تقریباً چالیس منٹ کے سفر کے بعد وہ درمیان میں ایک جگہ رکی، کریم شاہ احتیاط کی خاطر یہاں اتر گیا، یہاں ٹیکسی اسٹینڈ بھی تھا جو لاری اڈے سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر تھا۔

کریم شاہ نے چاند بابا اور رانیہ کو بھی نیچے اتارا اور بولا۔ ”آؤ آپ لوگ تھوڑی سی مشقت اور کرو۔“

”ٹھیک ہے، کیا ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے؟“

”ابھی نہیں۔“ کریم شاہ نے جواب دیا اور وہ لوگ اس کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد کریم شاہ ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچ گیا پھر اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بات کی اور ٹیکسی انہیں لے کر چل پڑی، کریم شاہ خاموشی سے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، پھر ایک رہائشی علاقے میں ایک بلڈنگ کے سامنے اس نے ٹیکسی رکوائی اور ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دے کر اسے آگے روانہ کر دیا، جب ٹیکسی کی سرخ روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو وہ دونوں کو ساتھ لے کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

چاند بابا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”بیٹا! تو نے تو میرے پاؤں ہی توڑ دیئے، اب پیدل کیوں چل رہا ہے، میں تو سمجھا کہ تو مجھے اپنے گھر لے آیا ہے، اب کہاں جا رہا ہے؟“

”چاند بابا! بعد میں بتا دوں گا آپ کو، تھوڑا سا میرا ساتھ اور دو۔“

تھوڑا سا پیدل چلنے کے بعد کریم شاہ نے ایک بار پھر ایک ٹیکسی روکی اور اس بار وہ ایس ایس پی سجاد حسین کے بنگلے کے سامنے رکا تھا۔ چاند بابا کافی نڈھال نظر آ رہا تھا، نڈھال رانیہ بھی تھی لیکن وہ بہر حال جوان لڑکی تھی۔ جب ٹیکسی ڈرائیور چلا گیا تو کریم شاہ گیٹ کی طرف چل پڑا۔

گیٹ پر دو گارڈ کڑی نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہے تھے، کریم شاہ نے کہا۔ ”میں حوالدار کریم شاہ ہوں، صاحب کے مہمانوں کو لے کر آیا ہوں، صاحب کو میرے بارے میں اطلاع دے دو۔“

”اندر آ جاؤ۔“ ایک گارڈ نے کہا اور کریم شاہ کی تلاشی لے کر اسے اندر آنے دیا، اس نے چاند بابا کی بھی تلاشی لی تھی، رانیہ کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک لان کی ایک خوبصورت روش سے گزرا اور روشن برآمدے میں پہنچ گیا، یہاں بیٹھنے کیلئے کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

انہیں کرسیوں پر بٹھا کر اس نے اندر والے ملازم کو آواز دی اور اس سے کہا کہ بڑے صاحب کو جگا کر بتاؤ کہ کریم شاہ حوالدار ان کے کچھ مہمانوں کو لے کر آیا ہے۔ ایس ایس پی سجاد حسین رات کو دیر تک جاگنے کے عادی تھے، کریم شاہ اور مہمانوں کا ذکر سن کر فوراً ہی باہر نکل آئے، رانیہ اور چاند بابا کو دیکھا، صورت سے تو نہیں پہچانتے تھے لیکن اندازے سے پہچان لیا کہ وہ کون ہیں، فوراً ہی انہوں نے کریم شاہ اور ان دونوں کو اندر آنے کیلئے کہا اور انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے، ملازم سے انہوں نے کہا۔ ”گارڈ سے کہو ہوشیار رہے، کسی کو بنگلے کے آس پاس گھومتے ہوئے دیکھے تو اسے پکڑ لے۔“

”جی صاحب۔“ ملازم نے کہا اور باہر نکل گیا تب سجاد حسین نے کہا۔ ”کریم شاہ! تم یہ سمجھو کہ تمہارے عہدے میں ترقی ہو گی، میں تمہیں کم از کم ایس آئی لگوا کر دم لوں گا، یہ رانیہ اور چاند بابا ہیں نا......؟“

”جی صاحب۔“ کریم شاہ نے ادب سے کہا۔

”بیٹھو اس وقت تم آفس میں نہیں میرے گھر پر ہو۔“

”شکریہ صاب جی! بہت مہربانی۔“ کریم شاہ نے جواب دیا اور پھر

ایس ایس پی سجاد حسین، چاند بابا اور رانیہ کا حلیہ دیکھ کر بولے۔ ”آپ لوگ مجھے بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، رانیہ بیٹے میری طرف سے نئی زندگی کی مبارکباد قبول کرو اور چاند بابا جیسے وفادار ملازم کا شکریہ ادا کرو کہ انہوں نے تمہاری زندگی بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔“

رانیہ نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن بول نہیں سکی۔ سجاد حسین نے کہا۔ ”دیکھو بیٹا! میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور یہ میرے محکمے کے حوالدار ہیں، کریم شاہ...... انہوں نے تمہیں آزادی دلانے کیلئے اہم کردار انجام دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ آرام کریں یقیناً اتنا لمبا سفر طے کر کے تھک گئے ہوں گے اور وہ بھی ان مشکل حالات میں صبح آپ سے بات ہو گی، میں آپ کے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں، بلا تکلف مجھے یہ بتایئے کہ کچھ کھائیں گے، پئیں گے؟“

”نہیں سرکار! آپ کی بہت مہربانی، ہمیں آرام کی جگہ دے دیجئے بس...... واقعی بہت تھک گئے ہیں۔“

”آپ چاہیں تو غسل بھی کر سکتے ہیں، میں انتظام کرائے دیتا ہوں، رانیہ بیٹا! آپ بتاؤ کچھ کھاؤ گی؟“

”نہیں سر......!“

”کیا سر اور سرکار لگا رکھا ہے، رانیہ! تم مجھے انکل کہو اور چاند بابا آپ مجھے بیٹا کہہ لیں، بھائی کہہ لیں، جو دل چاہے کہہ لیں۔“

”اللہ آپ کو اس سے زیادہ عزت دے بھائی صاحب! آپ ہمیں عزت دے رہے ہیں، اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔“

ان دونوں کیلئے ایک پر آسائش آرام گاہ کا بندوبست کیا گیا اور چاند بابا اس دوسرے بستر کو دیکھ کر بولے۔ ”نہیں بھائی جی! میں نیچے فرش پر سوؤں گا، رانیہ میری بیٹی ہے مگر میرے خون میں اس کا نمک ہے، میں اس نمک سے غداری نہیں کر سکتا۔“

”یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔“ ایس ایس پی سجاد حسین نے کہا اور باہر نکل آئے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے پھر انہوں نے کریم شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تمہارے ان دونوں کارناموں پر فخر ہے کریم شاہ! کیا تم گھر جانا چاہتے ہو؟“

”سر......! جیسا آپ کا حکم ہو گا۔“

”نہیں، تم یہاں آرام کرو، صبح واپس جانا۔“

”ٹھیک ہے صاب جی! جو آپ کا حکم۔“ سجاد حسین، کریم شاہ کو صوفے پر سلانے کے بعد باہر نکلے اور گیٹ پر گارڈز کے پاس پہنچ گئے جو انہیں دیکھ کر سیلوٹ کر کے مؤدب ہو گئے تھے۔ پولیس کے گارڈ تھے۔

”دیکھو تم لوگوں کو خصوصی طور پر ہوشیار رہنا ہے، یہ جو مہمان آئے ہیں، ان کے کچھ دشمن ہیں جو ان کا تعاقب کر سکتے ہیں چنانچہ الرٹ رہو۔“

”یس سر......!“ دونوں گارڈز نے ایڑیاں بجا کر کہا۔

سجاد حسین اپنے بیڈ روم کی جانب واپس چل پڑے۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ سو نہیں سکے تھے۔ سینئر پولیس آفیسر تھے، زمانے کے الٹ پھیر جانتے تھے، ان کی زندگی میں کئی بار ایسے واقعات رونما ہوئے تھے جب پولیس حکام کا واسطہ کسی ایسے صاحب اختیار شخص سے پڑ جاتا تھا جو اپنے تعلقات میں ”ویری کل“ ہوتا تھا اور پھر جو ناکوں چنے چبانے پڑتے تھے تو چھٹی کا دودھ ہی یاد آ جاتا تھا۔ راجہ ہدایت خان سے انہیں باقاعدہ ٹکر لینی تھی اور وہ اس کیلئے خود کو تیار کر رہے تھے۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور انہوں نے حیات علی کو فون کیا، حیات علی کی آواز سنائی دی۔

”یس سر......؟“

”بستر پر ہو؟“

”نہیں سر......! آفس جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔“

”اتنی صبح......؟“

”سچ بتا دوں سر......؟“

”ہاں بھئی...... سچ بتاؤ کیا بات ہے۔“

”سر! جب سے ثنا مجھ سے جدا ہوئی ہے، میں نے باقاعدہ نماز شروع کر دی ہے، سر میں اس بات کو کبھی اپنے دل سے نہیں نکال سکتا کہ ثنا کو میں نے اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں داخل کیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں، خیر میرے پاس آ جاؤ، ناشتہ میرے ساتھ ہی کرو۔“

”جو حکم سر......! کریم شاہ کے بارے میں......!“

”ہاں، وہ آ گیا ہے اور انہیں ساتھ لایا ہے۔“

”ثنا کو بھی......؟“ حیات علی کے لہجے میں بے پناہ اشتیاق پیدا ہو گیا۔

”نہیں...... تم آؤ، باقی تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔“

”سر! میں آ رہا ہوں۔“

☆......☆......☆

حیات علی جب سجاد حسین کے پاس پہنچا تو کریم شاہ، رانیہ اور چاند بابا جاگ چکے تھے، انہیں ناشتے کے کمرے میں ہی بلا لیا گیا۔

”بات چیت ناشتے کے بعد ہی ہو گی۔“ سجاد حسین نے کہا اور سب لوگ خاموشی سے ناشتے میں مصروف ہو گئے۔ رانیہ کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ اسے اس بدلے ہوئے ماحول کی امید نہیں تھی، وہ تو قید خانے ہی میں زندگی گزار رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اسی قید خانے میں اسے موت کا سامنا کرنا پڑے گا، اپنے دشمن کو وہ اچھی طرح جانتی تھی غرضیکہ ناشتے سے فراغت کے بعد سجاد حسین نے پوچھا۔ ”کریم شاہ! پہلے تم یہ بتاؤ کہ رانیہ کا حصول کیسے ممکن ہو سکا؟“

”سر! تقدیر نے جگہ جگہ میری رہنمائی کی لیکن یہ بات طے ہے کہ راجہ ہدایت خان کی حویلی پراسرار روحوں کا مسکن ہے، وہاں بہت کچھ بستا ہے، مجھے پہلے تو تھوڑی سی کوشش سے کامیابی حاصل ہو گئی لیکن رانیہ صاحبہ کا حصول کسی طور میرے لئے ممکن نہیں تھا، وہاں ایک پراسرار روح نے میری رہنمائی کی، میں رانیہ اور ثنا کی تلاش میں تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی کہ رانیہ اس طرف نہیں ہے، آؤ میں تمہیں ان کی رہائشگاہ تک کا راستہ بتاتا ہوں، رانیہ صاحبہ ایک تہہ خانے میں تھیں، اسی پراسرار روح نے ایک سفید دھبے کے ذریعے میری رہنمائی کی اور پھر بعد میں بھی مجھے اس کی مدد حاصل رہی۔“ کریم شاہ نے پھر پوری تفصیل بتائی۔

حیات علی نے پوچھا۔ ”تم نے اس رہنما روح سے ثنا کے بارے میں معلومات کیوں نہیں حاصل کیں؟“

”سر! کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ میں محترمہ ثنا کیلئے کوشش نہ کرتا، لیکن اسی پراسرار روح نے مجھ سے عجیب سے لہجے میں کہا کہ ثنا کا ابھی راجہ ہدایت خان کے پاس سے ہٹنا مناسب نہیں ہے، وہ ثنا کے ذریعے راجہ ہدایت خان کو شکار کرنا چاہتا ہے، سر اس نے مجھ سے کہا کہ وہ ثنا کے تحفظ کی ذمے داری لیتا ہے، ثنا کا بال بیکا نہیں ہو گا لیکن اس وقت تک اسے راجہ ہدایت خان کے پاس سے آزادی نہیں مل سکے گی جب تک کہ وہ راجہ ہدایت خان کی کہانی ختم نہیں کر دے گا، وہ ایک مردانہ آواز تھی سر......! لازمی بات ہے کہ وہ کوئی جادوگر تھا یا پھر کوئی روح۔“

حیات علی نے فوراً ہی کہا۔ ”آہ......! اس کا مطلب ہے کہ وہ فرزان تھا، وہی جس نے ثنا کو سچے خوابوں کے راستے پر ڈالا ہے، پتہ نہیں کیا چکر چلا ہوا ہے، انسان نہ زندہ رہ کر سکون سے رہ سکتا ہے، نہ مر کر اور پھر بے گناہ انسان بلاوجہ شکار ہو جاتے ہیں۔“

رانیہ خاموش بیٹھی یہ سب کچھ سن رہی تھی، اس نے اپنے لئے چائے کا ایک اور کپ بنایا اور اپنے سامنے سرکا کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

چاند بابا بیچارہ ان تمام معاملات سے لاتعلق تھا، وہ بس احمقوں کی طرح ایک دوسرے کی صورت دیکھے جا رہا تھا۔ حیات علی اور سجاد حسین تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے پھر سجاد حسین نے کہا۔ ”رانیہ صاحبہ! آپ کچھ بتا سکیں گی کہ کیا ہوا، ویسے کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ شمشاد علی کو جیل سے رہائی مل گئی ہے؟“

”ہاں، تھوڑے بہت معاملات مجھ تک پہنچے ہیں لیکن تفصیل سے نہیں۔“

”کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ شمشاد علی کو آپ کے قتل کے الزام میں سزا ہوئی تھی؟“

”جو لڑکی قتل کی گئی تھی یعنی جسے جلا کر مارا گیا تھا، وہ میری بہت ہی اچھی دوست اور ملازمہ سعدیہ تھی، اس کا چہرہ مہرہ اور جسامت بالکل میرے جیسی تھی، مجھے سب کچھ پتہ چل گیا، عدلان نے اسے اپنے ہاتھوں سے جلا کر مارا تھا، عدلان ہی اس کا قاتل تھا اور اس نے دولت اور جائیداد حاصل کرنے کیلئے یہ سارا کھیل رچایا تھا، شمشاد علی بیچارہ بلاوجہ میری وجہ سے مصیبتوں میں گرفتار ہوا، عدلان چاہتا تھا کہ میں اس کی وجہ سے زبان کھول دوں لیکن میں ایک بات جانتی تھی کہ جیسے ہی عدلان کے ہاتھوں وہ کاغذات پڑے، وہ سب سے پہلے مجھے قتل کر دے گا، وہ کاغذات کے حصول کے بعد مجھ سے ان پر دست برداری کے دستخط چاہتا تھا کیونکہ کاغذات کا ایک حصہ کسی نامعلوم وکیل کے پاس رکھا ہوا ہے اور وہ کسی بھی وقت منظر عام پر آ کر عدلان کو اس تمام جائیداد سے بے دخل کر سکتا ہے۔“

”عدلان کیا راجہ ہدایت خان کا دوسرا نام ہے؟“ ایس ایس پی سجاد حسین نے پوچھا۔

”آپ نہیں جانتے؟“ رانیہ حیرت سے بولی۔

”کیا......؟“

”وہ راجہ ہدایت خان نہیں ہے، وہ عدلان ہے، ایک انتہائی کمینہ صفت انسان۔“

اس انکشاف نے سب کے ہوش اڑا دیئے تھے، خود چاند بابا پھٹی پھٹی آنکھوں سے رانیہ کو دیکھ رہا تھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں جناب! عدلان کی کہانی بالکل الگ ہے، وہ راجہ ہدایت خان نہیں ہے، وہ عدلان ہے، ایک الگ خاندان کا فرد...... یہ تو بڑی لمبی کہانی ہے، آپ سنیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔“

سجاد حسین، حیات علی اور باقی تمام لوگ ششدر رہ گئے تھے، وہ دیر تک گنگ رہے۔ پھر رانیہ نے کہا۔ ”عدلان بہت ہی شاطر انسان ہے، میں اس کے بارے میں آپ کو تفصیل بتاؤں گی۔“

”اور راجہ ہدایت خان کہاں ہے؟“

”آپ یقین کریں۔ میں نہیں جانتی لیکن مجھے علم ہے کہ وہ عدلان کا قیدی ہے۔“

”میرے خدا......!“ سجاد حسین کے منہ سے نکلا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے، حیات علی بھی حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

بہر حال کچھ دیر کے بعد سجاد حسین نے گردن اٹھائی اور بولے۔ ”حیات علی! ان واقعات نے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، ذرا غور کرو کہ حالات کس سمت جا رہے ہیں، اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے؟“

”ان حالات میں جناب سب سے پہلے ہمیں رانیہ صاحبہ کی حفاظت کا بندوبست کرنا ہے، یہ ابھی سخت خطرے میں ہیں۔“

”ایک بات بتائیں گے جناب آپ مجھے؟“ رانیہ نے کہا۔

”ہاں کہئے۔“

”کیا میں شمشاد علی سے مل سکتی ہوں؟“

”تھوڑا سا توقف کر لیں رانیہ! ہمیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑ رہا ہے، آپ سے ہم عدلان کے بارے میں تفصیلات ضرور معلوم کریں گے، راجہ ہدایت خان کے خلاف ہمارے دل میں نفرتوں کے جو پہاڑ بنے ہوئے تھے، آپ نے وہ پہاڑ گرا دیئے لیکن عدلان......!“ سجاد حسین ایک بار پھر گردن جھکا کر بیٹھ گئے تھے، کافی دیر تک وہ سوچوں میں ڈوبے رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ”قید کے دوران راجہ ہدایت خان یا آپ کے کہنے کے مطابق اب ایک بالکل ہی نئے شخص عدلان نے آپ پر تشدد تو کیا ہو گا؟“

”ہاں کئی بار اس نے مجھے اپنے ناپاک ہاتھوں سے مارا پیٹا، مجھے حویلی سے دور ایک دور دراز ڈاک بنگلے میں تہہ خانے میں رکھا گیا تھا جو اصل میں ڈاک بنگلہ نہیں تھا، بلکہ شاید وہ عدلان کا عقوبت خانہ تھا جہاں وہ اپنے دشمنوں کو لے جا کر اذیتیں دیا کرتا تھا، تہہ خانے میں بھی مجھے اکثر چیخوں کی آواز سنائی دیتی تھی اور میں وہاں سخت تکلیف میں تھی، لیکن پھر ایک دن اس نے مجھے وہاں سے نکالا اور نکالنے کے بعد حویلی میں لے آیا، غالباً اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ اس تشدد خانے میں کوئی میرے پاس پہنچ کر مجھے نکال سکتا ہے۔ میری تقدیر میرا ساتھ دے رہی تھی کہ مجھے اس نے حویلی میں منتقل کر دیا، جہاں سے میرے اس ہمدرد نے مجھے نکال کر یہاں تک پہنچایا۔“

سجاد حسین پر خیال انداز میں کچھ سوچنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ آخر کار انہوں نے کہا۔ ”آپ آرام کیجئے، بالکل بے فکر ہو جائیں، انشاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کی حفاظت اپنی زندگی سے زیادہ کریں گے، شمشاد علی کے سلسلے میں آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیجئے جیسے ہی ہم صورتحال کو مناسب سمجھیں گے، آپ کو شمشاد علی سے ملا دیا جائے گا لیکن ابھی ذرا ہمیں حالات کو اپنے قابو میں رکھنا ہے۔“

رانیہ نے گردن ہلا دی تھی، یہ لوگ آرام کرنے چلے گئے تو سجاد حسین نے حیات علی سے کہا۔ ”ہاں حیات علی! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

صفحہ نمبر:......2

’’دیکھ لیجئے آپ! فرزان نے رانیہ تک رہنمائی کی ہے، لیکن ثنا کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا ہے، وہ بھی آپ نے سن لیا، اگر ہم ثنا کو حاصل کرنے کیلئے کوئی کوشش کرتے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ثنا کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔‘‘

’’خود میرا بھی یہی خیال ہے کہ ابھی ہم فرزان سے تعاون کریں،

’’خاقان! وہ لڑکا شمشاد علی جس سے رانیہ کی شادی ہوئی تھی اور جسے ہم نے جیل سے آزاد کرا دیا تھا، ایک بار پھر ہمیں درکار ہے، جیسے ہی موقع ملے اسے اٹھا لاؤ اور ڈاک بنگلے والے تہہ خانے میں پہنچا دو۔‘‘

’’جو حکم مالک!‘‘ خاقان نے چراغ کے جن کی طرح گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

’’جاؤ، کام جس قدر جلد ہو، مناسب ہے، کچھ اور بھی کام کرنے ہیں
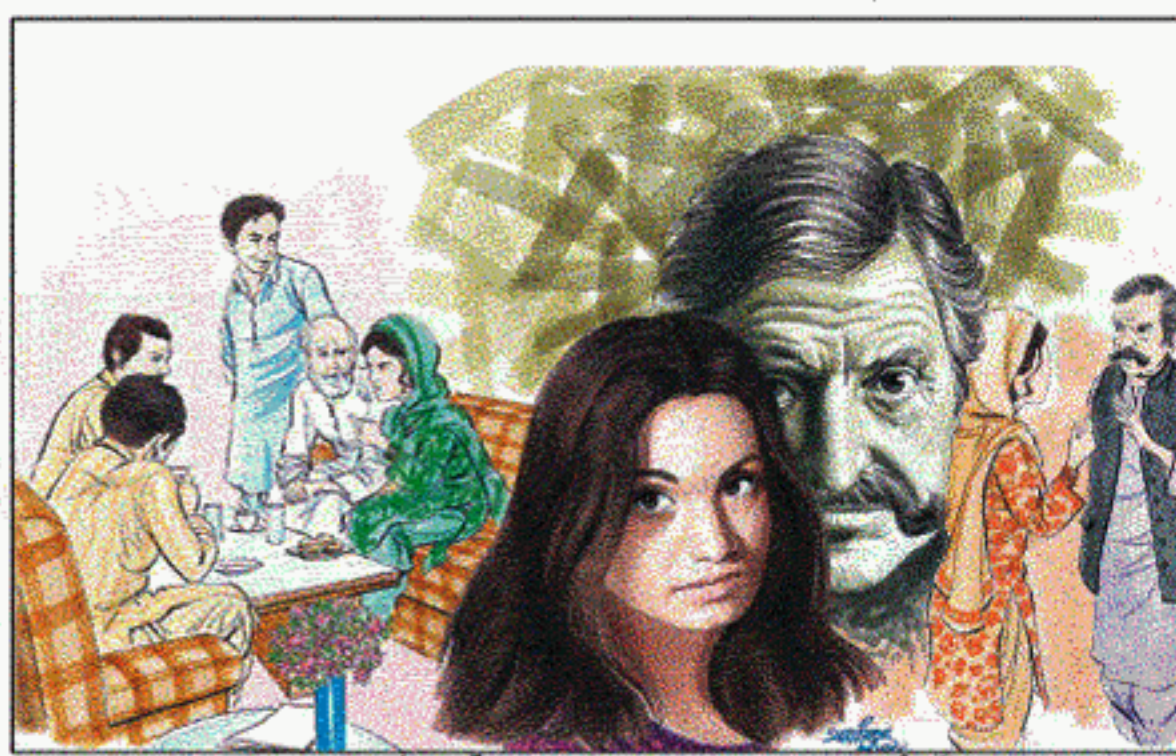
ویسے بھی اب یہ دیکھنا ہے کہ رانیہ کی گمشدگی کے بعد راجہ ہدایت خان کا کیا ردعمل ہوتا ہے، ویسے رانیہ نے عجیب انکشاف کیا ہے، یہ عدلان آخر کون ہے؟‘‘

’’رانیہ اس کے بارے میں جانتی ہے۔‘‘

’’ہاں رانیہ سے سارے سوالات ایک دم ہی کر لینا مناسب نہیں ہے، اسے تھوڑا سا آرام کرنے دیا جائے، اس کے بعد ہم اس سے عدلان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔‘‘

حیات علی نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان نجانے کیسے کیسے معاملات میں مصروف رہتا تھا، بہت بار ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس کے جو مرید یا دوسرے معنوں میں کلائنٹس اس کے پاس اپنے مسائل کیلئے آتے تھے، وہ ان لوگوں سے ایسے لوگوں کو منتخب کر کے جو آگے چل کر اس کے کام کے ثابت ہو سکتے تھے، ان کیلئے کام کرتا تھا اور اس سلسلے میں اسے حویلی سے باہر بھی جانا ہوتا تھا چنانچہ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

ثنا سے اس نے کہا تھا کہ وہ رانیہ کے بارے میں خواب دیکھے اور معلوم کرے کہ اگر کاغذات سنت پر میشوری کے پاس نہیں پہنچائے گئے تھے تو پھر وہ کہاں ہیں، لیکن اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا اور جیسے ہی اس کے کام کی تکمیل ہوئی، وہ واپس اپنی حویلی چل پڑا۔

ثنا کے بارے میں اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ زخمی ہو گئی ہے اور اسے کچھ توقف کرنا پڑے گا، لیکن حویلی پہنچنے کے بعد اسے اپنے مخصوص ذرائع سے رانیہ کی گمشدگی کا علم ہوا تو وہ بھڑک کر رہ گیا، خاقان اور نور دین کے ذریعے ان لوگوں کو طلب کر لیا گیا جو رانیہ کی حفاظت کیلئے مامور تھے۔ یہ دو افراد تھے جنہوں نے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے بتایا کہ وہ تو اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھے، نجانے وہ کونسی قوت تھی جو رانیہ کو حویلی کے تہہ خانے سے نکال کر لے گئی۔

راجہ ہدایت خان ان چوکیداروں سے تفصیل معلوم کرتا رہا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔ ’’بہر حال ایسا کرو خاقان! انہیں اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے ڈاک بنگلے پہنچا دو، وہ لوگ جو اپنے کاموں میں ناکام رہتے ہیں، ڈاک بنگلے پہنچ کر آرام کی زندگی گزارتے ہیں۔‘‘

ڈاک بنگلہ وہ جگہ تھی جہاں پہلے رانیہ کو رکھا گیا تھا اور راجہ ہدایت خان، ثنا کو وہاں لے گیا تھا اور اس نے ثنا کو اپنے کام کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی اور دو آدمیوں کو ثنا کے سامنے قتل کر دیا تھا۔

ڈاک بنگلہ اصل میں راجہ ہدایت خان کا عقوبت خانہ تھا اور راجہ ہدایت خان اس قدر تعلقات رکھتا تھا کہ یہ سرکاری عمارت بھی اس سے لینے والا کوئی نہیں تھا، دونوں چوکیدار غالباً ڈاک بنگلے کے بارے میں جانتے تھے، انہوں نے رونا اور گڑگڑانا شروع کر دیا، رو رو کر فریاد کی کہ ایک دفعہ انہیں معاف کر دیا جائے تو راجہ ہدایت خان نے نرم لہجے میں کہا۔ ’’نہیں بھئی تم لوگوں کو وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور آرام سے رہو گے، لے جاؤ انہیں، کیا انتظار کر رہے ہو۔‘‘

جب وہ دونوں چلے گئے تو راجہ ہدایت خان سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے اپنے سامنے ایک کاغذ پھیلایا اور پنسل سے اس پر عجیب و غریب دائرے بنانے لگا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہو کر اس طرف چل پڑا جہاں ثنا کا قیام تھا۔

ثنا کے پاس پہنچ کر اس نے پیار بھری آواز میں کہا۔ ’’تمہارے زخم اب کیسے ہیں ثنا......؟‘‘

’’ٹھیک ہوں راجہ صاحب! بس اتفاق ہی تھا کہ اتنی زور کی چوٹ لگ گئی۔‘‘

’’نہیں ثنا ایسی بات مت کرو، یہ اتفاق نہیں تھا بلکہ تمہاری ایک محنت تھی، بلاوجہ سر پر چوٹ کا نشان سجا لیا، ارے ویسے ہی مجھ سے کہہ دیتیں کہ حیات علی کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکتی اور رانیہ کے بارے میں خواب دیکھنے کا مطلب یہ تھا کہ حیات علی کے سارے منصوبے فیل ہو جائیں، چلو ٹھیک ہے ثنا لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، تم کچھ بھی کر لو، میں تمہیں اس غداری کی سزا ضرور دوں گا، تمہیں فرزان کی مدد حاصل ہے نا، لیکن ایک بات میری بھی تم نوٹ کر لو کہ فرزان کو میں تمہارے ذریعے ہی شکار کروں گا اور تمہیں ایک ایسی سزا سے دوچار کروں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی، رانیہ نکل گئی ہے یہاں سے اور میں جانتا ہوں حیات علی نے ہی اس سلسلے میں کچھ کیا ہے، میں نے کہہ تو دیا ہے اس سے کہ کاغذات میرے حوالے کر دے لیکن اب رانیہ بھی ان کے پاس پہنچ چکی ہے، میں اس سے رانیہ کو مانگوں گا کیونکہ بہر حال ابھی وہ میرے کام کی ہے، تھوڑے سے کام کی ہے او کے، ذرا اپنے زخموں کا جلدی علاج کرا لو کیونکہ اس کے بعد تمہیں زندگی کی ایک طویل مہم پر نکلنا ہے، کیا سمجھیں......؟‘‘

’’آپ کچھ بھی کہہ لیں، مجھے افسوس ہے کہ آپ بار بار میری طرف سے بدظن ہو جاتے ہیں اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ زندگی کے کسی بھی حصے میں آپ میرے اوپر بھروسہ نہیں کر سکتے۔‘‘

راجہ ہدایت خان ہنستا ہوا ثنا کے پاس سے چلا آیا اور ثنا دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب اس بات پر اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ راجہ ہدایت خان کے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکتی۔

ادھر راجہ ہدایت خان وہاں سے جانے کے بعد ایک کمرے میں پہنچ گیا اور اس نے سجاد حسین سے فون ملوایا، نور دین یہ کام کر رہا تھا، ایس ایس پی سجاد حسین سے رابطہ قائم ہو گیا تو راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ’’میرا نام راجہ ہدایت خان ہے اور تم مجھے جانتے ہو، ایس ایس پی صاحب کہ ایک چھوٹی سی غلطی ہو گئی ہے تمہارے آدمی سے انسپکٹر حیات علی ہے اس کا نام، میرے ہاں سے ایک لڑکی کو نکال کر لے گیا ہے وہ اور یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ اس کی سرپرستی تم کرتے ہو، ایس ایس پی صاحب! پہلے میں نے آپ سے کاغذات مانگے تھے، ابھی تک آپ نے وہ کاغذات میرے پاس نہیں پہنچائے بلکہ آپ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہے اور آپ نے وہ لڑکی بھی وہاں سے نکلوا لی، کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ شہر میں قتل عام ہو جائے اور وہ بھی آپ کے حوالے سے...... ہو جائے گا ایسا، میں پیشگوئی کر رہا ہوں اس بات کی، تین دن کا ٹائم دیتا ہوں آپ کو، تین دن کے اندر اندر رانیہ کو مع کاغذات لے کر میرے پاس پہنچ جائیں، سارے جھگڑے ختم کر دوں گا، بھول جاؤں گا کہ کیا ہوا تھا لیکن تین دن گزرنے کے بعد جو ہوگا، وہ آپ کی ذمے داری ہوگی، بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا۔‘‘ راجہ ہدایت خان نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ دیر تک سوچتا رہا تھا پھر اس نے خاقان کو طلب کر لیا۔

’’جی راجہ صاحب......؟‘‘

ہمیں جو بعد میں تمہیں بتائیں گے۔‘‘

’’جو حکم مالک!‘‘ اس نے پھر اسی انداز میں گردن جھکائی اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد راجہ ہدایت خان کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا، ایک بار پھر وہ ثنا حیدر کے سامنے تھا۔

’’ثنا! ہم نے بڑے اعتماد کے ساتھ تمہیں آزادی دی تھی اور کہیں سے نکال کر کہیں پہنچا دیا تھا، اپنے جذبات بھی بتائے تھے تمہیں، لیکن تم نے دل سے ہماری بات مانی ہی نہیں، اب اگر ہمیں بے وقوف نہیں سمجھتیں تو پھر یہ ضرور سمجھ لو کہ ہمیں تمہارے بارے میں ساری تفصیل معلوم ہو چکی ہے، کچھ باتوں کا جواب دو گی ہمیں؟‘‘

ثنا نے بے بسی سے راجہ ہدایت خان کو دیکھا اور بولی۔ ’’میں تو آپ کی ہر بات کا جواب دینے کی پابند ہوں راجہ صاحب!‘‘

’’پہلے پابند نہیں تھیں، اب البتہ ہو گئی ہو، مجبوری ہے ثنا! دیکھو، ہم کسی سے کوئی دشمنی نہیں رکھتے، لیکن اگر کوئی ہمیں دشمن بنانے پر آمادہ ہو جائے تب تو انسان مجبور ہوتا ہی ہے، صورتحال یہ ہے کہ فرزان نے تمہیں اپنی آنکھوں کا علم دیا، دراصل اس علم کی ہمیں ضرورت تھی کیونکہ ہم اس سے بڑے بڑے کام لے سکتے تھے، ہم نے تمہیں دیکھنے کے بعد فیصلہ بدلا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ لڑکی ہماری مرید بن جائے اور ہمارے کہنے پر کام کرے تو ہمیں کئی فائدے ہو سکتے ہیں لیکن ثنا یہ بات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے کہ جس کے ساتھ ہم احسانات کریں یا جس کیلئے ہم دل میں اچھے خیالات رکھیں، وہ ہم سے غداری کرے، ثنا! اب تمہیں ہمارے لئے ایک کام کرنا ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے، کیا سمجھیں؟‘‘

’’میں کیا سمجھوں گی راجہ صاحب! آپ جو حکم دیں گے، وہی کرنا ہے مجھے اور کرتی رہوں گی۔‘‘

’’ہاں یہ ایک کسوٹی ہے، ٹھیک ہے، آرام کرو، لیکن افسوس ایک بار پھر تمہیں یہاں سے ہٹانا پڑے گا کیونکہ وہ لوگ یہیں سے رانیہ کو لے کر گئے ہیں، ان کے پاس کیا ذرائع ہیں، یہ بھی معلوم کرنا ہے، چلو ٹھیک ہے، تیار رہنا۔‘‘ راجہ ہدایت خان پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ثنا ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لینے لگی۔ پتہ نہیں یہ شیطان اب اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے سوچا۔

☆......☆......☆

سجاد حسین پریشان تھے۔ حالات نے عجیب رخ اختیار کر لیا تھا، پولیس ہر حال میں قانون کی برتری چاہتی ہے، راجہ ہدایت خان ایک بڑا انسان تھا لیکن اس نے اپنے گرد اتنا مضبوط حصار بنا لیا تھا کہ اسے توڑنا ممکن نہیں تھا اور اب تو سجاد حسین صاحب مزید پریشان ہو گئے تھے جب انہیں رانیہ سے پتہ چلا تھا کہ یہ راجہ ہدایت خان نہیں ہے۔

رانیہ سے ابھی تک عدلان کے بارے میں نہیں معلوم ہوا تھا، وہ لوگ کچھ دوسرے معاملات میں الجھ گئے تھے اور پھر اس کے بعد راجہ ہدایت خان کی طرف سے یہ خطرناک دھمکی ملی تھی۔ سجاد حسین اچھی طرح جانتے تھے کہ جو بھی کوئی حیثیت ہے، وہ الگ نوعیت رکھتی ہے اور اس کے بارے میں جب تک بہت ہی ٹھوس کارروائی نہ ہو، یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ راجہ ہدایت خان اصل راجہ ہدایت خان نہیں ہے، یہ مسئلہ تو خیر بعد کا تھا، اس کام کو اپنے طور پر کیا جا رہا تھا اور اسے ابھی تک کوئی سرکاری حیثیت نہیں دی گئی تھی، حالانکہ سجاد حسین یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حیات علی اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان ہے۔

نوجوان پولیس آفیسر تھا، اپنی منگیتر کی گمشدگی پر کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا تھا، لیکن سجاد حسین جانتے تھے کہ وہ غلط قدم حیات علی کیلئے غلط ہی ثابت ہوگا، وہ اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تھے۔ یہ تمام باتیں ان کے ذہن میں بری طرح چبھ رہی تھیں، ابھی تک چاند بابا اور رانیہ انہی کے مہمان تھے اور سجاد حسین کو اس سلسلے میں بھی کافی محتاط رہنا پڑ رہا تھا۔

بہر حال حیات علی کو طلب کیا اور جب وہ پہنچ گیا تو انہوں نے اسے تفصیل بتائی۔ حیات علی کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ ’’میں کوئی احمقانہ اور جذباتی بات نہیں کہنا چاہتا سر...... لیکن کیا طاقتور اور صاحب اختیار لوگوں کے ہاتھوں قانون بالکل بے بس ہو جاتا ہے، کیا قانون میں کوئی ایسی شق نہیں ڈالی جا سکتی جس کے تحت ایسے لوگوں کی گرفت کی جا سکے؟‘‘

’’میں تمہاری جذباتی کیفیت کو جانتا ہوں، مگر تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ ایسی کوئی شق قانون میں نہیں ہے، ہم میں سے کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے، قانون توڑنے والے تو اپنا کام کرتے ہیں، ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم قانون توڑنے والوں سے قانون کو محفوظ رکھیں اور انہیں بہت زیادہ آگے بڑھنے کا موقع نہ دیں۔‘‘

’’جی سر......! اب مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص نے کہا ہے کہ شہر میں قتل عام ہو جائے گا اور وہ بھی آپ کے حوالے سے، ایسے لوگوں سے کوئی بات بعید نہیں ہے، ماضی میں ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں، ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کی اس رہائشگاہ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے۔‘‘

’’ویسے تو میں سیکورٹی سخت کر سکتا ہوں لیکن میرا اپنا یہ خیال ہے کہ رانیہ اور چاند بابا کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔‘‘

’’کہاں رکھیں گے سر......؟‘‘

’’میرے پاس ایک فلیٹ ہے جس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ میری ملکیت ہے، خالی پڑا ہوا ہے، میں ان دونوں کو وہاں منتقل کئے دیتا ہوں اور سیکورٹی کے چند افراد سادہ لباس میں ان کے گرد پھیلائے دیتا ہوں، میرا خیال ہے راجہ ہدایت خان کو یہ معلوم کرنے میں وقت ہوگی کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟‘‘

’’یقیناً سر! اگر آپ مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے۔‘‘ حیات علی نے کہا۔

’’ہونے کو تو سب کچھ ہو سکتا ہے حیات علی، بہر حال ہمارے پاس اختیارات ہیں، ہم کوئی بھی ذریعہ استعمال کر سکتے ہیں، راجہ ہدایت خان پر ہاتھ ڈالنے کیلئے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بعد میں ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، میں نہیں چاہتا کہ کوئی ہلکا قدم اٹھاؤں۔‘‘

’’سر! آپ میرے لئے انتہائی محترم ہیں، کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا جو جذباتی حیثیت رکھتی ہو لیکن سر میرے دل میں دوہرا زخم ہے، پہلا تو یہ کہ میری منگیتر کو کسی نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے، دوسرا یہ کہ میں خود اسے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پھنسانے کیلئے لے گیا تھا اور جب وہ مصیبت میں گرفتار ہو گئی تو یہ جاننے کے باوجود کہ وہ کہاں ہے، میں اسے آزاد کرانے میں ناکام رہا ہوں، ایک بار اسے مجھ سے بات کرنے کا موقع ملا تھا، اس کے بعد وہ یہ بھی نہیں کر سکی، میں نہیں جانتا کہ وہ کن مصائب کا شکار ہے، میں ایک ذمے دار پولیس افسر ہوں، لیکن میں اس کی رہائی کیلئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔‘‘ حیات علی کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

سجاد حسین نے شرمندگی کے انداز میں اسے دیکھا اور بولے۔

’’ذمے دار تو میں بھی ہوں حیات علی کیونکہ شمشاد علی کی رہائی میرے ذہن میں تھی، تم جانتے ہو کہ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا، یہ صرف انسانیت کے رشتے تھے جو ہمیں اس طرف لائے، میں نے تم سے اظہار کیا اور تم اس کیلئے آمادہ ہو گئے کہ شمشاد علی کے گناہ اور بے گناہی کی تفتیش کرو لیکن بات دوسری شکل اختیار کر گئی۔‘‘

’’نہیں سر......! ہماری نیک نیتی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔‘‘

’’اسی لئے میں نہیں چاہتا حیات علی کہ تم جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھا بیٹھو جو تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو، بہر حال قانون کی وردی پہننے سے پہلے ہم اس بات کا حلف اٹھاتے ہیں کہ کبھی قانون شکنی نہیں کریں گے، بس یہی احساس مجھے بھی روکے ہوئے ہے، ورنہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں اتنا بے حس ہوں کہ ثنا کی اس طرح بے حرمتی برداشت کر سکوں۔‘‘ دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر اچانک ہی حیات علی نے کہا۔ ’’سر......! رانیہ، شمشاد علی کی بیوی ہے، جن حالات میں دونوں جدا ہوئے تھے، وہ انتہائی سنگین اور دکھ بھرے تھے، بہر حال دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کا پیار تو تھا ہی اب انہیں ایک دوسرے کی کوئی خبر نہیں ہے۔‘‘

سجاد حسین مسکرا دیئے پھر بولے۔ ’’تمہارے دل میں محبت کے جذبات بسے ہوئے ہیں، میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو، لیکن مجھے ایک بات بتاؤ اگر شمشاد علی کو یہ بات بتا دی جائے کہ رانیہ آزاد ہو چکی ہے اور ہماری تحویل میں ہے تو کیا وہ بے اختیار نہیں ہو جائے گا؟‘‘

’’ہو تو جائے گا سر! لیکن مصلحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اسے رانیہ کے پاس پہنچا دیا جائے اور خاص طور سے ان حالات میں جبکہ راجہ ہدایت خان ہمیں یہ دھمکی دے رہا ہے، وہ یقینی طور پر اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔‘‘

’’میں سمجھ رہا ہوں۔‘‘

’’پہلے ذرا رانیہ سے عدلان کی تفصیل معلوم ہو جائے، ہو سکتا ہے ہمیں کوئی ایسا سراغ مل جائے جو راجہ ہدایت خان کی طرف ہماری رہنمائی کر سکے کہ وہ کہاں ہے، عدلان کا ماضی رانیہ کو ضرور معلوم ہوگا۔‘‘

’’ہاں یہ تو ہے، لیکن میرا خیال ہے اس سے پہلے ہم رانیہ کو اس فلیٹ میں منتقل کرنے کا کام کر دیں۔‘‘

’’آپ مجھے حکم دیجئے سر!‘‘

’’نہیں میں اپنے آپ کو اور تمہیں اس فلیٹ سے بالکل دور رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ راجہ ہدایت خان صاحب اختیار بھی ہے اور پراسرار علوم کا ماہر بھی، ہمیں محتاط رہنا چاہئے، کوئی مناسب موقع دیکھ کر ہم رانیہ کے پاس جائیں گے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ عدلان کون ہے۔‘‘

’’تو پھر کیا پروگرام ہے آپ کا؟‘‘

’’میں بندوبست کرتا ہوں۔‘‘ سجاد حسین نے کہا اور پھر وہ اپنے کسی ماتحت کو کال کرنے لگے، چند لمحات کے بعد رابطہ قائم ہو گیا تو انہوں نے کہا۔ ’’مرزا قیوم! تم بارہ اسکوائر چلے جاؤ، بارہ اسکوائر میں میرے فلیٹ کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہی ہے، ہاں ہاں وہ بند پڑا ہوا ہے، چابی غالباً نیاز کے پاس ہے، تم یہ کرو مرزا قیوم کہ نیاز کو ساتھ لے کر وہاں چلے جاؤ، وہاں کی صفائی ستھرائی کرا دو اور حیدر خان کو میرے پاس بھیج دو ایک بند گاڑی لے کر، ایسی گاڑی جس میں باہر سے اندر نہ جھانکا جا سکے، ہاں میرے پاس بھیج دو ٹھیک ہے، نہیں بھئی یہ کام فوراً ہو جانا چاہئے۔‘‘ سجاد حسین نے سلسلہ منقطع کر دیا پھر وہ دونوں رانیہ کے پاس پہنچ گئے۔ رانیہ اور چاند بابا متفکر بیٹھے ہوئے تھے، ان دونوں کو دیکھ کر دونوں سنبھل گئے۔

’’آپ لوگ میرے لئے اتنا کچھ کر رہے ہیں جناب! میں آپ کو ان کاوشوں کا کیا صلہ دے سکوں گی، ایک درخواست کرنا چاہتی تھی آپ سے، اگر آپ قبول فرمائیں تو؟‘‘

’’جی کہئے رانیہ......!‘‘

’’سر! کیا آپ میری رہائی کی اطلاع شمشاد علی کو دے سکتے ہیں؟‘‘

’’ہاں رانیہ! بالکل دے سکتے ہیں بلکہ جلد ہی میں تمہاری ملاقات شمشاد علی سے کرا دوں گا، تمہیں معلوم ہے کہ جس طرح ہم تمہیں وہاں سے لے کر آئے ہیں، اس سے راجہ ہدایت خان کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی، اس نے ہم سے رابطہ قائم کر کے بڑی بڑی دھمکیاں دی ہیں، بس ہمیں ایک محتاط رویہ اختیار کرنا پڑا ہے، ورنہ ہم تمہیں شمشاد علی کے گھر تک پہنچا دیتے۔‘‘

’’سر! میں شمشاد علی کیلئے بہت پریشان ہوں، میرا دل تڑپتا ہے سر اس سے ملنے کیلئے۔‘‘

’’رانیہ! ہم تمہیں یہاں سے منتقل کر رہے ہیں، میں تمہیں ایک فلیٹ میں بھیج رہا ہوں، وہاں تم اور چاند بابا ساتھ رہو گے، فلیٹ میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ ایک موبائل سیٹ تمہیں دے دیا جائے گا، جس پر تم میرے آدمیوں سے رابطہ قائم رکھو گی، یہ لوگ تمہارے فلیٹ کے ارد گرد رہ کر تمہاری حفاظت کریں گے، جیسے ہی مجھے موقع ملا، میں شمشاد علی کو تمہارے پاس پہنچا دوں گا، گو یہ ملاقات عارضی ہوگی، لیکن بہر حال میں اس کا بندوبست کر دوں گا، میرا خیال ہے تم تیاریاں کر لو، میرے آدمی تمہیں حفاظت کے ساتھ وہاں تک لے جائیں گے۔‘‘

’’بہتر جناب! جیسا آپ کا حکم۔‘‘

’’میں موقع ملتے ہی تم سے فلیٹ پر ملاقات کروں گا اور عدلان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔‘‘

’’جناب! وہ بے حد خطرناک انسان ہے، خدارا اپنی بھی حفاظت کیجئے گا اور شمشاد علی کی بھی...... وہ شخص گندے علوم کا ماہر ہے، اپنا ایمان کھو چکا ہے جبکہ راجہ ہدایت خان ایسے انسان نہیں تھے، میں آپ کو اس بارے میں مکمل تفصیل بتاؤں گی۔‘‘

’’ہاں، لیکن فی الحال ہمیں ذرا دوسرے راستے اختیار کرنے ہیں۔‘‘

’’بہت بہتر......!‘‘

مرزا قیوم نے تمام بندوبست کر دیا تھا، چنانچہ رانیہ کو اس بند گاڑی میں پہنچا دیا گیا، اس کیلئے مزید احتیاط کرتے ہوئے سجاد حسین نے ایک برقع بھی مہیا کیا تھا اور پھر وہ حیات علی کو رخصت کر کے خود بھی تیار ہو کر آفس چل پڑے۔

یہ عجیب و غریب کیس تھا جس نے سجاد حسین کو سخت پریشان کر دیا تھا، کیس بالکل ذاتی حیثیت اختیار کر گیا تھا، سرکاری طور پر پھر بھی کچھ مراعات مل سکتی ہیں، لیکن سجاد حسین کو اس بات کا اندازہ تھا کہ راجہ ہدایت خان یا اس نامعلوم شخص نے جس کی کہانی ابھی پس پردہ تھی، اپنے اختیارات بے حد وسیع کر لئے تھے۔

نجانے بیچارہ راجہ ہدایت خان کہاں ہے وہ کسی اور شخص کے مظالم کا شکار ہو رہا تھا اور اس کی اپنی ذات بری طرح بدنام ہو چکی تھی، آفس میں بھی سجاد حسین بہت دیر تک اسی معاملے پر سوچتے رہے تھے۔

پھر مرزا قیوم نے رانیہ کے بحفاظت فلیٹ پر منتقل ہونے کی اطلاع دی اور سجاد حسین اسے ہدایت کرنے لگے کہ فلیٹ پر ضرورت کی تمام اشیاء پہنچا دی جائیں اور ان لوگوں کی بھرپور خبر گیری رکھی جائے۔ دوسرے دن انہوں نے فیصلہ کیا کہ شمشاد علی سے رابطہ کر کے یہ اطلاع دی جائے کہ رانیہ وہاں سے رہا ہو کر آ چکی ہے اور اسے اس سے ملاقات کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ حیات علی سے مشورہ کیا تو اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی۔

سجاد حسین اپنا پروگرام ترتیب دینے لگے اور پھر دوسری ہی شام وہ سادہ لباس میں محفوظ علی کے گھر کی جانب چل پڑے۔ اس دوران محفوظ سے کوئی رابطہ نہیں قائم ہوا تھا اور شمشاد علی کے معمولات کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوئی تھی، بالکل ہی بدلے ہوئے انداز میں وہ محفوظ علی کے گھر پہنچے دروازے پر دستک دی تو محفوظ علی نے ہی دروازہ کھولا تھا، لیکن اندر کی حالت کچھ بہتر نظر نہیں آ رہی تھی، محفوظ علی نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور شاید پہچان لیا، وہ رندھی ہوئی آواز میں بولے۔ ’’بھائی صاحب! میرے شمشاد کو اغوا کر لیا گیا ہے۔‘‘

(جاری ہے)

بند آنکھیں

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

ایم اے راحت

قسط : 13

محفوظ علی کے یہ الفاظ کچھ لمحوں تک تو سمجھ میں ہی نہیں آئے، عجیب سی کیفیت میں انہوں نے یہ بات بتائی تھی۔

سجاد حسین نے حیات علی کو دیکھا تو حیات علی نے کہا۔ ”ہاں بھائی میرے شمشاد علی پر بہت برا وقت چل رہا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم لوگ اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوگئے ہیں۔“

”کیا آپ ہمیں تھوڑی سی تفصیل بتائیں گے؟“

”اندر آجایئے بھائی۔“ اندر بھی آہیں اور سسکیاں پھیلی ہوئی تھیں، محفوظ علی کی بیگم اور بیٹی کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں، سجاد حسین نے بیٹھنے کیلئے ایک جگہ منتخب کی اور بولے۔ ”اسے کیسے اغوا کرلیا گیا، آپ کو کب پتہ چلا؟“

”شام کو دروازے کی گھنٹی کسی نے بجائی، میں نماز پڑھ کر فارغ ہوا تھا، جائے نماز وغیرہ اٹھا کر رکھی، دروازہ خود میں ہی کھولتا ہوں، بیوی یا بیٹی کو اجازت نہیں ہے کہ گھنٹی بجنے پر وہ دروازہ کھول کر دیکھے، میں باہر گیا تو کوئی نہیں تھا، البتہ پڑوسی حشمت علی، ان کی بیگم اور بچے اور کچھ دوسرے لوگ حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ بیل کس نے بجائی تو حشمت علی نے جواب میں کہا کہ شمشاد علی دفتر سے آیا تھا، اس دروازے پر پہنچا تھا کہ ایک تیز رفتار گاڑی آپ کے دروازے کے پاس آئی اور دوسرے لمحے کچھ لوگوں نے اسے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا اور گاڑی رفو چکر ہوگئی۔“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے؟“

”ہاں بھیا......!“

سجاد حسین نے تاسف بھری نگاہوں سے بوڑھے محفوظ علی کو دیکھا جس کی تقدیر میں واقعی دکھ ہی دکھ لکھ گئے تھے۔ اس نے کہا۔ ”محفوظ علی صاحب! آپ پولیس اسٹیشن کیوں نہیں گئے؟“

”ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں بھائی! گھٹنے ساتھ نہیں دیتے، اب تو یوں لگتا ہے جیسے زندگی کا قرض ادا کررہا ہوں، اکلوتا بیٹا ایسی مصیبتوں میں پھنس گیا ہے کہ بتا نہیں سکتا۔“

”کسی نے اس گاڑی کا نمبر وغیرہ تو نہیں دیکھا؟“

”پوچھا تھا میں نے، بس کہتے ہیں کہ سرخ رنگ کی گاڑی تھی، بڑی والی اور جن لوگوں نے شمشاد علی کو گاڑی میں ٹھونسا تھا، وہ ہٹے کٹے لوگ تھے، میری کمر ٹوٹ گئی ہے بھائی......! پتہ نہیں کیا لکھا ہے تقدیر میں، اب کیا کروں؟“

محفوظ علی رونے لگے تو سجاد حسین نے انہیں دلاسا دیا پھر بولے۔ ”آپ فوراً پولیس اسٹیشن جاکر اس واقعے کی رپورٹ درج کرائیں، حشمت علی کو ساتھ لے لیں جنہوں نے وہ سب کچھ دیکھا ہے، یہ ابتدائی قانونی کارروائی ہے، آپ اس سے کیوں گریز کررہے ہیں؟“

محفوظ علی نے لاچار نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھا پھر بولے۔ ”ٹھیک ہے بات کرتا ہوں حشمت علی سے۔“

پھر وہ سجاد حسین کے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ حشمت علی شریف آدمی تھے، پڑوس کے ایک دو اور افراد بھی تھانے جانے کیلئے تیار ہوگئے، سجاد حسین نہیں جانتے تھے کہ مقامی تھانہ انچارج ان سے تعاون کرے گا یا نہیں چنانچہ وہ ان لوگوں سے پہلے حیات علی کے ساتھ تھانے پہنچ گئے۔

یہاں کا انچارج باسط حسین نامی ایک شخص تھا، سجاد حسین کو پہچانتا تھا، سجاد حسین اس وقت وردی میں نہیں تھے لیکن پھر بھی باسط حسین جلدی سے کھڑا ہوگیا اور اس نے بڑے احترام کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہا۔ ”آیئے سر......!“

”باسط! ابھی تھوڑی دیر کے بعد محفوظ علی نامی ایک صاحب آنے والے ہیں، ان کے بیٹے کو اغوا کرلیا گیا ہے، اس کی ایف آئی آر درج کرو۔“

”بہتر سر! جیسے ہی وہ آئیں گے، سر میں آپ کیلئے......!“

”نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، بس ذرا ان کا کام آرام سے کردو۔“

سجاد حسین سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ ”کیا کہتے ہو حیات علی......؟“

”یہ رانیہ کی گمشدگی کا ردعمل ہے، راجہ ہدایت خان...... اس نے شمشاد علی کو اغوا کرالیا ہے۔“

”پانی سر سے اونچا ہوتا جارہا ہے، اگر ایسی بات ہے حیات علی تو پھر دو ہی صورتیں ہیں، ہمیں پولیس کی نوکری چھوڑ دینی چاہئے یا پھر اس راجہ ہدایت خان کو شکنجے میں کسنا چاہئے، یہ شخص جس کے بارے میں رانیہ نے کہا ہے کہ وہ اصلی راجہ ہدایت خان نہیں ہے، مجھے بہت بڑا جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے، پتہ نہیں اس کی پہنچ کہاں تک ہے، میرا خیال ہے اب احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر رانیہ سے عدلان کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جائیں، دیکھیں تو سہی عدلان ہے کون اور اس کا ماضی کیا ہے، ہوسکتا ہے وہیں سے ہمیں کچھ اس طرح کے سراغ مل جائیں جن کی بنیاد پر ہم عدلان یا راجہ ہدایت خان کو اپنے شکنجے میں جکڑ سکیں۔“

پھر محفوظ علی، حشمت صاحب کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے، سجاد حسین کی طرف سے چونکہ ہدایات جاری کردی گئی تھیں، ان کی موجودگی میں ہی باسط حسین نے ایف آئی آر لکھوائی، سرخ رنگ کی کار کا نمبر نہیں دیکھا جاسکا تھا لیکن بہرحال ایف آئی آر لکھ لی گئی۔

سجاد حسین انہیں وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ”تھوڑی احتیاط کے ساتھ ہم لوگ فلیٹ پر چلتے ہیں، رانیہ سے عدلان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، اب یہ بہت ضروری ہوگیا ہے۔“

حیات علی بھی اس کیلئے تیار ہوگیا تھا، چنانچہ وہ فلیٹ کی جانب چل پڑے اور تعاقب وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے آخرکار وہاں پہنچ گئے۔ سیکورٹی کے وہ افراد جن کی ڈیوٹی وہاں لگی تھی، اپنے کام پر مستعد تھے، سجاد حسین اور حیات علی فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئے، حیات علی نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی اور انتظار کرنے لگا۔

اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تھی لیکن کچھ دیر گزرنے پر بھی کوئی نہ آیا تو حیات علی نے دوبارہ گھنٹی بجائی، سجاد حسین قرب و جوار کا جائزہ لے رہے تھے، دوسری بار بھی جب کسی نے دروازہ نہیں کھولا تو حیات علی نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل گیا، اندر کی خاموشی اور دروازے کا اس طرح کھل جانا بڑی دہشت کی بات تھی۔

سجاد حسین، حیات علی سے پہلے اندر داخل ہوئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگے پھر وہ سامنے ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے کی جانب لپکے، حیات علی بھی ساتھ ہی تھا، دونوں ہی کو کسی خطرے کا بخوبی احساس ہوگیا تھا۔

ان کا خیال درست نکلا، ڈرائنگ روم کے سامنے فرش پر چاند بابا زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس کی گردن مختلف سمت کو گھومی ہوئی تھی، زمین پر بہتے ہوئے خون کے نشانات موجود تھے، سجاد حسین کے منہ سے ایک آواز نکلی اور انہوں نے کہا۔ ”حیات علی! رانیہ کو دیکھو۔“

حیات علی، چاند بابا کو تو دیکھ ہی چکا تھا، وہ دوسرے کمروں کا جائزہ لینے لگا۔ فلیٹ کے چند ہی کمرے تھے، اس نے ان کمروں میں رانیہ کو تلاش کیا، واش روم اور دوسری جگہیں بھی دیکھیں لیکن رانیہ موجود نہیں تھی، وہ واپس ڈرائنگ روم میں آگیا اور اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ”رانیہ فلیٹ میں موجود نہیں ہے جناب، میں نے ہر جگہ کا جائزہ لے لیا، الماریاں اور دوسری جگہیں بھی دیکھ لیں، وہ وہاں بھی موجود نہیں ہے۔“

”میرے خدا! وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے۔“ اور اس کے بعد سجاد حسین اٹھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئے، ان کے چہرے کے تاثرات لمحہ لمحہ بدلنے لگے، ان کے نقوش میں کرختگی ابھرنے لگی تھی، پھر ان کی آواز ابھری۔ ”حیات علی......!“

”یس سر......“

”غلط ہے۔ یہ سب کچھ...... راجہ ہدایت خان یا ایک نامعلوم کردار عدلان ہمیں کھلونا بنائے ہوئے ہیں، قانون کے ایک محافظ ہونے کی حیثیت سے تو ہم خلاف قانون کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے لیکن ہم قانون کے دائرے میں رہ کر کوئی جال تو بچھا سکتے ہیں۔“

”معذرت چاہتا ہوں سر! آپ وہ الفاظ کہہ رہے ہیں جو میں نے پہلے آپ سے عرض کئے تھے سر! معمولی سی تبدیلی ضروری ہے۔“

”حیات علی! تم نے غور نہیں کیا شاید ڈھکے چھپے الفاظ میں، میں نے تمہاری اس بات سے کسی حد تک اتفاق کرلیا تھا لیکن تمہارے ذہن میں یہ جذبہ ایک دوسری شکل لئے ہوئے تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ایسا کوئی قدم اٹھالو جو تمہارے لئے مشکل کا باعث بن جائے، تم یہ بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو تم؟“

”سیدھی بات ہے سر! راجہ ہدایت خان کی خدمت میں حاضری دی جائے، اس سے یہ کہا جائے کہ ہم اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں، ہم سے اپنے لئے کام لے اور ہمارا تعاون قبول کرے، ہم کوئی پروگرام بنا کر اسے اس کی حویلی سے اٹھالیتے ہیں اور اس کے بعد، اس کے بعد سر آپ سارے معاملات میرے اور اس کے درمیان چھوڑ دیں، ہم اور کچھ نہیں کرسکتے تو اس شیطان سے اس دنیا کو تو نجات دلا سکتے ہیں۔“

”یعنی قتل کردو گے، اسے جان سے ماردو گے، چلو ٹھیک ہے، میں مان لیتا ہوں، فائدہ...... اس کے جرائم کا تو صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکے گا اور وہ اتنی معمولی چیز نہیں ہے کہ تھوڑی سی اذیت دینے سے اپنے جرم کا اعتراف کرلے۔“

”پھر سر آپ اور کیا حکم دینا چاہتے ہیں، سر آپ یقین کریں میرے سینے میں آگ بھڑک رہی ہے، ثنا کتنے دن سے ان کے قبضے میں ہے، کیا ایک ایسی لڑکی کو مجھ جیسے ناکارہ اور نکمے شخص سے شادی کرنی چاہئے جو قانون کا محافظ ہونے کے باوجود ایک شخص کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا، اس نے ثنا کو جس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور میں صرف تماشا دیکھ رہا ہوں۔“

”تماشا نہیں دیکھیں گے حیات علی! بہت کچھ کریں گے ہم...... سنو! میں اس کے ساتھ ایک کھیل کا آغاز کرنا چاہتا ہوں اور براہ کرم تم اس میں میری مدد کرو۔“

”حکم دیجئے سر......!“

”ویسے بھی میں یہ فلیٹ کسی کی نگاہوں میں نہیں لانا چاہتا، چاند بابا کی لاش کو اٹھا کر گاڑی میں پہنچانے میں میری مدد کرو، میں ایک منصوبے پر کام کرنا چاہتا ہوں۔“

”آپ جو حکم دیں جناب!“

”ٹھیک ہے، ہم اس لاش کو خاموشی سے یہاں سے لے چلتے ہیں۔“ سجاد حسین نے اپنی حیثیت کو نظرانداز کرکے چاند بابا کی لاش کو اٹھایا تھا اور پھر وہ لوگ بڑی احتیاط سے اسے گاڑی تک لائے اور وہاں سے چل پڑے، یہاں تک کہ ایک مخصوص فاصلہ طے کیا گیا، ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے ایک ایسی جگہ جہاں لاش کی بے حرمتی نہ ہوسکے، انہوں نے لاش کو ڈال دیا اور پھر وہاں سے چل پڑے دوبارہ واپس فلیٹ پر، وہاں تمام صفائی وغیرہ کی۔ سجاد حسین بہرحال پولیس کے ایک فعال کارکن تھے، انہوں نے پوری ذہانت سے فلیٹ سے ہر طرح کے نشانات مٹا دیئے، اس کام سے فراغت حاصل کرکے فلیٹ کو تالا لگایا گیا اور وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے۔ لاش کو جس جگہ ڈالا گیا تھا، وہ ایسی تھی جہاں بہت تھوڑے سے وقت میں اس کے بارے میں پتہ چل سکتا تھا، اس کے بعد سجاد حسین، حیات علی کو اپنے منصوبے کے بارے میں تفصیل بتانے لگے۔ حیات علی نے پرخیال انداز میں گردن ہلادی تھی۔

☆......☆......☆

خاقان اور نور دین اپنے آدمیوں کے ہمراہ ڈاک بنگلے میں داخل ہوگئے، ڈاک بنگلے میں راجہ ہدایت خان کی لینڈ کروزر موجود تھی۔ اس ڈاک بنگلے کی کہانی بھی ذرا مختلف تھی، انگریزوں کے زمانے میں اسے تعمیر کیا گیا تھا اور وائسرائے بہادر اکثر یہاں قیام کیا کرتا تھا کیونکہ اس کا جائے وقوع بہت شاندار تھا، قرب و جوار میں جنگل بکھرے ہوئے تھے لیکن جب سے یہ علاقہ اصل راجہ ہدایت خان کی تحویل میں آیا تھا، شکل تبدیل ہوگئی تھی، راجہ ہدایت خان جس کے بارے میں اب یہ شبہ پیدا ہوچکا تھا کہ وہ اصل راجہ ہدایت خان نہیں تھا، جو کوئی بھی تھا، ایک باذوق شخصیت تھی چونکہ اس نے ان جنگلوں کو نہایت خوبصورتی سے باغات کا رنگ دے دیا تھا اور یہ زمینیں چونکہ اس کے قبضے میں آگئی تھیں، چنانچہ ڈاک بنگلہ بھی ایک طرح سے اب اس کی ملکیت ہی بن چکا تھا اور وہ ڈاک بنگلے میں موجود ان تہہ خانوں کو بڑے اعلیٰ طریقے سے استعمال کررہا تھا، تہہ خانے، تہہ خانے کم قید خانے زیادہ تھے کیونکہ یہاں بالکل جیل جیسی شکل رکھی گئی تھی، جنگلے لگے ہوئے کٹہرے بنے ہوئے تھے، بڑے بڑے تنگ کمرے جن میں راجہ ہدایت خان کے مخالفین کو رکھا جاتا تھا، راجہ ہدایت خان کے استعمال میں تھے، شمشاد علی کو ایک بڑے سے کمرے میں رکھا گیا تھا اور اس وقت اس ہال نما کمرے میں ثنا، شمشاد علی اور راجہ ہدایت خان موجود تھے، راجہ ہدایت خان ابھی دو تین منٹ پہلے وہاں پہنچا تھا اور تہہ خانے میں اترا تھا، دو ملازم اس کے پیچھے تھے، یہ مسلح تھے، راجہ ہدایت خان کی بڑی بڑی خوفناک آنکھیں غصے سے دہک رہی تھیں، وہ تہہ خانے میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں کے سامنے پہنچا، دونوں بے اختیار احتراماً کھڑے ہوگئے تھے، راجہ ہدایت خان نے غور سے انہیں دیکھا اور بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

وہ دونوں بیٹھ گئے، تب راجہ ہدایت خان نے شمشاد علی سے کہا۔ ”شمشاد علی! تمہارے ساتھ کوئی سخت سلوک کرکے مجھے ہمیشہ دکھ ہوتا ہے کیونکہ تم ایک بے ضرر انسان ہو اور شاید تم اس بات پر یقین کرلو کہ ثنا سے ڈیل کے تحت ہی سہی لیکن تمہیں جیل سے نکال کر مجھے خوشی ہوئی، اصل میں، میں رانیہ کو دباؤ میں لاکر اس کی زبان کھلوانا چاہتا تھا، رانیہ کا معاملہ میرے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، میں اسے ہلاک بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اسے قتل کرنے سے میرے مقصد میں ناکامی ہوجائے گی، اس کی زندگی میرے لئے ضروری ہے، وہ کاغذات جو میں اس سے حاصل کرنا چاہتا ہوں اور جو اب پولیس کی تحویل میں پہنچ چکے ہیں، میرے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، وہ بے شک دولت اور جائداد کے کاغذات ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کاغذات میں ایک ایسا راز چھپا ہوا ہے جسے میں حاصل کرنا چاہتا ہوں، دولت اور جائداد تو میرے قبضے میں ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ مجھ سے وہ دولت اور جائداد چھین سکے، لیکن کاغذات میں ایک ایسا راز چھپا ہوا ہے جو میرے دشمن کا راز ہے، کاغذات کا حصول اسی لئے ضروری ہے، میں تمہیں اس بارے میں مزید تفصیل نہیں بتا سکتا۔“ پھر وہ ثنا سے مخاطب ہوکر بولا۔ ”اور ثنا یہ بات میں نے تم سے کہہ دی ہے کہ اگر تم نے خواب دیکھ کر میری حقیقت جاننے کی کوشش کی تو میں بڑے اطمینان سے تمہارے اہل خاندان کی لاشیں لاکر اس ڈاک بنگلے میں سجادوں گا، تم جانتی ہو کہ جس بات کا دعویٰ میں کرتا ہوں، اسے تکمیل تک پہنچانا میرے لئے مشکل کام نہیں ہے، ثنا! میں جانتا ہوں کہ رانیہ کے بارے میں جو خواب تم نے دیکھا تھا، اس میں تم نے میرے سامنے سچائی نہیں بیان کی، میں نے اب تک تمہیں اس لئے معاف کیا ہوا ہے کہ مجھے اس قسم کے شواہد مل گئے ہیں کہ فرزان تمہارے ذہن میں سفر کرتا رہتا ہے، پچھلے کچھ خوابوں کے دوران میں نے تمہارے ذہن کی نگرانی کی تھی، مجھے فرزان کے سائے بھٹکتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اور اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی لیکن تم یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میں غداروں کو معاف نہیں کرتا، رانیہ کے علم میں میری ایک ایسی حقیقت ہے کہ میں رانیہ کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا لیکن میں تحقیقات کررہا ہوں، اس بات کی کہ آخر کاغذات کس طرح باہر نکلے اور پولیس کے ہاتھ لگ گئے، اگر مجھے تفصیل معلوم ہوئی ثنا تو پھر تم دیکھو گی کہ کیا تماشا منظر عام پر آتا ہے، رانیہ کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس پہنچ جائے گی اور وہ جو کچھ انکشاف کرے گی، وہ بہت سے معاملوں میں معاون ثابت ہوگا، لیکن ثنا میں تمہیں یہ بات بتاتا ہوں کہ مجھ سے غداری کی سزا اس قدر بھیانک ہوگی کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں۔“

ثنا کے سارے وجود میں تھرتھری دوڑ رہی تھی، راجہ ہدایت خان خاصا الجھا ہوا نظر آرہا تھا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا تو اس نے فون آن کردیا اور بولا۔ ”ہاں بولو۔“ جواب میں دوسری طرف سے جو کہا گیا تھا، اس کے جواب میں راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”لے آؤ، یہیں تہہ خانے میں لے آؤ۔“ پھر فون بند کرکے اس نے فاتحانہ نگاہوں سے شمشاد علی اور ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ”رانیہ آچکی ہے، تم لوگ نہیں جانتے، میرے آدمی معمولی نہیں ہیں، وہ بہت اعلیٰ کارکردگی کے حامل لوگ ہیں۔“

پھر تھوڑی دیر کے بعد تہہ خانے کی سیڑھیوں پر آہٹیں ہوئیں، خاقان اور نور دین، رانیہ کو بازوؤں سے تھامے نیچے لانے لگے، رانیہ کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی، اس کی آنکھیں آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھیں، وہ نیچے آئی اور اس نے راجہ ہدایت خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”خدا تجھے غارت کردے، خدا تجھے اس روئے زمین سے مٹا دے عدلان سوناری...... خدا تجھے اس روئے زمین سے مٹا دے، چمار زادے، خدا کی لعنت ہو تجھ پر، مرجائے تو خدا کرے عدلان سوناری! تو مرجائے۔“

خاقان نے رانیہ کے بازوؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”راجہ صاحب کی ہدایت پر ہی ہم تمہارا احترام کررہے ہیں، ہمارے مالک کیلئے تم جو الفاظ استعمال کررہی ہو، وہ مجھ سے برداشت نہیں ہورہے، مالک کیا حکم ہے ہمارے لئے؟“

”نہیں خاقان! اسے بولنے دو، آؤ رانیہ آگے آؤ، مبارک ہو باہر کی دنیا تم نے تھوڑی دیر کیلئے دیکھ لی، ایسے کام تھوڑی دیر کیلئے ہی کئے جاتے ہیں، اگر زیادہ وقت لگ جائے تو پھر اپنے لئے بھی خطرات پیدا ہوجاتے ہیں اور دوسرے کیلئے بھی۔“

”تو تو کتا ہے، تو جس گھٹیا نسل کا انسان ہے عدلان سوناری! تو خود جانتا ہے، ان میں سے کوئی نہیں جانتا تو جانتا ہے۔“ اس نے کہا اور پھر اس کی نگاہ شمشاد علی پر پڑی اور وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ”تم......؟“

شمشاد علی نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور گردن جھکالی۔

راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ ”چلو چھٹی ہوئی تو نے میرا یہ نام ان دونوں کو بھی سنا دیا رانیہ! بہت اچھا کیا، اپنا ہی نقصان کررہی ہے مسلسل، میرا کچھ نہیں بگڑ رہا، میں راجہ ہدایت خان ہوں اور راجہ ہدایت خان ہی رہوں گا، میرا اصل نام جو بھی ہے، وہ باہر نہیں جائے گا، بے فکر رہ خیر چھوڑ ان باتوں کو، بیٹھ جا، کچھ سوالات کرنے ہیں تجھ سے۔“ پھر وہ ثنا سے مخاطب ہوا۔ ”اور ثنا ایک بار پھر تجھے رانیہ کے بارے میں خواب دیکھنا ہے، یہ معلوم کرنا ہے کہ کاغذات پولیس کے پاس کہاں سے پہنچے۔“

”مالک میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں بولو۔“ راجہ ہدایت خان نے خاقان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مالک اس فلیٹ میں رانیہ کے ساتھ ہمارا ایک بندہ بھی تھا۔“

”ہمارا بندہ......؟“ راجہ ہدایت خان بری طرح چونک پڑا۔

”ہاں آپ کو حویلی کے ملازم چاند بابا کے بارے میں تو معلومات حاصل ہوں گی، چاند بابا حیرت ناک طور پر حویلی سے غائب ہوگیا تھا مالک! چاند بابا کے بارے میں چند روز پہلے یہ پتہ چلا تھا کہ اس کا کوئی بھانجا یا بھتیجا کہیں باہر سے آکر اس کے پاس ٹھہرا تھا مالک! رانیہ کے یہاں سے نکل جانے کا ذریعہ وہی شخص بنا ہوگا اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ پولیس کا کوئی کارکن ہوگا۔“

”ہماری حویلی میں پولیس کا کوئی آدمی...... کتنے لوگ اس نااہلی پر موت کے سزاوار ہوں گے، ہمیں تفصیل سے بتانا، پھر وہ چاند بابا کہاں جامرا؟“

”ہم نے اسے ہلاک کردیا مالک! یہ ضروری تھا، وہ خطرناک ہوگیا تھا۔“ خاقان نے جواب دیا۔

”آہ غلطی کی تم لوگوں نے، اسے بھی زندہ ہی پکڑ کر لانا تھا۔“

”اس کی زندگی خطرہ بن گئی تھی ہمارے لئے مالک......!“

”رانیہ اس کے بارے میں بتائے گی، کیوں رانیہ تمہی بتاؤ گی چاند بابا کے بارے میں؟“

”ایک بات میں تجھ سے کہوں عدلان سوناری! تو آج تک مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہیں کرسکا، یہ حسرت تیرے دل میں ہی رہے گی، کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی میں۔“

”تب پھر یوں کرنا چاند زادی کہ شمشاد علی کو اب اپنے ہاتھوں ہی سے قتل کرنا، سنا شمشاد علی...... تمہاری گردن پر چھری رانیہ ہی پھیرے گی۔“

رانیہ پھر اسے برا بھلا کہنے لگی تھی، پھر اس نے پوچھا۔ ”یہ کام تو کیسے کرائے گا عدلان سوناری......؟“

”رانیہ اس کے بعد یہ نام تیرے منہ سے نہ نکلے، تم لوگ بھی سن رہے ہو، اپنی زبان سے کوئی بھی یہ نام نہ دہرائے، میں تجھے بتاؤں چھری تیرے ہاتھ میں ہوگی، ہم لوگ شمشاد علی کا نشانہ لے کر کھڑے ہوں گے، اگر تو اس کی گردن پر چھری نہیں پھیرے گی تو شمشاد علی کے پورے جسم کو گولیوں سے بھون دیا جائے گا، سمجھی تو......؟“

”چھری میرے ہاتھ میں ہوگی نا تو دیکھے گا کہ وہ چھری میں شمشاد علی کی گردن پر نہیں، اپنی گردن پر پھیرلوں گی، ارے تو نے کیا سمجھا ہے باؤلے کتے! وہ میرا شوہر ہے، میری محبت ہے تو میرے ہاتھوں اسے قتل کراسکتا ہے، چل کوشش کرکے دیکھ لے کمینے۔“

صفحہ نمبر......2

”دیکھوں گا رانیہ، دیکھوں گا تجھے۔“

راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری،

رانیہ کے ان الفاظ پر ذرا سا مضمحل ہو گیا تھا۔ واقعی ایسا تو ہو سکتا ہے، چھری اگر رانیہ کے ہاتھ میں ہو گی تو وہ کس کی گردن پہ پھیرتی ہے، یہ کون جانے، یہ کام تو وہ آسانی سے کر سکتی ہے، چاہے اس کے سامنے ہی درجنوں گولیاں شمشاد علی کے جسم میں اتار دی جائیں۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”سارے کام روک دیتے ہیں کم بختو تم لوگوں نے، میں کیا کرنا چاہتا تھا ثنا کے ذریعے اور کیا ہو گیا، لیکن ثنا میں تمہیں ایک بات بتاؤں میرے دل میں اب مستقل یہ خیال آنے لگا ہے کہ تم نے غداری کی ہے لیکن کچھ موقعے میں تمہیں اور دینا چاہتا ہوں، تمہارے ذریعے میں چند ایسے لوگوں کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہوں جو میری اصل حیثیت سے میرے جال میں نہیں پھنسے، مگر تم وہاں تک آئی نہیں رہیں۔ خیر اب تم سب یکجا ہو گئے ہو خاقان...... اختر مہ رانیہ کیلئے میں ڈاک بنگلے کے کمرہ نمبر تین میں حجلہ عروسی تیار کرو، بہت دن سے اپنے شوہر سے بچھڑی ہوئی ہیں، انہیں اس کے پاس چھوڑ دو اور خبردار اس بار کوئی غفلت برداشت نہیں کروں گا، ویسے تمہیں چاند بابا کی لاش بھی وہاں نہیں چھوڑنی چاہئے تھی اور کچھ نہیں کرتے تو اس فلیٹ کو آگ ہی لگا دیتے، سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیتے، کچھ کچے پڑتے جا رہے ہو خاقان! پہلے تم اپنے ذہن سے بھی بہت کچھ سوچ لیا کرتے تھے، آج کل انتظار کرتے ہو۔“

خاقان نے گردن جھکا لی تھی، راجہ ہدایت خان اپنی جگہ سے اٹھ کر تہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

سجاد حسین بالکل ہی بے اختیار نہیں تھے، زندگی محکمۂ پولیس میں گزاری تھی، بے شمار مواقع ایسے آئے تھے جب انہیں جسمانی ورزش کے ساتھ ساتھ ذہنی ورزش بھی کرنا پڑی تھی، چاند بابا کی لاش کو پولیس اسٹیشن کے علاقے میں ڈالنے کے بعد وہ وہاں سے چل پڑے، حیات علی ساتھ تھا، کافی فاصلے پر ایک اور پولیس اسٹیشن تھا جہاں پہنچ کر انہوں نے انچارج سے ملاقات کی۔ نوجوان تھانیدار، سجاد حسین کو اچھی طرح جانتا تھا، اس نے بڑے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تو سجاد حسین بولے۔ ”میر بیگ! تم سے ایک کام آپڑا ہے، قانون کی حفاظت کیلئے ہی ہے، براہ کرم ایک ایف آئی آر درج کراؤ، کسی ذمے دار شخص کو بلا لو۔“

”جی سر......! محرر بھروسے کا آدمی ہے، ایف آئی آر کس کی طرف سے درج کی جائے گی؟“

”پہلے محرر کو بلا لو، میں ایف آئی آر لکھواتا ہوں۔“

پولیس آفیسر نے پوری طرح سجاد حسین کی ہدایت پر عمل کیا اور محرر کو بلا لیا۔ سجاد حسین نے چاند بابا کی طرف سے ایف آئی آر درج کرائی تھی جس میں چاند بابا نے بتایا تھا کہ راجہ ہدایت خان کی سوتیلی بہن جھلس کر ہلاک نہیں ہوئی تھی بلکہ راجہ ہدایت خان نے اس کی جگہ ایک نوکرانی کو جلا کر ہلاک کر دیا تھا اور اس کی لاش کو رانیہ کی لاش بنا کر پیش کیا تھا، راجہ ہدایت خان، رانیہ کے باپ کی دولت اور جائیداد ہتھیانا چاہتا تھا اور رانیہ کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ وصیت نامہ اور جائیداد کے کاغذات راجہ ہدایت خان کے حوالے کر دے، رانیہ اس بات سے انکار کرتی تھی، راجہ ہدایت خان نے اس کی شادی شمشاد علی سے کرائی اور پھر رانیہ کی ہلاکت کا ڈرامہ رچایا اور اس کا قاتل شمشاد علی کو قرار دیا، چاند بابا کی طرف سے سجاد حسین نے لکھوایا تھا کہ میں ہمیشہ اس گھر کا نمک خوار رہا ہوں اور میں نے اس گھر میں ہوش سنبھالنے کے بعد زندگی گزاری ہے، ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتا رہا ہوں، راجہ ہدایت خان نے ہی رانیہ کی ماں کو مروایا تھا اور اس کے بعد سے مسلسل وہ غلط حرکات کرتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ تفصیل بھی درج کرائی گئی تھی کہ چاند بابا کو رانیہ کا پتہ چل گیا اور وہ رانیہ کو وہاں سے لے کر نکل کھڑا ہوا اور شہر آ گیا، یہاں آنے کے بعد اس نے رانیہ کے ساتھ اس پولیس اسٹیشن میں ایف آئی آر لکھوائی۔

محرر کو ہدایت کی گئی کہ ایف آئی آر لکھوانے والے دو افراد تھے، ایک خوبصورت سی عورت اور ایک بوڑھا مرد۔

اس کے بعد تھانہ انچارج کو بھی سجاد حسین نے یہی ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ ”اصل میں میرے نوجوان دوست! ہم ایک بھیڑیے پر ہاتھ ڈال رہے ہیں جو بہت خونخوار ہے، ہو سکتا ہے تمہیں بھی تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑے لیکن فکر مند مت ہونا، قانون کی مدد اسی طرح کی جا سکتی ہے، یہ لوگ جب تمہارے پاس ایف آئی آر لکھوانے آئے تو تم نے ایف آئی آر درج کرنے کے بعد ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے لئے کوئی جگہ چاہتے ہیں جہاں چھپ سکیں تو بوڑھے چاند بابا نے کہا کہ نہیں ان کے پاس بندوبست ہے اور پھر وہ وہاں سے چلے گئے، تم بالکل مطمئن رہنا، اس میں کوئی غیر قانونی بات نہیں ہے، ہم ایک مقتول اور ایک مغوی کی مدد کر رہے ہیں، چاند بابا ہلاک ہو چکا ہے، رانیہ کو غائب کر دیا گیا ہے، ہم راجہ ہدایت خان کے خلاف وارنٹ گرفتاری چاہتے ہیں، اس کیلئے یہ کارروائی کی جا رہی ہے، تمہیں اس سلسلے میں میری مدد کرنا ہو گی۔“

”سر! آپ ایک نیک نام پولیس آفیسر ہیں، یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں، آپ بالکل بے فکر رہیں، ساری بات میں سمجھ گیا ہوں، سب کچھ آپ کی ہدایت کے مطابق ہی ہو گا۔“ تھانہ انچارج نے کہا اور سجاد حسین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وہ وہاں سے نکل آئے۔ حیات علی نے کہا۔ ”سر! کوشش تو بہت بڑی ہے، دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔“

”حیات علی! تمہاری تو منگیتر اس کے قبضے میں ہے لیکن چاند بابا کی موت نے نجانے کیوں میرے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا ہے، اب میں بھی تمہاری طرح سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں اور اسی لئے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔“

”میں جانتا ہوں سر......!“

چاند بابا کی لاش متعلقہ تھانے کے افسران کو مل گئی اور اس سلسلے میں کارروائی ہونے لگی۔ سجاد حسین نے اس پولیس آفیسر کو پیش کیا جس کے پاس ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی۔

سجاد حسین نے پورے کاغذات تیار کرائے اور آخرکار وہ آئی جی کے پاس پہنچ گئے۔ آئی جی صاحب نے مہربانی کے ساتھ کہا۔ ”آیئے ایس پی صاحب......! کہئے کیسے ہیں آپ؟“

”سر! آپ کی دعائیں ہیں، ایک مشکل کا حل چاہتا ہوں، براہ کرم اس کیلئے میری مدد کیجئے۔“

”ہاں بتاؤ۔“

”یہ ایک ایف آئی آر ہے جس کے بارے میں متعلقہ تھانے کے انچارج نے مجھ سے رابطہ کیا تھا، لیکن سر جس شخص کا نام اس ایف آئی آر میں مجرم کی حیثیت سے لیا جا رہا ہے، وہ بڑی حیثیت کا مالک ہے، آپ بھی اسے جانتے ہیں اور میں بھی...... میں چاہتا ہوں کہ آپ قانون کے نام پر میری مدد کریں، ہمیں یہ طلسم توڑنے میں بہت دقت پیش آئے گی لیکن اب یہ طلسم ٹوٹنا چاہئے۔“

”راجہ ہدایت خان...... قصبہ امیر شاہ والا تو نہیں؟“

”جی سر! وہی ہے۔“

”اس کے بارے میں کچھ خفیہ اطلاعات مجھ تک بھی پہنچی ہیں، ایک بہت ہی معزز شخص نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے اپنی حویلی میں درس کا انتظام کر رکھا ہے لیکن در پردہ وہ اور بھی بہت کچھ کرتا ہے، یہ بھی مجھے پتہ چلا کہ اس کے تعلقات بہت زیادہ ہیں اور یہ آسانی سے ہر معاملے سے بچ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“

”یہ سر وہی ہے۔“

”اچھا۔“ آئی جی صاحب نے ایف آئی آر پڑھی پھر بولے۔ ”کیا چاہتے ہو سجاد حسین......؟“

”سر! اس کے وارنٹ گرفتاری چاہتا ہوں۔“

”میں تمہاری یہ خواہش پوری کئے دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی اپنے تجربے کی بنا پر ایک مشورہ بھی دیتا ہوں گو یہ مشورہ مجھے تمہیں نہیں دینا چاہئے لیکن مجبوری ہے۔“

”جی سر فرمایئے؟“

”دیکھو اس پر ہاتھ ڈال دو اور اسے کسی تک پہنچنے نہ دو، اس کے بعد اگر تھوڑی سی دقت بھی اٹھانی پڑے تو اس کیلئے اپنے آپ کو تیار رکھو۔“

”سر! میں حاضر ہوں۔“ سجاد حسین نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، اس کے وارنٹ گرفتاری نکلوائے جا سکتے ہیں لیکن ایک بات اور بھی سنو اسے گرفتار کرنے کیلئے قصبہ امیر شاہ جاؤ گے نا؟“

”جی سر......!“

”تمہیں اچھی خاصی پولیس فورس لے جانی پڑے گی، ہو سکتا ہے حویلی سے مقابلہ بھی کیا جائے۔“

”جی سر، میں اس کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔“ سجاد حسین نے کہا اور آئی جی صاحب نے اپنے پی اے کو بلا کر وارنٹ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے۔

سجاد حسین نے یہ اطلاع حیات علی کو دی تو حیات علی کی آنکھوں میں مشعلیں جل اٹھیں۔

”سر! یہ تو کہنے کی بات نہیں ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔“

”ہاں ہاں...... کیوں نہیں حیات علی!“

”سر پلیز، مجھے ایک ایک لمحہ ساتھ رکھئے گا، اس شخص سے میرا میرا......“ حیات علی شدت جذبات کی بنا پر اپنا جملہ پورا نہیں کر سکا تھا۔

سجاد حسین نے جو فورس تیار کی تھی، وہ بے حد غیر معمولی تھی، رات کو قصبہ امیر شاہ کی جانب رخ کیا گیا تھا اور صبح ہونے سے پہلے راجہ ہدایت خان کی حویلی کو گھیر لیا گیا تھا۔

اس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے جب سجاد حسین، حیات علی کے ساتھ راجہ ہدایت خان کی حویلی کے گیٹ پر پہنچ گئے، چوکیداروں نے مزاحمت کی تو پولیس والوں نے انہیں دھنک کر رکھ دیا اور اس کے بعد سجاد حسین حویلی کے دونوں حصوں میں پولیس کے افسران کو داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

راجہ ہدایت خان کو حویلی کے اس دوسرے حصے میں جہاں وہ درس وغیرہ دیا کرتا تھا، پایا گیا، وہ اس وقت گہری نیند سو رہا تھا چونکہ یہ چھاپہ بالکل خاموشی کے ساتھ مارا گیا تھا، اس لئے راجہ ہدایت خان کو موقع نہیں مل سکا، خاقان اور نور دین خوش بخت تھے کہ اس وقت وہ یہاں موجود نہیں تھے جبکہ دوسرے کئی محافظوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ راجہ ہدایت خان پولیس کی وردی میں ان دونوں کو دیکھ کر واقعی ششدر رہ گیا تھا اور چونکہ نیند کے عالم میں تھا اس لئے کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکا تھا۔

”اٹھو اور اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کر دو۔“

پہلے تو راجہ ہدایت خان حیران نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ سجاد حسین نے جو الفاظ کہے تھے، وہ شاید اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئے تھے۔

تب سجاد حسین نے اس کا گریبان پکڑا اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا، راجہ ہدایت خاں بری طرح چونک پڑا تھا، حیات علی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں تو راجہ ہدایت خان نے پہلی بار کسی قدر خوف زدہ نگاہوں سے حیات علی کو دیکھا، حیات علی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، اس نے ہتھکڑیوں والے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ ”ثنا کہاں ہے راجہ ہدایت خان؟“

راجہ ہدایت خان اب بھی حیران نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

سجاد حسین نے کہا۔ ”میں اسے قبضے میں کئے ہوئے ہوں، تم جاؤ اس وقت بہترین موقع ہے، جس طرح چاہو حویلی کی تلاشی لے ڈالو۔“

حیات علی باہر نکل آیا اور پھر اس نے کریم شاہ کو طلب کر لیا جو خصوصی طور پر ساتھ لایا گیا تھا کیونکہ اسے حویلی کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل تھیں۔ کریم شاہ، حیات علی کو ان تہ خانوں میں لے گیا جہاں سے رانیہ کو برآمد کیا گیا تھا لیکن ثنا وہاں موجود نہیں تھی، دوسری طرف بھی جگہ جگہ تلاش کیا گیا، زنان خانے میں بھی دیکھا گیا، پولیس کے کافی افراد ساتھ لائے گئے تھے، اس لئے کارروائی میں کسی قسم کی دقت نہیں پیش آ رہی تھی، لیکن پوری حویلی کا کونا کونا چھان مارنے کے باوجود ثنا کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا۔

ادھر سجاد حسین، راجہ ہدایت خان کو حویلی سے نکال لائے تھے اور اسے باہر پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا تھا، اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، یوں لگتا تھا جیسے وہ نیم غشی کے عالم میں ہو، بار بار آنکھیں کھول رہا تھا لیکن آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں، سر بھی اس طرح جھکا ہوا تھا جیسے کوئی نشے کا عادی شخص نشہ اکھڑنے کی وجہ سے نڈھال ہو جاتا ہے، پتہ نہیں اس کی یہ کیفیت کیوں تھی، کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن اس نے اب تک ایسی کوئی کارروائی نہیں کی تھی جو پریشان کن ہو، راجہ ہدایت خان کی گرفتاری کی حد تک تو یہ چھاپہ بے حد کامیاب تھا لیکن ثنا نہیں مل سکی تھی۔

حیات علی مایوسی سے واپس آ گیا تو سجاد حسین نے کہا۔ ”میرا خیال ہے ہمیں واپس چلنا چاہئے۔“

”جی سر......!“ حیات علی نے جواب دیا اور اس کے بعد پولیس کی گاڑیاں واپس چل پڑیں۔

حیات علی کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی، ثنا شدت سے یاد آ رہی تھی، حویلی بہت بڑی تھی لیکن حیات علی نے ایسی کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی جہاں کسی کو پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے، اس کی پیاسی آنکھیں ہر کونے کھدرے میں ثنا کو تلاش کر رہی تھیں اور اب وہ مایوسی کے عالم میں تھا، راجہ ہدایت خان پر جب بھی اس کی نگاہ پڑتی، اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔

آخرکار وہ شہر میں داخل ہو گئے، تمام لائحہ عمل تیار کر لیا گیا تھا، ہدایت خان کی پہنچ سے واقف تھے، اسے ذرا بھی موقع مل گیا تو پھر اسے ایک لمحے روکنا مشکل ہو گا، چنانچہ وہ اسے اسی پولیس اسٹیشن لے گئے جہاں ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی، اسٹیشن انچارج نے انتظامات کر رکھے تھے اس لئے اسے سیدھا کمرہ خاص میں پہنچا دیا گیا، یہاں آ کر اچانک اس کی کیفیت بحال ہو گئی تھی، اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھا پھر حیرت بھرے انداز میں بولا۔ ”کیا واقعی......؟“

”آپ ہوش میں آ گئے؟“ سجاد حسین نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”تم نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی ہیں؟“

”تمہیں نظر آ رہی ہیں؟“

”جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟“

”بتا دو۔“

”یہ تمہاری گردنوں میں پھانسی کا پھندا بن جائیں گی۔“

”لیکن ہم تمہیں بھی ساتھ لے جائیں گے راجہ ہدایت!“

”ارے نہیں...... مجھے تو ابھی بہت جینا ہے، بڑے کام پڑے ہیں، تم لوگ بے وقوف ہو، ویسے بڑی ہمت کی ہے تم نے، مجھے صرف ایک بات بتا دو میرا وارنٹ گرفتاری کس نے جاری کیا ہے؟“

”راجہ ہدایت خان کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اپنی عزت کو قائم رکھو، تم اگر ہم سے کوئی سوال کرو گے تو کیا ہم تمہیں اس سوال کا جواب دینے پر مجبور ہیں۔“

”باز آ جاؤ، بڑے غلط آدمی سے جھگڑا مول لے رہے ہو، میں عام طور سے کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا لیکن اگر کوئی میرے لئے مشکل بننے کی کوشش کرے تو پھر اسے چھوڑتا بھی نہیں...... تم لوگوں سے میرا کوئی اتنا بڑا جھگڑا نہیں ہے، جو کچھ تم نے کیا ہے، اس پر ذرا غور کروں گا، میں نے تو اس پر غور بھی نہیں کیا۔“

”ثنا کہاں ہے؟“ حیات علی نے سوال کیا۔

”اس وقت غالباً مریخ کے کسی خوشنما گوشے میں بیٹھی ہوئی گول گپے کھا رہی ہو گی۔“ راجہ ہدایت خان نے پر مذاق لہجے میں کہا۔

”رانیہ کہاں ہے؟“ سجاد حسین نے سوال کیا۔

”وہ...... وہ بھی کسی مشغلے میں الجھی ہوئی ہو گی۔“

”شمشاد علی کو تم نے اغوا کیا ہے؟“

”ہاں، وہ بہت دن سے بچھڑے ہوئے تھے، میں نے ان کیلئے ایک خوبصورت حجلہ عروسی بنا دیا ہے، اب وہ دونوں وہاں خوشیاں منا رہے ہوں گے۔“

”چاند بابا کے قتل کا اعتراف کرنا ہے تمہیں۔“

”وہ نمک حرام، واقعی وہ بڑا نمک حرام نکلا، اچھا چلو ایک بات بتاؤ، وہ کاغذات چاند بابا کے پاس ہی تھے نا، رانیہ نے اسی کے پاس رکھوائے تھے نا؟“

”کیوں، تم رانیہ سے یہ اعتراف نہیں کرا سکے؟“

”بے وقوف ہو، تمہیں میری مصروفیات کا علم نہیں ہے، میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں، لاتعداد مسائل ہوتے ہیں میرے سامنے، انہیں حل کرنا بھی تو میرے فرائض میں داخل ہے...... تم بتا دو، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ نمک حرام، نمک حرام کیسے ہو گیا، بتاؤ گے؟“

”تمہیں منع کیا تھا کہ تم کوئی سوال نہ کرو۔“

”کاغذات مجھے دے دو، کیوں بے وقوفی کر رہے ہو، مجھے اس بات پر آمادہ مت کرو کہ میں باقاعدہ مجرم بن کر سامنے آ جاؤں، اگر میں نے ایسا کر دیا تو یقین کرو تم لوگوں میں سے کوئی نہ تو مجھے گرفتار کر سکے گا اور نہ مجھ پر فرد جرم عائد کر سکے گا اور فرض کر لو اگر ایسا ہو بھی گیا، تو وہ تم خود ہی ہو گے جو اپنی غلطی کی معافی مانگنے کیلئے میرے پاس آؤ گے، مت کرو ایسی حرکتیں...... میں ایک خوش مزاج انسان ہوں، فراخدل بھی ہوں، اپنے دشمنوں کو عام طور سے معاف کر دیا کرتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، اسے ڈرائنگ روم لے چلو۔“ سجاد حسین نے کہا۔

جب وہ لوگ راجہ ہدایت خان کو اس کمرے میں لائے جہاں مجرموں سے ان کے جرائم اگلوائے جاتے تھے تو اس نے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے چلتا ہوا ان کے ساتھ اس جگہ آ گیا جسے ڈرائنگ روم کہا جاتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اس نے اس طرح نظریں گھما کر اس عقوبت خانے کو دیکھا جیسے کوئی انسپکٹر اسکول کا معائنہ کرنے کیلئے آتا ہے پھر وہ ہونٹ بھینچ کر گردن ہلانے لگا اور اس کے بعد بولا۔ ”ہاں، دیکھو کاغذات کا معاملہ جو ہے نا وہ ذرا مختلف ہے، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ان کاغذات میں جائیداد وغیرہ کا سلسلہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ کچھ اور مسائل ہیں جن کا تعلق ان کاغذات سے ہے...... کاغذات واپس دے دو، میں تمہاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا دوں گا، ثنا کی واپسی تو خیر ابھی کسی طور ممکن ہی نہیں، البتہ رانیہ اور شمشاد علی کو رہا کر دوں گا، اصل میں ثنا کا مسئلہ یہ ہے حیات علی کہ میرا ایک بدترین دشمن فرزان اسے سچے خوابوں کا علم دے گیا ہے، ابھی تک تم کم بختوں نے مجھے اس علم کے استعمال کا موقع نہیں دیا ہے، اپنے ہی مسئلوں میں الجھا رکھا ہے، اگر تم لوگوں نے اپنا یہ سلسلہ جاری رکھا تو میں ثنا کو ہلاک کر کے اس کی لاش تمہارے پاس بھجوا دوں گا کیونکہ جب کوئی چیز میرے لئے کارآمد نہیں ثابت ہوتی تو میں غصے میں آ کر اس کو ضائع کر دیتا ہوں، کوشش کرو کہ ثنا میرے ہاتھوں ضائع نہ ہو جائے۔“

”شیرو کو بلاؤ۔“ سجاد حسین غصیلے لہجے میں بولے اور فوراً ہی ایک سنتری، شیرو نامی کسی شخص کو بلانے چلا گیا۔

راجہ ہدایت خان پھر اسی انداز میں بولا۔ ”یہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یار! تم لوگ خوب کماتے ہو، عیاشی سے وقت گزارتے ہو، ضرورت کی چیزیں نہیں مہیا کر سکتے...... اب میں کہاں بیٹھوں؟“

”تمہارے بیٹھنے کا بندوبست کر رہا ہوں میں راجہ ہدایت خان!“

”اچھا اچھا۔“

تھوڑی دیر کے بعد شیرو اندر آ گیا۔ یہ ایک پستہ قامت لیکن چوڑے بدن کا مالک جلاد شکل کا آدمی تھا، اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور سجاد حسین نے راجہ ہدایت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”شیرو! یہ بہت بڑے آدمی ہیں، ان سے کچھ اعترافات کرانے ہیں، چلو کام شروع کرو۔“

”کیا مطلب...... مجھ پر تشدد کرو گے تم......! راجہ ہدایت خان پر...... سمجھتے نہیں ہو، میرا ایک ٹیلیفون تم لوگوں سے تمہاری نوکریاں چھین لے گا، دیکھو ہوش کی دوا کرو، میرا تم لوگ کچھ نہیں بگاڑ سکو گے لیکن ہر نام کا ایک وقار ہوتا ہے۔“

راجہ ہدایت خان یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ شیرو کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ بے تحاشا دوڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے ٹکرایا، اس کا سر پھٹ گیا تھا اور اس سے خون بہنے لگا تھا، شیرو آگے بڑھا اور اس نے راجہ ہدایت خان کا گریبان پکڑ لیا اور اس کے بعد ایک جھٹکے سے اس نے اس کی قمیض کو نیچے تک پھاڑ دیا۔ حیات علی کو ایک دم سے یوں لگا تھا جیسے راجہ ہدایت خان کے چہرے اور بدن میں کوئی تبدیلی سی پیدا ہوئی ہو، ایسا لگا جیسے کوئی لہر سی گزر گئی ہو اس پر سے، لیکن زیادہ دیر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، شیرو نے اسے آگے گھسیٹ کر ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر رسید کیا تھا اور راجہ ہدایت خان پھر قلابازی کھا گیا تھا، شیرو نے اسے پکڑ کر کھڑا کیا پھر بولا۔ ”ہاں، صاحب جو پوچھتا ہے، اس کا جواب دو۔“

”راجہ ہدایت خان، چاند بابا کے قتل کا اعتراف کرو۔“ راجہ ہدایت خان نے کوئی جواب نہیں دیا تو حیات علی آگے بڑھا اور بولا۔ ”ثنا کہاں ہے؟“

راجہ ہدایت خان نے پھر کوئی جواب نہیں دیا تو شیرو نے اس کے بال پکڑ کر اسے زوردار جھٹکا دیا اور پھر یہ دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ بالوں کے ساتھ ساتھ ہی راجہ ہدایت خان کا سر اس کے شانوں سے اکھڑ کر شیرو کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور شیرو کے حلق سے ایک وحشت بھری چیخ سی نکلی تھی، اس نے چیخ مار کر ہاتھ میں پکڑا ہوا سر ایک طرف پھینک دیا لیکن اسی وقت عقب سے ایک قہقہے کی آواز سنائی دی اور ان سب کی گردنیں گھوم گئیں۔

راجہ ہدایت خان بالکل مجسم ایک دیوار سے ٹکا کھڑا ہنس رہا تھا۔ ”عجیب بات ہے تم لوگ وہ سب کچھ سمجھ ہی نہیں رہے جو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں، میں جو کچھ بھی ہوں، وہ تمہاری سمجھ سے باہر کی چیز ہوں، چلو کر لو تشدد مجھ پر، پوچھو مجھ سے کہ ثنا کہاں ہے، رانیہ کہاں ہے، چاند بابا کو کس نے قتل کیا، جب پوچھ پوچھ کر تھک جاؤ تو عزت و احترام کے ساتھ مجھے کاغذات سمیت یہاں سے روانہ کر دینا، ہو سکتا ہے میں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں۔“

نجانے حیات علی کو کیا سوجھی، وہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور اس بات کو نظر انداز کر کے کہ ایک حیرت ناک واقعہ رونما ہو چکا ہے، راجہ ہدایت خان پر ٹوٹ پڑا، اس نے راجہ ہدایت خان کو تابڑ توڑ مارنا شروع کر دیا، لاتعداد گھونسے اس کے ناک، منہ اور ہونٹوں پر پڑے اور راجہ ہدایت خان کے منہ سے خون بہنے لگا، اس کی ناک بھی زخمی ہو گئی تھی، سجاد حسین نے اسے روکا، ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، ابھی تک راجہ ہدایت خان کا وہ جسم سامنے پڑا ہوا تھا جیسے شیرو مار رہا تھا اور اب حیات علی بری طرح اس کی دھنائی کر رہا تھا۔ سجاد حسین زور سے چیخا۔ ”رک جاؤ حیات علی! رک جاؤ، تم جانتے نہیں کہ وہ راجہ ہدایت خان نہیں بلکہ عدلان سوناری ہے، عدلان سوناری......!“

اور اچانک ہی راجہ ہدایت خان نے اپنے آپ کو حیات علی کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور تیزی سے جھپٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”کیا کہا تم نے، کیا کہا؟“

”عدلان سوناری، تم کون ہو، کیا ہو، یہ بات تو ہم معلوم کر ہی لیں گے لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ اپنے شیطانی علم کا سہارا لے کر تم ہمیں خوف زدہ کر دو گے۔“

راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری کے چہرے میں اب نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا چہرہ کالا پڑتا جا رہا ہو پھر اس نے دانت پیس کر کہا۔ ”تو اس کتیا نے تمہیں یہ بات بتا دی، اس کا مطلب ہے۔“

”مطلب کے بچے! میں پوچھتا ہوں ثنا کہاں ہے؟“ حیات علی نے ایک بار پھر راجہ ہدایت خان کا گریبان پکڑ لیا۔

لیکن اچانک ہی اسے محسوس ہوا جیسے راجہ ہدایت خان کا جسم اس لباس میں نیچے کھسک گیا ہو اور چند ہی لمحوں میں حیات علی نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ میں صرف ایک خالی قمیض ہے اور اس قمیض کے پیچھے کچھ بھی نہیں ہے۔

راجہ ہدایت خان کا جسم غائب ہو گیا تھا اور اب ایک خول سا رہ گیا تھا جبکہ جسم کا وہ حصہ جو شیرو کے ہاتھوں ٹوٹا پھوٹا تھا، اب بھی اسی طرح پڑا ہوا تھا۔

(جاری ہے)

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 14

کمرے میں جتنے افراد تھے، پتھرا کر رہ گئے تھے۔ ہر ایک کی زندگی میں کچھ نہ کچھ پراسرار واقعات ضرور آتے ہیں لیکن آنکھوں کے سامنے ایسے عجیب وغریب لمحے صرف قصے کہانیوں کی بات ہی ہو سکتے ہیں۔ سجاد حسین، حیات علی اور شیرو دنگ رہ گئے تھے۔ حیات علی اپنے ہاتھوں میں راجہ ہدایت خان کا لباس تھامے کھڑا تھا پھر اچانک ہی اس نے وہ لباس زمین پر پھینک دیا۔

سجاد حسین ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

''وقت چاہے کتنا ہی جدید کیوں نہ ہو جائے، پراسرار علوم کا اپنا ایک مقام ہمیشہ رہے گا، وہ جو کوئی بھی ہے، بہرحال اپنے علم میں مہارت رکھتا ہے، خدا کی قسم میں نے ایسا واقعہ اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔''

اسی وقت شیرو کی آواز ابھری۔ ''سر جی وہ ادھر دیکھئے، وہ...... وہ کھوپڑی اور بدن۔'' سجاد حسین اور حیات علی نے چونک کر دیکھا، وہ سب کچھ غائب تھا، وہاں اب پہلے ان کی آنکھوں کے سامنے تھا، یعنی وہ ٹوٹی ہوئی گردن تھی اور نہ بدن......

سجاد حسین نے کہا۔ ''آؤ حیات علی! شیرو یہ لباس پیک کرا کے محفوظ کردو۔''

سجاد حسین اپنے آفس میں واپس آگئے تھے۔ ہوش اڑے جا رہے تھے اس منظر کا تصور کر کے کہ جب راجہ ہدایت خان اپنے لباس سے غائب ہو گیا تھا، حیات علی بھی سجاد حسین کے اشارہ کرنے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، سجاد حسین گہری گہری سانسیں لے رہے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ''پولیس کی زندگی میں اس طرح کے واقعات شاید ہی کبھی آتے ہوں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں، خدا کی پناہ! ہم کس طرح اسے گرفتار کر کے لائے تھے اور اب اس کے بارے میں کیا جواب دہی کریں گے حیات علی! بڑی مشکل صورتحال پیش آگئی ہے، اب بتاؤ کہ اس سنگین صورتحال میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''سر......! اگر میں آپ سے کسی طرح کی اجازت مانگوں گا تو آپ انکار کر دیں گے، میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟''

''دیکھو میں تم سے یہی کہوں گا کہ قانون کا تحفظ کرتے ہوئے کوئی کام کرو، میں ایک بار پھر اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''جی...... میں سمجھا نہیں۔''

''میرا مطلب ہے کہ راجہ ہدایت خان سے ایک بار پھر میری ملاقات ہونی چاہئے۔''

''کیا آپ اسے دوبارہ گرفتار کریں گے؟''

''نہیں...... کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں حیات علی!''

''بتانا پسند فرمائیں گے؟''

''ہاں، تمہارا اس حویلی میں آنا جانا بند کر دیا گیا ہے، تم اگر چاہو تو میرے ساتھ وہاں جانے کی کوشش کر سکتے ہو، اگر پھر بھی تمہارے راستے بند کئے گئے تو میں تنہا ہی راجہ ہدایت خان سے جا کر ملوں گا۔''

''اس کی حویلی میں......؟''

''ہاں، اس درس میں شرکت کروں گا جو وہاں ہوتا ہے، ذرا دیکھوں تو سہی کہ اس کے بعد اس کا کیا ردعمل رہتا ہے، ممکن ہے وہ مجھ سے کچھ آگے کی بات کرے، ویسے یہ بات بڑی خوفناک ہوئی ہے کہ وہ رانیہ کے بارے میں یہ تاثر لے کر گیا ہے کہ رانیہ نے ہمیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''بڑا مشکل مسئلہ ہے، پتہ نہیں عدلان سوناری کا ماضی کیا ہے، میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا، ٹھیک ہے۔'' سجاد حسین نے آخری فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

ثنا ڈاک بنگلے میں تھی۔ ایک بار پھر اسے ڈاک بنگلے بھیج دیا گیا تھا، یہیں کے ایک تہہ خانے میں شمشاد علی اور رانیہ قید تھے اس کے علاوہ ممکن ہے کچھ اور تہہ خانے بھی یہاں ہوں جو راجہ ہدایت خان نے اپنی ضرورت کے تحت بنوائے ہوں لیکن اوپر سے ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا۔

اس وقت ثنا اپنے تہہ خانے میں بیٹھی ہوئی تھی جہاں اسے کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ راجہ ہدایت خان وہاں پہنچ گیا، بڑا خوش نظر آ رہا تھا اور مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ثنا نے اسے دیکھا تو راجہ ہدایت خان قہقہہ لگا کر بولا۔ ''اصل میں ثنا میرے معمولات تو کچھ اور تھے، زندگی میں نے ذرا مختلف انداز میں گزارنے کے بارے میں سوچا تھا لیکن یہ کمبخت وقت ہی قبضے میں نہیں آتا، میں اس ساری دنیا کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہوں، ثنا! میری خواہش ہے کہ میں اتنا بڑا بن جاؤں کہ میری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ انسانوں اور ملکوں کی تقدیر بدل دے، تم سوچو گی تو سہی کہ یہ دیوانگی ہے مگر انسان تو سدا ہی سے دیوانہ ہے، بے شمار دیوانے اس دنیا میں آئے ہیں، میں ان کی ناکامی پر بھی غور کرتا ہوں، میری مراد نمرود، شداد، فرعون وغیرہ سے ہے، قارون بھی میری نگاہوں میں ہے مگر میں تمہیں سچ بتاؤں میرا نظریہ دولت نہیں ہے، ثنا! دولت تو میں اب بھی بہت ساری حاصل کر سکتا ہوں لیکن میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ دنیا بھر کے علوم میری مٹھی میں ہوں اور میں ایک بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر جاؤں، میری نگاہ جس سمت اٹھے، وہاں لوگوں کی تقدیریں بدل جائیں۔''

ثنا کے کانوں میں راجہ ہدایت خان کے الفاظ گرم سیسے کی طرح اتر رہے تھے۔ ایسی بری باتیں ہی تو اس دنیا میں کتے کی موت مرنے والوں نے کی تھیں، راجہ ہدایت خان بھی وہی باتیں کر رہا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ اس طرح کے لوگ قدرت کی طاقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہ ان کی ہرزہ سرائی پر ہنس رہی ہوتی ہے۔

بہرحال وہ خاموش رہی تو راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ''بڑے مزے کی بات ہے، وہ لوگ مجھے میری حویلی سے گرفتار کر کے لے گئے تھے، اس میں کوئی شک نہیں ثنا کہ بہت بڑا کام کیا تھا انہوں نے، ورنہ اگر میرا ایک اشارہ ہوتا تو تم یقین کرو وہاں لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے اور کوئی مجھ تک نہیں پہنچ پاتا، میں نے سوچا کہ چلو اچھی بات ہے، ان لوگوں کو تھوڑا سا مزہ چکھا دیا جائے اور اس کے بعد ان سے کاغذات کی بات کی جائے لیکن بدنصیب غلطیوں پر غلطیاں کر رہے ہیں، انہوں نے مجھ پر تشدد کرنے کی کوشش کی تھی اور تمہارے بارے میں جاننا چاہتے تھے، خیر چھوڑو ان لوگوں کو، میں تمہارے لئے افسردہ ہوں، تم نے غداری کی ہے، کھلی غداری...... میں حالات کا تجزیہ کرتا رہا ہوں، میں نے تم سے رانیہ کے بارے میں خواب دیکھنے کیلئے کہا لیکن تم نے کہانی بدل کر میرے سامنے پیش کی، مجھے پتہ چل گیا تھا کہ فرزان تمہارے ذہن پر اثر انداز ہے اور اس نے تمہاری کہانی میں ردوبدل کر کے مجھے سنت پریشوری تک پہنچایا، اس کے خیال میں سنت پریشوری بہت بڑا گیانی تھا، وہ کالا جادو بھی جانتا تھا، فرزان کا خیال ہوگا کہ میں سنت پریشوری کے جال میں پھنس جاؤں گا اور وہ مجھ سے بدلے لے گا لیکن ثنا......! سنت پریشوری کتے کی طرح دم دبا کر بھاگ گیا، بے وقوفی تو ہمیشہ سے یہی کی ہے فرزان نے کہ اس نے میری صحیح طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی اور ہمیشہ میرے مدمقابل آ کر ناکام ہی رہا مگر کمبخت ہے دھن کا پکا، لگا ہوا ہے اپنی دھن میں لیکن ثنا میں تمہیں ایک بات بتاؤں، میں نے تمہارے خواب کے دوران تمہارے ذہن میں گشت کیا ہے، ثنا! کچھ باتیں مجھے ملی ہیں جیسے تم میری خواہش پر عمل نہ کرنا چاہتی ہو، جیسے تم ہر اس شخص کو بچانے کی خواہشمند ہو جو مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے، ثنا! بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو میرا علم بھی مجھے نہیں بتا سکا مثلاً یہ کہ کاغذات کہاں محفوظ رہے، چاند بابا نامی ایک آدمی جو میرے گھر کا ایک ملازم تھا، جس نے بچپن سے لے کر اب تک میرا نمک کھایا، کاغذات اس کے پاس موجود تھے، رانیہ نے اسے کاغذات دیئے تھے اور پھر پولیس والوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں وہ کاغذات پولیس کے ہاتھ لگ گئے، ثنا! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ کاغذات میری زندگی کی ایک بہت اہم ضرورت ہیں، میں انہیں حاصل کر لوں گا لیکن ثنا تمہاری غداری مجھے پسند نہیں آئی۔''

''راجہ صاحب! کچھ بولنے کی اجازت ہے مجھے؟''

''نہیں، سنتی رہو، صرف سنتی رہو۔''

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب آپ میرے ذہن میں سفر کر سکتے ہیں تو پھر مجھے غدار کیوں کہہ رہے ہیں، اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ فرزان نامی کوئی شخص میرے ذہن میں میرے خیالات میں مداخلت کرتا ہے تو پھر مجھے میرا قصور بتایئے۔''

''اگر تم اپنی ذہنی قوت سے کام لے کر اس بات پر مصر ہو جاؤ کہ کسی کو اپنے ذہن میں مداخلت نہیں کرنے دو گی تو کسی کی مجال نہیں کہ تمہارے ذہن میں داخل ہو سکے۔''

''راجہ صاحب! آپ کے خیال میں کیا میں اس بات سے واقف ہوں کہ میں کسی کو اپنے ذہن میں مداخلت سے کیسے روک سکتی ہوں؟''

''اپنی قوت ارادی سے، اس خلوص سے جو تمہارے دل میں ہو، اگر تم سوچ لو کہ جو خواب تم دیکھ رہی ہو اور جس کے بارے میں دیکھ رہی ہو، اس کیلئے تم صرف اور صرف سچائی چاہتی ہو تو کیا فرزان اور کیا میں...... کوئی تمہارے ذہن کے بند دروازے سے اندر داخل نہیں ہو سکتا، انسانی دماغ میں اس قدر قوتیں پوشیدہ ہیں ثنا کہ اگر کوئی ان قوتوں کا راز جان لے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا علم کہاں تک پہنچ جائے، آہ یہی تو میں چاہتا ہوں کہ میں انسانی دماغ کو پڑھ کر اس پر حکمرانی کا راز جان لوں، مجھے یہ پتہ چل جائے کہ اس وقت کونسے ملک کا سربراہ کس ملک کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے تو کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میری قوتیں کہاں پہنچ جائیں، ثنا! لوگ دولت کے حصول کیلئے طرح طرح کے علم حاصل کرتے ہیں، طرح طرح کی قوتوں کی تلاش میں زندگیاں گنوا دیتے ہیں، میں ایک ایسی انوکھی قوت کی تلاش میں ہوں جسے کوئی بھی نہیں جانتا سوائے ایک شخص کے جو اس پر تحقیق کر رہا تھا اور اپنی اس تحقیق کو اس نے ایک انوکھے رنگ میں رنگ دیا، میں اس کے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤں گا تمہیں لیکن بس یہ سمجھ لو کہ کچھ چیزیں میری زندگی کیلئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے، میرے علم میں یہ بات ہے کہ چند افراد چند چیزوں کے بارے میں جانتے ہیں، میں نے بمشکل تمام ان کا سراغ لگایا ہے، وہ اس راز کو جانتے ہیں جو انسانی ذہن کے پاتال میں اترنے کا راز ہے، میں انسانی ذہن کے پاتال میں اترنا چاہتا ہوں لیکن بس کچھ نقطے ایسے باقی ہیں جو...... جو۔'' اچانک ہی راجہ ہدایت خان ایسے چونکا جیسے اسے ایک دم احساس ہوا ہو کہ وہ جذبات میں آ کر کیا بکواس کر رہا ہے۔ اس نے غصیلی نگاہوں سے ثنا کے چہرے کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ''اور تم غدار ہو، سو فیصد غدار...... لیکن کوئی بات نہیں، میں اپنا موقف بدل رہا ہوں، میں تمہیں آسانی سے ان کے حوالے نہیں کروں گا، تمہیں میرے لئے کام کرنا ہے، میں اب اپنا انداز بدل رہا ہوں، وہ سب کچھ کر رہا ہوں جو دوسرے معنوں میں مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، تھو کتا ہوں میں راجہ ہدایت خان یہ دولت، اس کی جائیداد اور ان ساری چیزوں پر جو اب تک مجھے ایک راستے پر چلاتی رہی ہیں، ثنا! تم آسانی سے میرے چنگل سے نہیں نکل سکو گی، اس وقت تک جب تک کہ میرے مقصد کی تکمیل نہ کردو، سمجھ رہی ہو نا، تمہیں کچھ لوگوں کے خواب دیکھنے ہیں لیکن اپنی تمام تر قوت ارادی کے ساتھ، کیا سمجھیں؟''

ثنا، راجہ ہدایت خان کو دیکھتی رہی، اس کے دل میں ایک خوشی کی لہر اٹھی تھی اور خوشی اس بات کی تھی کہ راجہ ہدایت خان نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اگر وہ اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اپنے ذہن کے دروازے بند کر دے تو پھر وہ اپنے خوابوں میں آزاد ہو گی۔ اس نے دل میں کہا کہ راجہ ہدایت خان تیرا میرا کھیل اب چوہے بلی کا کھیل نہیں رہا ہے بلکہ میں اب چوہے سے بلی بن گئی ہوں، میں تجھے اس طرح نچاؤں گی کہ تو بھی یاد کرے گا اور آخرکار ایک دن تو یہ کہے گا کہ ثنا! جاؤ حیات علی کے پاس جاؤ اور میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارے سلسلے میں مجھے مکمل ناکامی ہوئی ہے۔ یہ تمام خیالات ثنا کے دل میں تھے اور اسے اس بات کی خوشی تھی کہ راجہ ہدایت خان چاہے کتنے ہی پراسرار علوم کا مالک کیوں نہ ہو، بے شمار معاملات میں اسے کوئی ایسی قوت حاصل نہیں تھی، وہ دلوں کے راز نہیں جان سکتا تھا، وہ دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔

بہرحال راجہ ہدایت خان ثنا کو یہ دھمکیاں دینے کے بعد وہاں سے نکل آیا۔ جو کچھ بھی اس پر بیتی تھی، وہ بہت بری تھی، قصبہ امیر شاہ میں راجہ ہدایت خان کا ایک مقام تھا اور یہ شخص اگر راجہ ہدایت خان نہیں تھا تب بھی اس کے نام پر ہزاروں انسانوں پر حکمرانی کر رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کے بارے میں یہ بات مشہور تو ہو ہی چکی ہو گی کہ پولیس اس جیسے شخص کو گرفتار کر کے لے گئی ہے، اب واپسی جس انداز میں بھی ہوئی ہو، وہ ایک الگ بات ہے۔ بہرحال پولیس آفس سے وہ جس طرح نکل آیا تھا، یہ اس کی قوت کا ایک کرشمہ تھا اور اس وقت ثنا کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا تھا، اس سے اس کی اندرونی کیفیات کا پتہ چلتا تھا۔

پھر ثنا کے پاس سے رخصت ہو کر وہ دوسرے تہہ خانے میں آیا جہاں اس نے نجانے کس جذبے کے تحت شمشاد علی اور رانیہ کو یکجا کر دیا تھا، وہ اس کٹہرے کے سامنے پہنچ گیا جس کے دوسری طرف وہ دونوں موجود تھے اور ایک لمحے کے اندر اندر اس نے محسوس کر لیا کہ دونوں کے چہروں پر خوشی کے تاثرات ہیں، اس کا وجود جل کر خاکستر ہو گیا اور اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم لوگ یہاں عیش کر رہے ہو۔''

رانیہ نے مسرور لہجے میں کہا۔ ''راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے ہم دونوں پر یہ احسان کیوں کیا ہے، اب تو کاغذات بھی میرے قبضے میں نہیں ہیں کہ میں تمہیں وہ کاغذات دے سکوں، تم نے مجھے اور شمشاد علی کو اس قید خانے میں یکجا کر کے جو خوشی دی ہے، اس کے بدلے میں ہم دونوں تمہیں اپنی جان دینے کیلئے تیار ہیں اور خلوص دل کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس وقت چاہو ہمیں زندگی سے محروم کر دو۔''

''اچھا...... بڑی بات ہے، مگر غلطی کس سے نہیں ہوتی، مجھ سے بھی ہو گئی، البتہ رانیہ تو نے ان پولیس والوں کو عدلان سوناری کے بارے میں بتا کر وہ جرم کیا ہے جو ناقابل معافی ہے۔''

رانیہ نے چونک کر راجہ ہدایت خان کو دیکھا اور بولی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''جھوٹ بولے گی مجھ سے، بتا کیا بتایا تو نے میرے بارے میں ان لوگوں کو، کیا کہا ہے تو نے عدلان سوناری کے بارے میں، عدلان سوناری کے بارے میں بتا کر تو نے مجھے تشویش کا شکار کر دیا ہے کیونکہ ابھی میں اس نام کو صیغہ راز میں رکھنا چاہتا تھا، اس وقت تک جب تک مجھے میری تمام قوتیں نہ مل جائیں، برا کیا ہے تو نے رانیہ...... برا کیا۔''

رانیہ خاموش نگاہوں سے راجہ ہدایت خان کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ عدلان سوناری کی کہانی تو اس نے حیات علی یا ایس ایس پی سجاد حسین کو نہیں سنائی تھی، بس اتنا ہی بتایا تھا کہ راجہ ہدایت خان اصل راجہ ہدایت خان نہیں ہے بلکہ عدلان سوناری نامی ایک شخص ہے غالباً اصل بات عدلان سوناری کو پتہ نہیں چل سکی کہ اس نے اس نام کے علاوہ کوئی اور بات پولیس کو نہیں بتائی، کیا وہ یہ بات عدلان سوناری کو بتا دے یا پھر خاموشی اختیار کرے۔ اس نے دوسری بات مناسب سمجھی تھی۔

راجہ ہدایت خان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا پھر اس نے کہا۔ ''مجھے بہت سے کام تھے کمبخو! جو تم لوگوں کی حرکتوں کی وجہ سے ادھورے رہ گئے ہیں، کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا میں، اگر تو اسے احسان سمجھتی ہے رانیہ تو میں یہ احسان تجھ پر کرتا رہوں گا، شمشاد علی کے ساتھ میں تجھے ایک دوسری جگہ منتقل کر رہا ہوں، وہاں تم لوگ آرام سے رہو گے لیکن میرے قیدی...... اس وقت آزاد کروں گا تمہیں جب مناسب سمجھوں گا، ویسے رانیہ! شمشاد علی کے صلے میں تو مجھے اتنا تو بتا دے کہ کاغذات تو نے کہاں چھپائے تھے؟''

''اب تو وہ پولیس کی تحویل میں ہیں۔''

''پتہ چلا لوں گا ان کا، میں پتہ چلا لوں گا لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ دوسرے کام کرنے ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔''

''کاغذات چاند بابا کے پاس تھے جنہیں تم نے زندگی سے محروم کر دیا۔''

''چاند بابا کے پاس سے وہ پولیس افسران تک کس طرح پہنچے؟''

''یقین کرو یہ بات میں نہیں جانتی۔''

''ہوں، چل ٹھیک ہے، آہستہ آہستہ سارے بھید کھلیں گے، تیار ہو جاؤ تم دونوں، میں تمہیں یہاں سے منتقل کر رہا ہوں، خاقان......!''

راجہ ہدایت خان نے پکارا اور خاقان چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔

''حکم مالک......؟''

''ان دونوں کو ایک نئی جگہ منتقل کرنا ہے، تیاریاں کرو، میں جگہ کے بارے میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''جی مالک۔'' خاقان نے گردن جھکا دی تھی۔

☆......☆......☆

سجاد حسین کے پاس ان تمام باتوں کا کوئی حل نہیں تھا، اگر ثنا کا معاملہ نہ ہوتا اور ان کا چہیتا انسپکٹر حیات علی اس کے بارے میں اس قدر جذباتی نہ ہوتا تو شاید وہ راجہ ہدایت خان کے سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کر لیتے کیونکہ ان پراسرار واقعات سے نمٹنا ان کے بس کی بات نہیں تھی، بہرحال حیات علی کو طلب کر کے انہوں نے اس سے گفتگو کی۔

''حیات علی! اب تو ایک ہی ترکیب رہ جاتی ہے ثنا کے حصول کے سلسلے میں۔'' حیات علی نے نڈھال نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھا تو سجاد حسین پھر بولے۔ ''تم وہ کاغذات لے کر راجہ ہدایت خان کے پاس پہنچ جاؤ اور اس سے اس بارے میں بات کر لو کہ اگر ثنا ان حوالے کر دی جائے تو کاغذات تم فوری طور پر راجہ ہدایت خان کو دے دو گے۔''

حیات علی نے نگاہیں اٹھا کر سجاد حسین کو دیکھا اور بولا۔ ''کیا آپ یہ بات مناسب سمجھتے ہیں؟''

''بالکل نہیں، ان کاغذات میں کیا ہے، عدلان سوناری کون ہے، اصل راجہ ہدایت خان کہاں ہے، یہ وہ سوالات ہیں جنہیں اپنے ذہن میں جگہ دو تو قانون پامال ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، ہمارا فرض تو یہی ہے کہ ایک شخص جو ایک برے انسان کی حیثیت سے ہمارے سامنے آیا ہے، ہمارے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے، لیکن وقت کی آواز کچھ اور ہے، وہ کمبخت پراسرار علوم کا ماہر ہے اور جو اس نے تماشا کیا ہے، تمہیں خود اندازہ ہے کہ اگر اعلیٰ پیمانے پر اس سلسلے میں کوئی کام ہوتا تو نتیجہ کیا نکل سکتا تھا، خوار ہو کر رہ جاتے ہم لوگ...... بہرحال مجبوری ہے، میں کاغذات تمہارے حوالے کر رہا ہوں، اگر کاغذات کے بدلے ثنا گھر واپس آجاتی ہے تو ہم صبر کر لیں گے۔''

حیات علی نے گردن جھکا دی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کام کیلئے تیار ہے حالانکہ راجہ ہدایت خان کیلئے اس کے دل میں بے پناہ نفرت تھی، وہ سوچتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، راجہ ہدایت خان کو تباہ و برباد کر دے اور ثنا کو حاصل کر لے لیکن اب یہ بات صاف ظاہر ہو چکی تھی کہ راجہ ہدایت خان پر قابو پانا ایک مشکل کام ہے۔

بہرحال شام کو ساڑھے سات بجے کا وقت طے ہوا۔ کاغذات سجاد حسین کی کوٹھی پر تھے لیکن جب ساڑھے سات بجے اور حیات علی سجاد حسین کی کوٹھی پر پہنچا تو سجاد حسین گم صم بیٹھے ہوئے تھے، حیات علی نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مضمحل لہجے میں کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے سر......؟''

''شاید نہیں۔'' سجاد حسین نے جواب دیا۔

''خیریت تو ہے جناب......؟''

''حیات علی! کاغذات اس جگہ سے غائب ہیں جہاں میں نے انہیں محفوظ کیا تھا۔'' سجاد حسین نے انکشاف کیا۔

حیات علی کا ذہن بھک سے اڑ گیا، وہ نہ سمجھنے والے انداز میں سجاد حسین کو دیکھتا رہا، سجاد حسین نے پھر کہا۔ ''اور تم یقین کر لو کہ جس جگہ میں نے انہیں رکھا تھا، وہ اس قدر محفوظ تھی کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہاں کوئی اور پہنچ سکتا ہے، میں نے گھر کے ایک ایک فرد اور ملازموں سے اس جگہ کے بارے میں معلومات کر لی ہیں کہ وہاں تک کوئی پہنچا تو نہیں لیکن وہ ایسی جگہ ہے ہی نہیں جہاں کسی کا ذہن جائے۔''

حیات علی سپاٹ نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھ رہا تھا۔

''اب بتاؤ کیا کیا جائے؟'' سجاد حسین نے پوچھا۔

''کچھ نہیں جناب! میں ثنا کو بھولنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ بیچاری جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے، بھگتے گی، ویسے سر یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ ہوا، آپ کے کہنے سے ہوا، مجھے کسی بھی قیمت پر ثنا کو داؤ پر نہیں لگانا چاہئے تھا، میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔''

سجاد حسین نے حیات علی کے لہجے میں ناگواری محسوس کرلی تھی، لیکن سمجھدار آدمی تھے، جانتے تھے کہ حیات علی کے دل پر جو چوٹیں لگ رہی ہیں، وہ اسے نجانے کہاں سے کہاں لے جاسکتی ہیں، اپنی حیثیت کا اظہار کرکے وہ اس وقت حیات علی کا دل نہیں توڑنا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔ ''کاغذات کی گمشدگی کا مطلب ہے کہ راجہ ہدایت خان اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا، بے شک یہ ایک بہت ہی درد بھرا پہلو ہے لیکن افسوس ہم اس مرحلے سے گزر رہے ہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ آگے کی صورتحال کیا ہو۔''

''سر! میں لمبی چھٹی پر جانا چاہتا ہوں، آپ اس کیلئے تو میری مدد کرسکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں، جتنے دن کی چھٹی پر جاہو چلے جاؤ، ایک کام کرتے ہیں۔''

''جی سر......!'' حیات علی نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''قصبہ امیر شاہ چلتے ہیں، وہاں چل کر راجہ ہدایت خان سے ملیں گے۔''

''جی۔'' حیات علی نے سجاد حسین کو بے یقینی سے دیکھا۔

''ہاں، جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں، اس میں میرا ساتھ دو۔''

☆......☆......☆

سادہ لباس میں یہ لوگ اس وقت وہاں پہنچے تھے جب انہوں نے چند افراد کو راجہ صاحب کی حویلی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ آج حیران کن طریقے سے حیات علی کو بھی حویلی میں داخل ہونے سے نہیں روکا گیا، ویسے بھی اس وقت حویلی پر وہ پہریدار نہیں تھے جو پہلے کئی مرتبہ حیات علی کو مل چکے تھے، انہوں نے درسگاہ تک ان لوگوں کی رہنمائی کی اور وہ وسیع وعریض درسگاہ میں مؤدب انداز میں بیٹھ گئے جہاں کئی ایسے چہرے نظر آرہے تھے جنہیں سجاد حسین اور حیات علی جانتے تھے، بڑے بڑے رئیس اور بڑی بڑی حیثیت والے لوگ تھے، اس چیز نے بھی انہیں پریشان کیا تھا۔

پھر راجہ ہدایت خان ایک سلک کے لبادے میں اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر بڑا جلال تھا اور اس وقت اس کی شخصیت بڑی متاثر کن محسوس ہورہی تھی، لوگوں نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا، اس نے ایک نگاہ سب پر ڈالی اور پھر ایک اونچی کرسی پر بیٹھ گیا، پھر اس کی گونجدار آواز ابھری، ایک مختصری تقریر کے بعد اس نے کہا۔ ''میرے لائق جو بھی خدمت ہے، آپ لوگ بلاجھجک مجھے بتایئے، دعاؤں میں بڑی قوت ہوتی ہے، میرے پاس آپ کیلئے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' لوگ اس سے اپنی مشکلات بیان کرنے لگے اور پھر اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔

سجاد حسین نے سب سے آخر میں اس کے قریب پہنچ کر سرد لہجے میں کہا تھا۔ ''راجہ ہدایت خان! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر تو پولیس کو جل دے سکتا ہے تو یہ تیری بھول ہے، ہم لوگ یہی حلف اٹھاتے ہیں کہ کسی جرائم پیشہ شخص یا کسی بھی جرم کے خلاف جدوجہد ہماری زندگی کی آخری سانس تک جاری رہے گی، راجہ ہدایت خان! یہ جدوجہد تیرے خلاف بھی جاری رہے گی۔''

سجاد حسین کے الفاظ میں بڑی کاٹ تھی اور ان کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی لیکن جواب میں راجہ ہدایت خان نے بڑی نامانوس اور اجنبی نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھا پھر بولا۔ ''کیا بات ہے بھائی! آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہے؟''

''ہاں، راجہ ہدایت خان! شکایت ہے تجھ سے، دیکھ ہمیں مجبور مت کر کہ ہم قانون کی حفاظت کیلئے لاقانونیت کا سہارا لیں، ثنا کو واپس کردے، رانیہ اور شمشاد علی کو ہمارے حوالے کردے، اسی میں تیری بقا ہے۔''

''بہت بدتمیزی سے بول رہے ہو، خیر کوئی تکلیف پہنچی ہوگی ضرور مگر یقین کرو ہم ناواقف ہیں، ہم تو لوگوں کیلئے صرف دعائیں کرتے ہیں، تم نجانے کس ثنا اور کس رانیہ کی بات کررہے ہو؟''

''گویا کوئی امکان نہیں ہے اس بات کا کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرلو، ہم کاغذات اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں، اگر تم چاہو تو سودا کرسکتے ہو۔''

انہوں نے راجہ ہدایت خان کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی پائی تھی لیکن پھر اس نے نوردین کو آواز دی اور کہا۔ ''نوردین! معزز مہمانوں کو باہر تک چھوڑ آؤ اور پہریداروں سے کہہ دو کہ ان پر نگاہ رکھیں، بعض اوقات ہمارے کچھ دشمن بھی اندر آجاتے ہیں، ہم ان سے نمٹنے کے خواہشمند ہیں، سمجھ رہے ہو نا ہماری بات......؟''

''جی حضور، آیئے۔'' نوردین نے کسی قدر جارحانہ انداز میں کہا۔ اسی وقت خاقان بھی آکر کھڑا ہوگیا۔ یہ دھمکی تھی۔

سجاد حسین نے گردن ہلائی اور بولے۔ ''ٹھیک ہے راجہ ہدایت خان! اب ذرا کھیل کا انداز بدل جائے گا۔''

جواب میں راجہ ہدایت خان مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ سجاد حسین، حیات علی کے ساتھ باہر نکل آیا، نوردین اور خاقان پہریداروں سے بات کرنے لگے، وہ دونوں سمجھ گئے کہ وہ لوگ کیا بات کررہے ہیں، پہریداروں کی آنکھوں میں سختی ابھر آئی تھی اور وہ خونخوار نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

حویلی کے بڑے گیٹ سے باہر نکل کر دونوں چل پڑے، انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ پیچھے سے انہیں دیکھا جارہا ہوگا پھر جب اتنا فاصلہ طے ہوگیا کہ حویلی والے ان میں سے کسی کو نہ دیکھ سکیں تو سجاد حسین کے اشارے پر حیات علی نے گاڑی روک دی اور سوالیہ نگاہوں سے سجاد حسین کو دیکھنے لگا۔

سجاد حسین نے کہا۔ ''حیات علی! میرا خیال ہے اب پانی سر سے اونچا ہوچکا ہے۔''

حیات علی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے سر آپ نے اب یہ بات محسوس کی ہو۔''

''میں ایک بات تم سے کہوں، تلخ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود بھی ان معاملات میں اتنا ہی ملوث ہوں جتنے تم، لیکن بعض اوقات صورتحال ایسی ناگزیر ہوجاتی ہے کہ ہمارے لئے صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، خیر ہم نے سارے مرحلے طے کرلئے ہیں، اب صرف ایک صورتحال باقی ہے وہ یہ کہ ہم راجہ ہدایت خان کا تعاقب کریں، اس کیلئے کچھ بندوبست کرنا ہے، میرا خیال ہے ہمیں یہاں تھانہ انچارج سے بھی مدد نہیں لینی چاہئے، کون جانے کون راجہ ہدایت خان کا ہرکارہ ہو۔''

حیات علی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکا دی تھی۔ بہرحال سجاد حسین نے انتظامات کئے، رات کو تقریباً ڈھائی بجے تھے جب انہوں نے راجہ ہدایت خان کو ایک گاڑی میں حویلی سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا، یہ دونوں حویلی سے کچھ فاصلے پر ایک ایسی جگہ منتخب کرکے چھپے ہوئے تھے جہاں سے وہ حویلی کا بھرپور جائزہ لے سکتے تھے۔

جب راجہ ہدایت خان کی لینڈ کروزر کافی آگے نکل گئی تو انہوں نے اپنی چھوٹی کار اسٹارٹ کی اور اس کی لائٹیں جلائے بغیر اس کے پیچھے چل پڑے۔

خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا اور پھر ایک ایسی جگہ جہاں انگریزوں کے زمانے کا ایک ڈاک بنگلہ تھا، انہوں نے راجہ ہدایت خان کی لینڈ کروزر کو رکتے ہوئے دیکھا، راجہ ہدایت خان اپنے دونوں خاص آدمیوں کے ساتھ نیچے اترگیا تھا پھر وہ ڈاک بنگلے میں داخل ہوگیا۔

سجاد حسین اور حیات علی نے یہاں بھی اپنے لئے ایک جگہ منتخب کی اور پھر وہ انتظار کرتے رہے، کوئی ایک گھنٹے کے بعد راجہ ہدایت خان وہاں سے واپس نکلا تھا اور لینڈ کروزر میں بیٹھ کر واپس چل پڑا تھا، حیات علی نے سجاد حسین کی طرف دیکھا تو سجاد حسین نے کہا۔ ''راجہ ہدایت خان کا پیچھا کرنا اس وقت بیکار ہے، یہ بتاؤ کہ تم اس بنگلے کی نگرانی کروگے یا میں......میرا مطلب ہے ڈاک بنگلے کی۔''

''جیسا آپ کا حکم سر!''

''میں جاتا ہوں، انتظام مجھے ہی کرنا ہوگا، تم یہاں احتیاط کے ساتھ ڈاک بنگلے کی نگرانی کرو۔''

سجاد حسین تھوڑا سا انتظار کرنے کے بعد وہاں سے چل پڑے، انہیں ایک لمبا فاصلہ طے کرکے شہر تک پہنچنا تھا اور اس کے بعد واپس بھی آنا تھا۔ اس وقت صبح کے تقریباً ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب سجاد حسین پولیس فورس کے ساتھ ڈاک بنگلے پر پہنچے۔

حیات علی اس وقت بھی جاگ کر بنگلے کی نگرانی کررہا تھا، پولیس کے دو ٹرک وہاں پہنچ کر رک گئے اور اس سے پولیس والے نیچے اترنے لگے۔

سجاد حسین کی ہدایت پر ڈاک بنگلے پر حملہ کردیا گیا اور پولیس پورے بنگلے پر قابض ہوگئی، سجاد حسین اور حیات علی اسلحے سے لیس ایک ایک جگہ کی نگرانی کررہے تھے، وہاں ایسے پانچ افراد ملے جو پہریداروں کی حیثیت رکھتے تھے چونکہ انہیں گرفتار کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی، انہوں نے آسانی سے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس کے بعد ان لوگوں کی مدد سے ڈاک بنگلے کے اندر موجود تہہ خانے دریافت کئے گئے جو راجہ ہدایت خان نے بعد میں تعمیر کرائے تھے اور ان تہہ خانوں میں انہیں سات افراد قید ملے، یہ راجہ ہدایت خان کے کسی نہ کسی طرح دشمن تھے، سات افراد میں ایک آدمی بڑا کام کا نکلا، یہ میجر ریاض تھا، فوج کا ایک ایسا کارکن جو راجہ ہدایت خان کے خلاف ہوگیا تھا، تب راجہ ہدایت خان کو اسے اپنے قبضے میں کرنا پڑا، وہ بہت بری حالت میں تھا، اس کے جسم پر لاتعداد تشدد کے نشانات تھے، نیم غشی کی سی کیفیت اس پر طاری تھی۔

بہرحال انہیں رانیہ، شمشاد علی اور ثنا حیدر کی تلاش تھی، لیکن ان میں سے کوئی انہیں نہیں مل سکا تھا، ڈاک بنگلے پر ایک کامیاب حملہ کیا گیا تھا، جو لوگ قیدی بنے تھے، وہ راجہ ہدایت خان کے خلاف ہر طرح کا بیان دینے پر آمادہ تھے مزید یہ کہ گرفتار شدہ لوگوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ نوردین، خاقان اور راجہ ہدایت خان کے تشدد کا نشانہ بنتے ہیں، یہاں سے راجہ ہدایت خان کی حویلی تک پہنچنا مشکل نہیں تھا لیکن اس سے پہلے اور بہت سے معاملات طے کرنا تھے، سجاد حسین ہر مرحلے پر حیات علی سے مشورہ کررہے تھے، یہ طے کرنا تھا کہ ابھی حویلی کا محاصرہ کرلیا جائے یا پہلے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کرکے راجہ ہدایت خان کے خلاف کارروائی کی جائے۔

''جناب! اگر راجہ ہدایت خان حویلی سے نکل گیا تو سارے کام گڑبڑ ہوجائیں گے، چنانچہ میرا خیال ہے حویلی کے اطراف میں پولیس کو لگا دیا جائے، ان میں سے ایک گروپ گرفتار شدگان کو لے کر شہر روانہ ہوجائے، اگر آپ اجازت دیں تو میں حویلی کی نگرانی کروں؟''

''ٹھیک ہے، پولیس کی نفری کے ساتھ تم حویلی کو گھیر لو، ابھی اندر داخل ہونے کی کوشش مت کرنا، ادھر سے کوئی مدافعت ہو تو مقابلہ شروع کرسکتے ہو کیونکہ ہمارے پاس کچھ ایسے معتبر نام موجود ہیں جو اس سلسلے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں۔'' سجاد حسین نے کہا اور پھر وہ گرفتار شدگان کے ساتھ شہر روانہ ہوگئے۔

اس بارے میں میجر ریاض سب سے زیادہ کام کا آدمی ثابت ہوا، دوسرے لوگ تو شاید راجہ ہدایت خان کے نام پر اس کی حویلی میں کسی بڑی کارروائی کی مخالفت کرتے، لیکن میجر ریاض نے ساری رکاوٹیں ختم کردیں، وہاں فوج کے ایک دستے نے کارروائی کی اور حویلی میں موجود چڑیا کے بچے کو بھی نہیں چھوڑا گیا، ہر کونے کھدرے کو چیک کرلیا گیا، لیکن راجہ ہدایت خان، نہ ثنا، رانیہ اور شمشاد علی ملے نہ ہی خاقان اور نوردین کا پتہ چلا۔ راجہ ہدایت خان اس طرح غائب ہوگیا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔

بات تھی بھی کچھ ایسی ہی......عدلان سوناری کون تھا، کیا تھا، یہ بات رانیہ جانتی تھی یا فرزان یا ممکن ہے کچھ اور لوگ بھی یہ راز جانتے ہوں جیسے خاقان اور نوردین جو بظاہر راجہ ہدایت خان ہی کے وفادار سمجھے جاتے تھے لیکن کون جانے کہ وہ عدلان سوناری کی اصلیت سے بھی واقف ہوں۔

عدلان سوناری، راجہ ہدایت خان کے روپ میں اپنی کارروائی میں مصروف تھا، رانیہ اور شمشاد علی کو اس نے کسی ایسی جگہ منتقل کردیا تھا جو یقیناً اس کیلئے کوئی محفوظ پناہ گاہ ہوگی لیکن حویلی میں آکر اس نے سب سے پہلے ثنا کو اپنے قبضے میں کیا اور کہا تھا۔ ''آؤ ثنا ہمیں ایک ضروری کام سے چلنا ہے۔''

ثنا نے بے بس نگاہوں سے راجہ ہدایت خان کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی، لیکن اسے ذرا سا تعجب ہوا تھا کیونکہ راجہ ہدایت خان کسی قدر بدحواس سا نظر آرہا تھا، حویلی سے باہر نکلنے کیلئے بھی اس نے ایک چور راستہ اختیار کیا تھا اور ثنا کو حیرت ہوئی تھی، ایک لمبی اور بدنما سرنگ کے ذریعے وہ ایک ایسی جگہ نکلے تھے جہاں کھیت بکھرے ہوئے تھے اور کھیتوں میں ایک مکان جیسی جگہ بنی ہوئی تھی، بہرحال راجہ ہدایت خان وہاں بھی نہ رکا اور راتوں رات ثنا کو ساتھ لئے سفر کرتا رہا، وہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، یہاں تک کہ ثنا کو کہنا پڑا۔ ''راجہ صاحب! کیا آپ میرا کوئی امتحان لے رہے ہیں؟''

راجہ ہدایت خان نے عجیب سی نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ''یہی سمجھ لو ثنا! امتحان تو کٹھن ہی ہوا کرتے ہیں۔''

''میں تھک گئی ہوں اور اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔'' ثنا نے کہا اور ایک جگہ جا بیٹھی۔

پھر دور سے ایک روشنی سی نظر آئی جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی، ساتھ ہی گھنٹی کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

راجہ ہدایت خان نے ایک نگاہ ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ''ذرا ادھر آکر بیٹھ جاؤ۔''

ثنا نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ مدھم پیلی روشنی لالٹین کی تھی جو ایک بیل گاڑی میں لٹکی ہوئی تھی اور گاڑی بان گاڑی پر بیٹھا ہوا تھا۔

راجہ ہدایت خان سامنے آگیا اور بولا۔ ''ذرا گاڑی روک لو بھائی! ہم مسافر ہیں اور ایک مشکل میں پھنس گئے ہیں۔''

''کیا ہوا بھیا......؟'' بیل گاڑی والے نے ازراہِ انسانیت پوچھا۔

''میری بیوی بے ہوش ہوگئی ہے، ادھر پڑی ہوئی ہے، ذرا اسے اٹھا کرلے آؤ بھیا! ہمیں کسی بستی میں چھوڑ دو تمہاری مہربانی ہوگی۔''

بیل گاڑی والا ہمدردی میں نیچے اتر آیا، ادھیڑ عمر کا ایک سیدھا سادہ دیہاتی تھا۔

ثنا یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی کہ اچانک ہی اس نے اس طرح کی آواز سنی جیسے کسی بکرے کو ذبح کیا جاتا ہے۔

یہ آواز راجہ ہدایت خان کی نہیں تھی۔ ثنا کا بدن لرز گیا، راجہ ہدایت خان کی درندگی سے وہ اچھی طرح واقف تھی، وہ ایک ظالم فطرت انسان تھا، پتہ نہیں بیچارے دیہاتی کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا۔ ثنا لرزتی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیہاتی کو باہر آتے ہوئے دیکھا، وہ حیرت سے چونک پڑی لیکن پھر تاریکی کی عادی آنکھوں نے ایک اور منظر دیکھا، وہ دیہاتی نہیں بلکہ راجہ ہدایت خان تھا جس نے دیہاتی کا لباس اپنے بدن پر پہن لیا تھا اور اس کے بعد وہ ثنا کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''آؤ تمہاری تھکن کا بندوبست ہوگیا ہے۔''

''وہ......وہ......!'' ثنا نے پوچھنا چاہا۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں، آجاؤ۔'' راجہ ہدایت خان نے کہا اور بیل گاڑی پر سوار ہوگیا۔

ثنا کو بھی اس نے سہارا دے کر بیل گاڑی پر بٹھالیا تھا مگر ثنا کے دماغ میں بھائیں بھائیں ہورہی تھی۔ دیہاتی کی کربناک چیخ اسے سنائی دی تھی اور اس چیخ سے یہ اندازہ ہورہا تھا کہ دیہاتی اب اس دنیا میں نہیں ہے، بہرحال راجہ ہدایت خان جیسے درندے سے نمٹنا آسان بات نہیں تھی لیکن جتنا بھی سفر طے ہوا، اس میں ثنا کے دل میں نفرت کے طوفان امڈتے رہے، پتہ نہیں یہ کمبخت اب کہاں جارہا ہے اور کیا قصہ ہے، حویلی کو چھوڑنا یقیناً کوئی معمولی بات نہیں تھی، جس طرح راجہ ہدایت خان حویلی سے باہر نکلا تھا، اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ چھپ چھپا کر حویلی سے نکلا ہے اور وہاں اسے کوئی خطرہ ہے۔

تاروں کی مدھم روشنی میں وہ سفر کرتے رہے، بیل کے گلے کی گھنٹی بج رہی تھی اور بیل گاڑی مسلسل پگڈنڈی پر سفر کررہی تھی، جس پر سفر کرتی ہوئی وہ وہاں تک پہنچ گئی تھی، یہاں تک کہ ایک کچی بستی کے آثار نظر آئے، کوئی چھوٹا سا گاؤں تھا جو کچے پکے مکانات پر مشتمل تھا، راجہ ہدایت خان نے بیل گاڑی گاؤں کی سرحد پر چھوڑ دی تھی اور اس کے بعد وہ ثنا سے بولا۔ ''آجاؤ ثنا! بڑی خاموش ہو، یقیناً کوئی گہری بات سوچ رہی ہو لیکن میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں فی الحال میری اور تمہاری تقدیر کے ستارے اس طرح آپس میں ملے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے، ہاں اس بات کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ذریعے میرے کام کی تکمیل ہوگئی تو میں پوری عزت و احترام کے ساتھ حیات علی کے پاس پہنچا دوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے، میں بہت برا آدمی ہوں ثنا اور بہت برے آدمی بہت کم جھوٹ بولتے ہیں، آجاؤ۔''

راجہ ہدایت خان اسے لئے ہوئے بستی میں داخل ہوگیا۔ بستی میں زندگی کے آثار نمودار ہوتے جارہے تھے، اسے شاید بستی کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں، پھر ایک ہل لے کر آگے بڑھتے ہوئے کسان سے اس نے پوچھا۔ ''بھائی! ہم لوگ مسافر ہیں، کیا تم ہماری مدد کرسکتے ہو، اس بستی کا نام کیا ہے؟''

''اسے وگی ڈھاری کہتے ہیں اور سامنے ہی بابو کی سرائے ہے، یہاں تمہیں آرام کرنے کی جگہ مل جائے گی۔'' دیہاتی نے رہنمائی کی اور راجہ ہدایت خان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ثنا کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

بابو کی سرائے میں انہیں ایک اچھی خاصی جگہ رہنے کیلئے مل گئی تھی، دس گیارہ بجے تک آرام کیا گیا، ناشتہ منگوایا گیا، جو باجرے کی روٹی، مکھن اور گاڑھے گاڑھے دودھ پر مشتمل تھا۔

راجہ ہدایت خان کے چہرے سے یہ اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کسی مشکل کا شکار ہے اور اس نے ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ثنا سے کہا۔ ''دیکھو ثنا! بالکل اتفاقیہ طور پر میرا تمہارا اتنا لمبا ساتھ ہوگیا ہے، میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں کہ اگر میرا کام ہوگیا تو میں پوری عزت واحترام کے ساتھ تمہیں واپس حیات علی کے پاس پہنچا دوں گا لیکن جب تک میرا کام نہیں ہوگا، ثنا تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا، میرے دشمن نے اپنا علم تمہاری آنکھوں کو دے دیا ہے، مجھے تمہاری نہیں تمہاری ان آنکھوں اور تمہارے دماغ کی ضرورت ہے، مجھے اس بات کیلئے مجبور مت کرنا کہ اپنی کوششوں میں ناکام ہوکر میں تمہاری یہ آنکھیں ہی نکال لوں، ساری زندگی تاریکیوں میں گزر جائے گی اور میں ایسا کرسکتا ہوں ثنا......! وقت ذرا بگڑ گیا ہے، تمہارے محبوب حیات علی نے اپنے افسر اعلیٰ کے ساتھ مل کر مجھے بہت بڑا نقصان پہنچا دیا ہے لیکن کوئی بات نہیں، زندگی میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے، میں آخری وقت تک یہ کوشش کروں گا کہ میرا دشمن فرزان میرے اوپر قابو نہ پاسکے، اسے تو خیر میں ناکام کرہی دوں گا لیکن ابھی میری وہ پڑھائی مکمل نہیں ہوئی جسے مکمل کرنے کے بعد میں بہت بڑی طاقت کا مالک بن جاؤں گا، وہ کاغذات جن کی تلاش کیلئے میں سرگرداں رہا ہوں، میرے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے، یہ ایک بہت ہی لمبی اور الجھی ہوئی کہانی ہے جو میں تمہیں ابھی نہیں سناؤں گا بس یوں سمجھ لو کہ بعض اوقات انسان نہ چاہتے ہوئے بھی حالات کا شکار ہوجاتا ہے جو اسے نیم مردہ کردیتے ہیں، ثنا! تمہیں ہر قیمت پر میرا ساتھ دینا ہوگا اور اگر تم نے اسی طرح مجھ سے غداری کی تو پھر یہ بات سمجھ لو کہ تم کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکو گی۔''

ثنا نے ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ راجہ ہدایت خان نے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''یہ اجنبی جگہ ہے تمہارے لئے، یہاں سے کہیں نکل بھاگنے کی کوشش مت کرنا، میری تمام تر قوتیں تمہارے گرد پہرہ دیتی رہیں گی اور تم کسی اور مصیبت میں گرفتار ہوجاؤ گی، میں ذرا جارہا ہوں، ہوسکتا ہے مجھے تھوڑی بہت دیر لگ جائے، یہاں آرام سے رہو، میں دو گھنٹے تین گھنٹے میں واپس آجاؤں گا، خیال رکھنا ثنا زندگی اتنی آسانی سے کھو دینے کیلئے نہیں ہوتی، تمہیں زندگی کی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، اگر تم نے اپنی غداری کا یہ سلسلہ جاری رکھا، ٹھیک ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس سے ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ملے گا لیکن سمجھدار کیلئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔''

راجہ ہدایت خان نے اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔ ثنا آنکھیں بند کرکے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لینے لگی تھی، اس کا دماغ تو اب اس کا اپنا رہا ہی نہیں تھا، اتنی تھکن محسوس کرتی تھی وہ اپنی زندگی میں کہ بس اس کا دل چاہتا تھا کہ ٹھنڈی ٹھنڈی زمین پر چت لیٹ جائے اور اسی طرح زندگی کا اختتام ہوجائے، زندگی اتنی آسانی سے کھونے کی چیز نہیں تھی، وہ اب بھی حیات علی کے خواب دیکھتی تھی، جس کا اس کی زندگی میں بہت گہرا دخل تھا لیکن تقدیر نے کس بری طرح لاکر مار ڈالا تھا، بہت سی باتیں سوچتی رہی۔

راجہ ہدایت خان کے بارے میں ایک بات کا وہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہی تھی کہ وہ لاکھ اپنے آپ کو بے شمار پراسرار قوتوں کا مالک ظاہر کرے اور نہ صرف ظاہر کرے بلکہ وہ تھا بھی، اس کی پراسرار قوتوں کے کرشمے خود ثنا بھی کئی بار دیکھ چکی تھی، لیکن کہیں نہ کہیں وہ کمزور بھی پڑ جاتا تھا اور وہ سب کچھ نہیں کرسکتا تھا جو کرنا چاہتا تھا، وہ بچے خواب کی چوکیداری تو کرسکتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ تمام کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کرسکتا تھا اور ثنا سوچ رہی تھی کہ راجہ ہدایت خان جو کچھ تو کہہ رہا ہے، میں کرتو سکتی ہوں لیکن تو نے جس انداز میں مجھے بے بس کررکھا ہے، میں بھی تجھے اسی انداز میں جواب دوں گی، چاہے میرے ساتھ کتنا ہی برا سلوک کیوں نہ ہوجائے۔

حیات علی کی طرف سے وہ کافی حد تک مایوس ہوگئی تھی حالانکہ حیات علی کو بے پناہ چاہتی تھی اور حیات علی بھی اس پر دیوانہ وار زندگی نثار کرتا تھا، لیکن ثنا کو افسوس تھا کہ حیات علی اس پائے کا انسان نہیں نکلا جتنا اسے ہونا چاہئے تھا یا جتنا وہ اسے سمجھتی تھی، حیات علی کی وجہ سے ہی وہ ہدایت خان تک پہنچی تھی اور ہدایت خان نے اسے آسانی سے حیات علی سے چھین لیا تھا اور آج تک وہ اس کی زندگی پر قابض تھا۔

وہ جانتی تھی کہ حیات علی نے کوششیں بے پناہ کی ہوں گی لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ کوئی اپنے محبوب کا تحفظ بھی نہ کرسکے۔

راجہ ہدایت خان کو گئے ہوئے بہت دیر ہوچکی تھی اور ثنا کے ذہن میں بغاوتیں سر ابھار رہی تھیں، بہت عرصے کے بعد ایسا کوئی موقع ملا ہے کہ راجہ ہدایت خان اس کے پاس موجود نہیں ہے اور وہ اس کی قیدی نہیں ہے تو اس موقع سے کوئی فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔ اس کے ذہن میں سرکشی کی لہریں اٹھنے لگیں اور پھر وہ اس بات کیلئے آمادہ ہوگئی کہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔

راجہ ہدایت خان کو یہ اندازہ تو ہو ہی چکا ہے کہ وہ اس سے غداری کررہی ہے اور اس کی وفادار نہیں ہے، یہ اندازہ ہونے کے بعد سے اب تک اگر اس نے کچھ نہیں کیا تو اب کیا کرلے گا۔

وہ سرائے کے کمرے سے باہر آگئی، باہر کا ماحول بالکل سنسان تھا، دور تک سنسان کھیت اور ویران پگڈنڈیاں بکھری ہوئی تھیں، راجہ ہدایت خان اگر اپنی پراسرار قوتوں سے کام نہ لے تو وہ ان علاقوں میں روپوش ہوسکتی ہے، سرائے کے اندر کچھ افراد موجود تھے لیکن انہیں صورتحال کا اندازہ نہیں تھا، نہ ہی راجہ ہدایت خان انہیں کوئی ہدایت کرکے گیا تھا چنانچہ ثنا سرائے سے باہر نکل آئی۔

وہ اس کے پچھلے حصے میں پہنچی اور اس کے بعد انتہائی تیز رفتاری سے ایک پگڈنڈی پر چل پڑی، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ پگڈنڈی اسے کہاں لے جاتی ہے۔ رفتار بہت تیز رکھی تھی اس نے تاکہ آبادی سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جائے، دل میں حسرت تھی کہ راجہ ہدایت خان اسے دوبارہ تلاش نہ کرسکے، نہ سہی، فوری طور پر حیات علی سے ملاقات، کم از کم راجہ ہدایت خان کے جنجال سے تو نجات ملے۔

وہ چلتی رہی، بستی نہ جانے کتنی دور رہ گئی تھی، ہر طرف ویران جنگل بکھرے ہوئے تھے، وہ بری طرح تھک گئی تھی، پاؤں ساتھ چھوڑتے جارہے تھے، دل میں ایک ہی خیال آرہا تھا کہ کوئی بستی مل جائے لیکن دور دور تک کوئی آثار نہیں نظر آرہے تھے، نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اب نہ جانے کیا ہوگا، اگر جنگل میں درندے ہوئے تو اسے چیر پھاڑ کر پھینک دیں گے، پاؤں بالکل ہی بے جان ہوگئے تو وہ سڑک کے کنارے ایک درخت کی جڑ میں جا بیٹھی، بھوک، پیاس اور شدید تھکن نے نیم غشی کی سی کیفیت پیدا کردی تھی، بہت کچھ یاد آرہا تھا، ماں، باپ اور بہن، بھائی یاد آرہے تھے، اس نے زندگی میں تبدیلی کیلئے ان سے دوری اختیار کی تھی، بعض اوقات خودسری کتنی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، اس کی دوسری بہنیں جس طرح بھی زندگی گزار رہی تھیں، لیکن تھیں ماں، باپ کے سائے میں اور وہ اپنی خودسری اور سرکشی کے باعث اس بیابان میں ہزاروں مشکلات کے ساتھ تنہا پڑی ہوئی تھی۔

شام کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے اور اس کے دل میں خوف بڑھتا جارہا تھا، ایک بار اس نے کوشش کی کہ اٹھ کر آگے کا سفر شروع کرے لیکن پاؤں پتھر کے ہوچکے تھے، وہ اٹھ کر کھڑی تک نہ ہوسکی، تب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

دماغ بوجھل ہوتا جارہا تھا اور حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے، آخری احساس کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی جو قریب آتی جارہی تھی، اس کے بعد کوئی احساس نہیں رہا تھا۔

(جاری ہے)

دو گاڑیاں تھیں جو شام کے سناٹوں میں اپنے پیچھے دھول کے بادل چھوڑتی ہوئی اسی پگڈنڈی پر آرہی تھیں جس کے کنارے پر ایک درخت کے نیچے ثنا بے ہوشی کے عالم میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ جو آخری آواز اس نے سنی تھی، وہ انہی گاڑیوں کے انجن کی آواز تھی۔

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط : 15

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

شام بے شک جھک آئی تھی لیکن رات نہیں ہوئی تھی اور قرب وجوار میں آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا، آگے والی گاڑی میں ایک ڈرائیور اور دو عمر رسیدہ میاں، بیوی تھے، ان میں سے ایک ٹھاکر ارجن چند اور دوسری ان کی دھرم پتنی رما ٹھاکر تھیں، کسی رشتے دار کے ہاں تقریب میں شرکت کر کے آرہے تھے اور اپنے گاؤں جارہے تھے، پیچھے کی گاڑی میں چند ملازم تھے، اس وقت اتفاق سے ٹھاکر ارجن چند اپنی دھرم پتنی رما کو چھیڑ رہے تھے۔ بات بھوت پریتوں کی ہو رہی تھی اور ٹھاکر ارجن بیوی کو ڈراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"رام رام میں تمہیں کیا بتاؤں رما! میرے جیون میں بھتنیوں اور چڑیلوں کا کچھ زیادہ ہی دخل رہا ہے، بہت بار ایسا ہوا ہے کہ کسی کام سے نکلا اور مل گئے بھوت ناتھ یا لونا چماری..... اب دیکھو جیسے ہم اس وقت جارہے ہیں اور تمہیں نظر آجائے کوئی.....!" اچانک ہی ٹھاکر صاحب کی آواز رک گئی۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے تھوڑے فاصلے پر اس درخت کی طرف دیکھ رہے تھے جو قریب آتا جارہا تھا پھر انہوں نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "رکنا، ہری چند! رکنا۔"

ڈرائیور نے بریک لگادیے، پیچھے والی گاڑی بھی رک گئی تھی۔

"کیوں کیا ہوا ڈرا رہے ہو مجھے؟" رما ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نگاہیں ان کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس درخت کی طرف اٹھ گئیں اور ان کے منہ سے آواز نکل گئی۔

"ہے بھگوان...... ہے بھگوان!"

"ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں۔" ٹھاکر ارجن چند نے کہا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئے۔ پچھلی گاڑی میں جو تین چار افراد تھے، وہ بھی جلدی سے نیچے اتر آئے تھے، ٹھاکر صاحب آگے بڑھ کر اس درخت کے قریب پہنچ گئے، پیچھے آنے والے لوگ کچھ ڈرے ڈرے سے تھے، ان میں سے ایک نے کہا۔ "رکئے ٹھاکر صاحب! رک جائیے۔"

ٹھاکر ارجن رک کر بولے۔ "دیکھوں تو سہی کون ہے یہ؟"

"ٹھٹ..... ٹھاکر صاحب! جنگل بیابان، ایسے نہ رکیں، پتہ نہیں کون ہے، بھگوان کیلئے واپس گاڑی میں بیٹھ جائیے۔"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"ٹھاکر صاحب! جوان لڑکی اور یہ جنگل...... چ...... چڑیل بھی ہو!"

"ایں...... تمہارا مطلب ہے پچھل پیری...... ذرا اس کے پاؤں دیکھو...... نہیں پاؤں تو ٹھیک ہیں۔"

"ٹھاکر صاحب! آپ کو بھگوان کا واسطہ۔"

"اے چپ کر، بکواس مت کر، ادھر آ میرے پیچھے پیچھے۔" ٹھاکر ارجن نے سخت لہجے میں کہا اور ثنا کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے غور سے اس کے پاؤں اور ہاتھ دیکھے تھے، معصوم لڑکی تھی، کسی مشکل کا شکار نظر آتی تھی، بے شک علاقہ ایسا تھا کہ وہاں کسی نوجوان لڑکی کا اس طرح نظر آجانا سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی کیونکہ دور دور تک کوئی ایسی چیز نظر نہیں آرہی تھی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ لڑکی کسی حادثے کا شکار ہوئی ہے۔

"کوئی ہے اگر آس پاس، کوئی ہے تو آؤ، یہ لڑکی شاید بے ہوش ہے۔" ٹھاکر صاحب نے چیخ کر کہا اور انتظار کرنے لگے لیکن کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وہ ہمدردی سے لڑکی کے پاس بیٹھ گئے، اس کا گال تھپتھپایا لیکن پھر بھی کوئی تحریک نہ ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھ آنے والے سے کہا۔ "چلو اسے اٹھاؤ، میری گاڑی میں ڈال دو، پتہ نہیں بیچاری کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا، چلو اٹھاؤ اسے۔"

وہ لوگ شاید ٹھاکر کے ملازم تھے، ٹھاکر کی بات کو ٹالنا ان کے بس کی بات نہیں تھی حالانکہ سب کے سب ڈرے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے بمشکل تمام سنبھال کر اسے اٹھایا اور اس کے بعد اسے ٹھاکر صاحب کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

رما نے سہمی ہوئی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھا اور بولی۔ "ٹھاکر صاحب! یہ آپ...... آپ نے اسے میرے پاس لٹا دیا ہے۔"

"رما! انسان کی بچی ہے، کیوں بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو، بیچاری کسی مصیبت کا شکار معلوم ہوتی ہے، آرام سے بیٹھی رہو اور اگر زیادہ ڈر رہی ہو تو ڈرائیور کے پاس بیٹھ جاؤ، ہری چند غیر نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں ٹھیک ہے۔" ٹھکرائن نے مدھم لہجے میں کہا اور اس کے بعد وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ٹھاکر ارجن ڈرائیور کے پاس جا بیٹھے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "چلو ذرا رفتار تیز کر دو، ویسے بھی رات ہو رہی ہے۔"

سفر بہت زیادہ لمبا نہیں تھا، پتہ نہیں کونسی بستی تھی لیکن بستی خوشحال معلوم ہوتی تھی، تھوڑی دیر کے بعد دونوں گاڑیاں ایک قدیم حویلی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو گئیں، یہ حویلی کافی خوبصورت تھی جس کے دو بڑے دروازے تھے، اس کا انداز مغلیہ طرز کا تھا، دو طرفہ لان بکھرے ہوئے تھے، درمیان میں روش چلی گئی تھی، ملازم وغیرہ بھی نظر آرہے تھے بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔

ثنا ابھی تک بے ہوش تھی، اسے اٹھا کر اندر لایا گیا، اب ٹھکرائن کے چہرے پر بھی نرمی نظر آرہی تھی، ایک بیڈروم میں ثنا کو ایک بستر پر لٹایا گیا اور وہ لوگ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے، کچھ دیر کے بعد ثنا ہوش میں آگئی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔

رما نے محبت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "فکر مت کرو بیٹی! تمہارے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا ہے مگر اب تم ہمارے پاس ہو، یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، نام کیا ہے تمہارا......؟"

"مم...... میں...... میں......!"

"تم ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑی تھیں، ہم تمہیں اٹھا کر اپنے گھر لے آئے ہیں، تم بالکل چنتا مت کرو، جہاں تم کہوگی، وہاں تمہیں پہنچا دیا جائے گا، میرا نام رما ہے اور میرے پتی کا نام ٹھاکر ارجن ہے، تمہارا نام کیا ہے بیٹی......؟"

"مم...... میرا نام ثنا ہے۔"

"اچھا اچھا کوئی بھی نام ہے بیٹا! ناموں سے کیا ہوتا ہے، چلو تھوڑا سا دودھ پی لو، طاقت آجائے گی، دھرم اور دھرم......! دودھ لے کر آ میری بیٹی کیلئے۔" ٹھکرائن نے کسی ملازم سے کہا اور پھر دودھ آجانے کے بعد انہوں نے ثنا کو اپنے کندھے سے لگا کر بٹھایا اور اسے دودھ پلانے لگیں۔

بڑا محبت بھرا انداز تھا، ثنا بہت متاثر ہوئی تھی۔ جن مصائب میں گرفتار تھی، اس کے بعد ہمدردی کا یہ انداز اسے بہت عجیب لگ رہا تھا، اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے؟ سرائے سے بھاگنے کے بعد راستوں کا کوئی تعین بھی نہیں ہو سکا تھا، ویسے یہ لوگ دوسرے دھرم کے لوگ تھے، انسانیت کے نام پر انہوں نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا اس سے، اس کے بارے میں زیادہ پوچھا بھی نہیں تھا لیکن ثنا سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس کے بارے میں پوچھیں گے تو کیا بتائے گی بہر حال جھوٹ تو بولا ہی جا سکتا ہے، سچ بتائے گی تو پتہ نہیں کیا حالات ہوں۔

انہوں نے اسے ایک اچھا کمرہ رہنے کیلئے دیا، یہ اندازہ تو ثنا کو ہو ہی چکا تھا کہ ٹھاکر ارجن چند شاندار حویلی کے مالک ہیں، گاڑی اور ملازم...... ملازم تو خیر اس نے بہت سے دیکھے تھے، اس دوران لیکن اور لوگ نظر نہیں آئے تھے جنہیں ٹھاکر کے خاندان کا کہا جا سکے یا اگر ہوں گے بھی تو اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔

وہ رات ثنا کیلئے بڑے وسوسوں اور خوف کی رات تھی، کمرے میں اسے تنہا ہی سلایا گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ راجہ ہدایت خان کی شاندار حویلی میں تھی، حویلیوں کے انداز کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آگئے تھے لیکن یہاں کی صورتحال ذرا مختلف تھی، خوف تو اسے راجہ ہدایت خان ہی کا تھا جس سے فرار ہو کر وہ یہاں تک پہنچی تھی، اس بات کا بھی اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ راجہ ہدایت خان دوہری شخصیت کا مالک ہے، اس کے انداز سے یہ صاف جھلکتا تھا کہ وہ پراسرار علوم جانتا ہے، اس کا کئی بار اسے تجربہ بھی ہو چکا تھا اور یہ بھی تجربہ اسے ہو چکا تھا کہ راجہ ہدایت خان بہت سنگدل اور بے رحم انسان ہے، انسانوں کو قتل کر دینا اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے پھر اس نے سوچا کہ پتہ نہیں یہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں، بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا بہر حال وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی، البتہ اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ جتنا وقت یہاں گزار سکے ضرور گزارے گی۔

ٹھاکر ارجن چند اور اس کی بیوی رما ٹھاکر بہت ہی اچھے لوگ تھے، انہوں نے اس بات کو مکمل طور سے نظر انداز کر دیا تھا کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے بلکہ انہوں نے اسے آزادی دی تھی اور کہا تھا کہ تم ہماری بیٹیوں کی طرح ہمارے ساتھ رہو اور جب بھی تم کہیں جانا چاہو گی، ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے۔ ایسے نیک نفس لوگ کم ہی ملتے ہیں، ثنا کو آہستہ آہستہ ان کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوتی جارہی تھیں۔

ٹھاکر ارجن چند ایک بڑے زمیندار تھے، پانچ بھائی تھے لیکن پانچوں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور برسوں سے ایک دوسرے سے نہیں ملتے تھے، ٹھاکر ارجن چند پہلے کہیں اور رہتے تھے بعد میں جب جائداد وغیرہ کا بٹوارہ ہوا تو یہ حویلی انہیں مل گئی لیکن یہ بہت پرانی بات تھی، اس وقت کی جب ٹھاکر ارجن چند کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، اس حویلی میں آنے کے بعد ان کا واسطہ کچھ عجیب و غریب واقعات سے پڑا جس کی تفصیل انہوں نے نہیں بتائی تھی، ایک دو بار گفتگو کے دوران ثنا نے ان سے پوچھا بھی تھا لیکن وہ خاموشی اختیار کر گئے تھے اور میاں، بیوی ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر خاموشی اختیار کر گئے تھے، ثنا ان لوگوں سے بہت متاثر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ انتہائی معیاری لوگ تھے ورنہ معمولی بات نہیں ہے کہ جنگل میں ملنے والی ایک لڑکی کو انہوں نے اپنی بیٹی بنا کر رکھا ہوا تھا اور کبھی اس سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

پندرہ بیس دن تو ثنا اسی خوف کا شکار رہی کہ آخر کار راجہ ہدایت خان اسے تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچ جائے گا لیکن پندرہ بیس دن گزر جانے کے بعد اس کے اندر کچھ اعتماد سا پیدا ہو گیا البتہ اس نے ایک بات ضرور محسوس کی وہ یہ کہ اس عظیم الشان حویلی کی کیفیت کچھ پراسراری ہے، کوئی ایسی بات یہاں ضرور ہے جو نا قابل فہم ہے۔

ایک دن دھوپ میں بیٹھے بیٹھے اس نے رما سے پوچھ لیا۔ "آنٹی! آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے؟"

رما نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔ "ہاں بیٹی! اولاد ہوئی دو بیٹے اور ایک بیٹی لیکن وہ بھگوان کے پاس چلے گئے۔"

ٹھاکر ارجن بھی وہیں موجود تھے، رخ بدل کر بولے۔ "بیٹی! تم نے بہت دن کے بعد ہم سے یہ سوال کیا؟"

"میں معافی چاہتی ہوں چاچا جی! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو پوچھنے کو دل چاہتا ہے مگر آپ جتنے مہان ہیں، میں اتنی بڑی نہیں ہوں، آپ نے مجھ سے کبھی میرے بارے میں نہیں پوچھا تو میں بھی ڈرتی تھی کہ کہیں میرا کوئی سوال آپ کو ناراض نہ کر دے۔"

"نہیں بیٹا! اصل میں ہم لوگ بڑے بدنصیب ہیں، بہن کوئی نہیں تھی ہماری، پانچ بھائی تھے ہم لوگ لیکن ہمارے پریوار پر نحوست کا کوئی ایسا سایہ منڈلاتا رہا ہے جس نے ہمیں ہمیشہ دکھی ہی رکھا، بھگوان جانے وہ کیسی نحوست ہے، بٹوارے میں یہ حویلی ہمارے حصے میں آئی اور ہم یہاں آگئے لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ہمارا واسطہ عجیب و غریب حالات سے پڑا، ہم نے یہ حویلی چھوڑنے کی کوشش کی لیکن ہماری ہر کوشش ناکام رہی بس یوں سمجھ لو کہ اس حویلی نے ہمیں قیدی بنا رکھا ہے اور ہم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے، بہت دفعہ ہم نے کوشش کی لیکن ایسے برے حالات کا شکار ہوئے کہ واپس ہمیں اسی حویلی میں آنا پڑا، ہمارے بچے اسی حویلی میں مرے ہیں بیٹا! بھگوان جانے تمہارے اس سلسلے میں کیا وچار ہیں لیکن ہم میاں، بیوی یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے جو بھائی ہیں، انہوں نے ہم پر جادو کرا رکھا ہے، یہ تو بھگوان کا شکر ہے کہ تمہیں یہاں کچھ ایسے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا ورنہ تم ہمیں چھوڑ کر یہاں سے چلی جاتیں۔"

"تعجب کی بات ہے، میرے بارے میں بس آپ یہ سمجھ لیجئے چاچا جی کہ دکھوں کی ماری ہوں، ماں، باپ، بہن، بھائی سب ہیں میرے لیکن تقدیر نے ایک ایسے جنجال میں پھنسا دیا کہ میں در بدر ہو گئی اور اب بھی میں خوف زدہ ہوں۔"

"بھگوان تمہاری مدد کرے اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں بیٹا!" ٹھاکر ارجن نے کہا۔

ثنا کے دل میں اس بات کا شدید احساس تھا کہ ان نیک لوگوں نے اس کے بارے میں کبھی کسی تجسس کا اظہار نہیں کیا۔ انسان کی فطرت میں تجسس تو کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے، اگر یہ لوگ اس طرح کا انداز اختیار کئے ہوئے ہیں تو ان کے اندر کوئی بڑائی چھپی ہوئی ہے۔

بہر حال یہ کہانی بھی ثنا کے ذہن پر اثر انداز ہوئی تھی، دو دن تک وہ اس بارے میں سوچتی رہی تھی، حویلی پر چھایا ہوا پراسرار اور ہیبت ناک سناٹا اسے اب بہت عجیب لگنے لگا تھا لیکن ابھی تک اس نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی جو انوکھی اور عجیب ہوتی۔

ایک دن وہ اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس بیٹھی کھلے آسمان کا نظارہ کر رہی تھی اور اس کا ذہن ماضی میں سفر کر رہا تھا، ویسے تو کبھی اس کے اپنے تھے اور وہ انہیں یاد کرتی رہتی تھی، والدین سے رابطہ زیادہ گہرا نہیں رہ گیا تھا کیونکہ وہ اس سے ناراض تھے لیکن پھر بھی وہ جب چاہتی انہیں دیکھ لیا کرتی تھی لیکن اب تو اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کیلئے خواب بن کر رہ گئے ہوں۔

حیات علی بھی اسے بہت چاہتا تھا اور ان دونوں نے زندگی کیلئے بہت سے منصوبے بنائے تھے لیکن کبھی جدا ہو گئے تھے اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ دوبارہ ان سے کب ملاقات ہو، خود وہ اس قدر خوف زدہ تھی کہ یہ جگہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

راجہ ہدایت خان کے بارے میں اسے اندازہ تھا کہ کمبخت شیطان کا دوسرا روپ ہے، پتہ نہیں وہ اب تک یہاں کیوں نہیں پہنچا جبکہ اس کی پراسرار قوتیں اس قدر تھیں کہ ثنا کے خیال کے مطابق وہ آسانی سے اس کو تلاش کر سکتا تھا، یہاں سے قدم باہر نکالتے ہوئے یا ٹھاکر ارجن چند سے یہ کہتے ہوئے کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا دیں، اس کے دل میں خوف جاگزیں تھا۔

حیات علی کو فون بھی کر سکتی تھی لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ راجہ ہدایت خان اس بات پر بھی گہری نگاہ رکھے ہوئے ہوگا اور حیات علی کی نگرانی کی جارہی ہوگی کیونکہ پہلی بار وہ راجہ ہدایت خان کے چنگل سے نکلی تھی، اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے اور انتظار کیا جائے کہ راجہ ہدایت خان یہاں تک پہنچ پاتا ہے یا نہیں...... تاریک خلا میں بہت سی تصویریں بن رہی تھیں لیکن اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے عقبی باغ کے ایک گوشے میں کوئی چیز متحرک ہوئی ہو، اس کے ساتھ ہی ایک آواز اس کے کانوں میں ابھری، یہ "چھم چھم، چھم چھم" کی آواز تھی، بہت ہی خوبصورت یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ گھنگھرو بج رہے ہوں اور کوئی آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا ہو۔

وہ ایک دم سنبھل گئی اور اس نے پوری بصارت کے ساتھ اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں سے یہ آواز ابھری تھی اور اس نے یہ محسوس کیا کہ وہاں ایک سایہ متحرک ہے اور گھنگھروؤں کی آواز وہیں سے آرہی ہے، نجانے اس پر کیا کیفیت سوار ہوئی کہ وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک بے خودی کے عالم میں باہر نکل آئی اور اس کے بعد دوڑتی ہوئی اس طرف جانے لگی جہاں اس نے اس سائے کو دیکھا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ چھم چھم کی آواز کے ساتھ وہ سایہ حویلی کے ایک پرانے حصے کی جانب بڑھ رہا ہے، ایک لمحے کیلئے تو ثنا کے دل میں خوف کا گزر ہوا تھا لیکن اس کے بعد تجسس نے ایسا سر ابھارا کہ وہ آگے بڑھتی چلی گئی، حویلی کے پرانے حصے میں ایک بغیر کواڑوں کا دروازہ نظر آیا، سایہ اسی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا چنانچہ وہ بھی آگے بڑھتی گئی اور جیسے ہی وہ اس بغیر کواڑوں والے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو اسے یوں لگا جیسے اس کا دماغ خالی ہو گیا ہو لیکن چھم چھم کی آواز بدستور کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ اس لمبی راہداری میں اس آواز کا تعاقب کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی جس میں مدھم مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے، یہاں تک کہ وہ ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں پہنچ گئی۔

یہ کمرہ بھی مدھم روشنی میں نہایا ہوا تھا، کمرہ ایک وسیع و عریض ہال تھا، اب گھنگھروؤں کی آواز ہال کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی تھی، یہاں آکر ثنا کے قدم رک گئے لیکن اس کی سماعت تیزی سے کام کر رہی تھی، سانسوں کی مدھم آوازیں آرہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی گھنگھروؤں کی جھنکار بڑھتی جارہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی رقاصہ رقص کرنے لگی ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

اسے وہ مدھم سا سایہ نظر آیا جو یقینی طور پر ایک نوجوان لڑکی کا تھا، وہ رقص کر رہی تھی اور پھر اچانک ہی ثنا کی نگاہوں میں دو پاؤں ابھرے، وہ پاؤں بے حد دلکش تھے، یہی پاؤں رقصاں تھے باقی بدن ایک سائے کی شکل میں تھا لیکن پیر بالکل نمایاں تھے۔

ثنا پر ایک بے خودی سی طاری ہو گئی تھی، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو، وہ ساکت و جامد کھڑی رہی اور پھر اچانک ہی دونوں پاؤں رک گئے اور پھر آہستہ آہستہ سب کچھ گم ہو گیا۔

ثنا نے چونک کر چاروں طرف دیکھا، ہال میں مکمل سناٹا تھا، ایک دم پھر اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں، نجانے یہ کیا طلسم تھا، نہ یہ کوئی خواب تھا، نہ بے خودی...... جو کچھ دیکھا تھا، وہ حقیقت تھی۔

وہ خوف کے عالم میں واپس پلٹی اور سارے راستے طے کرتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آگئی، اب اس کے جسم پر ایک کپکپی سی طاری تھی، یہ کیا قصہ ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، بستر پر لیٹ کر وہ سوچنے لگی کہ یہ پراسرار واقعات کس طرح اس کی زندگی سے لپٹ گئے ہیں، ایک سیدھا سادہ وقت گزار رہی تھی جس میں کچھ الجھنیں ضرور تھیں، سب سے برا کام وہی ہوا تھا جب وہ پراسرار مریض اسے اپنی آنکھوں کے جال میں گرفتار کر کے سچے خواب بخش گیا تھا، اس کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکلنے لگیں۔

"آہ کاش......! میں اس برے وقت سے بچ جاتی، یہ سچے خواب تو میری زندگی کیلئے عذاب بن گئے ہیں، کوئی ہے جو مجھے اس مشکل سے نجات دلادے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

☆......☆......☆

ثنا کے والدین جانتے تھے کہ ثنا، حیات علی سے ملتی رہتی ہے، ثنا سے بے شک ان کے تعلقات بہتر نہیں تھے لیکن بہر حال ثنا ان سے ملتی رہتی تھی اور اب پہلی بار اتنا عرصہ ہوا تھا کہ انہیں ثنا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، چنانچہ ثنا کے والد نے اسپتال سے معلومات حاصل کرنے کے بعد حیات علی سے رابطہ قائم کیا۔ حیات علی کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ لاعلمی ظاہر کر دے لیکن ان کے جانے کے بعد اس کے دل پر بڑا بوجھ آپڑا، اسے یہ احساس شدت کے ساتھ تھا کہ ثنا صرف اس کی وجہ سے زندگی کے اس عذاب میں گرفتار ہوئی ہے بہر حال اس نے ایک لمبی چھٹی کی درخواست لکھی اور سجاد حسین کے پاس پہنچ گیا۔

"مجھے چھٹی چاہئے اور براہ کرم آپ میری یہ چھٹی منظور کرا دیں، ورنہ دوسری صورت میں، میں استعفیٰ دے دوں گا۔"

بات ذرا کچھ ناخوشگوار تھی لیکن سجاد حسین اس کی ذہنی کیفیت سے واقف تھے چنانچہ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہاری چھٹی کی درخواست منظور ہو جائے گی لیکن میں تم سے ایک بڑے کی حیثیت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"جناب عالی! ثنا میری وجہ سے اس عذاب میں گرفتار ہوئی ہے، جو کچھ بھی کر سکتا ہوں، کروں گا اور اگر نہ کر سکا تو خودکشی تو کر سکتا ہوں۔"

"نہیں حیات علی! تم ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہو، اس طرح کی مایوسی ہم لوگوں کو زیب نہیں دیتی، بہت بار ہمارے پاس ایسے کیس آتے ہیں جنہیں ہم حل نہیں کر پاتے لیکن ہم اپنی جدوجہد کو ترک نہیں کرتے، میں لمحہ لمحہ تمہارے ساتھ ہوں، کہیں بھی، کسی بھی جگہ تم میری ضرورت محسوس کرو تو مجھے فوراً یاد کرنا، میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی کھونے کیلئے نہیں ہوتی بلکہ زندگی میں جدوجہد ہی زندگی کی علامت ہوتی ہے، خودکشی کا لفظ اپنے ذہن سے مٹا کر جدوجہد کا لفظ لکھ دو اور تم یہ سمجھو کہ تمہاری چھٹی منظور ہو گئی لیکن جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو، براہ کرم مجھ سے رابطہ رکھو۔"

"میں نے ابھی اپنا لائحہ عمل کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جناب......! لیکن بہر حال کوشش کروں گا کہ آپ کو اپنی کاوشوں سے لاعلم نہ رکھوں۔"

حیات علی قصبہ امیر شاہ چل پڑا۔ راجہ ہدایت خان کے بارے میں اسے مکمل طور سے تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں کہ راجہ ہدایت خان ان دنوں حویلی نہیں آرہا، ڈاک بنگلے والے کیس کے بعد وہ حویلی سے بھی روپوش ہو گیا تھا بہر حال حیات علی کے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں تھا البتہ اس نے ڈاک بنگلے کی نگرانی بڑی باقاعدگی سے شروع کر دی تھی اور انتہائی ہولناک اور سنسان راتوں میں بھی وہ کسی آوارہ روح کی مانند بھٹکتا رہتا تھا۔ ڈاک بنگلہ ایسی پر ہول جگہ واقع تھا جہاں انسان کا گزر نہیں تھا، ایسی ہولناک جگہ رات کے ویران سناٹوں میں حیات علی کی آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔

"ثنا کیا تم یہاں قیدی ہو، چیخنے کی کوشش کرو، اگر میری آواز سن رہی ہو تو چیخ کر مجھے اپنی جانب متوجہ کرو، میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں، ثنا، رانیہ، شمشاد علی...... کوئی ہے یہاں، کوئی ہے۔" رات کے ہولناک سناٹوں میں اس ویران ڈاک بنگلے میں اگر کوئی ذی روح حیات علی کی آوازیں ہی سن لیتا تو اس کی حرکت قلب بند ہو جاتی لیکن حیات علی اپنی آگ میں جل رہا تھا اور ویران ڈاک بنگلے میں راتوں کو چیختا پھرتا تھا، اس دن بھی رات کے غالباً تین بجے تھے، وہ ڈاک بنگلے میں گردش کر رہا تھا اور اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"ثنا میرے سامنے آؤ، مجھ سے بات کرو۔" اس دوران وہ کتنی ہی بار ڈاک بنگلے میں آ کر یہ آوازیں لگا چکا تھا لیکن اسے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تھی لیکن آج اچانک ہی اس کی چھٹی حس نے یہ بتایا کہ ڈاک بنگلے میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے، ایک ہلکی سی آہٹ اسے سنائی

دی تھی اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا تھا۔

اس نے پھرتی سے اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا، چند ساعت وہ انتظار کرتا رہا پھر اس کی آواز ابھری۔ "جو ہے سامنے آئے، مجھ سے بات کرو، تم کوئی بھی ہو، میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"ہاں حیات علی! میں ہوں، میں یہاں ہوں، اپنا یہ ریوالور جیب میں رکھ لو، یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔" آواز اس قدر خوفناک تھی کہ کلیجہ پھٹ جائے لیکن حیات علی نے نڈر لہجے میں کہا۔ "کون ہو تم، سامنے آؤ؟"

"میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتا مگر میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ میں وہ ہوں جس نے کریم شاہ کی رہنمائی رانیہ تک کی تھی اور رانیہ کو حویلی سے نکال دیا تھا، چاند بابا کے ساتھ۔"

"فرزان......؟" حیات علی کے منہ سے بے اختیار آواز نکلی۔

"تو میرا نام تمہارے کانوں تک پہنچ چکا ہے، ہاں میں فرزان ہوں۔"

"فرزان! تم جو کوئی بھی ہو، میرے سامنے آؤ، خدا کیلئے سامنے آؤ، مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"میں نے کہا نا میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتا۔"

"تم نے ثنا کو سچے خوابوں کا علم دے کر اس کی زندگی برباد کر دی۔"

"مجھ سے شکوے شکایت نہ کرو، میں نے جو کچھ کیا، کس لئے کیا، وہ میں جانتا ہوں۔"

"تم نے یہ بھی کہا تھا کریم شاہ سے کہ اگر تم چاہو تو ثنا کی نشاندہی بھی کر سکتے ہو لیکن تمہیں ابھی ثنا کی ضرورت ہے تاکہ تم راجہ ہدایت خان کو شکار کر سکو، دیکھو کھیل تم دونوں کا ہے لیکن وہ بیچاری......!"

"میں جانتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ثنا کو کوئی نقصان کبھی نہیں پہنچ سکے گا چونکہ راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری کو خود اس کی ضرورت ہے اور مجھے بھی۔"

"تو تم جانتے ہو گے کہ وہ کہاں ہے؟"

"میری بات کا یقین کر لو، میں اب نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے، عدلان سوناری اسے لے کر یہاں سے نکل چکا ہے اور وہ کہاں گیا ہے، یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"تم جو پراسرار علوم کے ماہر ہو، تم جو نجانے کیسے کیسے کالے جادو کے چکر چلاتے ہوئے ہو، تم نہیں جانتے کہ عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خان کہاں ہے۔"

"اگر تم نے مجھ پر الزام تراشی جاری رکھی تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا، میں تمہاری کچھ رہنمائی کرنا چاہتا ہوں لیکن تم مجھ پر سراسر الزامات لگائے جا رہے ہو۔"

"نہیں پلیز میرے الفاظ پر مت جاؤ، میں شدید ذہنی بحران کا شکار ہوں، اب جبکہ میری تقدیر نے یاوری کی ہے اور تم جیسا ہمدرد مجھے مل گیا ہے تو براہ کرم میری رہنمائی کرو اور میرے چند سوالات کے جواب دے دو۔"

"سوالات......! کیسے سوالات؟"

"عدلان سوناری کون ہے، کیا تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ گے؟"

"نہیں، پراسرار علوم کے کچھ اصول ہوتے ہیں، ہمارے اوپر پابندیاں ہوتی ہیں، بہت سے معاملات میں ہم وہ سب کچھ نہیں کر سکتے، جو کرنا چاہتے ہیں اور پھر عدلان سوناری ایک باقاعدہ عامل ہے، میں اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں، اگر میں زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا جبکہ میں اسے روئے زمین سے مٹا دینا چاہتا ہوں۔"

"کیوں......؟" حیات علی نے سوال کیا۔

"یہ تمہارے پوچھنے کی بات نہیں ہے۔"

"راجہ ہدایت خان کہاں ہے؟"

"وہ عدلان سوناری کے قبضے میں ہے، زندہ ہے لیکن کہاں ہے، یہ میں نہیں جانتا۔"

"وہ کاغذات جن کی تلاش میں عدلان سوناری نے زمین آسمان ایک کر رکھے ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟"

"ان کاغذات میں عدلان سوناری کا ایک ایسا راز محفوظ ہے جو اگر منظر عام پر آ جائے تو عدلان سوناری کا خانہ خراب ہو جائے۔"

"کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ اس نے وہ کاغذات حاصل کر لئے؟"

"نہیں...... وہ کاغذات اس کے پاس نہیں ہیں، وہ کاغذات میں نے وہاں سے غائب کر دیئے ہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم ثنا کے حصول کیلئے دیوانے ہو رہے ہو اور وہ کاغذات اس کے حوالے کر کے ثنا کو حاصل کرنے کی کوشش کرو گے جبکہ وہ ایسا کبھی نہ کرتا، کاغذات اس کے پاس پہنچ جاتے لیکن وہ ثنا کو تمہارے حوالے نہیں کرتا کیونکہ ثنا کے ذریعے وہ بہت سے کام لینا چاہتا ہے، ثنا کے پاس میرا علم بطور امانت ہے اور وہ اس علم کو اس سے حاصل کر لینا چاہتا ہے جو وہ نہیں کر سکتا، ہاں ثنا کو استعمال کر کے وہ فائدے ضرور حاصل کر سکتا ہے۔"

"آہ......! تم کالے جادو والوں نے ہم سے ہماری زندگی چھین لی ہے، کہاں ہے وہ بدبخت عدلان سوناری...... کیا تم مجھے اس کا پتہ بتا سکتے ہو؟"

"اگر میں تمہیں اس کا پتہ بتا سکتا تو ضرور بتا دیتا، لیکن میں تمہاری رہنمائی کر سکتا ہوں، وہ کالے علم والا جو بھوگ ودیا کے جال میں پھنس کر اپنا ایمان، دھرم بھی کھو بیٹھا ہے، اب اپنے دین کا مجرم ہے، وہ جہاں بھی جاتا ہے، اس کے قدم اس کے نشانات چھوڑتے چلے جاتے ہیں، میں تمہاری رہنمائی ان کالے نشانوں کی جانب کر سکتا ہوں جو اس کے کالے قدموں کے ہیں، اس طرح تم اس کی تلاش میں جا سکتے ہو، رات کی تاریکیاں ہوں یا دن کی روشنی...... وہ جدھر سے بھی گزرے گا، اس کے کالے قدم زمین پر اپنے نشانات چھوڑتے چلے جائیں گے اور تم ان نشانات کا تعاقب کر کے اس تک پہنچ سکتے ہو۔"

"آہ کیا ثنا بھی اس کے قبضے میں ہے؟"

"وہ ثنا کو لے کر یہاں سے نکل گیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اب پولیس اس کے پیچھے لگ چکی ہے اور وہ بہرحال ساری قوتوں کے باوجود انسان ہی ہے، پولیس کی چلائی ہوئی گولیاں اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں کیونکہ وہ ہر وقت اپنے علم کے خول میں نہیں رہتا۔"

حیات علی غور کرنے لگا، کوئی اور ایسی بات نہیں رہ گئی تھی جو اسے معلوم کرنا ہوتی، تب اس نے کہا۔ "فرزان! میں تمہارا احسان مانوں گا، تم میری رہنمائی کرو، میری ثنا کو مجھ تک پہنچانے میں میری مدد کرو۔"

"میں نے کہا نا کہ ثنا آخرکار تم تک پہنچ جائے گی اور عدلان سوناری، ثنا ہی کے ہاتھوں فنا ہوگا لیکن ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، تم اپنی کوشش اور جدوجہد جاری رکھو، جہاں کوئی ایسا مقام آیا کہ میں تمہاری مدد کر سکوں تو میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا لیکن یہ سمجھ لو کہ کچھ پابندیاں ہر شخص پر عائد ہوتی ہیں۔"

"ایک سوال اور کروں تم سے...... کیا تم کوئی زندہ انسان ہو؟"

"ایسے احمقانہ سوالوں کو خود اپنے ذہن میں تول لیا کرو کہ کیا ایسی باتوں کا کوئی جواب دیا جا سکتا ہے۔"

حیات علی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا۔ "تم میری رہنمائی کرو۔"

"دقتیں اٹھانا پڑیں گی۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"چلو اس ڈاک بنگلے میں تمہیں کچھ نہیں حاصل ہوگا، یہاں اب کچھ نہیں ہے، یہ سفید دھبہ جو نمودار ہو رہا ہے، تم اس کے پیچھے پیچھے چلے آؤ، میں تمہیں راجہ ہدایت خان کے پہلے قدم تک پہنچا دوں گا اس کے بعد آگے کی تلاش تمہارا اپنا کام ہے۔"

اس سفید دھبے کا تذکرہ کریم شاہ بھی کر چکا تھا جو حیات علی نے اپنے آپ سے کچھ فاصلے پر دیکھا اور اس کے بعد وہ اس سفید دھبے کے پیچھے پیچھے چل پڑا، سفید دھبہ اس کی رہنمائی کر رہا تھا، یہاں تک کہ وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گیا اور پھر فرزان کی آواز ابھری۔

"زمین پر دیکھو، یہ کالا نشان تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

حیات علی نے زمین پر دیکھا، واقعی ایک ایسا کالا نشان زمین پر بنا ہوا تھا جو کسی پاؤں ہی کا تھا لیکن ایک ایسے پاؤں کا جس میں انگلیاں نہیں تھیں۔

"بس قدموں کے نشان تمہاری رہنمائی کریں گے، میں چلتا ہوں۔" اس کے بعد وہ سفید دھبہ گم ہو گیا۔

حیات علی پر ایک دیوانگی سوار تھی، وہ زمین پر نگاہیں جمائے آگے بڑھتا چلا گیا اور اسے اندازہ نہیں ہوا کہ کب دن کی روشنی نمودار ہوئی اور کب سورج آسمان کی جانب سفر کرنے لگا۔

یہ گرمیوں کا موسم تھا اور سورج نکلتے ہی فضا میں شدید گرمی پھیل جاتی تھی، حیات علی ساری رات سفر کرتا رہا تھا، اس وقت بھی سخت دھوپ آس پاس کے ماحول کو جھلسا رہی تھی، گرم ہوا کے تھپیڑے یوں محسوس ہو رہے تھے جیسے آگ کی لپٹیں چاروں طرف بکھری ہوئی ہوں، بدن کے کھلے ہوئے حصوں میں شدید جلن ہو رہی تھی اور لو کے تھپیڑے اسے نڈھال کئے دے رہے تھے پھر اچانک ہی اسے شدید بھوک کا احساس ہوا، قرب و جوار میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا پھر بھی وہ چلتا رہا، اس کی نگاہیں کسی ایسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں جہاں تھوڑا سا سایہ مل جائے۔

پتا نہیں ڈاک بنگلے سے یہاں تک کا سفر کتنا طویل ہو چکا تھا، حیات علی کو اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر تھوڑی دیر اور چلتا رہا تو شاید اس کا بدن بے جان ہی ہو جائے، اول تو شدید بھوک اور پیاس پھر شدید تھکن اسے خوف تھا کہ کہیں اسے لو نہ لگ جائے۔

وہ زیادہ دور نہیں چلا ہوگا تو کچھ فاصلے پر اسے درخت نظر آنے لگے، فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔

حیات علی ان درختوں کے سائے میں پناہ لینے کیلئے آگے بڑھ گیا۔ اس نے سوچا کہ اب ذرا آرام کرے گا، دھوپ ڈھل جائے گی تو اپنی منزل پر پہنچنے کی کوشش کرے گا چنانچہ وہ اونچے نیچے ناہموار راستوں کو طے کرتا ہوا درختوں کے اس جھنڈ کی جانب چل پڑا، راستے میں کانٹوں والی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور بعض جگہ درختوں کے اس جھنڈ تک پہنچنے کا راستہ ہی بند ہو گیا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری، جہاں سے بھی جگہ ملی، وہاں سے گزرتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا، دل میں بہت سے خدشات بھی تھے، ایسی جھاڑیوں میں اژدہن سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں اور جسم کے کسی بھی کھلے ہوئے حصے پر کوئی اژدہن سانپ حملہ آور ہو سکتا تھا۔

بہرحال اب ثنا کا عشق سر پر سوار تھا اور وہ ہر قیمت پر ثنا کو پانا چاہتا تھا، وہ ان خاردار جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا آخرکار درختوں کے اس جھنڈ تک پہنچ گیا اور پھر یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی لہریں بیدار ہونے لگیں کہ درختوں کے اس جھنڈ کے پیچھے ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت کھڑی ہوئی تھی، یہ عمارت بھی ہندو دھرم شالاؤں جیسی تھی، یہ دھرم شالائیں کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی شکل میں اب بھی نظر آ جاتی تھیں اور ان کے بارے میں حیات علی کو اس بات کا علم تھا کہ ان میں پانی کے کنوئیں بھی ہوا کرتے ہیں اور بھولے بھٹکے مسافروں کیلئے دوسری ضرورتوں کا سامان بھی...... خدا کرے یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہو۔ وہ عمارت کے قریب پہنچا، دور سے یہ عمارت چھوٹی نظر آ رہی تھی لیکن قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ یہ دھرم شالا نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے، اس کے بلند دروازے پر کچھ لکھا بھی ہوا تھا جسے اس وقت وہ نہیں پڑھ سکا کیونکہ شدید مشقت، گرمی اور تھکن نے بینائی پر بھی اثرات چھوڑے تھے۔

اونچے اونچے درختوں کے اس زبردست جھنڈ نے اس عمارت کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا، آس پاس عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا، حیات علی اسے دیکھنے لگا، ویسے پولیس کا جوان تھا، مضبوط دل کا مالک...... بے شک ڈر انسان کی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن حیات علی دوہری کیفیت کا شکار تھا۔ ثنا کی یاد بہت سے احساسات سے بیگانہ کئے ہوئے تھی، اس نے اس ٹوٹی پھوٹی عمارت کے بہت سے حصوں کو دیکھا، ان میں سے کچھ حصے محفوظ تھے اور کچھ مخدوش......

حیات علی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اس عمارت میں کوئی موجود ہے یا نہیں...... پھر وہ عمارت میں داخل ہو گیا، یہاں اچھی خاصی ٹھنڈک تھی اور چونکہ وہ انتہائی گرم موسم سے گزر چکا تھا اس لئے اسے یہ ٹھنڈک کافی خوشگوار لگ رہی تھی البتہ ایک بات کا احساس اسے ضرور ہو گیا تھا وہ یہ کہ اس گرمی میں درختوں کے نیچے اتنی ٹھنڈ کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، ضرور کوئی ایسی بات تھی جو اس عمارت کو اتنا ٹھنڈا کئے ہوئے ہے لیکن وہ کیا بات تھی، اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

وہ عمارت کے بیرونی حصے سے گزر کر اصل عمارت تک پہنچا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا، چند لمحات انتظار کرنے کے بعد اس نے زور زور سے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی، ویسے بھی اتنے ویران علاقے میں اس عمارت میں کسی کی موجودگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن پتہ نہیں دروازہ اندر سے کس نے بند کیا ہے، ہو سکتا ہے یہ پرانی بات ہو، دروازہ پہلے سے بند ہو، اس میں داخلے کا راستہ اس کے دوسرے ٹوٹے ہوئے حصوں میں سے ہو۔ ایک لمحے تک وہ سوچتا رہا اور پھر دروازے کے پاس سے واپس پلٹا، یہ سوچ کر کہ کسی سکون کی جگہ تھوڑا سا آرام کرے لیکن ابھی وہ دروازے کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً اس کے کانوں میں ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے اندر کوئی چل رہا ہو۔

پھر دائیں جانب کی اونچی کھڑکی کے پٹ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلے، غالباً کسی نے کھڑکی کھول کر یہ دیکھا کہ دروازہ کون بجا رہا ہے۔ جیسے ہی حیات علی نے کھڑکی کی آہٹ پر گردن اٹھائی، کھڑکی بند ہو گئی، اس کا مطلب ہے کہ اس کا خیال غلط تھا، اندر کوئی رہتا ہے اور اسے دیکھنے کے بعد ممکن ہے اب دروازہ کھولنے آ رہا ہو، وہ ایک بار پھر دروازے کے سامنے رک گیا۔

اس کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا، اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی، یہ آواز پیروں میں پہننے والے سلیپروں کے فرش پر گھسٹنے کی تھی پھر دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا اور حیات علی دو قدم پیچھے ہٹ کر دروازہ کھولنے والے کو دیکھنے لگا، آخرکار دروازہ کھلا اور اسے اپنے سامنے ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا لیکن اسے دیکھ کر حیات علی کے بدن میں خوف کی ایک جھرجھری سی دوڑ گئی۔

اسے یوں لگا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر کسی نے سرد انگلی رکھ دی ہو۔ وہ ایک مردے جیسی شکل کا مالک شخص تھا، شانوں سے لے کر پیروں تک ایک سفید ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے، لمبے لمبے سفید بال اور چہرے پر اس طرح جھریاں لٹک رہی تھیں جیسے گوشت اوپر سے چپکا دیا ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک اور شخصیت بھی اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔

حیات علی نے اسے بھی دیکھ لیا تھا، یہ ایک انتہائی دراز قامت عورت تھی، مرد جتنا بدوضع اور بدصورت تھا، عورت اتنی ہی حسین اور دلکش تھی، سڈول بدن کی مالک یہ عورت سلک کا ایک لبادہ پہنے ہوئے تھی لیکن اس کا چہرہ اس قدر سفید تھا کہ اتنے سفید چہرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، البتہ ایک لمحے میں حیات علی نے محسوس کر لیا کہ اس سفیدی کے پیچھے خون کی گردش نہیں ہے، بس یوں لگتا تھا جیسے سنگ مرمر کا سفید چہرہ اس خوبصورت بدن پر چپکا دیا گیا ہو، عورت کے ہونٹ اتنے سرخ تھے کہ لگتا تھا کہ ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

اچانک ہی عورت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے روشنی سی خارج ہو رہی ہو۔ حیات علی کی آنکھیں جھک گئیں پھر اس نے کہا۔ "میں سخت گرمی سے گزر کر آیا ہوں، کیا آپ لوگ مجھے پناہ دے سکیں گے؟"

عورت نے اپنا سفید ہاتھ سامنے کھڑے ہوئے مرد کے شانے پر رکھا اور شاید کوئی اشارہ کیا پھر مرد کی آواز ابھری۔ "اندر آ جاؤ۔"

یہ آواز بھی ایسی لگی جیسے دو ہڈیاں آپس میں ٹکرائی ہوں اور ان سے ایک کھنک سی پیدا ہوئی ہو۔ پولیس کا ایک جوان ہونے کی حیثیت سے حیات علی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سارے حالات غیر معمولی ہیں لیکن بہرحال اب یہاں تک آ ہی گیا ہے تو آگے بھی دیکھنا چاہئے کہ باقی صورتحال کیا ہوتی ہے۔

حیات علی ان کے اشارے پر دروازے کی دہلیز پار کر کے اندر پہنچ گیا لیکن وہ بے پناہ محتاط تھا، باہر دھوپ اور گرمی کی جو کیفیت تھی، اس نے اسے خاصی حد تک تکلیف کا شکار کر دیا گیا تھا پھر اندر داخل ہو کر مرد ایک طرف مڑ گیا اور عورت نے اسے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ۔"

حیات علی اس کے پیچھے چل پڑا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے ایک انوکھی بات محسوس کی، عورت آگے بڑھ کر ایک زینے کے قریب پہنچ گئی اور سیڑھیاں طے کر رہی تھی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے پاؤں اٹھ ہی نہ رہے ہوں، ذرہ برابر کوئی آہٹ نہیں پیدا ہو رہی تھی جبکہ حیات علی کے اپنے قدموں کی آہٹ اچھی خاصی تھی۔

بہرحال زینہ طے کر کے وہ پہلی منزل پر پہنچ گئی اور اس کے بعد اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا، حیات علی نے ایک نگاہ میں دیکھ لیا کہ کمرے میں ایک مسہری بچھی ہوئی ہے لیکن غیر معمولی قسم کی، وہ فرش سے بہت اونچی تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر چار پانچ آدمی بیک وقت سو سکتے تھے۔

وہ کمرے میں داخل ہوا لیکن عورت پیچھے رک گئی تھی، اس کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے آنکھیں بند کر کے گردن خم کی اور ایک دم واپسی کیلئے مڑ گئی۔ حیات علی کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی تھی لیکن عورت نے بڑی پھرتی کے ساتھ دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا، حیات علی دوڑ کر دروازے کی جانب پلٹا اور اس نے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ دیئے، بڑی خوفناک کیفیت محسوس کر رہا تھا وہ، حالانکہ شدید تھکن سے اس کا بدن بری طرح ٹوٹ رہا تھا، کپڑے دھول میں اٹ گئے تھے، وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا۔

کچھ لمحے تک وہ دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر مسہری کی جانب بڑھا، سب سے پہلے اس نے اپنے جوتے اتارے اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

یہ دونوں یہاں اس ویران مکان میں کیا کر رہے ہیں، حیات علی کو وہ دونوں اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں معلوم ہوتے تھے پھر کیا یہ بدروحوں کا کوئی چکر ہے، ویرانوں میں بنے ہوئے ایسے مکان بدروحوں ہی کا مسکن ہوتے ہیں آہ......! میں نے تمہیں مشکل میں ڈال کر اپنے لئے بھی ہزاروں مشکلیں مول لے لی ہیں۔

تھکن جب زیادہ غالب ہوئی تو وہ بستر پر لیٹ گیا، پھر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہاں غسل کرنے کا کوئی بندوبست ہوتا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، ایک طرف ایک چھوٹا سا دروازہ بنا ہوا تھا جس میں کواڑ نہیں تھے، اینٹیں بے رنگ و روغن تھیں اور ان پر سے جگہ جگہ سے پلستر اکھڑ گیا تھا، کافی بلندی پر ایک چھوٹا سا روشندان بنا ہوا تھا جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

ذرا دیکھوں تو سہی یہ دروازہ کیسا ہے۔ وہ اٹھ کر دروازے کی جانب چل پڑا، دروازے میں اندھیرا تھا، پتہ نہیں اندر کیا ہے، اسی اندھیرے میں آگے بڑھ کر وہ چند قدم آگے بڑھا تو دفعتاً اس کے ہاتھ کسی اور دروازے سے ٹکرائے، اس نے اس پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا اور پھر وہ ایک دم خوش ہو گیا کیونکہ دوسری طرف غسل خانہ نظر آ رہا تھا لیکن انتہائی غلیظ...... نا معلوم کتنے عرصے سے اس کی صفائی نہیں کی گئی تھی، کمرے میں مدھم روشنی جو روشندان سے آ رہی تھی، وہ اس جگہ کو اتنا ضرور روشن کئے ہوئے تھی کہ آنکھیں اس کا جائزہ لے سکیں۔

وہ کچھ اور آگے بڑھا پھر اس نے ایک طرف لگی ہوئی ٹنکی کی ٹونٹی کھولی، نہایت مدھم سی روشنی میں اس نے دیکھا کہ پانی کی پتلی دھار نکل کر غسل خانے کے فرش پر گرنے لگی ہے مگر یہ پانی گندا اور سیاہ رنگ کا تھا جس سے زنگ کی بدبو آ رہی تھی، پانی کی ٹنکی اور لوہے کے پائپ میں سے خر خر کی آوازیں نکلنے لگیں اور اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ لوہے کی یہ ٹنکی طویل عرصے سے استعمال نہیں کی گئی، غلیظ پانی سے نہانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن پھر اس نے سوچا کہ کم از کم ہاتھ پاؤں تو صاف کر ہی لے جن پر گرد کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔

وہ آگے بڑھا اور اس نے اپنے دونوں پاؤں سامنے کر دیئے، پانی کی پتلی دھار اس کے پیروں پر گرنے لگی مگر دفعتاً ہی اس کا سانس رک گیا، خدا کی پناہ، یہ کیا چیز ہے جو اس کے پیروں پر گر رہی ہے، اس نے غور سے اپنے پیروں کو دیکھا اور پھر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا، پاؤں ایک دم پھسلا تھا اور وہ اپنے آپ کو بیلنس نہیں کر سکا تھا، کمر کے بل نیچے گرا لیکن پھر فوراً تڑپ کر اٹھ گیا اور اس کے بعد وہاں سے دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔

اس کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا، نل کی ٹونٹی میں سے خون کی دھار نکلی تھی اور اس کے پیروں پر خون جم گیا تھا، اسے ایک دم یہ احساس ہوا کہ وہ خون پرانا نہیں ہے کیونکہ پیروں پر گرنے کے بعد اس کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے تجربے نے اسے ایک لمحے کے اندر اندر بتا دیا کہ یہ انسانی خون ہے، دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ چیختا ہوا یہاں سے بھاگ نکلے، یہ مکان واقعی بے حد خوفناک تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اس اچانک اور لرزہ خیز دریافت نے اس کا ذہن ماؤف کر دیا تھا، وہ خوف بھری نگاہوں سے اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا اور اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

ایک ویران سنسان مکان میں اس قسم کے خوفناک حالات اور اتنے بھیانک اور وحشت ناک مناظر...... اس کی ذہنی قوتیں سلب ہوتی جا رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ اعصاب کو قابو میں رکھنا اس وقت کتنا مشکل ہو رہا ہے، اگر ذرا سا کم ہمتی سے کام لے تو بے ہوش ہو کر گر سکتا ہے، یہ واقعات ناقابل یقین تھے اور شاید اسے خود بھی اس پر یقین نہ آتا اگر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے اس کے پیروں پر نہ چپٹے ہوتے، وہ تو شکر تھا کہ باقی کپڑے ان کی زد میں نہیں آئے تھے۔

بہرحال اپنی انتہائی قوت ارادی سے کام لے کر وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کس طرح اپنے پیروں پر سے یہ خون صاف کرے، کچھ دھبے لباس پر بھی نظر آئے تھے، وہ مسہری پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے مسہری کے اوپر بچھے ہوئے بستر سے چادر کھینچ لی اور زمین پر بیٹھ کر اپنے پیروں سے خون رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگا۔

عجیب سا خون تھا، ذرا سی دیر میں پیروں پر جم کر سخت ہو گیا تھا اور پیروں پر سے اس کی پپڑیاں اکھڑنے لگی تھیں، کوشش کر کے اس نے کافی حد تک پاؤں صاف کر لئے تھے لیکن پھر بھی بہت سے دھبے باقی تھے، دل بری طرح پریشان ہو گیا تھا، اس طرح تو وہ قیدی بن کر رہ گیا جبکہ اسے عدلان سوناری اور ثنا کو تلاش کرنا تھا، ایک بار پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف چل پڑا، اسے پتہ تھا کہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔

ابھی وہ دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اسے باہر سے آہٹیں سنائی دیں، کوئی دروازے کے پاس آیا تھا، پھر اسی طرح کی آوازیں ابھریں جیسے دروازے کو باہر سے کھولا جا رہا ہو، حیات علی کا سارا خون سمٹ کر کنپٹیوں میں آ گیا تھا، اسے ایک لمحے میں اپنے آئندہ عمل کا فیصلہ کرنا تھا۔

(جاری ہے)

ایم اے راحت

قسط : 16
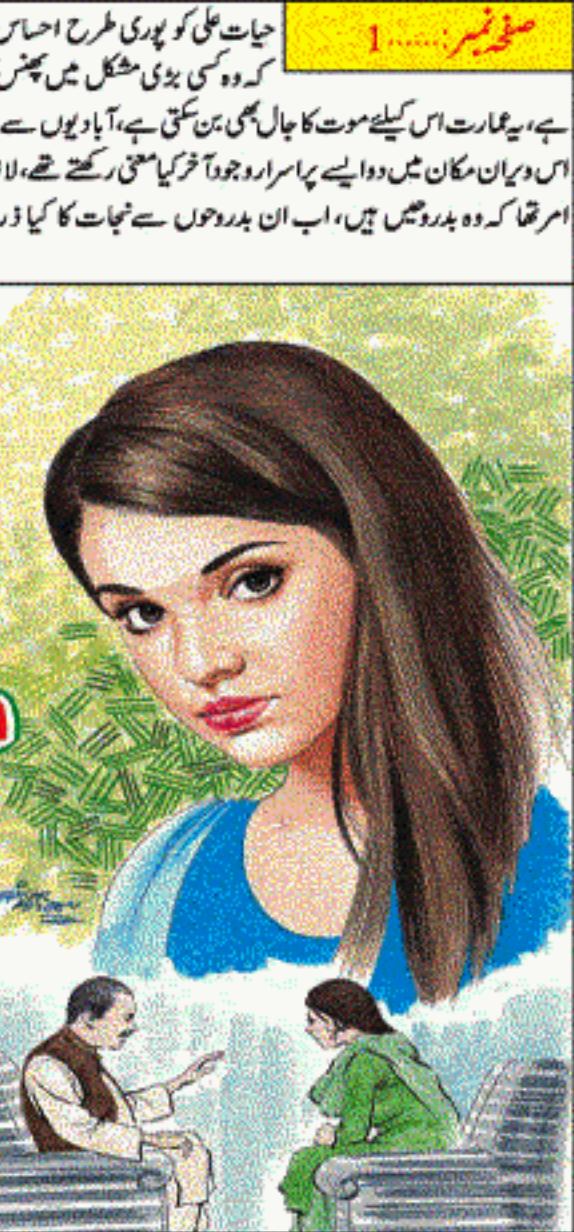
حیات علی کو پوری طرح احساس تھا کہ وہ کسی بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے، یہ عمارت اس کیلئے موت کا جال بھی بن سکتی ہے، آبادیوں سے دور اس ویران مکان میں دو ایسے پراسرار وجود آخر کیا معنی رکھتے تھے، لازمی امر تھا کہ وہ بدروحیں ہیں، اب ان بدروحوں سے نجات کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

دروازہ تھوڑا سا کھلا اور حیات علی تیار ہو گیا کہ جو کوئی بھی اندر داخل ہو، اس پر حملہ کر دیا جائے لیکن ایسا لگتا تھا جیسے آنے والا اس کی اس نیت سے واقف ہو گیا ہو، دروازہ جتنا کھلا تھا، فوراً ہی بند ہو گیا اور بعد میں شاید اسے باہر سے دوبارہ بند کر دیا گیا۔

حیات علی ساکت کھڑا رہا، اس نے سوچا کہ ممکن ہے کوئی دوبارہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرے لیکن دوبارہ ایسی کوشش نہیں کی گئی، کافی دیر تک وہ کان لگائے کھڑا رہا، کوئی آواز نہیں آئی، حیات علی کی نگاہیں پھر ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگیں، فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا، دفعتاً اسے وہ روشندان نظر آیا جو چھت کے قریب تھا، اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، روشندان میں سلاخیں وغیرہ نہیں تھیں، اگر کسی طرح اس تک پہنچ جایا جائے تو اس بات کے امکانات ہیں کہ اس سے باہر نکلا جا سکے۔ حیات علی اس تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرنے لگا، اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ بازی گروں کی طرح روشندان تک پہنچنے کی کوشش کرے، پھر اس کی نگاہ بستر کی چادر کی جانب اٹھی، صرف یہی ایک ترکیب تھی۔ اس نے چادر اٹھائی اور اس کی مضبوطی کا اندازہ کرنے کے بعد اس کے آٹھ آٹھ انچ کے چوڑے ٹکڑے کرنے لگا پھر ان ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر اس نے گرہیں لگائیں، وہ انہیں رسی کی شکل دے رہا تھا، اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس سے روشندان تک پہنچا جا سکے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تو ایک بار پھر وہ غسل خانے کے پاس پہنچا۔ غسل خانے میں قدیم طرز کی ٹونٹی لگی ہوئی تھی جس میں ایک لمبا پائپ پھنسا ہوا تھا، اگر کسی طرح یہ پائپ مل جائے تو یہ ٹونٹی آنکڑے کا کام دے سکتی ہے۔ ویسے بہت سی مہمات سر کی تھیں، چوروں اور ڈاکوؤں اور دوسرے جرائم پیشہ افراد کیلئے گھات لگائی تھی، لیکن بدروحوں سے پہلی بار مقابلہ ہوا تھا اس لئے ذرا سی آہٹ پر بدن میں سرد لہریں دوڑ جاتی تھیں۔

نل کو چھوتے ہوئے بھی ایک دم سے اسے احساس ہوا کہ اس پائپ میں خون بھرا ہوا ہے اور یہ خون اس ٹونٹی کے ذریعے نیچے آیا تھا، لیکن اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اسی کو استعمال کیا جائے، چنانچہ اس نے اس پائپ پر زور آزمائی کی، پہلے اسے اوپر کی جانب موڑا اور اس کے بعد نیچے کی طرف پھر چار چھ بار اسے اوپر نیچے کرنے سے پائپ کا سرا لچکنے لگا اور اس کے بعد وہ ٹوٹ کر حیات علی کے ہاتھ میں آ گیا لیکن اب اس سے خون نیچے نہیں گر رہا تھا۔

وہ پائپ کو چادر کی رسی میں باندھنے لگا اور اس کے بعد اس نے اس ٹکڑے کو بڑی مہارت کے ساتھ اس روشندان میں پھینکا اور ایک لمحے کیلئے اسے خوشی کا احساس ہوا کہ پائپ روشندان میں جا پھنسا تھا، پہلے اس نے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور اس کے بعد اسی رسی کے سہارے اوپر چڑھنے لگا، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سی آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی ہوں اور سرگوشیاں سی کر رہی ہوں، اس کے کانوں میں سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی لیکن وہ ہر آواز سے بے نیاز ہو کر اپنی یہ منزل طے کر رہا تھا اور آخرکار اس کے ہاتھ روشندان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

روشندان کے قریب پہنچ کر اس نے جائزہ لیا کہ اس کا بدن اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں اور یہ دیکھ کر ایک بار پھر خوشی کا احساس ہوا کہ روشندان کی چوڑائی اتنی تھی کہ وہ اس سے باہر نکل سکتا تھا، اس کے علاوہ ایک اور چیز جو اسے نظر آئی، وہ ڈھارس بندھانے والی تھی، روشندان کے عین سامنے کوئی دو تین فٹ کے فاصلے پر ایک درخت کی شاخ گزرتی نظر آ رہی تھی، اگر روشندان سے باہر نکل کر وہ اس شاخ کو پکڑ لے تو درخت کے ذریعے نیچے اتر سکتا ہے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ دروازے پر پھر آہٹ محسوس ہوئی اور اس بار دروازہ کھل گیا تھا۔

حیات علی نے پیچھے دیکھا اور دوسرے لمحے اسے ایک خوفناک چیخ سنائی دی، حیات علی بری طرح لرز کر رہ گیا، ابھی تک اس کے پاؤں چادر کی ایک گرہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہ اسی پر وزن ڈال کر اپنے جسم کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن اس نے ان دونوں شیطانوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد وہ روشندان کے نیچے پہنچ کر چادر کو پکڑ کر زور زور سے ہلانے لگے، دبلا پتلا مرد اور خونخوار عورت چادر کی اس رسی کو زور زور سے جھٹکے دے رہے تھے تاکہ رسی اس کے پیروں سے نکل جائے اور وہ نیچے گر پڑے لیکن حیات علی بھی اس وقت زندگی اور موت کی بازی لگائے ہوئے تھا، جونہی اس کے ہاتھ روشندان کے کنارے پر ٹکے، اس نے خود کو پوری قوت سے روشندان میں لٹکنے کی کوشش کی اور اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے روشندان کے اوپری حصے پر جم گئے۔

پھر وہ اپنے بدن کو اوپر اٹھانے لگا، بڑا مشکل کام تھا، اس نے نجانے کتنی دقتوں کے بعد اپنے بدن کو آدھا روشندان سے نکالا اور اس شاخ کو پکڑنے کی کوشش کی جس کے صحیح فاصلے کا اسے اندازہ نہیں تھا لیکن خوش نصیبی ساتھ دے رہی تھی کہ شاخ اس کے ہاتھ میں آ گئی اور دوسرے لمحے وہ اس شاخ کو پکڑ کر روشندان کے بقیہ حصے سے بھی باہر نکل گیا۔

درخت کی یہ شاخ دور چلی گئی تھی اور پھر ایک اور درخت تک جا کر ختم ہو گئی تھی، حیات علی بندر کی طرح اچھل اچھل کر آگے بڑھنے لگا، شاخ زیادہ مضبوط نہیں تھی، کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتی تھی لیکن حیات علی اس وقت اپنی تمام تر مہارت بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تربیتی مہارت کو استعمال کر رہا تھا اور یہ بھی اس کی خوش قسمتی ہی کا ایک حصہ تھا کہ دوسرا درخت اپنی شاخوں کے ذریعے اس احاطے کی دیوار کو پار کر گیا تھا، وہ بندروں کی سی پھرتی کے ساتھ دوسری شاخ پر پہنچا اور اس کے بعد اسی رفتار سے آگے بڑھتا ہوا عمارت کی دیوار کو عبور کر کے نیچے کود گیا۔

اسے اپنے پیچھے ہولناک چیخیں سنائی دے رہی تھیں، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دو نہ ہوں بلکہ چاروں طرف سے نادیدہ روحیں اسے پکڑنے کیلئے دوڑ رہی ہوں، اگر وہ فولادی اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو نجانے کیا ہوتا، نیچے قدم پہنچتے ہی اس نے تیزی سے دوڑ لگا دی اور یہ جانے بغیر کہ اس کا رخ کس جانب ہے، دوڑتا رہا، یہ اس کی زندگی کا ہولناک ترین واقعہ تھا، جب اسے بدروحوں سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا، دل لگ رہا تھا جیسے پسلیوں سے نکل جائے گا، نجانے کتنی دیر تک وہ دوڑتا رہا، یہ بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وقت بالکل آگے نہیں بڑھا ہے، دھوپ کی شدت اتنی ہی تیز تھی، بائیں سمت درختوں کے کچھ جھنڈ نظر آئے تو قدم اسی طرف اٹھ گئے اور ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ اسے ایک آواز سنائی دی۔

''اس طرف آ جاؤ۔'' وہ اچھل پڑا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، ایک لمحے کیلئے تو یوں لگا جیسے انہی دونوں میں سے کسی ایک کی آواز ہو لیکن پھر وہ سنبھل گیا اور اس نے چاروں طرف دیکھا، اب یہ آواز تھوڑی سی مانوس لگی اور یہ فرزان کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں تھی، وہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا اور کچھ دیر کے بعد اس میں کامیاب ہو گیا۔

''ادھر آ جاؤ، اس چوڑے تنے والے درخت کی چھاؤں میں، وہ تھوڑی سی محفوظ جگہ ہے۔'' فرزان کی آواز سنائی دی اور پھر درخت کے تنے پر اسے دن کی روشنی کے باوجود وہ دھبہ نظر آیا جو اس وقت کافی تیز روشنی دے رہا تھا، وہ آہستہ آہستہ اس درخت کی چھاؤں میں پہنچ گیا پھر اسے فرزان کی آواز سنائی دی۔

''جن پراسرار قوتوں سے تمہیں جنگ کرنا پڑ رہی ہے، ان سے جنگ کرتے ہوئے کسی جگہ معافی کی گنجائش نہیں ہے، جہاں ایک قدم کی لغزش پائی، وہیں نقصان اٹھا جاؤ گے، میں نے تمہیں کالے قدم بتائے تھے، میں نے کہا تھا تم سے کہ یہ قدم تمہاری رہنمائی کریں گے لیکن تم نے اپنی ذہنی قوتوں سے کام لینا شروع کر دیا، تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا مقابلہ ایک شیطانی قوت سے ہے جو اپنے اندر بے پناہ علوم چھپائے ہوئے ہے، تم نے اسے غالباً کوئی معمولی سی شخصیت سمجھا ہے، دیکھو کالے قدم اور صرف کالے قدم...... بس یہی تمہاری رہنمائی کر سکتے ہیں، ایک قدم ادھر ادھر بھٹکایا تو سمجھ لو کہ تمہیں کیسے کیسے حالات سے واسطہ پڑے گا، آخر اس کے بھی ہمدرد ہیں، اس کے بعد بیر ہیں جنہیں اس نے اپنی حفاظت میں لگا رکھا ہے، وہ جگہ جگہ تمہارے راستے روکیں گے اور ممکن ہے تمہاری کوئی لغزش تمہیں زندگی سے محروم کر دے، بہرحال میرا فرض ہے کہ میں تمہیں اس کے راستے پر لگائے رکھوں۔''
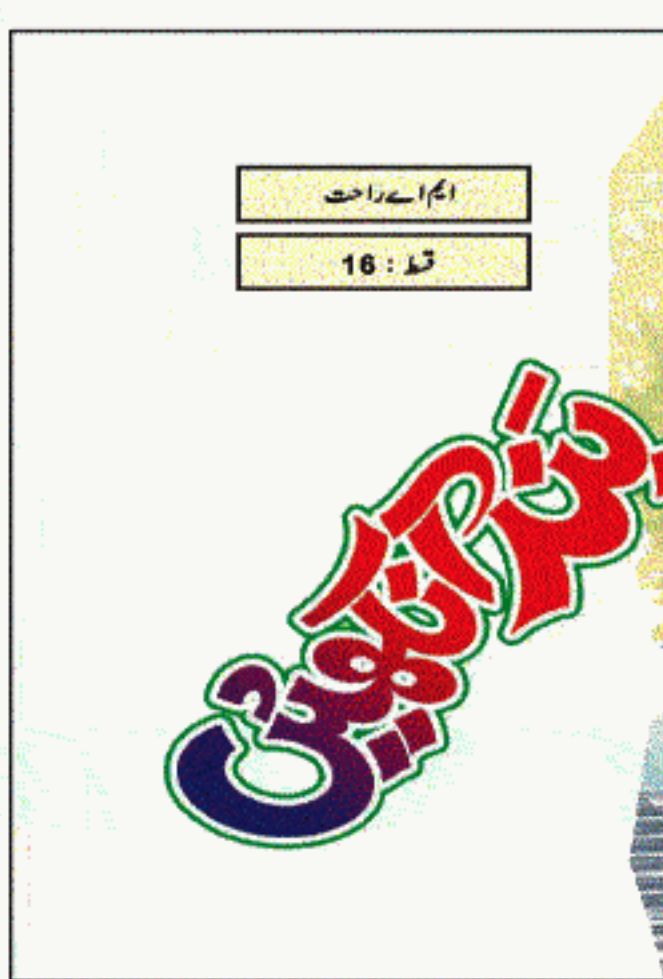
''مگر میری بات سنو، میں انسان ہوں، کسی بھی جگہ بھٹک سکتا ہوں، یہ چلچلاتی دھوپ اور گرمی ہر انسان کو حواس باختہ کرنے کیلئے کافی ہے، مجھے درختوں کے عقب میں وہ عمارت نظر آئی تو میں نے سوچا کہ تھوڑی سی دیر اس میں پناہ لے لوں۔''

''تمہیں تو راج محل بھی نظر آئیں گے اور خوبصورت ایوان بھی...... ٹھیک ہے اگر تم ان میں پناہ لینا چاہتے ہو تو ظاہر ہے کون تمہاری رہنمائی کر سکتا ہے۔''

''خدا کیلئے مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''صرف اور صرف کالے قدموں کے نشانات پر اس کا تعاقب...... یہ نشانات جب تمہیں ایک بار نظر آ جائیں گے تو نظر آتے رہیں گے چونکہ انہیں پا لینا ہی سب سے بڑا کام ہے لیکن یہ میں بھی نہیں بتا سکتا کہ تمہیں کتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا اور کہاں کہاں بھٹکنا پڑے گا، تم یوں سمجھ لو کہ اس وقت وہ بھی کسی مشکل کا شکار ہے لیکن تمہیں اس پر نگاہ رکھنی ہے، وہ آخرکار اپنی کوششوں میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے گا اور شاید کامیاب بھی ہو جائے لیکن وہاں تمہاری اپنی قوت اور صلاحیت ہو گی کہ تم اس کی کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کر دو اور دیکھو میں بار بار تمہیں اس طرح سبق پڑھانے کیلئے نہیں آ سکوں گا کیونکہ اس طرح مجھے بھی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، بہرحال تم قدموں کے نشانات تلاش کرو۔''

''کیا ایک بار پھر تم میری رہنمائی کر سکتے ہو؟'' حیات علی نے پوچھا۔

''یہ جگہ آرام کیلئے مناسب ہے، یہاں آرام کرو اور جب گرمی ختم ہو جائے اور شام کے سائے ڈھلنے لگیں تو آگے کے سفر کا آغاز کر دو، سو قدم گن کر چلو، جو بھی رخ اختیار کرو گے، تمہیں کالے قدموں کے نشانات مل جائیں گے۔''

''اس کیلئے مجھے اور کیا کرنا ہو گا؟'' حیات علی نے سوال کیا لیکن اس بار کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی، اس نے درخت کے تنے پر اس سفید دھبے کو تلاش کیا جو معدوم ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

وقت نے بے شک اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے اندر بڑی سادگی تھی۔ ٹھاکر ارجن اور رما ٹھاکر کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا لیکن وہ اس قدر خوف زدہ تھی کہ انہیں کچھ بتانے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی اور سوچتی تھی کہ اس کے حالات جان کر کہیں وہ اسے نکال نہ دیں۔

وقت گزر رہا تھا، لیکن وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ٹھاکر ارجن نے اسے اس پراسرار حویلی کے بارے میں بتایا تھا، اس وقت تو کوئی بات اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی لیکن اس پراسرار رقاصہ نے اسے حیران کر دیا تھا، راجہ ہدایت خان کے بارے میں اسے پتہ چل چکا تھا کہ وہ ایک جادوگر قسم کا آدمی ہے لیکن جادو کے بارے میں اس کی کوئی معلومات نہیں تھیں، البتہ رقاصہ کے بارے میں اس کے ذہن میں شدید تجسس پیدا ہوتا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ٹھاکر سے اس کے بارے میں معلوم کرے۔

دوسرے دن ٹھاکر صاحب اپنی دھرم پتنی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، وہ ان کے پاس پہنچ گئی، دونوں میاں، بیوی اسے دیکھ کر ہمیشہ خوش ہو جاتے تھے، ٹھاکر صاحب نے پوچھا۔ ''ثنا بیٹی! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟''

''آپ بار بار یہ کیوں پوچھتے ہیں ٹھاکر صاحب! مجھے شرمندگی ہوتی ہے، آپ لوگوں نے مجھے اپنی بیٹی کی طرح رکھا ہوا ہے، میں تو یہ سوچتی ہوں کہ کہیں میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔''

''اور ہم یہ سوچتے ہیں کہ پتہ نہیں تم یہاں خوش ہو کہ نہیں...... ہم تو اس وقت سے خوف زدہ ہیں جب تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔''

ثنا نے گردن جھکا لی تھی۔ اسی وقت رما ٹھاکر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ باتیں کرو، میں ایک کام سے جا رہی ہوں۔''

وہ اٹھ کر چلی گئیں تو ثنا نے کہا۔ ''حویلی کے بارے میں آپ نے مجھے کچھ باتیں بتائی تھیں ٹھاکر صاحب!''

ثنا کے ان الفاظ پر ٹھاکر ارجن نے چونک کر اسے دیکھا پھر بھاری سے لہجے میں بولے۔ ''ہاں...... کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں۔'' ثنا نے کہا۔

ٹھاکر ارجن پر تجسس نظروں سے اسے دیکھنے لگے، پھر بولے۔ ''بتاؤ کیا بات ہے؟''

ثنا نے انہیں اس پراسرار رقاصہ کے بارے میں پوری تفصیل بتائی تو ٹھاکر صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے پھر وہ ایک دم اٹھ گئے اور ثنا چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''آؤ۔'' ٹھاکر صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ثنا بھی بے اختیار اٹھ گئی۔

''کہاں......؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' ٹھاکر صاحب نے پراسرار لہجے میں کہا اور ایک طرف مڑ گئے۔

حویلی بہت بڑی تھی۔ بس تھوڑے سے حصے میں رہائش تھی باقی خالی پڑا تھا، وہ اسے ایک ایسی جگہ لائے جہاں ثنا پہلے نہیں آئی تھی، کئی کمروں سے گزر کر وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ گئے جو بالکل خالی تھا، اس میں فرنیچر تھا اور نہ کوئی اور چیز...... دیواریں بھی سپاٹ تھیں، بس ایک جگہ لوہے کا ایک کڑا لگا ہوا تھا، ٹھاکر صاحب نے ثنا کو دیکھ کر کہا۔ ''کیا تمہارا دل مضبوط ہے؟''

''میں سمجھی نہیں ٹھاکر صاحب!''

''میں تمہیں ایک تہہ خانے میں لے جانا چاہتا ہوں جو اس حویلی کا سب سے پراسرار حصہ ہے۔'' ثنا نے ٹھاکر ارجن کو دیکھا پھر بولی۔ ''آپ میرے ساتھ ہیں ٹھاکر صاحب تو مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔''

''ہاں...... آؤ۔'' ٹھاکر صاحب نے کہا اور اس کڑے کو اپنی طرف کھینچا تو دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا، یہی تہہ خانے کا دروازہ تھا، نیچے جانے کیلئے کچھ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، ٹھاکر صاحب سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے، سیڑھیوں کا اختتام ایک دروازے پر ہوا تھا، انہوں نے وہ دروازہ کھولا اور دروازہ کھلتے ہی یوں لگا جیسے اس تہہ خانے میں کوئی موجود ہو اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہا ہو۔

ثنا کو اپنے بدن میں سرد سرد لہریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں، تہہ خانے میں روشنی کا انتظام تھا، ٹھاکر ارجن نے ہاتھ بڑھا کر وہاں روشنی کر دی، یہ تہہ خانہ کیا ایک اچھا خاصا میوزیم تھا، جہاں شوکیسوں میں طرح طرح کی چیزیں سجی ہوئی تھیں، اس تہہ خانے کو دیکھ کر ثنا پر ایک عجیب سا تاثر قائم ہونے لگا، ٹھاکر ارجن اس وقت اسے ایک پراسرار شخصیت نظر آ رہے تھے۔ بظاہر وہ دونوں میاں، بیوی سیدھے سادے تھے لیکن ہر شخص کی زندگی میں کچھ اسرار ہوا کرتے تھے۔ ٹھاکر کی آواز ابھری۔ ''میرے بھائیوں نے یہ حویلی مجھے دے دی، میں اپنی معصومیت میں یہ نہیں جان سکا تھا کہ یہ ایک آسیب زدہ حویلی ہے اور یہاں ماضی کی نجانے کتنی داستانیں چھپی ہوئی ہیں، میں خاموشی سے اس حویلی میں آ گیا اور جب مجھے اس کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں جو ہمارے پریوار کے ایک بہت ہی پرانے ملازم بندھو کاکا نے مجھے دی تھیں تو میرا دل خوف سے لرز گیا، تمہیں حیرانی ہو گی کہ رما ٹھاکر کو آج تک اس تہہ خانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، بندھو کاکا نے مجھے اس حویلی کے بارے میں جو تفصیلات بتائیں، وہ یہ تھیں کہ ہماری تیسری نسل کے دادا جی ٹھاکر پربھات سنگھ بہت ظالم آدمی تھے، ان کے بارے میں یہ تصور تھا کہ زندہ انسانوں کے سینوں میں کیلیں ٹھونک کر وہ دیوار میں گڑھوا دیا کرتے تھے اور وہ وہیں چیختے تڑپتے دم توڑ دیا کرتے تھے، دیکھو ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' ٹھاکر ارجن نے کہا اور اس کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اینٹوں سے ایک گول دائرہ سا بنا ہوا تھا، اس دائرے کے اوپر ایک ڈھکن سا تھا، ٹھاکر ارجن نے وہ ڈھکن کھولا اور بولے۔ ''اس میں جھانکو، یہ ایک کنواں ہے، ٹھہرو میں روشنی جلا دوں۔'' انہوں نے دیوار میں ایک بٹن دبایا اور کنواں روشن ہو گیا۔

''میں نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا لیکن یہ بات بندھو کاکا نے بتائی تھی کہ جب اس حویلی کی صفائی کرائی گئی تو اس کنویں میں اوپر تک عورتوں اور بچوں کی لاشیں بھری ہوئی تھیں، انہیں ہمارے دادا جی ہی نے کنویں میں ڈلوایا تھا، زندہ...... اور بعد میں یہ اسی کنویں میں مر گئے، کنواں بھر گیا تو دادا جی نے اس پر ایک ڈھکن لگوا دیا، صفائی کرانے والوں نے یہاں کی صفائی چیک کرا دی لیکن اس کنویں کی کہانی آج تک میرے ذہن میں ہے، آؤ میرے ساتھ۔''

ثنا سحر زدہ سی آگے بڑھ گئی، وہ بڑے خوف زدہ انداز میں یہاں کی ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی، ٹھاکر ارجن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ دیکھو، وہ آتشدان تمہیں نظر آ رہا ہے؟''

''ہاں۔'' ثنا کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔ اس نے آتشدان کے قریب ایک الماری کو رکھے ہوئے دیکھا، اس پر سلک کے پردے پڑے ہوئے تھے، ٹھاکر ارجن نے وہ پردے ہٹائے تو الماری کے شیشوں میں سے اندر کی چیزیں نظر آنے لگیں۔

''یہ دیکھو، اس میں جو بڑا سا چاقو نظر آ رہا ہے، یہ ایک مندر سے حاصل ہوا تھا، یہ مندر کالی طاقتوں کا مندر تھا اور اس چاقو سے ہزاروں بلی دی جا چکی ہیں۔'' ٹھاکر ارجن نے ثنا کو دیوار پر ایک بالوں کا گچھا چپکا ہوا دکھایا اور کہا۔ ''یہ گچھا بھی اسی کنویں سے حاصل ہوا تھا، دیکھو اس میں خون کے قطرے ابھی تک چپکے ہوئے ہیں۔''

وہ ایک ایک چیز ثنا کو دکھاتے پھرے، ثنا کی نگاہ گھنگروؤں کے ایک توڑے پر پڑی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر یہ خوبصورت گھنگرو اٹھائے، چھن چھن کی آواز ہوئی تو ٹھاکر نے چونک کر اسے دیکھا اور زور سے چیخا۔ ''نہیں ثنا! انہیں وہیں رکھ دو، بھگوان کیلئے انہیں وہیں رکھ دو۔'' کچھ ایسی خوف زدہ آواز تھی ان کی کہ ثنا نے جلدی سے گھنگرو ایک طرف پھینک دیئے پھر ٹھاکر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر دیکھو۔''

اس بار ثنا نے جو چیز دیکھی، اسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی، وہ دو زنانہ پاؤں تھے جو ایک طرف رکھے ہوئے تھے لیکن یہ دیکھ کر ثنا کی طبیعت خراب ہونے لگی کہ پاؤں بالکل حقیقی اور تازہ کٹے ہوئے معلوم ہو رہے تھے، ان میں مہندی بھی لگی ہوئی تھی اور ناخن بھی رنگے ہوئے تھے۔

''آؤ پیچھے آؤ، ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں ان تمام باتوں کو نہیں سمجھ سکا، بندھو کاکا نے جو مجھے تھوڑی بہت تفصیل بتائی، وہ یہی تھی کہ ٹھاکر پربھات سنگھ بڑے ظالم تھے اور انہوں نے انسانوں پر بڑے مظالم کئے تھے لیکن ان پیروں کی کہانی مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکی، ثنا! تم یقین کرو کہ یہ حویلی ہم سے چپک کر رہ گئی ہے اور ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ہمارا جیون اسی طرح ختم ہو جائے گا، میں نے کئی بار رما کے ساتھ اس حویلی کو چھوڑنے کی کوشش کی ہے لیکن ہم جہاں بھی گئے، بہت برے حالات کا شکار ہو گئے، ایک دفعہ ہم ریل میں بیٹھ کر دوسرے شہر چلے گئے، وہاں ہم نے قیام کیا تو رما بیمار ہو گئی، ایسی بیماری ہوئی کہ جان کے لالے پڑ گئے، اسے اسپتال میں داخل کرایا گیا جب اس کی حالت ذرا بہتر ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ ایک خواب دیکھتی ہے، اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی اسے حویلی میں بلا رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ واپس آ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے، میں رما کو لے کر یہاں آیا تو رما بالکل ٹھیک ہو گئی، ایک دو بار اور ہم نے اس طرح کی کوششیں کیں لیکن ثنا! ہم یہاں سے نکل نہیں پاتے، یہ کٹے ہوئے پاؤں میرے جیون میں ایک گہرا زخم بن چکے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، کاش مجھے ان پیروں کی کہانی معلوم ہو جاتی۔''

ثنا خوف زدہ انداز میں ان پیروں کو دیکھتی رہی، بالکل جیتے جاگتے پاؤں معلوم ہو رہے تھے اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ ٹھاکر ارجن انہیں قدیم پاؤں بتاتا تھا جبکہ ثنا یہ دیکھ چکی تھی کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کٹے ہوئے پیروں سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں، اسے یوں لگا جیسے ٹھاکر ارجن اس سے جھوٹ بول رہا ہے، ان پیروں کی کہانی کچھ اور ہی ہے بہرطور ٹھاکر ارجن اسے اس تہہ خانے کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے کہا کہ اکثر انہیں اس علاقے میں ایک ناچتی ہوئی عورت کا سایہ نظر آتا ہے اور وہ وحشت زدہ ہو جاتے ہیں مگر کیا کریں، اس حویلی سے نکلنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''یہاں سے چلیں ٹھاکر صاحب! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہاں...... آؤ بیٹی! تم نے مجھ سے اس رقاصہ کے بارے میں کہا تو میرا دل بے اختیار ہو گیا، میں نے سوچا کہ تمہیں اس بارے میں بتا دوں، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ جو کوئی بھی ہے، ہمیں نقصان نہیں پہنچاتی، دیکھو جیون میں کتنے عرصے یہاں رہنا لکھا ہوا ہے، میرا بس چلے تو میں آج ہی اس حویلی کو چھوڑ دوں۔''

ثنا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن یہ دہشت ناک کہانی اس کے دل و دماغ پر سوار ہو گئی تھی، رقاصہ کی پرچھائیں اسے لمحہ لمحہ سامنے نظر آتی تھی اور وہ کٹے ہوئے پاؤں اس کی آنکھوں میں بار بار گھوم جاتے تھے۔

دن گزر گیا، رات ہو گئی لیکن وہ کہانی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی، رات کو وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی اور اس کے تصور میں وہ خون بہتے ہوئے پاؤں آنے لگے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، سونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی، بہرحال رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی لیکن ذہن پر پاؤں سوار تھے اور ٹھاکر ارجن کی سنائی ہوئی کہانی جس میں اسے تیسری نسل کے ٹھاکر پربھات سنگھ کی شکل نظر آئی، ایک بلند و بالا قد و قامت کا مالک ہندو رئیس جو خاص قسم کے لباس میں گھوم رہا تھا، اس کے کانوں میں طرح طرح کی آوازیں گونجنے لگیں، اس نے دیکھا کہ وہ ایک صاف شفاف اور بہت ہی خوبصورت بنی ہوئی حویلی کے اندر گشت کر رہی ہے۔

دفعتاً ہی اس کے کانوں میں ہولناک چیخیں گونجنے لگیں اور کسی نے اسے بتایا کہ یہ ان ملازماؤں کی چیخیں ہیں جنہیں ٹھاکر پربھات نے ہلاک کیا تھا، وہ بہت سے مناظر دیکھنے لگی، حویلی کے باغیچے سے بے شمار کھوپڑیاں نمودار ہو رہی تھیں اور بہت سی باتیں سامنے آ رہی تھیں، ایک بار پھر اس نے اس سائے کو دیکھا جس کے پیروں میں گھنگرو بندھے ہوئے تھے اور وہ رقص کر رہی تھی، اس نے زمین پر خاک آلود فرش پر عورت کے پیروں کے نشانات بھی دیکھے اور گھنگروؤں کی آوازیں بھی سنیں پھر وہ ٹھاکر ارجن کے ساتھ اس حویلی کے تہہ خانے میں داخل ہوئی اس نے دیکھا کہ جو آتشدان خاموش پڑا ہوا تھا، اس وقت اس میں آگ روشن تھی اور ہر چیز اس طرح صاف اور شفاف نظر آ رہی تھی جیسے کوئی اسے استعمال کرتا رہا ہو پھر اس کی نگاہ رقاصہ کے ان پیروں پر پڑی اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی، اس نے دیکھا کہ دو بالوں بھرے ہاتھ آگے بڑھے اور کسی نے ان پیروں کو وہاں سے اٹھا لیا۔ تب ہی اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔ ''یہ رقاصہ چندروتی ہے، جو اپنے دور کی سب سے حسین طوائف تھی، جب ٹھاکر پربھات سنگھ اس کے کوٹھے پر اس کا گانا سننے پہنچا تو چندروتی اس سے محبت کرنے لگی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ٹھاکر پربھات سنگھ ایک سنگدل اور ظالم انسان ہے، وہ ایک وحشی آدمی ہے اور حسن پرستی میں بے مثال، اسی طرح دولت لٹانے میں بھی...... ٹھاکر پربھات سنگھ بھی اس رقاصہ سے دلچسپی لینے لگا تھا۔

ثنا نے دیکھا کہ ٹھاکر پربھات اس رقاصہ کے کوٹھے پہ موجود ہے، رقص وسرود کی محفل جمی ہوئی ہے اور وہ رقاصہ پہ اشرفیاں لٹا رہا ہے پھر اس نے ٹھاکر پربھات سنگھ کو اس حسین عورت چندروتی کے ساتھ تنہائی میں دیکھا، وہ چندروتی سے باتیں کررہا تھا۔

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا
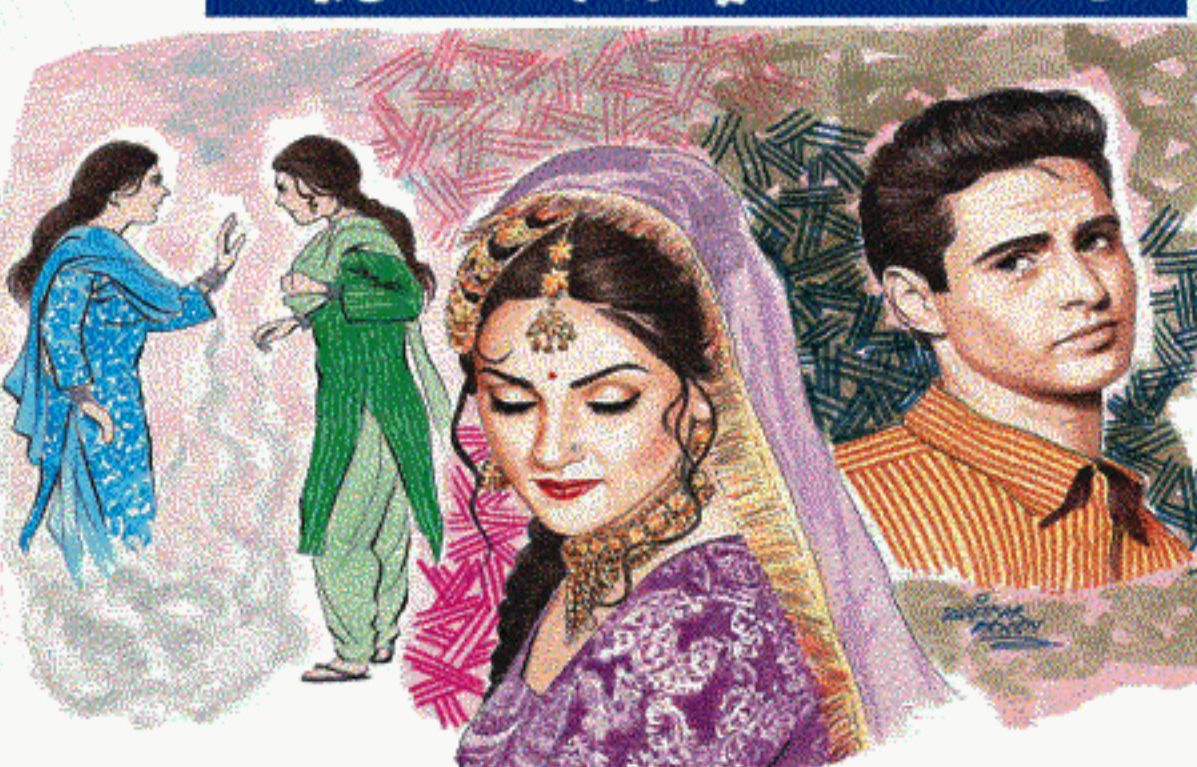
''سن چندروتی! تجھے اس سنسار میں جو کچھ چاہئے، میں تجھے مہیا کروں گا لیکن تو یہ سمجھ لے کہ اب تو صرف میرے لئے ہے، تجھے جتنی دولت درکار ہو، مجھ سے لے لیا کر، لیکن تیرا رقص اب میرے نام ہے۔''

''مہاراج صرف میرا رقص......؟'' رقاصہ کی آواز ابھری۔

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

''کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں جیون بھر کیلئے آپ کی داسی بن جاؤں؟''

''یعنی......؟'' ٹھاکر پربھات سنگھ کی پرغضب آواز ابھری۔

''میں آپ کے چرنوں میں جیون بتانا چاہتی ہوں مہاراج! آپ مجھے......آپ مجھے...... میرا مطلب ہے کہ آپ میرے ساتھ پھیرے کرلیں، مجھے عزت دے دیں۔''

''بے وقوف......! تو جانتی ہے کہ تو ایک نرتکی ہے، ناچنے والی اور میں ٹھاکر پربھات سنگھ...... کیا میرے بارے میں تو نہیں جانتی؟''

''مہاراج! پھر بھی۔''

''نہیں......چل اٹھ، میرے ساتھ چل۔''

''مم......مگر مہاراج......!''

''میں نے کہا نا میرے ساتھ چل۔'' اور اس کے بعد ٹھاکر، چندروتی کو حویلی میں لے آیا، چندروتی اس کے سامنے رقص کرتی تھی لیکن اس کے دل میں حسرت تھی کہ وہ ٹھاکر پربھات سنگھ کی دھرم پتنی بن جائے۔

ٹھاکر پربھات سنگھ نے ہر بار اس سے یہی کہا کہ وہ اس سے شادی نہیں کرسکتا، لیکن بہرحال عورت تو عورت ہوتی ہے، چندروتی کے من میں بے شمار آرزوئیں جنم لے رہی تھیں اور جب ٹھاکر سے اسے کچھ نہ حاصل ہوا تو اس نے سوچا کہ جب زندگی اسی طرح گزارنی ہے تو کیا فائدہ کہ کسی ایک سے منسوب ہوکر رہا جائے، اس کے دل میں کچھ اور احساسات جنم لینے لگے اور پھر اس نے حویلی کے ایک منتظم سے پینگیں بڑھانا شروع کردیں پھر ایک دن جب ٹھاکر پربھات سنگھ کہیں گیا ہوا تھا، چندروتی نے بہت عرصے کے بعد اپنے نئے محبوب کے سامنے رقص کیا لیکن پربھات سنگھ اچانک ہی واپس آگیا، اس وقت تو اس نے کچھ نہ کہا لیکن کچھ ہی دن کے بعد حویلی کا وہ منتظم دنیا سے غائب ہوگیا اور جب اس کا نام ونشان نہ رہا تو پربھات نے چندروتی سے اس کے بارے میں بات کی۔

''تم اپنے محبوب کے سامنے ناچ رہی تھیں جبکہ تم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔''

''ہاں، میں تم سے پریم کرتی تھی لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے جیون میں کیا دیا، کیا میں چندروتی کی چندروتی نہ رہی، کیا میں چندروتی سے عورت بن سکی؟''

''مگر تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم میرے علاوہ کسی اور کے سامنے رقص نہیں کروگی۔''

''میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا، تم مجھے زبردستی لے آئے لیکن اب میں کسی بات کی پابند نہیں ہوں، کیا سمجھے؟'' چندروتی نے صاف صاف کہہ دیا اور ٹھاکر پربھات سنگھ وہاں سے چلا گیا۔

بیچاری چندروتی یہ نہیں جانتی تھی کہ ٹھاکر پربھات سنگھ کس طرح کا انسان ہے اور اس وقت وہ اپنے کمرے میں گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اس کے پیروں پر قیامت ٹوٹ پڑی، کسی نے انتہائی تیز دھار والے تیشے سے اس کے پیروں پر وار کیا تھا اور اس کے دونوں پاؤں اس کے جسم سے علیحدہ ہوگئے تھے، چندروتی بے ہوش ہوگئی لیکن ٹھاکر پربھات سنگھ انتقامی مزاج رکھنے والا انسان تھا، اس نے انتظام کررکھا تھا، چندروتی کے کٹے ہوئے پیروں سے خون روکنے کا بندوبست کرلیا گیا تھا، چار آدمی جو چاروں وقت کے نامی گرامی وید اور حکیم تھے، چندروتی کو زندہ رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے اور دونوں پاؤں کٹ جانے کے باوجود انہوں نے چندروتی کو زندہ رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی، کٹے ہوئے پاؤں والی چندروتی ایک مہینے کے بعد ہوش میں آئی تھی اور راجہ پربھات سنگھ نے اس کے گھنگھروا سے تحفے کے طور پر پیش کئے تھے۔

''اب یہ گھنگھرو تیرے ہیں، چندروتی! باندھ انہیں اور رقص کر ان سب کے سامنے جو تیرے محبوب ہوں، میں نے تجھے ہر چیز دے دی تھی، صرف اپنا نام ہی تو نہیں دیا تھا تجھے، مگر آخر تو ٹھہری نا بیسوا، راس نہیں آیا تجھے یہ سب کچھ......اب ناچ!''

چندروتی کی تو قوت گویائی ہی ختم ہوگئی تھی، وہ بے بسی سے اپنے پیروں کو دیکھتی رہتی تھی، ٹھاکر پربھات سنگھ نے اسے وہاں سے اٹھا کر اسی حویلی کے ایک تہہ خانے میں پہنچا دیا تھا اور کبھی کبھی اس سے مل لیا کرتا تھا، چندروتی کی دیکھ بھال کیلئے اس نے دو عورتیں مقرر کردی تھیں لیکن چندروتی غم کا شکار تھی، وہ مرجانا چاہتی تھی۔

ٹھاکر جب بھی اس کے پاس آتا، اسے طعنے دیتا رہتا اور کہتا۔

''چندروتی! ٹھاکروں کے بارے میں تو جانتی نہیں، ہم لوگ وہی کرتے ہیں جو ہمارے من میں ہوتا ہے، ایک نرتکی اور بیسوا کو ہم ٹھاکروں کی ماں نہیں بنا سکتے، یہ بات میں نے تجھے بتادی تھی پر تو نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا، اب کیسا لگتا ہے تجھے؟''

چندروتی آنسو بہا کررہ جاتی، اس کی تو آواز ہی بند ہوچکی تھی اور پھر اسی طرح وہ اس تہہ خانے میں ایک دن زندگی کی بازی ہار بیٹھی، اپنے ہاتھ سے تو وہ کچھ نہیں کرسکتی تھی، اپنی موت کیلئے پر تقدیر نے اسے خود ہی اس کربناک زندگی سے نجات دلا دی، ہاں اس کی آتما شانت نہیں ہوسکی، وہ ٹھاکر پربھات سنگھ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی بس خود ہی بھٹکتی رہتی تھی۔

ثنا نے اسے اپنے آپ سے کچھ فاصلے پر دیکھا، چندروتی، ثنا کو اشارے سے بلا رہی تھی، ثنا ڈرتی ڈرتی اس کے پاس پہنچی، چندروتی کا نچلا بدن دھوئیں میں لپٹا ہوا تھا، ثنا نے اس کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا تو دل مسوس کررہ گئی، چندروتی واقعی بہت حسین تھی، پھولوں کی طرح نازک اندام......اس کی آنکھوں سے اس وقت بھی آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں، وہ کہنے لگی۔ ''یوں مجھے میری چتا سے بھی دور کردیا گیا، بس سنسار باسی اسی طرح عورتوں پر ظلم کرتے ہیں، ہم مجبور اور بے کس لوگ ہیں، دیکھو کون ناچ کو دکی زندگی چاہتا ہے، میں بھی اپنے جیون میں بہار چاہتی تھی، ٹھاکر ویسے تو مجھ سے بڑے پریم کا اظہار کرتے تھے لیکن مجھے تھوڑی سی عزت نہیں دے سکتے تھے، پتہ نہیں سنسار میں یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا، مجھ سے میری چتا بھی چھین لی گئی ہے، بس بھٹکنا ہی ہے مجھے، آؤ میں تمہیں اپنا شریر دکھاؤں، آؤ۔''

دھوئیں میں لپٹی ہوئی چندروتی اس طرح ہوا میں تیرنے لگی جیسے کوئی خوبصورت بگلا ہو۔ ثنا عالم خواب میں اس کا تعاقب کررہی تھی، پھر وہ اسے اس جگہ لے گئی جہاں حویلی میں تین درخت تین بہنوں کی طرح اپنی شاخیں ایک دوسرے کے گلے میں ڈالے کھڑے ہوئے تھے۔ ثنا پہلے بھی ان درختوں کو دیکھ چکی تھی مگر اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں آیا تھا، چندروتی درمیان والے درخت کے پاس پہنچی اور پھر اس نے درخت میں کچھ کیا اور درخت کی جڑ میں ایک چھوٹا سا خانہ کھل گیا۔

چندروتی، ثنا کو لئے ہوئے اس تہہ خانے میں اتر گئی جو ان درختوں کے نیچے بنا ہوا تھا، کافی کشادہ اور بڑا تہہ خانہ تھا لیکن اس وقت چمگادڑوں اور سیلن سے اٹا ہوا تھا، چندروتی اسے ایک چھپر کھٹ کے پاس لے گئی اور اس نے چھپر کھٹ کی طرف اشارہ کیا، چھپر کھٹ پر ایک جسم پڑا ہوا تھا اور یہ جسم چندروتی کا ہی تھا لیکن سوکھے ہوئے استخوانی ڈھانچے کی شکل میں، البتہ اس کا چہرہ بالکل نمایاں تھا۔

ثنا یہ منظر دیکھ کر دہشت سے کانپ اٹھی اور دوسرے لمحے اس کی آنکھ کھل گئی، وہ خوف ودہشت کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی لیکن اپنے کمرے میں تنہا تھی۔

بمشکل تمام اس نے اپنی شدت سے دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالا اور اس خواب پہ غور کرنے لگی، کیا واقعی یہ سچا خواب ہے، لیکن ان سچے خوابوں نے اس کی زندگی برباد کردی تھی، اسے کیا حاصل ہوا تھا ان سچے خوابوں سے......بس دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔

بمشکل تمام اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کٹے ہوئے پیروں سے منسلک اس کہانی کو یاد کرنے لگی، کیا واقعی یہ سچا خواب تھا، اسے یاد آیا کہ ایسے ہی ایک سچے خواب سے اس نے ایک تباہ شدہ گھرانے کو خوشیوں کی جانب گامزن کردیا تھا۔ اس دن وہ پورا دن ہی سوچتی رہی تھی پھر شام ہوئی اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ ٹھاکر ارجن کو چندروتی کے بارے میں تفصیل بتائے گی۔ اس نے ٹھاکر ارجن سے کہا۔ ''ٹھاکر صاحب! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں بیٹی! بولو کیا بات ہے؟''

''ٹھاکر صاحب! رما دیدی میرے لئے ماں اور بہن کا درجہ رکھتی ہیں لیکن میں ایک سوال کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔''

''بولو بیٹا......!''

''کیا کٹے ہوئے پیروں کے بارے میں رما دیدی کو بھی معلوم ہے؟''

''ہاں معلوم ہے، پر یہ کچے دل والی ہیں، میں نے ان سے اس بارے میں زیادہ بات نہیں کی مگر تم کیوں یہ سوال کررہی ہو؟''

''میں آپ کو اپنے بارے میں تھوڑا بہت بتانا چاہتی ہوں۔'' ثنا نے کہا۔

ٹھاکر کا چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا، اس نے کسی قدر گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ ''تو کیا تمہاری کہانی کا کٹے ہوئے پیروں کی کہانی سے کوئی تعلق ہے؟''

''نہیں کٹے ہوئے پیروں کی کہانی سے میری زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہے، میں آپ کو اپنے بارے میں صرف اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ کچھ غیر حقیقی واقعات کے ساتھ ایک عجیب سا تصور میری زندگی سے وابستہ ہوگیا ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ میں سچے خواب دیکھتی ہوں۔''

''سچے خواب......؟''

''ہاں ٹھاکر صاحب، میں خود بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتی تھی لیکن کچھ واقعات ایسے ہوئے جن کے بارے میں آپ کو صرف اتنا بتاؤں گی کہ میں نے کسی کے بارے میں کوئی خواب دیکھا اور اس کا ماضی میرے سامنے آگیا اور پھر جب میرے اس خواب کی تصدیق کی گئی تو وہ خواب بالکل سچا نکلا، جس پراسرار وجود نے مجھے سچے خواب کا یہ علم بخشا، اس نے یہی کہا تھا کہ میں سچے خواب دیکھ سکتی ہوں۔''

ٹھاکر عجیب سی نگاہوں سے ثنا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی بیٹی!''

''رات کو میں نے ان کٹے ہوئے پیروں کے بارے میں خواب دیکھا، آپ مجھے ایک بات بتائیے، کیا آپ نے کسی چندروتی کا نام سنا ہے؟''

ثنا کے منہ سے یہ نام سن کر ٹھاکر اور رما ٹھاکر دونوں ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے، پھر ٹھاکر نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہاں اس نام کا تھوڑا بہت تعلق ہمارے خاندان کے ماضی سے ہے۔''

''میں نے دیکھا ٹھاکر صاحب کہ کٹے ہوئے وہ پاؤں ایک ناچنے والی چندروتی کے ہیں اور چندروتی کا باقی جسم اس حویلی کے ایک تہہ خانے میں موجود ہے، اس کی روح بھٹک رہی ہے کیونکہ اسے چتا نہیں ملی اور آپ جو اپنی حویلی میں کسی پراسرار وجود کو ناچتے ہوئے دیکھتے ہیں اور آپ کی حویلی میں جو پراسراریت ہے، وہ چندروتی کی اس بھیانک کہانی ہی سے منسوب ہے، آپ مجھے بتائیے آپ کے خاندان کی تیسری نسل کے بزرگ ٹھاکر پربھات سنگھ کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہیں، کیا ان میں چندروتی کی کہانی شامل نہیں ہے؟''

ٹھاکر ارجن نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا پھر انہوں نے کہا۔ ''اتنا تو میں نے تمہیں نہیں بتایا ثنا بیٹی! اتنا تو میں نے تمہیں نہیں بتایا۔''

''ہاں اگر آپ کو چندروتی کی کہانی معلوم ہے اور آپ نے اسے مجھے نہیں بتایا تو یہ کہانی میرے منہ سے سن لیجئے۔'' ثنا نے کہا اور چندروتی کے بارے میں جو کچھ اس نے اس خواب میں دیکھا تھا، وہ ٹھاکر ارجن چند کو سنا دیا۔ ٹھاکر خوف زدہ نگاہوں سے ثنا کو دیکھنے لگا تھا، کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ ''ہاں یہ کہانی بالکل ٹھیک ہے مگر اس کے بارے میں ہدایت کی جاتی ہے کہ یہ کسی اور کو نہ سنائی جائے اور نہ اسے دہرایا جائے۔''

''جب تک اس کہانی کو آخری منظر تک نہیں پہنچا دیا جاتا ٹھاکر صاحب! یہ حویلی اسی طرح پراسرار حالات کا شکار رہے گی اور یہاں کبھی سکون قائم نہیں ہوسکے گا۔'' ثنا کے منہ سے جو آواز نکل رہی تھی، وہ اس کی اپنی آواز نہیں معلوم ہورہی تھی، لگتا تھا جیسے اس کی زبان سے کوئی اور بول رہا ہو یہاں تک کہ ٹھاکر ارجن کو اس کی آواز تک بدلی ہوئی محسوس ہورہی تھی اور ٹھاکر ارجن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔

وہ کچھ دیر تک ثنا کے چہرے کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے آواز دی۔ ''ثنا بیٹی! ثنا......''

ثنا واقعی اس طرح چونکی تھی جیسے سوتے سوتے جاگ پڑی ہو، اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر بولی۔ ''آپ نے مجھے آواز دی ٹھاکر صاحب......؟''

''ہاں بیٹے! ابھی کیا کہہ رہی تھیں تم؟'' ٹھاکر ارجن نے ثنا کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور ثنا آنکھیں بند کرکے یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ وہ کچھ لمحے پہلے کیا کررہی تھی۔

پھر اس نے کہا۔ ''ہاں ٹھاکر صاحب! میں نے آپ کو جو واقعات سنائے، وہ سب میں نے خواب میں دیکھے تھے اور میں سچے خواب دیکھتی ہوں، اگر یہ کہانی سچ ہے تو آپ سمجھ لیجئے کہ مجھے آپ کے پریوار کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، میں صرف وہ بتارہی ہوں جو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔''

ٹھاکر سوچ میں ڈوب گیا تھا، پھر اس نے کہا۔ ''کیا بتایا تم نے وہاں جہاں تین درخت بہنوں کی طرح ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے کھڑے ہیں، وہ تہہ خانہ وہاں سے شروع ہوتا ہے۔''

''یہی سوال میں آپ سے کرنا چاہتی تھی ٹھاکر صاحب! کیا آپ کو اس تہہ خانے کے بارے میں معلوم نہیں ہے؟''

''بھگوان کی سوگند نہیں معلوم......بس یوں سمجھ لو کہ جب سے اس حویلی میں آیا، مشکلوں ہی کا شکار رہا، جو کچھ مجھے معلوم تھا یہاں کے بارے میں جیسا کہ نوادر کا وہ میوزیم، کٹے ہوئے پاؤں وغیرہ وغیرہ میں تو بس ڈرتا ہی رہا ہوں یہاں سے اور یہ جانتا ہوں کہ یہ سازش میرے بھائیوں نے کی ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حویلی آسیب زدہ ہے، ان کا خیال ہوگا کہ آخر کار اس حویلی میں میری اور رما کی موت ہوجائے گی، ہم یہاں کے ماحول کو برداشت نہیں کرسکیں گے اور ہوا ایسا ہی مگر حویلی نے اس طرح ہمارے پاؤں پکڑے کہ ہم جہاں بھی گئے جیسا کہ میں تمہیں بتاچکا ہوں، مصیبتوں کا شکار ہوکر واپس اسی حویلی میں آگئے گویا حویلی ہماری جان نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔''

''آپ اس بات کو کیا سمجھتے ہیں ٹھاکر صاحب! ممکن ہے بیچاری چندروتی کا انتم سنسکار آپ ہی کے ہاتھوں ہونا ہو، کیا کہتے ہیں اسے؟''

''انتم سنسکار......؟''

''ہاں وہی، یعنی آخری رسومات۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ، یہ سچے خواب تمہیں کہاں سے ملے؟''

ایک لمحے کیلئے ثنا کا دل چاہا کہ اس اجنبی کے بارے میں بتادے جو اسے سچے خوابوں کا یہ علم بخش گیا ہے اور جس نے بیٹھے بٹھائے اس کی زندگی برباد کردی ہے اور جس علم سے اسے آج تک کچھ نہیں حاصل ہوا سوائے دربدری اور خواری کے، لیکن اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ہو اور جس نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھا تھا، وہ اسے اس علم کے بارے میں کسی اور کو بتانے سے گریز کرانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ خاموش ہوگئی۔

ٹھاکر اس کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''میں اس تہہ خانے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں، کیا تم میرا ساتھ دوگی؟''

''ہاں۔'' ثنا نے لرزتی آواز میں کہا۔

☆......☆......☆

عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خان اپنی زندگی کے بہت بڑے نقصان سے دوچار ہوا تھا، ثنا سے اسے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر دلیری سے فرار ہوجائے گی، واپسی میں وہ دیوانوں کی طرح ثنا کو تلاش کرتا پھرا تھا، پوری بستی چھان ماری تھی اس نے، اس کا خیال تھا کہ ثنا کہیں دور جانے کی کوشش نہیں کرے گی بلکہ وہ آس پاس ہی کہیں چھپنا پسند کرے گی تاکہ عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خان کی نگاہوں سے روپوش ہوجائے۔

بہرحال وہ بہت بھاگ دوڑ کرتا رہا تھا لیکن اسے ثنا کا نشان نہیں ملا تھا بعد میں اس نے ایک سنسان سی جگہ بیٹھ کر اپنے بارے میں سوچا اور اسے احساس ہوا کہ وہ شدید ترین نقصانات سے دوچار ہوا ہے، غلطی کہاں ہوئی تھی، لیکن اسے صحیح اندازہ نہیں ہوسکا، فرزان کا علم ثنا کے ہاتھ آگیا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ ثنا ہی کو قبضے میں لے کر اپنے مقصد کی تکمیل کی جائے گی، لیکن سب سے بڑا مسئلہ رانیہ کے اس باپ کا تھا جس کے بارے میں کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ اصل میں کیا ہے، وصیت نامے اور جائیداد کے کاغذات میں اس شخص نے ایک ایسا راز پوشیدہ کردیا تھا جو عدلان سوناری کی زندگی کیلئے انتہائی قیمتی تھا، اگر وہ راز کسی اور کو معلوم ہوجائے تو عدلان سوناری بری طرح چوپٹ ہوجاتا، بس وہ اسی خوف کا شکار تھا کہ وہ کاغذات کسی ایسے دانشمند کے ہاتھ نہ لگ جائیں جو انہیں پڑھنے میں کامیاب ہوجائے اور عدلان سوناری کا سارا کھیل ختم ہوجائے۔

ثنا کے اس طرح نکل جانے سے وہ انتہائی پریشان ہوگیا تھا اور کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اب کیا کرے، پھر اس نے سوچا کہ ثنا زیادہ سے زیادہ کہاں جاسکتی ہے، لازمی بات ہے کہ وہ سیدھی حیات علی کے پاس جائے گی، ثنا کو حیات علی کے پاس جانے سے روکنا چاہئے کیونکہ اس کے بعد اس کا حصول مشکل ہوجائے گا۔

عدلان سوناری اپنی قوتوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کہاں تک ہیں، ابھی وہ اپنے علم میں اس قدر قادر نہیں ہوا تھا کہ ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کرلے، ایک عجیب گورکھ دھندہ تھا اس کی زندگی کے ساتھ اور وہ اس میں بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ بہرحال بہت کچھ سوچتا رہا، ثنا اتنا کامیاب وار کرجائے گی، اس بات کی اسے بالکل امید نہیں تھی۔ ایک بالکل ہی معمولی آدمی کی حیثیت سے اس نے ایک طویل سفر طے کیا تھا، راجہ ہدایت خان کی حیثیت سے اس کا طوطی بولتا تھا اور لوگ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے، چنانچہ یہ سفر کرنے میں اسے بڑی مشکل پیش آئی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ راجہ ہدایت خان کا دوسرا روپ تھا اور اسی روپ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے راجہ ہدایت خان کی حیثیت اختیار کی تھی۔

بہت لمبی اور پیچیدہ کہانی تھی جو نجانے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی بہرطور یہ سارا سلسلہ ایک انوکھی حیثیت رکھتا تھا۔

وہ شہری آبادی میں پہنچ گیا اور پھر اس نے اپنے علم کے زور پر یہ معلوم کیا کہ ثنا، حیات علی تک نہیں پہنچی، حیات علی کے بارے میں بھی اس نے یہ معلومات حاصل کرلیں کہ وہ لمبی چھٹی پر نکلا ہوا ہے، یہ بات قرین قیاس تھی کہ ثنا کے حصول کے بعد ثنا کو عدلان سوناری سے بچانے کیلئے حیات علی نے روپوشی اختیار کرلی ہے اور ثنا اس کے ساتھ ہے لیکن اسے معلوم ہوگیا تھا کہ حیات علی نے چھٹی لی ہے اور اس کے بعد وہ غائب ہوگیا ہے، اس سے یہ اندازہ بھی ہوجاتا تھا کہ حیات علی نے ثنا کی گمشدگی کے بعد فوراً ہی چھٹی لے لی تھی۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ حویلی چل پڑا کہ وہاں کا بھی جائزہ لے کہ کیا صورتحال ہے لیکن یہاں پہنچ کر اسے ایک اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔

چور راستے سے وہ حویلی میں داخل ہوا تھا اور معلومات حاصل کرتا پھرا تھا، لیکن اچانک ہی اسے دیکھ لیا گیا اور اس کے بعد پولیس بھرا مار کر سجاد حسین کی سرکردگی میں حویلی میں اس کی گرفتاری کیلئے داخل ہوگئی، عدلان سوناری کو بڑی افراتفری کے عالم میں وہاں سے فرار ہونا پڑا، وہ تو شکر ہے کہ اسے اس کی لینڈ کروزر اگنیشن میں لگی چابی کے ساتھ مل گئی، ڈرائیور غالباً اسے اسٹارٹ کرکے چھوڑ گیا تھا تاکہ اس کا انجن گرم ہوجائے لیکن اس وقت یہ لینڈ کروزر عدلان سوناری کیلئے فرار کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔

وہ پولیس سے بچنے کیلئے بے تحاشا لینڈ کروزر کو لے کر حویلی کے دروازے کی طرف بھاگا، لینڈ کروزر نے دروازے کو ٹکر ماری پڑی تھی، پولیس کی گاڑیاں باہر سجاد حسین کی رہنمائی میں موجود تھیں، سجاد حسین بے چارہ حیات علی کے جانے کے بعد اپنے طور پر مصروف تھا اور اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے، عدلان سوناری کو گرفتار کرے، اس وقت اسے اپنے مخبروں سے اطلاع ملی تھی کہ عدلان سوناری حویلی کے اندر ہے اور اس نے فوراً ہی ریڈ کرڈالا تھا، عدلان سوناری حویلی سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا، لینڈ کروزر کے شیشے وغیرہ ٹوٹ گئے تھے لیکن اس نے اس کی پرواہ نہیں کی، ایک آدھ خراش بھی جسم کے کھلے حصوں پر آگئی تھی مگر پولیس سے جان بچانا ضروری تھا کیونکہ اب صورتحال بالکل مختلف ہوگئی تھی۔ چنانچہ وہ لینڈ کروزر کو جتنی رفتار سے دوڑا سکتا تھا، دوڑا رہا تھا۔

اس کا رخ ڈاک بنگلے کی جانب تھا جہاں اس نے اپنے لئے بہت سے انتظامات کررکھے تھے، پولیس کی گاڑیاں پیچھے لگی ہوئی تھیں لیکن ایس ایس پی سجاد حسین نے اس پر گولیاں چلانے کی اجازت نہیں دی تھی، وہ پوری مہارت کے ساتھ اس کا تعاقب کررہا تھا اور اس طرح یہ سفر ڈاک بنگلے پر ختم ہوا۔

عدلان سوناری عمارت کے قریب پہنچا اور اس کے بعد نیچے اتر کر برق رفتاری سے ڈاک بنگلے میں داخل ہوگیا، وہ پیچ در پیچ راہداریوں سے گزرتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ایک خالی کمرہ بنا ہوا تھا لیکن وہاں گھوڑوں کے تین سر دیواروں میں نصب تھے، عدلان سوناری ان کے درمیان کھڑا ہوگیا اور اس نے اس کے بعد کچھ بدبدانا شروع کردیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم کا ایک حصہ تاریک ہونے لگا اور رفتہ رفتہ یہ تاریکیاں اس کے پورے بدن پر پھیل گئیں۔

ایس ایس پی سجاد حسین پولیس کی زبردست نفری کے ساتھ جب ڈاک بنگلے میں داخل ہوا تو ڈاک بنگلے کی ایک ایک اینٹ چھان ماری گئی۔ لیکن وہ لوگ عدلان سوناری کو نہیں پاسکے تھے، کیونکہ اس وقت عدلان سوناری اپنے اس علم سے کام لے کر روپوش ہوچکا تھا، جس سے وہ تھانے کی عمارت سے اپنا لباس حیات علی کے ہاتھ میں چھوڑ کر غائب ہوگیا تھا، ادھر ایس ایس پی سجاد حسین ڈاک بنگلے میں عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خان کو تلاش کررہا تھا اور ادھر عدلان سوناری ڈاک بنگلے سے کافی دور ویران میدانوں کی ایک پگڈنڈی پر تیز رفتاری سے چلا جارہا تھا۔

راجہ ہدایت خان کی حیثیت سے جس قدر شاندار زندگی اس نے گزاری تھی، اسے دیکھتے ہوئے اس وقت عدلان سوناری پر رحم ہی کھایا جاسکتا تھا کہ وہ انتہائی برے حال میں تھا۔

نجانے کب تک اس کا یہ سفر جاری رہا اور اس کے بعد اس سفر کا اختتام ایک ایسی بھیانک جگہ ہوا جسے دیکھ کر دل پر ہیبت اور لرزہ طاری ہوتا تھا۔ یہ ایک گندے جوہڑ کے کنارے بنے ہوئے ایک مٹھ کی عمارت تھی، قرب وجوار میں انتہائی مکروہ کانٹے دار جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور ان کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں ایک سادھو نما شخص آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔

عدلان سوناری اس کے سامنے جاکر زمین پر گر پڑا اور کسی کتے کی طرح ہانپنے لگا، تبھی اس شخص نے نظریں اٹھا کر عدلان سوناری کو دیکھا اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔ ''تو پھر آگیا بھگوڑے......؟''

(جاری ہے)

بند آنکھیں

ایم اے راحت | قسط : 17

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

عدلان سوناری کے منہ سے دیر تک کوئی آواز نہیں نکلی، مگر اس کے چہرے پر ایسی کیفیت نظر آرہی تھی جیسے وہ کوئی بھکاری ہو اور پھر جب اسے اپنے آپ پر کچھ قابو حاصل ہوا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''معاف کردیں گرو مہاراج!''
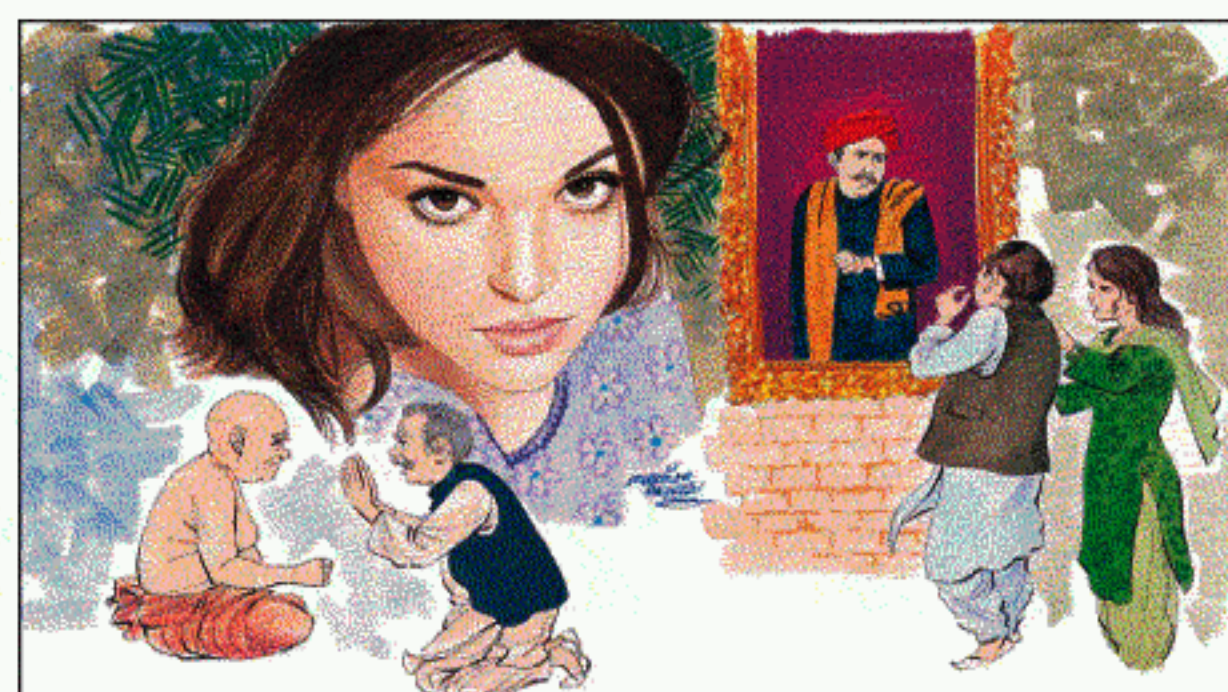
''شرم تو تیرے پاس سے ہو کر نہیں گزری، تو معافی مانگنے کے قابل ہے؟ جواب دے گا مجھے...... سنسار میں کوئی ایسا نام بتادے جس کے ساتھ تو نے کوئی بھلائی کی ہو، برے کاموں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، کالی آتمائیں بھی رات کے اندھیروں میں اپنے ٹھکانوں سے باہر نکلتی ہیں، پر تجھے کیا کہا جائے، بول گلی کے کتے! کیا کیا ہے تو نے سنسار باسیوں کے ساتھ، کس سے وفا کی تو نے، بول کسی سے وفا کی ہے، بھوگ ناتھ سوامی کے ساتھ بھی تو نے جو کیا ہے، میں جانتا ہوں اور پھر اپنے کرم ویر کے ساتھ کیا کیا تو نے، اتنا برا انسان ہے پھر میرے پاس کیوں آیا ہے، ارے بول میرے پاس کیوں آیا ہے؟''

''مہاراج! میں بھوگ ودیا پوری کرنا چاہتا ہوں، کچھ بھی نہیں رہا ہے میرے پاس، سب کچھ چھن گیا ہے، خالی ہاتھ آیا ہوں تمہارے پاس۔''

''واہ رے واہ! جب ہاتھ خالی ہوا تو ہمارے پاس آگیا، کیا کہا تو نے تو بھوگ ودیا پوری کرے گا تو، ارے پاپی پہلے اپنے دین دھرم کا فیصلہ تو کرلے۔''

''دیکھو مہاراج! لٹا پٹا آیا ہوں تمہارے پاس اور ایسے خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا، جو کچھ کرچکا ہوں، وہ اچھا نہیں تھا لیکن جو کرنا چاہتا ہوں، اس میں اچھا بننا چاہتا ہوں۔''

''کچھ نہیں رہا ہے رے، تیرے لئے ہمارے پاس، بھوگ راج سوامی تو تیرا نام سن کر ہی بگڑ جائیں گے، ارے مجھے کیا پڑی ہے تو مسلمان تھا، دین دھرم بیچنے آیا تو ہم نے تجھے اپنا لیا اور وہ بیچارہ وہ جو اپنے کام کر رہا تھا اور جس نے کبھی اپنے دھرم کو نہیں بیچا، دیکھ ایک بات بتائیں، ہم بہت برے لوگ ہیں، کالے کرتوت ہیں ہمارے، کالی ماتا کے پجاری ہیں ہم، کالے علم والے ہیں، پر کسی سے اس کا دھرم نہیں چھینتے، تجھ سے بھی ہم نے تیرا دھرم نہیں مانگا تھا، تو تو خود ہی سب کچھ کرنے پر آمادہ تھا اور وہ جو تجھے روکنا چاہتا تھا اور جس کا تو دشمن بن گیا، اس نے جو علم پایا، وہ دھرم بیچ کر نہیں پایا اور تو نے اس سے جو چھیننے کی کوشش کی، وہ تجھے بھی پتہ ہے، ارے اتنا تل گیا تھا تجھے کہ جیون آرام سے گزار دیتا، بھوگ ودیا پوری کرلیتا تو سب ٹھیک ہوجاتا۔''

''مہاراج! دیکھو، میں تمہیں بتاتا ہوں، فرزان میرے پیچھے لگا ہوا ہے، وہ میرے سارے راستے کاٹ رہا ہے، اس کے پاس جو علم ہے، وہ کامیاب جارہا ہے، اس نے اپنا علم ایک لڑکی کو دے دیا ہے اور وہ لڑکی جو میرے قبضے میں تھی، میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے، مہاراج اور کچھ نہیں دے سکتے تو کم از کم میری رہنمائی ہی کردو، اس لڑکی تک۔ تھوڑا سا کچھ دے دو جو میں اس پر استعمال کرسکوں، دیکھو مہاراج! قصبہ امیر شاہ سے تو اب میں نکل ہی آیا ہوں، وہاں میرے لئے اب کوئی گنجائش نہیں رہی ہے، میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں لوگوں کے ایمان دھرم خرید کر تمہاری کامنائیں پوری کروں گا، میں یہ کام کر رہا ہوں۔''

''جھوٹ...... ارے شرم کر پاپی، شرم کر، تو نے ایک بھی کام نہیں کیا ہمارا، تو تو بس دولت اکٹھی کرنے میں لگا ہوا تھا، بڑے بڑے لوگوں کے من کے راز جان کر ان کے ماضی کے بارے میں معلوم کرکے تو ان سے دولت بٹور رہا تھا، تو صرف اپنے کام کا لوبھی ہے اور جہاں تک بات رہی اس دھرم والے کی تو بیچ جان سارے دھرم والے ہمارے دشمن ہیں، ہم ایسے کسی منش کو پسند نہیں کرتے جس کے پاس اس کے اپنے دھرم کا کوئی وردان ہو، وہ فرزان تیرا دشمن جس سے تو نے اس کا ایک چھوٹا سا علم بھی چھیننے کی کوشش کی اور اسے دربدر کردیا، جو کچھ تو نے اس کے ساتھ کیا، تجھے معلوم ہے لیکن ہمیں کیا وہ تیری اور اس کی بات تھی، بھوگ ودیا کا مان توڑ دیا تو نے، تو نے سات ستاروں کی سوگند کھائی تھی اور کہا تھا کہ ان کے سارے کام پورے کرکے یہاں سے جائے گا، پر تجھے دو ستاروں کا علم ملا تو تو بھاگ لیا یہاں سے اپنے گندے مقصد کے حصول کیلئے، جو کچھ تو نے کیا میرے علم میں ہے۔''

''گرو راج مہاراج، میری بات مان لو، جو غلطی ہوگئی مجھ سے، اسے معاف کردو مجھے پھر سے کوئی گیان دے دو، میرا سب کچھ چھن چکا ہے، میرے پاس اب کوئی طاقت نہیں ہے۔''

گرو مہاراج سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔ ''بھوگ ناتھ مہاراج ہی تیرے بارے میں فیصلہ کریں گے۔''

''نہیں گرو مہاراج جی! میں نے تمہارے کہنے سے سب کچھ شروع کیا تھا۔''

''اچھا الزام لگا رہا ہے مجھ پر، میرے کہنے سے شروع کیا اور اپنے کہنے سے ختم کردیا، ہیں...... بیچ میں سے بھاگ گیا تو چھوڑ کر، پتہ ہے کتنا نقصان اٹھانا پڑا ہمیں؟''

''معاف کردیں مجھے، معافی مانگنے ہی آیا ہوں آپ سے۔''

''ایسی بات مت کہہ، بے وقوف بنانے آیا ہے تو ہمیں، ہیں، کالے کرتوت والے، تو دھوبی کا کتا ہے، گھر کا نہ گھاٹ کا۔''

''جتنا دل چاہے برا کہہ لو، جو سزا چاہو دے لو لیکن لے کر ہی جاؤں گا کچھ تمہارے پاس سے۔''

''بھوگ ودیا کے دو پاٹھ جو ہیں نا تیرے پاس، بس جو کرسکتا ہے، انہی کے حوالے سے کرسکتا ہے ورنہ تیرے پاس اور ہے کیا۔''

''جو کچھ ہے آپ ہی کا دیا ہوا ہے، میں اس پیڑ کے نیچے جا کر لیٹ رہا ہوں اور اس سے تب تک لیٹا رہوں گا جب تک آپ مجھے معاف نہیں کردیں گے۔'' عدلان سوناری نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر پیپل کے ایک درخت کے نیچے جا کر زمین پر لیٹ گیا۔

گرو راج اسے دیکھتا رہا، پھر وہ کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان سے باہر نکل آیا اور سامنے بنے ہوئے مٹھ کی جانب چل پڑا، ہونٹوں ہی ہونٹوں میں وہ بڑبڑاتا جارہا تھا۔

''بڑے کٹھن راستے ہیں یہ، بڑے مشکل حالات پیدا ہوجاتے ہیں، ایک کام میں ہاتھ ڈال دیا تھا جو گلے پڑ گیا، اب بتاؤ کیا کریں اس کا...... اس پاپی نے نجانے کتنے لوگوں کو مار ڈالا، رہا نا ڈاکو کا ڈاکو۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا مٹھ میں داخل ہوگیا تھا۔ یہ خوفناک سی عمارت کالے عمل کا عکس تھی، بدنمائی میں بے مثال، نجانے کیا کیا الم غلم چیزیں یہاں بکھری پڑی تھیں، انسانی کھوپڑیاں، جانوروں کی ہڈیاں، شدید بدبو پھیلی ہوئی تھی یہاں، ایک مرگ چھالہ پر بیٹھ کر اس نے کچھ پڑھنا شروع کردیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے سامنے دوسری مرگ چھالہ پر اسی جیسا ایک سادھو نمودار ہوگیا۔

''جے بھوگ ناتھ کی، آپ کو کشٹ دینا مجبوری بن گئی تھی۔''

''کیا بات ہے گرو راج بات بتا؟''

''مہاراج! مہا سابلی کو بھینٹ دینے کیلئے ہمیں جو کشٹ اٹھانا پڑتے ہیں، آپ کو اس کا پتہ ہے، کالی دیوی کے چرنوں میں کسی مسلمان کا دھرم دان کرنا ہمارے پنتھ میں سب سے بڑا کام ہوتا ہے مہاراج! وہ ایک مسلمان تھا، وہ جو ڈاکے ڈال کر آرہا تھا اور ہمارے مٹھ میں آکر اسے پناہ ملی تھی، یاد ہے آپ کو اس سے آپ بھی میرے پاس موجود تھے؟''

''ہاں اس کا نام عدلان سوناری تھا۔''

''ہاں مہاراج! وہی کشٹ کا مارا جو کسی اور کو قید کرکے لا رہا تھا، بعد میں بھوگ ودیا کا قائل ہوگیا اور اس نے آپ سے بھوگ ودیا کا گیان مانگا اور آپ اس پر رحم کھا گئے پھر اس نے بھوگ ودیا کا گیان کیا اور آپ سے پوتھی لے لی، لیکن آپ نے جو نئے کام اسے بتائے تھے، وہ کئے بغیر ہی یہاں سے بھاگ گیا کیونکہ اس کا دشمن فرار ہوگیا تھا، مہاراج! یہ برا کام کیا اس نے اور اس کے بعد بھوگ ودیا گیان پورا کئے بغیر ہی اس نے نئے نئے کام شروع کردیئے، اب وہ پھر یہاں آیا ہے اور پیچھے لگا ہوا ہے کہ اس کا گیان پورا کرادیا جائے، اس کا سب کچھ چھن گیا ہے۔''

''ارے تو اس کیلئے ہمیں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟'' پنڈت بھوگ ناتھ نے سخت لہجے میں کہا۔

''آپ کا گیان تھا اس کے پاس مہاراج! آپ سے پوچھے بغیر تو میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔''

''کیا چاہتا ہے وہ اب......؟''

''کچھ ہوگیا ہے اس کے ساتھ، رو پیٹ رہا ہے، آپ جو حکم دیں۔''

چند لمحات کی خاموشی کے بعد جوگی پنڈت بھوگ ناتھ نے کہا۔ ''دیکھو ایک بار جو اپنا دھرم کھو دیتا ہے، دوسری بار اس پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے، تم اس سے بھوگ ناتھ کی پوتھی لے لو، تھوڑی بہت اس کی سہاکتا کرسکتے ہو تو کردو، جو ہوگا دیکھا جائے گا، اس سے کہو کہ بھوگ ناتھ کی ادھوری سکھشا لے کر وہ اپنے آپ کو مہان سمجھنے لگا، وہ اس قابل نہیں ہے کہ بھوگ ودیا کو پورا کرے، بس یہ کردو اس کے ساتھ اور کچھ دے سکتے ہو تو اسے دے دو۔''

''جیتے ہو مہاراج کی، جو آپ کا حکم، میں ویسا ہی کروں گا۔'' گرو راج نے کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے جوگی ناتھ مرگ چھالہ سے غائب ہوگیا۔

گرو راج اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔

پھر دوسرے دن وہ باہر نکل کر آیا۔ مٹھ سے کافی فاصلے پر پیپل کے درخت کے نیچے گووردھن کے مجسمے کے پاس عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خان کے روپ میں موجود شخص بیٹھا نظر آیا، اس نے آسن مارا ہوا تھا، آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔

''بڑا بہروپیا ہے یہ۔'' گرو راج نے مسکرا کر گردن ہلاتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا عدلان سوناری کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے رے بہروپیئے! اب گووردھن مہاراج کو تنگ کر رہا ہے تو؟''

عدلان سوناری نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں پھر اپنی جگہ سے ہٹتا ہوا بولا۔ ''میں نے کہہ دیا ہے مہاراج کہ آپ سے کچھ لے کر جاؤں گا یا پھر یہیں پران دے دوں گا۔''

''تو یہ جانتا ہے تیرے جیون اور مرن سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، تو کونسا اچھا انسان ہے اور پھر برے گیان والے اچھائی یا برائی کو کہاں دیکھتے ہیں، پر نجانے کیوں بھوگ ناتھ مہاراج تجھ سے ناراض نہیں ہوئے اور انہوں نے تیرے لئے نرمی اختیار کی ہے، کہاں ہے بھوگ ناتھ کی پوتھی...... لا میرے ہاتھ میں دے۔''

''مم مہاراج...... بس وہی تو میرے پاس ایک چیز رہ گئی ہے۔''

''دیتا ہے یا نہیں...... اگر نہیں دیتا تو پھر دیکھ کہ تیرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔'' گرو راج نے غضب ناک لہجے میں کہا اور درخت کی شاخوں کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک دم سرخی سی آگئی تھی، تب وہ درخت جس کے نیچے عدلان سوناری بیٹھا ہوا تھا، ہلنے لگا اور پھر اس کی شاخوں سے لمبے لمبے کالے سانپ لٹکتے ہوئے نظر آئے جن کا رخ نیچے کی جانب تھا، کچھ سانپ درخت کے تنے پر بھی آگئے تھے۔

عدلان سوناری کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی، اگر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوتا تو سانپوں کے قریب پہنچ جاتا، جلدی سے زمین پر اوندھا لیٹ گیا اور اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دیتا ہوں مہاراج دیتا ہوں...... یہ لیجئے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی گردن میں پڑی ہوئی ایک زنجیر اتاری، جس میں ایک چھوٹی سی تختی لٹکی ہوئی تھی، اس نے وہ زنجیر ہاتھ بڑھا کر گرو راج کو دے دی اور گرو راج نے اسے اپنی مٹھی میں لے لی پھر اس نے دوبارہ درخت کی طرف نظر کی تو سانپ اوپر اٹھنے لگے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت کی شاخوں میں غائب ہوگئے۔

عدلان سوناری کے چہرے پر خوف کے گہرے سائے نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ''میں نے تھوڑے دنوں ہی سہی بھوگ ودیا کا گیان کیا ہے مہاراج! بھوگ ناتھ نے کہا تھا کہ بھوگ ودیا کے گیان کے ہر لمحے کی قیمت ملتی ہے۔''

عدلان سوناری کے ان الفاظ پر گرو راج بری طرح چونک پڑا، وہ دیر تک عدلان سوناری کو دیکھتا رہا پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔ ''کیا چاہتا ہے تو......؟''

''مہاراج! میں بالکل بے سہارا ہو کر رہ گیا ہوں، کچھ نہیں رہا میرے پاس، مجھے اور کچھ ملے نہ ملے، وہ لڑکی ثنا ضرور مل جائے جس کی آنکھوں میں فرزان کا گیان چھپا ہوا ہے، اس گیان کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ میرے پاس نہیں ہے، لیکن اگر ثنا میرے قبضے میں رہے تو میں اپنے لئے کچھ حاصل کرلوں گا مہاراج! میں اب حویلی واپس نہیں جاسکتا کیونکہ رانیہ نے پولیس کے آدمیوں کو میرے بارے میں تفصیل بتادی ہے، وہ مجھے جیتا نہیں چھوڑیں گے اور میرے پاس ایسا کوئی گیان نہیں ہے کہ میں ان سب کو ہر بار دھوکا دیتا رہوں اور اب تو مجھ سے بھوگ ودیا کی پوتھی بھی چھین لی گئی ہے، میرے پاس تو کچھ نہیں رہا مہاراج! اپرنت کوئی بات نہیں ہے بس ثنا مجھے مل جائے۔''

''ایک بات بتا جب حویلی میں تیرا کوئی کام نہیں رہا ہے تو پھر راجہ ہدایت خان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا؟''

''وہ میرے بارے میں سنسار کو سب کچھ بتادے گا پھر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرلوں، کچھ نہ کچھ تو مجھے کرنا ہوگا ہی مہاراج......!''

''کچھ نہ کچھ تو تجھے کرنا ہی پڑے گا، رانیہ اور اس کے بچے کو کیوں گرفتار کیا ہوا ہے؟''

''گرو راج مہاراج! کچھ ہی لوگوں سے تو دشمنی کی ہے میں نے اور یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ رانیہ کا باپ ریاست علی خان، راجہ ہدایت خان کی سوتیلی ماں کا پتی تھا اور یہ وہ ریاست علی خان ہے جس کے پاس میرا سارا کچا چٹھا موجود ہے، اس نے وہ کچا چٹھا اپنی وصیت کے کاغذات میں لکھا ہوا ہے، وہ ایک لمبا کھیل ہے مہاراج، جس کا تعلق بھوگ ودیا سے ہے، نہ کسی اور چیز سے...... یہ ساری کہانی بہت الجھی ہوئی ہے مہاراج! اگر وہ کاغذات مجھے مل جاتے تو کم از کم میری اپنی ایک حیثیت قائم ہوجاتی، میں نے راجہ ہدایت خان کو اسی لئے زندہ رکھا ہوا ہے کہ اگر ان کاغذات کو ضائع کرنے میں کامیاب ہوگیا تو کوئی مائی کا لعل ایسا نہیں ہے جو یہ ثابت کرسکے کہ میں راجہ ہدایت خان نہیں ہوں، مہاراج! میری حیثیت تو بڑی ہلکی ہوگئی ہے اور اب جب تک میں اپنے لئے کچھ حاصل نہیں کرلوں گا، میں مشکلوں کا شکار ہی رہوں گا۔''

''کیا تو یہ چاہتا ہے کہ وہ لڑکی تجھے مل جائے؟''

''ہاں مہاراج......!''

''اور اس کی آنکھوں میں جو گیان چھپا ہوا ہے۔''

''ہاں مہاراج! کوشش تو یہی کروں گا کہ سچے خوابوں کا علم مجھے مل جائے اور اگر نہ ملا تو پھر اس لڑکی سے ہی کام لوں گا، اس کی آنکھیں استعمال کروں گا۔''

''حالانکہ تیرے سارے کام برے ہیں، پر مہا سابلی کا یہی کہنا ہے کہ برے کاموں میں انسان کی مدد کی جائے، جا ٹھیک ہے، میں تجھے ایک راستہ بتاتا ہوں، ہاتھوں کی انگلیوں کو سامنے کر۔'' گرو راج نے کہا اور راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کردیئے۔

''ان کا آپس میں جال بنا۔'' گرو راج نے دوسرا حکم دیا اور راجہ ہدایت خان یہ عمل کرنے لگا تب گرو راج بولا۔ ''سیدھا سیدھا چلا جا، ناک کی سیدھ میں اور تجھے پیدل یہ سفر تین دن تین رات کرنا ہوگا اس کے بعد تجھے لڑکی کا پتہ مل جائے گا، پر جب وہ تیرے سامنے آجائے تو ہاتھوں کا جال اس طرح سے بنانا جیسا میں نے تجھ سے بنوایا ہے اور اس کا سایہ اس پر ڈال دینا پھر وہ مکمل طور پر تیرے قبضے میں ہوگی اور جو تو اس سے چاہے گا، وہی کرے گی۔''

عدلان سوناری کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے تھے، اس نے گردن خم کرکے کہا۔ ''جیتے بھوگ ودیا۔''

''بھوگ ودیا کا نام نہ لے پاپی! یہ تو بس تجھے تیرے ان لمحوں کی قیمت ادا کی جارہی ہے جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔''

''جیتے مہاراج کی۔'' عدلان سوناری نے کہا اور پھر دوڑتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا، پھر راج کے منہ سے نکلا۔ ''دھت تیرے کی۔''

☆......☆......☆

ٹھاکر ارجن آخر کار ثنا کے ساتھ اپنی حویلی کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں تین درخت اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ ان کی شاخیں محبت بھرے انداز میں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی تھیں۔ ٹھاکر ارجن نے کہا۔ ''یہ درخت ہمیں ہمیشہ بڑے پراسرار لگے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے تین بہنیں گردنوں میں باہیں ڈالے کھڑی ہوں، رما تو ادھر آتے ہوئے بھی ڈرتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ ان درختوں کی کہانی یقیناً بڑی پراسرار ہوگی، خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے خوابوں میں وہ جو تہہ خانہ دیکھا ہے، اس کا راستہ کس طرف سے ہے؟''

ثنا اپنے ذہن پر زور دینے لگی اور اس کے بعد اس نے اپنی یادداشت کی بنا پر اس جگہ کو ٹٹولا جہاں سے تہہ خانے کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ چندروتی کی روح اسی تہہ خانے سے اندر داخل ہوئی تھی، چند ہی لمحوں کے بعد ثنا نے وہ راستہ دریافت کرلیا اور اس کے بعد وہ نیچے اس تہہ خانے میں اترنے لگی۔

تہہ خانہ نجانے کب سے بند تھا، ٹھاکر پربھات سنگھ کے بارے میں جو تفصیل علم میں آئی تھی، وہ بڑی سنسنی خیز تھی، ثنا نے عالم خواب میں چندروتی کی آتما کو اس تہہ خانے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن اب جب وہ اس تہہ خانے میں اتری تو اس کے دل پر خوف کے گہرے سائے چھائے ہوئے تھے، اس کے پورے جسم میں سرد سرد لہریں اٹھ رہی تھیں۔

اسی وقت ٹھاکر ارجن سنگھ کی آواز ابھری۔ ''بھگوان کی سوگند میں نے اس تہہ خانے کی یہاں موجودگی پر کبھی غور بھی نہیں کیا تھا، مجھے بالکل نہیں معلوم تھا، بس ایک بار جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا اس کا تذکرہ ضرور ہوا تھا مگر یہ تو تہہ خانہ لگتا ہی نہیں ہے، دیکھو کیسی عجیب سی جگہ ہے یہ، روشنی اس میں پتہ نہیں کہاں سے آرہی ہے...... ہے بھگوان کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔''

تہہ خانہ واقعی تہہ خانہ نہیں معلوم ہوتا تھا، یہاں کمرے بھی تھے اور راہداریاں بھی تھیں، ایسا لگتا تھا جیسے اس حویلی کے نیچے ایک اور حویلی تیار کی گئی ہو۔ اچانک ہی ایک عجیب سی سنسنی خیز آواز ابھری اور یوں لگا جیسے تہہ خانے کے اوپر زبردست طوفان آیا ہو، بڑی عجیب سی کیفیت محسوس ہورہی تھی، تیز آواز تیز سنسناہٹ......

ثنا نے بے اختیار ٹھاکر ارجن سنگھ کا بازو پکڑ لیا۔ ''ٹھاکر صاحب!'' اس کی خوف زدہ آواز نکلی۔

اسی وقت کمروں کی کھڑکیاں اور دروازے بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں، بڑی عجیب عجیب اور دہشت انگیز آوازیں آرہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے بڑی بڑی گھنٹیاں بج رہی ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ آوازیں کہاں سے آرہی تھیں، ویسے اندر ایسا کوئی ہیجانی عمل نہیں ہو رہا تھا، ٹھاکر ارجن بھی اتنا ہی خوف زدہ تھا جتنی ثنا......

دونوں کچھ لمحے کھڑے رہے پھر ٹھاکر ارجن نے کہا۔ ''کیا کہتی ہو واپس چلیں؟''

''نہیں۔'' ثنا نے جواب دیا اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھنے لگی۔ ایک چوڑی سی راہداری تھی، واقعی اسے تہہ خانہ تو بالکل کہا ہی نہیں جاسکتا تھا، ایک عمارت سی محسوس ہورہی تھی، راہداری میں بھی کمروں جیسے دروازے نظر آرہے تھے لیکن انہوں نے کسی دروازے کو کھولنے کی کوشش نہیں کی، ہاں سامنے ہی جو بڑا دروازہ نظر آرہا تھا، وہ اس میں داخل ہوگئے مگر جیسے ہی وہ دروازے سے اندر داخل ہوئے، اچانک ہی ٹھاکر ارجن کے حلق سے ایک زوردار آواز نکل گئی۔

سامنے دیوار پر ایک بڑی روغنی تصویر نظر آرہی تھی، تصویر پر پہلی نظر پڑتے ہی ٹھاکر اس طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا کہ گرتے گرتے بچا۔ اس کے چہرے پر موت کی سی زردی چھاگئی، ٹانگیں کانپنے لگیں اور پسینے کے موٹے موٹے قطرے پیشانی پر نمودار ہوگئے، تصویر دیکھ کر اس پر اس قدر شدید ہیبت طاری ہوئی کہ وہ بچے کی طرح تھر تھر کانپنے لگا، چند سیکنڈ تک اس کی یہ حالت رہی، ثنا اسے اب بھی بازو سے پکڑے ہوئے تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ٹھاکر صاحب! خود کو سنبھالئے، کیا ہوگیا؟''

''دیکھو، ذرا اس تصویر کو دیکھو۔''

''ہاں دیکھ رہی ہوں۔'' ثنا نے کہا۔

''یہ...... یہ میرے پڑدادا ٹھاکر پربھات سنگھ کی تصویر ہے۔''

''کیا......؟'' ثنا نے اس مکروہ چہرے پر نگاہیں دوڑائیں، وہ انتہائی خوفناک چہرہ تھا جس کا چہرہ ہلدی کی مانند زرد تھا، اس کی آنکھیں گہری سرخ رنگ کی تھیں جن سے بلا کی عیاری اور بے رحمی ٹپکتی تھی، ثنا کا جسم سرد پڑ گیا، اس نے فوراً ہی پہچان لیا، یہ واقعی ٹھاکر پربھات سنگھ کی تصویر تھی جو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ان دونوں کو گھور رہا تھا، وہ بس یوں لگتا تھا جیسے ابھی بول پڑے گا۔

کافی دیر تک وہ خوف زدہ کیفیت کا شکار رہے اور پھر دونوں نے ایک دوسرے کو سہارا دیا، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، اچانک ہی یوں لگا جیسے ٹھاکر پربھات سنگھ جو سامنے ایک تصویر میں بیٹھا ہوا تھا، اپنی جگہ سے ہلا ہے، وہ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی شیطانی مسکراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔

یہ دونوں سخت خوف کے عالم میں تھے کہ ان کے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز ابھری۔ ''میں اپنے پریوار کے ایک فرد کو بہت عرصے کے بعد دیکھ رہا ہوں لیکن تمہارے یہاں آنے کا مقصد ٹھیک نہیں ہے، اگر تم چندروتی کیلئے یہاں آئے ہو تو جاؤ واپس لوٹ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا، وہ دغاباز ہے، اسے یہ سزا ملتی رہنی چاہئے، جاؤ واپس چلے جاؤ۔''

ٹھاکر ارجن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ثنا کو دیکھا لیکن ثنا کے اندر نجانے کہاں سے ہمت پیدا ہوگئی تھی، وہ دو قدم آگے بڑھی اور بولی۔ ''ٹھاکر جو کرچکے ہو، اسی پر اپنی خیر مانگو، اس سے آگے کچھ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے، کیا سمجھے؟''

ٹھاکر پربھات نے تصویر میں نگاہیں گھما کر ثنا کو دیکھا اور ثنا کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس کے جسم کو بے جان کئے دے رہی ہوں لیکن اچانک ہی اس نے اپنے وجود کی ساری قوت سے اپنے آپ کو سنبھالا اور کچھ پڑھنے لگی۔

ایک دم سے تصویر میں بیٹھا ہوا شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے تصویر ہی کے ایک حصے میں بنا ہوا دروازہ کھولا اور غڑاپ سے اس میں داخل ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد تصویر کا فریم خالی تھا۔

ٹھاکر ارجن اس طرح چکرا رہا تھا جیسے تھوڑی دیر کے بعد زمین پر گر کر بے ہوش ہو جائے گا۔ ثنا کافی عرصے سے خوف و دہشت کے ماحول میں وقت گزار رہی تھی حالانکہ اسے زندگی میں کبھی ایسے واقعات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن جب انسان پر پڑتی ہے تو اس کے اندر ہمتیں بھی ابھر آتی ہیں۔ ٹھاکر ارجن سنگھ تو خوف زدہ تھا ہی ثنا خود بھی خوف و دہشت سے عاری نہیں تھی، لیکن اس وقت اس نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ”ہمت کریں ٹھاکر صاحب! اب ہم یہاں تک آہی گئے ہیں تو ہمت سے کام لینا ہوگا۔“

”ہاں...... ہاں!“ ٹھاکر ارجن سنگھ نے خود کو سنبھال کر کہا اور آنکھیں پھاڑنے لگا پھر بولا۔ ”وہ میرے دادا جی تھے، سچ سچ وہ میرے دادا جی تھے، ہے بھگوان! دیکھا بھی تو انہیں کس طرح دیکھا مگر وہ تصویر......!“

”آیئے ٹھاکر صاحب!“ ثنا نے کہا اور پھر وہ آگے بڑھ گئے۔

سامنے دو دروازے تھے، ثنا نے ایک دروازے کا انتخاب کیا اور اسے کھول کر اندر قدم رکھا لیکن خوش قسمتی تھی کہ اس نے ایک ہی پاؤں آگے بڑھایا تھا جیسے ہی اس کا ایک پاؤں آگے بڑھا اور اس نے اسے زمین پر رکھنے کی کوشش کی، اسے لگا جیسے نیچے کوئی خلا ہو، وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی، اسی وقت کمرے میں تیز روشنی ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ کمرے میں فرش ہی نہیں ہے، دروازے کے دوسری طرف ایک گہرا خلا ہے لیکن اس خلا کے دوسری طرف ٹھاکر پربھات سنگھ اسی طرح کھڑا ہوا تھا جیسے وہ ابھی ابھی اس دروازے سے اندر داخل ہو کر یہ فاصلہ طے کر کے دوسری طرف پہنچا ہو، اس کی خونخوار آنکھیں ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں، پھر اس کی نفرت بھری آواز ابھری۔ ”واپس چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا، تم یہیں پر موت کے گھاٹ اتر جاؤ گے، میرے غصے کو آواز نہ دو جاؤ، یہاں سے باہر نکل جاؤ، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“

ثنا کے بدن میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں، لیکن ہمت کئے بغیر چارۂ کار نہیں تھا، وہ پیچھے ہٹی اور اس بار اس نے دوسرے دروازے کو کھولا، یہاں فرش ٹھیک تھا، روشنی بھی تھی، وہ دونوں آگے بڑھے لیکن ابھی چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ اچانک ان کے پیچھے چھت کا ایک بڑا ٹکڑا ایک خوفناک آواز کے ساتھ نیچے گرا اور کمرے میں ایک دم گرد و غبار کا طوفان آ گیا۔

ثنا نے ٹھاکر ارجن کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے آگے بڑھی، سامنے بھی دروازہ تھا جو کواڑوں کے بغیر تھا، پیچھے زوردار دھماکوں کے ساتھ چھت گر رہی تھی اور جیسے زلزلہ آ گیا تھا، گرد و غبار کا طوفان اس قدر بڑھ گیا کہ ایک فٹ دیکھنا مشکل تھا لیکن اس کھلے دروازے کے دوسری طرف بالکل گرد و غبار نہیں تھا، البتہ ایک بڑا اور وسیع کمرہ نظر آ رہا تھا، لیکن یہاں ایک اور مصیبت ان کا انتظار کر رہی تھی، کمرے کی دیواروں سے جابجا چمگادڑیں چپکی ہوئی تھیں جنہوں نے ایک دم پھڑ پھڑا کر اڑنا شروع کر دیا اور ان کے نوکدار پنجے ان کے جسموں سے ٹکرانے لگے، ٹھاکر ارجن کی کراہیں ابھر رہی تھیں۔

”ہے رام...... ہے رام۔“

لیکن ثنا نے پھر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی اس کے منہ سے مقدس کلمات نکلے، چمگادڑوں نے بھاگنا شروع کر دیا اور کچھ لمحوں کے بعد کمرے کی فضا بالکل نارمل ہو گئی۔

”نکل چلو ثنا! تمہیں بھگوان کا واسطہ، نکل چلو یہاں سے، ہم سچ سچ مارے جائیں گے، نکل چلو۔“

”آیئے ٹھاکر صاحب! اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو آپ جایئے، میں دیکھوں گی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔“ ثنا نے غصیلے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئی۔

ٹھاکر دوڑ کر اس کے قریب پہنچا اور پھر اس کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنے لگا، سامنے ایک کوریڈور نظر آ رہا تھا، وہ اسے عبور کر کے آگے بڑھی، وہ پھر کوریڈور کے اختتام تک پہنچ گئے، انہوں نے ایک طرف دیکھا تو ٹھاکر پربھات سنگھ یہاں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے گردن اٹھا کر ان لوگوں کو دیکھا اور بولا۔ ”نہیں جاؤ گے تم لوگ، نہیں جاؤ گے، دیکھو میری بات سنو، کسی کا مان نہیں توڑتے، اسے دیکھو سری کو، اس نے میرا مان توڑا تھا، سب کچھ دیا تھا میں نے اسے مگر اس نے وعدہ خلافی کی۔“ ٹھاکر پربھات سنگھ ایک طرف اشارہ کر کے یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔

ادھر انہوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا تھا، ایک چوڑی سی پتھر کی سل پر ایک حسین وجود محو خواب تھا، اگر وہ سو نہیں رہا تھا اور مر چکا تھا تو موت کے بعد اتنا خوبصورت چہرہ شاید ہی کبھی کسی نے کسی کا دیکھا ہو، گلابی رنگ، حسین ترین نقوش، ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ، گداز بدن، انتہائی خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھی، لیکن جو بھیانک چیز سامنے نظر آ رہی تھی، وہ اس کے کٹے ہوئے پاؤں تھے جو ٹخنوں کے قریب سے کٹے ہوئے تھے اور ان سے ہلکا ہلکا سا خون نکل رہا تھا۔

ٹھاکر ارجن کے تو حواس ہی خراب تھے، ثنا پھر بھی بہتر حالت میں تھی اور ایک ایک منظر کو غور سے دیکھ رہی تھی لیکن ٹھاکر ارجن بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا، اس کے بدن پر تھرتھراہٹ تھی اور ثنا محسوس کر رہی تھی کہ اس کا بدن سرد پڑتا جا رہا ہے، وہ بار بار ٹھاکر کو حوصلہ دے رہی تھی۔

”ٹھاکر صاحب! وہ چندروتی ہے۔“

”ہاں...... ہاں!“

”اور تو کون ہے، کیوں تیری موت آئی ہے، تو ٹھاکر پربھات سنگھ سے جھگڑا مول لے رہی ہے، تو سوچ لے جب تک تو زندہ رہے گی، میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، تو نہیں جانتی یہ میرا مان ہے، دیکھ باز آ جا، میرا مان مت توڑ، چندروتی کو میں اسی طرح رکھوں گا، یہ مر مر کر جیتی رہے گی اور جی جی کر مرتی رہے گی، باز آ جاؤ تم دونوں...... ارجن تو تو میرا اپنا خون ہے، پاپی تو بھی میرے ساتھ بدسلوکی کر رہا ہے؟“

”مم...... مم...... میں دادا جی! مم...... میں......“

”لے جا اسے، یہاں سے لے جا، دیکھ میں کہے دیتا ہوں آگے قدم مت بڑھا۔“

اچانک ہی ثنا کے قدموں کے قریب دو زوردار دھماکے ہوئے اور آگ کی لپٹیں نکلیں لیکن اس وقت ثنا پر بھی کچھ جنون سا طاری ہو گیا تھا، وہ آگے بڑھی اور ایک بار پھر اس نے کچھ پڑھ کر چاروں طرف پھونکا، ٹھاکر ارجن پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ثنا کو دیکھ رہا تھا پھر اس کے منہ سے نکلا۔ ”مسلمان ہے ری، اری اگر مسلمان نہ ہوتی تو دیکھتا تجھے، دیکھ اپنے کام سے کام رکھ، دیکھ آگے مت بڑھ، آگے مت بڑھ۔“

لیکن ثنا اس نسوانی وجود کے قریب پہنچ گئی تھی، اس نے چندروتی کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اسے یوں لگا جیسے انتہائی نرم جسم ہو حالانکہ اس واقعے کو گزرے بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسانی ذہن ان کی توجیح نہیں کر پاتا اور وہ ہمیشہ صیغۂ راز میں ہی رہتی ہیں، یہ روح اور جسم کا کھیل کہاں سے کہاں تک پھیلا ہوا ہے، کوئی اسے مکمل طور پر جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

ٹھاکر ارجن خوف کی وجہ سے ثنا کے قریب پہنچ گیا تھا، ثنا نے کہا۔ ”ٹھاکر صاحب! میں نہیں جانتی کہ اب اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا، آپ مجھے بتایئے کہ کیا کرنا ہے؟“

”ارے کیا کرو گے کم بختو! بھاگ جاؤ یہاں سے، دیکھو میں کہتا ہوں بھاگ جاؤ۔“ لیکن اس بار ثنا نے کچھ اور آیتیں پڑھ کر ٹھاکر پربھات سنگھ کی طرف پھونکیں تھیں اور ٹھاکر پربھات اس طرح دیوار میں سما گیا تھا جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو اور اس کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی نہیں دی۔

اسی وقت ٹھاکر ارجن کی آواز ابھری۔ ”ثث...... ثنا...... ثث......

ثنا! اس کا کریا کرم کیسے کریں، باہر لے جا کر یا یہیں؟“

”ٹھاکر صاحب! مجھے کچھ نہیں معلوم، آپ مجھے بتایئے کیا کرنا ہے؟“

”ہم یہیں اسی جگہ اس کی ارتھی جلائے دیتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، مجبوری ہے، کیا کیا جائے۔“

”یہاں سے ہر ایسی چیز جمع کر لو جسے جلایا جا سکے۔“

”میں کرتی ہوں۔“ ثنا نے کہا اور وہاں پڑے ہوئے پردے وغیرہ اتارنے لگی، کچھ اور ایسی چیزیں تھیں جنہیں اگر آگ دکھائی جاتی تو وہ جل سکتی تھیں، آتشدان میں آگ بھی موجود تھی، اس لئے مختلف چیزوں کو آگ لگانے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی، اس کے علاوہ جو کوئلے آتشدان میں سلگ رہے تھے، وہ بھی کارآمد تھے۔

ثنا اس وقت نجانے کیا کیا کر رہی تھی، اس نے چندروتی کے بدن کے گرد بہت ساری ایسی چیزیں جمع کر دیں جو اچھی طرح جل سکتی تھیں۔

ٹھاکر ارجن بھی اب بہتر حالت میں آ گیا تھا، لیکن اس وقت ایک بار پھر خوف کی ایک فضا پیدا ہو گئی، جب چھن چھن کی آوازوں کے ساتھ انہوں نے کٹے ہوئے پیروں کو دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا، وہ اس طرح دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے جیسے پورے جسم کے ساتھ دوڑ رہے ہوں، لیکن وہ خالی پاؤں تھے اور ان پیروں میں جو گھنگھرو بندھے ہوئے تھے، ان سے چھن چھن کی آواز بلند ہو رہی تھی، دونوں پیر ان کے قریب آ کر رک گئے، ٹھاکر نے دہشت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا مگر ثنا اس وقت بالکل بدل چکی تھی، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے دل سے خوف کا تمام تاثر جاتا رہا۔

اس نے دونوں پاؤں اٹھائے اور انہیں چندروتی کے کٹے ہوئے ٹخنوں کے قریب رکھ دیا، وہ انہیں جوڑنے کی ہمت تو نہیں کر سکتی تھی اور جوڑ بھی نہیں سکتی تھی لیکن پاؤں ارتھی کے ساتھ رکھ دیئے گئے تھے اور اس کے بعد ٹھاکر نے آتشدان سے آگ نکال کر چتا کو آگ دکھائی۔

ثنا بھی اس سلسلے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی، وہ چاروں طرف ان چیزوں میں آگ لگاتی رہی جو جل سکتی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس پورے ہال میں شعلے بلند ہونے لگے۔ ہلکا ہلکا سا دھواں بھی پھیل رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک مدھم آواز ابھر رہی تھی۔ گھنگھروؤں کی آواز جیسے کوئی رقص کر رہا ہو۔

سو فیصد یہ چندروتی کی روح تھی جو اس وقت اپنا مقام پانے کے بعد خوش نظر آ رہی تھی۔ ٹھاکر تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر کچھ اشلوک پڑھنے لگا، ثنا ایک طرف کھڑی ہوئی تھی، اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں کہ ٹھاکر پربھات سنگھ کسی طرف سے نکل نہ آئے لیکن ٹھاکر پربھات سنگھ شاید بھاگ ہی گیا تھا۔

شعلے بلند ہوتے رہے اور چتا جلتی رہی، ہڈیاں چٹخنے اور چرمرانے کی آوازیں، گوشت جلنے کی بدبو، یہ سب چیزیں بڑی عجیب و غریب محسوس ہو رہی تھیں اور ثنا پہلی بار اپنی آنکھوں سے کسی ہندو لڑکی کو جلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

شعلے بلند ہوتے رہے اور پھر کافی دیر کے بعد آہستہ آہستہ سرد ہونے لگے، جلا ہوا انسانی ڈھانچہ راکھ میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ ثنا نے کہا۔

”ٹھاکر صاحب! اب ہمیں اور کیا کرنا ہے؟“

”چلو۔“ ٹھاکر ارجن نے کہا۔

واپسی کے راستے اس قدر مشکل نہیں تھے، تھوڑی دیر کے بعد وہ تہہ خانے سے باہر کھلی فضا میں سانس لے رہے تھے، اندر تہہ خانے میں خاص طور سے لاش جلنے کے بعد جو گھٹن پیدا ہو گئی تھی، وہ بڑی جان لیوا تھی، لیکن باہر آنے کے بعد ہوا میں گہری گہری سانسیں لے کر ان کی کیفیت بحال ہوتی چلی گئی تھی، ٹھاکر ارجن سنگھ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن ثنا اسے سہارا دیئے ہوئے اندر لے آئی تھی۔

رما بیچاری کو ان ساری باتوں کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں تھی، البتہ ایک تبدیلی فوراً ہی محسوس ہوئی تھی، حویلی کی سوگوار فضا میں ایک عجیب سی مسرت کی لہر بیدار ہو گئی تھی، ہر چیز نکھری نکھری سی نظر آ رہی تھی اور سب لوگ اسے محسوس کرنے لگے تھے۔

پہلا دن، دوسرا دن، تیسرا دن...... حویلی میں واقعی ایک نئی فضا کا آغاز ہو گیا تھا لیکن اس دن جب ٹھاکر ارجن سنگھ بازار سے کوئی چیز لینے کیلئے گئے ہوئے تھے، انہیں ایک شخص ملا جس نے انہیں بڑے خلوص اور ادب کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا تھا۔

”کیا بات ہے بھائی! میرے لئے کوئی کام ہے کیا؟“ ٹھاکر ارجن سنگھ نے انکساری سے پوچھا۔

”آپ کا نام ٹھاکر ارجن ہے نا؟“

”ہاں بھائی! مگر میں آپ کو نہیں جانتا۔“

”آپ سچ سچ مجھے نہیں جانتے ہوں گے ٹھاکر صاحب لیکن میں آپ سے تھوڑی بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں کہئے آپ۔“

”ٹھاکر صاحب! میں ایک لڑکی کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں جو مسلمان ہے اور اس نے آپ کے گھر میں پناہ لی ہوئی ہے، اس کا نام ثنا ہے۔“

ٹھاکر ارجن نے چونک کر اس شخص کو دیکھا اور پھر کسی شبے کے تحت بولے۔ ”آپ اس کے کون ہیں؟“

”وہ میری سب کچھ ہے، میں آپ سے اس کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں کہو بھائی! میں تو اسے اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں۔“

”وہ آپ کے پاس ہے؟“

”ہاں بھائی! جنگل میں اکیلی ملی تھی مجھے، انسانی ہمدردی کے تحت اسے ساتھ لے آیا تھا، اس نے مجھے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”میرے دوست کی بیٹی ہے، گھر سے ناراض ہو کر آ گئی ہے، اس کے ماں، باپ مرنے کے قریب ہیں، میں اسے اپنے دوست کیلئے تلاش کر رہا ہوں، اسے سمجھا بجھا کر واپس لے جانا چاہتا ہوں۔“

”میں نے اس کی بڑی سیوا کی ہے، اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے۔ پر...... ٹھیک ہے ماتا، پتا تو ماتا، پتا ہی ہوتے ہیں، آپ میرے ساتھ چلو، میں بھی اسے سمجھاؤں گا۔“ ٹھاکر ارجن نے انگوچھے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ راستے میں وہ گلوگیر آواز میں اسے چندروتی کے بارے میں بتانے لگا جسے ثنا نے ٹھاکر پربھات سنگھ سے مکتی دلائی تھی۔ اس نے کہا۔

”وہ عجیب لڑکی ہے، کہتی ہے وہ سچے خواب دیکھتی ہے، چندروتی کی حقیقت ہم نہیں جانتے تھے پر اس نے اپنے خواب میں وہ جگہ بھی دیکھ لی جہاں چندروتی کا شریر جوں کا توں موجود تھا، کیسی انوکھی بات ہے۔“

عدلان سوناری، مکھ راج سے بھوگ ودیا کا سہارا لے کر ثنا کا پتہ پانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کا دشمن فرزان مسلسل اس کے پیچھے لگا ہوا تھا، اس وقت بھی وہی ثنا کے پاس پہنچا تھا اور اس نے ثنا کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

”وہ آ گیا ہے۔“

ثنا کان جھاڑنے لگی، یہ سرگوشی پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب دوبارہ فرزان نے وہی الفاظ دہرائے تو وہ چونک پڑی۔

”کک...... کون......؟“ اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

”عدلان سوناری یا جسے تم راجہ ہدایت خان کہتی ہو، وہ تمہاری تلاش میں یہاں تک آ پہنچا ہے، دیکھو ذرا اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر سامنے کی طرف دیکھو، وہ تمہارے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا ہے۔“ فرزان نے کہا۔

ثنا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، یہ بات تو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ راجہ ہدایت خان آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا، وہ اس کی پراسرار قوتوں سے بھی واقف تھی اور اکثر اس نے سوچا تھا کہ وہ ابھی تک یہاں کیوں نہیں پہنچا لیکن اب اسے اطلاع مل گئی تھی کہ وہ آ گیا ہے، پھر بھی تصدیق کیلئے وہ اس کھڑکی تک پہنچ گئی جو اس کی رہائشگاہ میں تھی اور اس طرح تھی کہ وہاں سے حویلی کا صدر دروازہ صاف نظر آتا تھا۔

کھڑکی سے اس نے دیکھا، راجہ ہدایت خان، ٹھاکر ارجن کے ساتھ اندر داخل ہو رہا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول گئے اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”اب کیا کروں میں......؟“

فرزان کی آواز فوراً ہی سنائی دی۔ ”فوراً حویلی چھوڑ دو، اب یہ تمہارے حق میں خطرناک ہو گئی ہے۔“

”میں رما ٹھاکر کو......؟“

”نہیں وقت نہیں ہے، وہ یہاں تک پہنچ چکا ہے اور اس نے ٹھاکر ارجن کو تم سے ملاقات پر راضی کر لیا ہے، اگر تم یہاں رکیں یا تم نے رما سے کچھ کہنے کی کوشش کی تو وہ تمہیں روکنے کی کوشش کریں گی، اتنا جان لو کہ ایک بار راجہ ہدایت خان نے تمہیں دیکھ لیا تو پھر تمہارا اس کے قبضے میں آ جانا لازمی ہو جائے گا، وہ کچھ نہ کچھ کر کے تمہیں مفلوج کر دے گا، اس کے اندر یہ قوتیں اب بھی باقی ہیں، سنو ثنا! خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ، پچھلے راستے سے فوراً نکل جاؤ ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گی، بعد میں سوچنا کہ تمہیں کہاں جانا ہے، تمہاری تقدیر تمہیں یہاں تک لے آئی ہے تو آگے بھی تمہاری مدد ضرور کرے گی۔“

ثنا نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو اس بات کیلئے آمادہ کر لیا۔ حویلی کے پچھلے راستے سے وہ واقف تھی، یہ راستہ انہی تین درختوں کے پاس سے گزرتا تھا جن کے نیچے تہہ خانہ موجود تھا، وہ تیزی سے باہر نکل آئی، کچھ بھی ساتھ نہیں لیا تھا اس نے اور پھر وہ بے اختیار دوڑتی ہوئی پرانے باغ سے حویلی کے پچھلے احاطے کے قریب پہنچ گئی اور اس کے بعد دھڑکتے دل سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

ادھر عدلان سوناری دل میں سنہرے خواب لئے سادہ لوح ٹھاکر ارجن کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا اور ٹھاکر ارجن اسے بڑے عزت و احترام کے ساتھ حویلی کی بڑی بیٹھک میں لے آیا تھا، اتنی دیر میں رما اندر آ گئی تو ٹھاکر ارجن نے کہا۔ ”دیکھو رما یہ ہماری ثنا کے رشتے دار ہیں، اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے ہیں، کیا کر رہی ہے ثنا؟“

”اپنے کمرے میں ہے۔“

”اسے بلا کر لاؤ۔“

”تو کیا یہ اسے لے جانے کیلئے آئے ہیں؟“ رما ٹھاکر نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

”پگلی! جس کا جو ہوتا ہے، وہ اسی کا ہوتا ہے، جتنی مہمانداری ہم کر سکتے تھے اس کی، ہم نے کر لی، اب یہ اسے اس کے اپنوں میں بھیجنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے، جاؤ اسے بلا کر لے آؤ۔“

رما لڑکھڑاتے قدموں سے اندر چلی گئی پھر راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”آپ بہت ہی انسان دوست ہیں ٹھاکر صاحب کہ آپ نے اسے اس طرح جانے بوجھے بغیر اپنے گھر میں رکھا۔“

”وہ ہے ہی ایسی۔“ ٹھاکر ارجن نے غمگین لہجے میں کہا اور پھر وہ انتظار کرنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد رما اندر آئی اور بولی۔ ”وہ نہیں ہے وہاں۔“

”کیا......؟“

”ہاں، وہ نہیں ہے، کونہ کونہ چھان مارا میں نے حویلی کا، ہر جگہ دیکھ لیا لیکن نہیں ہے وہ، نوکروں سے بھی پوچھا میں نے، ایک نوکر نے اسے حویلی کے پچھلے دروازے کی طرف دوڑ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔“ رما نے اپنے جملے پورے بھی نہیں کئے تھے کہ راجہ ہدایت خان یا عدلان سوناری اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پھر وہ بولا۔ ”جلدی کیجئے ٹھاکر صاحب! نکل گئی وہ، جلدی کیجئے۔“

ٹھاکر ارجن بدحواسی سے اٹھا، راجہ ہدایت خان نے کہا۔ ”مجھے وہ راستہ بتایئے جو حویلی کی پچھلی سمت جاتا ہے۔“

پھر سارے جتن کر لئے گئے لیکن ثنا کا نام و نشان نہیں ملا تھا اور عدلان سوناری کے چہرے پر یتیمی برسنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

خاقان اور نور دین بظاہر معمولی انسان تھے لیکن ان کا ماضی کیا تھا، یہ بات صیغۂ راز میں تھی، ہاں ایک بات خاص طور سے محسوس کی جا سکتی تھی، وہ یہ کہ وہ ہر طرح سے عدلان سوناری کے وفادار تھے۔ رانیہ اور شمشاد علی ان کی تحویل میں تھے اور وہ جانتے تھے کہ راجہ ہدایت خان نے ان دونوں کو محفوظ رکھنے کیلئے کہا ہے۔ جس نئے قید خانے میں انہیں بھیجا گیا تھا، وہ بھی ایک انتہائی پراسرار عمارت تھی، جو تھی تو شہری آبادی میں لیکن ذرا الگ تھلگ واقع تھی غالباً راجہ ہدایت خان کا کوئی فارم ہاؤس تھا جہاں اب رانیہ اور شمشاد علی کو بھیجا گیا تھا۔

کافی وسیع و عریض عمارت تھی اور اس کے ایک آخری کمرے میں ان دونوں کو رکھا گیا تھا، یہ کمرہ بھی قید خانے ہی کی حیثیت رکھتا تھا، ضروریات کی تمام چیزوں سے آراستہ، لیکن سامنے کے حصے میں ایک جنگلہ لگا ہوا تھا جو داخلے کا دروازہ تھا، رانیہ اور شمشاد علی، نور دین اور خاقان کی نگرانی میں یہاں رہ رہے تھے، انہیں باقاعدگی سے ضروریات کی اشیاء مہیا کی جاتی تھیں اور اکثر رانیہ ہنس کر کہتی تھی کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم عدلان سوناری نے ہمارے لئے حجلۂ عروسی اچھا منتخب کیا ہے، پتہ نہیں اس سے یہ غلطی بار بار کیوں ہو رہی ہے، اگر وہ ہمیں علیحدہ علیحدہ رکھتا تو شاید ہم اس قدر مطمئن نہ رہ سکتے۔

شمشاد علی ایسے موقعوں پر حسرت بھری آواز میں کہتا تھا۔ ”اور میرے مظلوم ماں، باپ...... پتہ نہیں مجھے زندہ سمجھتے ہیں یا مردہ...... رانیہ! عجیب تقدیر لکھا کر لایا ہوں میں، تم دیکھو، زندگی میں فیصلہ کیا تھا کہ برسر روزگار ہو کر ماں، باپ کی خدمت کروں گا، میرے دل میں یہ آرزو بھی بیدار ہوتی تھی کہ میری زندگی کسی حسین وجود سے وابستہ ہو جائے، لیکن وہ وجود کبھی میرے ذہن میں اپنے نقش نہیں پیدا کر سکا تھا کہ اچانک تم ملیں اور وہ نقش مجسم ہو گئے، خدا کی قسم رانیہ! مجھے وہ سب کچھ نہیں چاہئے تھا جو تمہارے ذریعے مجھے ملا لیکن یہ بتاؤ کیا تم نے کبھی مجھے ایک لالچی انسان پایا؟“

”کیسی باتیں کرتے ہو شمشاد! ہم تو زندگی کی کوئی خوشی نہیں دیکھ سکے اور اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔“

دونوں دکھ بھرے انداز میں خاموش ہو گئے پھر شمشاد علی نے کہا۔

”مجھے ایک بات بتاؤ رانیہ! تمہارے والد کا نام ریاست علی تھا نا؟“

”ہاں......! کیوں، تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟“

”راجہ ہدایت خان، ریاست علی سے کچھ چاہتا تھا جو نہ ملنے پر اس نے میرے اور تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا، تمہارے والد وصیت نامہ لکھ کر پتہ نہیں کہاں گم ہو گئے، رانیہ! مجھے ایک بات بتاؤ یہ سب کچھ تمہیں عجیب نہیں محسوس ہوتا تھا اور دوسری بات یہ کہ تمہیں کب اور کیسے پتہ چلا کہ راجہ ہدایت خان، راجہ ہدایت خان نہیں بلکہ عدلان سوناری ہے؟“

”میرے والد کی موت کے کافی عرصے بعد تک عدلان سوناری کا رویہ راجہ ہدایت خان جیسا ہی رہا اور راجہ ہدایت خان نے میرے ساتھ کبھی کوئی ایسا سخت سلوک نہیں کیا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ دولت، جائیداد یا وصیت نامے سے کوئی گہری دلچسپی رکھتا ہے بعد میں مجھے پتہ چلا کہ راجہ ہدایت خان کی حیثیت اختیار کرنے والا اصل میں راجہ ہدایت خان نہیں ہے بلکہ عدلان سوناری ہے اور راجہ ہدایت خان کو عدلان سوناری نے غائب کر کے پتہ نہیں قتل کر دیا ہے یا قید رکھا ہے، بعد میں اس شخص نے یہی بتایا کہ راجہ ہدایت خان کو اس نے زندہ رکھا ہے اور کوئی عمارت جسے وہ سورج نگر کہتا ہے، وہاں راجہ ہدایت خان قید ہے، سورج نگر کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا، میری اور تمہاری ملاقات ہو گئی اور عدلان سوناری نے ہم دونوں کی شادی کر دی، مجھے راجہ ہدایت خان کی تلاش تھی کیونکہ بہرحال اس نے میرے ساتھ کبھی برا سلوک نہیں کیا تھا، جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ راجہ ہدایت خان ہے ہی نہیں تو میں حیران رہ گئی اور اس کے بعد......!“ رانیہ نے اتنے ہی جملے کہے تھے کہ اچانک ہی اس نے جنگلے کے پاس خاقان اور نور دین کو دیکھا جن کے چہرے انگارے کی طرح سرخ ہو رہے تھے اور وہ ان دونوں کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

(جاری ہے)

رانیہ اور شمشاد علی ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تھے۔ وہ سوچنے لگے کہیں ان لوگوں کے لئے راجہ ہدایت خاں نے کوئی نیا حکم تو نہیں دے دیا۔

خاقان آگے بڑھا اور جھنگے کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ادھر آؤ۔''

رانیہ اور شمشاد علی سہمے سہمے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ خاقان نے کہا۔ ''تم لوگ جو باتیں کر رہے تھے کیا وہ سچ تھیں؟''

''ہم...... ہم۔'' رانیہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''دیکھو، تم جانتی ہو، اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم مالک کے کتے ہیں، میں نے مالک کا نمک کھایا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مالک اصل مالک نہیں ہیں۔''

رانیہ کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ خاقان اور نور دین کو دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا۔

''خاقان، نور دین، تم راجہ ہدایت خاں کے پاس ہمیشہ رہے ہو، دولت انسان سے اس کا ایمان چھین لیتی ہے۔ راجہ ہدایت خاں پر جو کچھ بیتی، عدلان سوناری نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا، کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے علم میں نہیں ہے؟''

''رانیہ، کون عدلان سوناری، ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ، اور سنو، ہم آج بھی اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں، کیا وہ راجہ ہدایت خاں نہیں ہے، کوئی اور ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی کچھ نہیں جانتے؟''

''نہیں، مجھے بتاؤ میں نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا، برا انسان ہوں میں، مالک پہلے اتنے برے آدمی نہیں تھے، مگر جب انہوں نے اپنا رویہ تبدیل کیا اور نجانے کیسے کیسے چکر میں پڑ گئے تو بھی میں نے اور نور دین نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا کہ مالک کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں، ہم تو صرف یہ سوچتے رہے کہ مالک نے اپنا انداز بدلا ہے تو ہمیں بھی وہی انداز اختیار کر لینا چاہئے، دیکھو سچ بول دو میرے سامنے، مالک نے ہمیں تمہاری نگرانی کے لئے کہا ہے اور ڈاک بنگلے سے یہاں بھیج دیا ہے۔ ہم صرف ان کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں، لیکن اگر تم نے مجھے سچ نہیں بتایا تو میں قسم کھاتا ہوں کہ تم سے زندگی چھین لوں گا، مجھے بتاؤ مجھے جواب دو۔''

رانیہ نے عجیب سی نگاہوں سے شمشاد علی کو دیکھا تو شمشاد علی بول پڑا۔ ''ہمارے ساتھ تو خیر جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا خاقان، ہم نے زندگی کے یہ چند روز ایک ساتھ گزار لئے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری خدا کی طرف سے مدد ہوئی ہے کہ ہم میاں بیوی کو یکجائی کا موقع ملا۔ تم ہمیں مار دو یا زندہ رکھو، اب اس کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہے۔ مر تو ہمیں ویسے بھی اس قید خانے میں جانا ہے، تم اسے سچ سمجھو یا جھوٹ، راجہ ہدایت خاں اصل میں راجہ ہدایت خاں نہیں ہے۔ وہ اس کا ایک ہم شکل عدلان سوناری ہے جو کالے علوم کا ماہر ہے اور راجہ ہدایت خاں کو اس نے کہیں قید کر رکھا ہے اور خود ان کی جگہ لے بیٹھا ہے، کیا سمجھے؟''

''مالک...... مالک......'' خاقان کے منہ سے بڑی درد بھری آواز نکلی پھر اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''بتا سکتی ہو میرا مالک کہاں ہے، آہ مجھے بتا دو، میں کتنی بڑی بھول میں رہا ہوں...... نور دین یہ کیا کرتے رہے ہیں ہم لوگ، ہم نے تو صرف وہ کیا جو مالک نے چاہا، ہم نے سوچا بھی نہیں کہ مالک کیا چاہتا ہے۔ ہمارے کانوں میں یہ نام اس سے پہلے بھی نہیں پڑا، عدلان سوناری...... کون ہے یہ؟ اسے مالک کی شکل اور مالک کی ہر بات کیسے پتہ چل گئی ہے، آہ...... نور دین، کیا نہیں کیا ہم نے اس کے لئے، ہم تو برے لوگ نہیں تھے، ہم نے تو بس نمک کی قیمت ادا کی ہے، آج تک...... ہمیں کیا معلوم تھا، دیکھو، تم لوگ ایک بار پھر بتا دو ہمیں، دیکھو ہم سے وضاحت کرو، بتا دو جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بالکل سچ ہے۔''

''ہاں خاقان، اب اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو سنو، میں تمہیں بتاؤں، بات بہت پرانی ہے آج کی نہیں ہے، اس وقت مجھے بھی نہیں معلوم تھا یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ دولت، یہ جائیداد، قصبہ امیر شاہ کی حویلی اور باقی ساری چیزیں میرے باپ کی ملکیت تھیں اور میرا باپ راجہ ہدایت خاں کی ماں کا شوہر تھا۔ اس نے راجہ ہدایت خاں کی ماں سے شادی کی تھی، لیکن بعد میں اس نے میری ماں سے شادی کی تھی اور یہ قصبہ امیر شاہ کی تمام دولت اصل میں میری ماں کی ملکیت تھی۔ راجہ ہدایت خاں پر اس کا کوئی حق نہیں تھا، اس کی ماں مر چکی تھی، میری ماں نے یہ دولت میرے باپ کے نام منتقل کر دی تھی۔ بعد میں اس بات کے شبہات ملے کہ راجہ ہدایت خاں نے میری ماں کو زہر دے کر مروا دیا۔ میرے باپ ریاست علی خاں کے پاس کوئی ایسا علم تھا جو پراسرار حیثیت کا حامل تھا اور اس کی بڑی حیثیت تھی، میرے باپ نے اس علم کی تمام تفصیل وصیت کے ان کاغذات میں لکھ دی تھی جو انہوں نے میرے لئے تیار کرائے تھے کہ میری ماں کی وہ دولت جو میری ماں نے محبت کے زیر اثر میرے باپ کو منتقل کر دی تھی، واپس مجھے مل جائے چونکہ راجہ ہدایت خاں کے بارے میں یہ بات شبہے کی حیثیت رکھتی تھی کہ میری ماں کی موت میں اس کا ہاتھ ہے اور اس نے دولت کے لئے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے، مجھے اس وقت کچھ نہیں معلوم ہو سکا، یہ باتیں مجھے بعد میں پتہ چلیں کہ عدلان سوناری نامی ایک شخص جو ہو بہو راجہ ہدایت خاں کی شکل و صورت کا تھا، کسی طرح راجہ ہدایت خاں تک پہنچا اور پھر راجہ ہدایت خان غائب ہو گیا۔ عدلان سوناری چونکہ سو فیصد راجہ ہدایت خاں کی صورت رکھتا تھا اور اسے بھی کچھ پراسرار علوم سے واقفیت تھی، اس لئے اس نے با آسانی راجہ ہدایت خاں کی جگہ حاصل کر لی اور پھر اس نے وہاں ایک درسگاہ بنائی اور اپنی ناپاک قوتوں سے کام لے کر لوگوں کے مسائل حل کرنے لگا، لیکن ایسے لوگوں کے جو ارب پتی، کروڑ پتی یا پھر سرکاری افسران ہوتے تھے۔ وہ اپنے مسائل عدلان سوناری کو بتاتے تھے اور عدلان سوناری انہیں حل بھی کرتا تھا اور انہیں ایسے معاملات کو اپنے ذہن میں رکھ کر بلیک میل بھی کرتا تھا، اس طرح اس نے اپنی ایک ساکھ بنالی۔ مجھے اس وقت تک یہ بات معلوم نہیں تھی، پھر میرے والد کا بھی انتقال ہو گیا اور وصیت کے وہ کاغذات انہوں نے مجھے دے دیئے، میں نے وہ کاغذات چاند بابا کے پاس محفوظ کر دیئے کیونکہ کئی بار میں نے محسوس کیا تھا کہ راجہ ہدایت خاں یا اس کے پس پردہ عدلان سوناری وہ کاغذات حاصل کرنا چاہتا ہے، پھر ایک مرحلے پر مجھے شمشاد علی ملے اور میں ان سے متاثر ہو گئی۔ عدلان سوناری نے راجہ ہدایت خاں کی حیثیت سے ہی میری شمشاد علی سے شادی کرا دی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار ان کاغذات کے لئے کوشش کر چکا تھا، لیکن میں نے انہیں چاند بابا کے پاس محفوظ کر دیا تھا کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ مجھے کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ بہت سی باتیں میرے علم میں تھیں، بہر طور ایک مرحلے پر آ کر عدلان سوناری نے مجھ پر اپنی حقیقت واضح کر دی اور مجھے بتا دیا کہ وہ راجہ ہدایت خاں نہیں ہے بلکہ عدلان سوناری ہے، اس نے کہا کہ وہ کاغذات اس کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، وہ کاغذات میں اس کے حوالے کر دوں ورنہ وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ اس نے میری شادی میری پسند کے لڑکے سے اس لئے کرائی ہے کہ میں اس کے ساتھ تعاون کروں۔ جب میں نے مکمل طور پر اس کی ہر بات ماننے سے انکار کر دیا اور اسے دھمکی دی کہ میں یہ بات دنیا کو بتا دوں گی کہ اس نے راجہ ہدایت خاں کو قید کر رکھا ہے اور وہ اصل راجہ ہدایت خاں نہیں ہے تو اس نے میری موت کا ناٹک رچایا اور میری ایک ایسی سہیلی کو میری حیثیت سے قتل کرا دیا جو کبھی کبھی میرے پاس آ جایا کرتی تھی اور شہر کے ایک کالج میں پڑھتی تھی۔ شمشاد علی کو میرے قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیا گیا۔ راجہ ہدایت خاں یا عدلان سوناری مجھے دھمکی دیتا رہا کہ اگر میں نے کاغذات اس کے حوالے نہ کئے تو شمشاد علی کو سزائے موت دلوا دے گا، میں نے اس کی بات نہیں مانی کیونکہ میں جانتی تھی کہ کاغذات اس کے پاس پہنچنے کے بعد میری زندگی بھی آسانی سے ختم کر دی جائے گی، اس نے مجھے قید کر رکھا تھا، راجہ ہدایت خاں کہاں قید ہے یہ بات میں نہیں جانتی۔ یہ ہے میری زندگی کی داستان۔''

خاقان غم و اندوہ کے عالم میں ایک دیوار سے ٹکا یہ کہانی سن رہا تھا، نور دین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، خاقان نے کہا۔ ''بہت بار ہم نے یہ بات محسوس کی کہ مالک اب وہ نہیں رہے جو تھے، ان کی طبیعت میں سرکشی ضرور تھی۔ انہوں نے ایک بار یہ بات ہمیں بتائی بھی تھی کہ اگر رانیہ نے ان سے تعاون نہیں کیا تو ایک دن وہ اس حویلی سے نکال دیئے جائیں گے۔ ہم ان سے بچپن سے محبت کرتے آئے ہیں۔ وہ بچپن کے ساتھی تھے۔ ہم آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات مان لیا کرتے تھے۔ ہم نے ان کے لئے بہت سے گناہ، بہت سے جرائم بھی کئے ہیں، لیکن...... لیکن...... وہ ہمارا مالک ہی نہیں تھا، آہ کیسی بے وقوفی کی ہے ہم نے نور دین! کیا اس نے مالک کو قتل کر دیا۔ کہاں ہے وہ کتا؟ ہم اس کی زبان سے ایک ایک لفظ نکلوا لیں گے، آہ وہ کہاں ہو سکتا ہے؟''

''تمہیں معلوم ہے خاقان کہ اب وہ حویلی میں نہیں ہوتے، ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔''

''نور دین ایک بات بتاؤ۔'' خاقان نے اچانک چونک کر کہا اور نور دین اس کی صورت دیکھنے لگا۔ خاقان رانیہ کی طرف رخ کر کے بولا۔ ''تم نے ابھی ایک نام اور بھی لیا تھا سورج نگر، تم نے بتایا تھا کہ راجہ ہدایت خاں کو شاید سورج نگر میں قید کر دیا گیا ہے۔''

''ہاں، سورج نگر ہی کہتا ہے وہ، اس کا کہنا تھا کہ اس نے راجہ ہدایت خاں کو قتل نہیں کیا کیونکہ مستقبل میں کہیں بھی کسی بھی جگہ اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔''

''مجھے سورج نگر کے بارے میں معلوم ہے، وہ ایک قدیم عمارت کا نام ہے اور یہ عمارت بھی راجہ صاحب یعنی میرے مالک ہی کی ملکیت تھی۔ ہم مالک کو سورج نگر میں تلاش کریں گے، آؤ نور دین، مالک کو تلاش کرنے کے بعد ہی دنیا کا کوئی کام کیا جا سکتا ہے۔''

''ایک منٹ خاقان، ایک منٹ، کیا ہماری تمہاری اتنی ہی دشمنی ہے کہ تم ہمیں اس طرح قید میں چھوڑ دو اور ہم یہاں بھوکے پیاسے مر جائیں اور پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمیں تمہارے مالک نے نہیں قید کیا بلکہ ہم ایک شیطان صفت انسان کے قیدی ہیں، کیا تمہارا ضمیر یہ گوارا کرتا ہے کہ دو بے گناہ انسان اس طرح ہلاک ہو جائیں۔''

خاقان ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے اپنی جیبوں میں تلاش کر کے اس قید خانے کے تالے کی چابی نکالی اور تالا کھولنے لگا۔

☆......☆......☆

حیات علی کی زندگی پولیس کی نوکری میں گزری تھی۔ طرح طرح کے سنسنی خیز واقعات سے واسطہ پڑا تھا، لیکن اب اس کی زندگی پر جو کچھ گزر رہی تھی وہ اس کے لئے انوکھی تھی۔ اگر دل کی لگن نہ ہوتی تو وہ ان سمجھ میں نہ آنے والے واقعات سے کبھی کا منہ موڑ لیتا اور ان پر لعنت بھیج کر اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا، لیکن ثنا اس کی زندگی کی ساتھی جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونک دیا تھا، اور اب خود بھی عذاب جہنم سے گزر رہا تھا۔

فرزان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ ہے کیا چیز؟ کوئی زندہ وجود ہے، کوئی روح ہے یا کچھ اور، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب گورکھ دھندا ہے کیا؟ فرزان اسے جو راستہ بتا گیا تھا اب اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا چنانچہ تھوڑے سے توقف کے بعد آخر کار اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

بات بڑی عجیب تھی۔ سمت کوئی بھی اختیار کی جائے صرف سو قدم گننا ہیں، لیکن فرزان نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قدم گننے کے بعد اسے راجہ ہدایت خاں کے کالے قدم نظر آ جائیں گے اور اس سے پہلے بھی کالے قدم کا معاملہ ٹھیک ہی رہا تھا۔ بہر حال اس نے ہمت کی اور سو قدم گن کر آگے بڑھنے لگا۔

پھر اس وقت اس نے ایک حیرت بھری ٹھنڈی سانس لی تھی جب سو قدم پورے ہوتے ہی اسے کالے پاؤں کا نشان نظر آیا تھا اور یہ نشانات ایک مخصوص فاصلے سے آگے بڑھ گئے تھے۔ حیات علی دل ہی دل میں ہنسا۔ مہذب دنیا میں ان احمقانہ باتوں کا کوئی تصور نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی انسان پر جو پڑتی ہے وہ اسے سب کچھ تسلیم کرا دیتی ہے۔

کالے قدموں کے نشانات پھر سے جاری ہو گئے تھے اور وہ ان کے سہارے پیدل چلا جا رہا تھا۔ کوئی بھی ذی عقل اگر راستے میں مل کر اس سے یہ سوال کرتا کہ میاں کہاں جا رہے ہو تو حیات علی خود پر ہنسنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کالے قدموں کے یہ نشانات آگے بڑھتے ہی جا رہے تھے، یہاں تک کہ سفر کا پہلا دن ختم ہوا۔

رات ہو گئی، آس پاس کسی بستی کا وجود نہیں تھا اس نے ایک جگہ منتخب کی اور رات گزارنے کے لئے رک گیا۔ کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا کوئی اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آس پاس کوئی آبادی کتنے فاصلے پر ہے اور پھر کالے قدموں کے نشانات کو نظر انداز کر کے کسی آبادی کو تلاش کرنے کا مطلب یہ تھا کہ کالے قدموں کی ترتیب پھر سے کھو جائے اور وہ یہ نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ بھوکے پیاسے رات گزاری۔

رات کی روشنی میں قدموں کے نشانات دیکھنا ایک مشکل کام تھا۔ اسے تجربہ بھی ہو چکا تھا لہٰذا رات کو تو قیام کرنا ہی تھا۔ البتہ صبح کو اس نے سب سے پہلے دل میں یہ سوچا کہ کالے قدموں کے نشانات کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اگر کوئی بستی نظر آ گئی تو کھانے پینے کی کچھ اشیاء ضرور حاصل کرے گا لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، کالے قدموں کا یہ سلسلہ ایک انوکھی جگہ جا کر ختم ہوا تھا جہاں اسے ایک مٹھ نظر آ رہا تھا۔ حیات علی کو پہلے ایسی کسی جگہ سے واسطہ تو نہیں پڑا تھا لیکن اس نے ان چیزوں کے بارے میں سن رکھا تھا، ہندو جوگی یا دوسرے لوگ اس طرح کے مٹھ بنا کر وہاں اپنی عبادت گاہیں قائم کر لیا کرتے تھے یا پھر گندے علوم کے ماہر اور گندے علوم کرنے والے بھی ایسی جگہوں پر رہتے تھے اور اسے تھوڑے ہی فاصلے پر چل کر یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ گندے علم کی کوئی جگہ ہے، کیونکہ وہاں سے بدبو اٹھ رہی تھی۔

ادھر جانے کو دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن کالے قدموں کے نشانات اسی جانب چلے گئے تھے، چنانچہ بحالت مجبوری حیات علی ان قدموں کے سہارے چلتا ہوا اس مٹھ تک پہنچ گیا جہاں شاید کسی کی رہائش گاہ بھی تھی اور اس کی تصدیق اسے فوراً ہی ہو گئی۔ کوئی مٹھ کے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ یہ کوئی ہندو جوگی تھا جو یقیناً کالے علم کرتا تھا، اس کا حلیہ اور آس پاس کا ماحول اسی بات کی نشاندہی کرتا تھا۔ ہندو جوگی چونکی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ حیات علی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی تیز روشن آنکھیں حیات علی کے پورے وجود کا جائزہ لے رہی ہیں۔ پھر وہ چند قدم آگے بڑھ کر حیات علی کے سامنے پہنچ گیا اور اس نے حیات علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کھوراج ہے ہمارا نام، تو کون ہے؟''

حیات علی ایک دم چونک کر سنبھل گیا اور اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ''میرا نام حیات علی ہے۔''

''ہاں لگ رہا ہے، مسلمان ہے۔ پر اس طرف کیسے نکل آیا یہ تو عام راستہ نہیں ہے، بھوکا پیاسا ہے کیا؟ ادھر آ کر بیٹھ، ہمیں بتا کیا بپتا پڑی ہے تجھ پر۔ ہمارا دیا کھائے گا تو نہیں اور کیا سیوا کریں تیری؟''

''میں ایک شخص کی تلاش میں ادھر آیا ہوں۔ وہ بھی مسلمان ہے اس کا نام راجہ ہدایت خاں ہے، میں اپنی معلومات کے سہارے یہاں تک پہنچا ہوں۔'' حیات علی نے ایک لمحے کے اندر محسوس کر لیا کہ راجہ ہدایت خاں کا نام سن کر جوگی کھوراج کے چہرے پر چونکنے کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔

جوگی نے گہری نگاہوں سے حیات علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تجھے اس کی تلاش کیوں ہے رے؟''

''تم جانتے ہو اسے؟'' حیات علی نے سوال کیا۔

کھوراج بدستور اسے گھورتا رہا، پھر اس نے کہا۔ ''جب تیری معلومات نے تجھے یہ بتایا ہے کہ وہ ادھر آیا ہے تو ظاہر ہے میں اسے جانتا ہی ہوں گا۔''

''دیکھو کھوراج! تم کون ہو میں نہیں جانتا، راجہ ہدایت خاں سے تمہارا کیا تعلق ہے یہ مجھے نہیں معلوم لیکن میں بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہوں۔ راجہ ہدایت خاں کو میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، اگر وہ تمہارا مہمان ہے تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ تم اس کی مہمان نوازی کرو مجھے تھوڑی دیر کے لئے اس سے ملا دو۔ میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھ، یہاں جو بھی آتا ہے وہ ہمارا مہمان ہوتا ہے لیکن صرف وہ جو ہمیں دھوکا نہ دے، جس آدمی کی تلاش میں تو یہاں آیا ہے وہ بہت بڑا دھوکے باز ہے اور اس نے ہمیں بھی دھوکا دیا ہے، اگر تیرا اس سے کوئی جھگڑا ہے تو آرام سے بیٹھ ہمیں بتا، ہم تیری پوری پوری مدد کریں گے۔ ہماری بات میں کھوٹ نہ سمجھ۔ اگر تیری کوئی مشکل ہے یہاں تجھے اس کا حل مل جائے گا۔ یہ بھوگ بھنڈار ہے اور بھوگ بھنڈار میں سے کسی کو اگر تھوڑا سا بھی کچھ مل جائے تو وہ بہت اونچا نکل جاتا ہے کیا سمجھا؟''

''مجھے صرف یہ بتا دو کہ وہ یہاں ہے یا نہیں۔''

''وہ یہاں ہے یا نہیں اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے جانے دے جو میں تجھ سے کہہ رہا ہوں وہ کر، آ ادھر بیٹھ۔''

حیات علی کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ یہاں سے نکل گیا ہے تو کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں اسے تلاش کر لوں۔''

''اپنی کہے جا رہا ہے، دیکھ بھوگ بھنڈار کی ریت ہے کہ جب کوئی بھولا بھٹکا یہاں آ جاتا ہے تو ہم اسے کچھ دے کر ہی لوٹاتے ہیں، تو مسلمان ہے یہ بات ہم مانتے ہیں، مگر ہم ایسا کوئی کام نہیں کر رہے جس سے تیرا دھرم بھشٹ ہو، آ مہمانوں کی طرح بیٹھ، وہ پلنگ پڑا ہے اس پر بیٹھ جا۔''

''کیا تم مجھے راجہ ہدایت خاں سے ملا دو گے؟''

''ہاں، نہ صرف ملا دیں گے بلکہ اسے مجبور کریں گے کہ جو کچھ تیرے من میں ہے اسے پورا کرے۔''

حیات علی کچھ دیر سوچتا رہا، پھر وہ پلنگ کی جانب بڑھ گیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ بری طرح تھکا ہوا تھا۔ قرب و جوار میں کافی غلاظت پھیلی ہوئی تھی جس کی بدبو اڑ رہی تھی، لیکن قدموں کے نشانات یہیں تک آئے تھے۔ اس وقت خاصی دیر ہو گئی تھی۔ اگر وہ قدموں کے نشانات آگے بھی تلاش کرے تو مشکل ہو جائے گی کیونکہ اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ ذرا دیکھے کہ یہ بھوگ بھنڈار کیا ہے، اور یہ کھوراج جی کون ہیں؟ اتنا تو پتہ چل ہی گیا تھا کہ راجہ ہدایت خاں یہاں آیا ہے۔

وہ پلنگ پر بیٹھ گیا، تبھی کھوراج اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے زمین سے ایک لمبی سی لکڑی اٹھائی اور چارپائی کے گرد لکیر بنانے لگا۔ اس نے ایک بڑا سا دائرہ بنا دیا تھا اور حیات علی اس کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''مہمان کی حفاظت بڑی ضروری ہے اور تو جس کا نام لے رہا ہے وہ ظاہر ہے تیرا دشمن ہی ہوگا، اس لئے ہم نے یہ حفاظت کی لکیر بنا دی ہے۔ اب تیرا کوئی دشمن تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، ہم ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ راجہ ہدایت خاں......''

''ارے آتے ہیں کیوں مرا جا رہا ہے؟'' کھوراج کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا جسے حیات علی نے فوراً محسوس کر لیا۔

کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے نکل جانا بہتر ہے، کم از کم آگے چل کر یہ اندازہ تو لگا لے کہ راجہ ہدایت خاں یہاں رکا ہے یا یہاں سے گزر گیا ہے، قدموں کے نشانات یہیں تک آئے تھے، اس کے بعد اگر وہ آگے بڑھ گئے ہیں تو یہاں رکنا بے مقصد ہوگا، اسے ان نشانات کے سہارے آگے بڑھ جانا چاہئے، وہ چارپائی سے چند قدم آگے بڑھا۔ پھر اس نے لکیر سے دوسری طرف قدم رکھا ہی تھا کہ اسے یوں لگا جیسے اس کا پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہا۔ اس کا پاؤں گہرائی میں جا رہا تھا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گیا اور اس کے بعد آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس جگہ کو دیکھنے لگا جو عجیب و غریب شکل اختیار کر گئی تھی۔

اس نے ایک بار پھر لکیر کے دوسری جانب پاؤں رکھنے کی کوشش کی لیکن پاؤں کے نیچے زمین تھی ہی نہیں، وہ پھر پیچھے ہٹ آیا اور اس کے بعد چارپائی کے چاروں طرف گھوم کر وہ بار بار کوشش کرنے لگا کہ باہر نکل جائے۔ آس پاس کچھ پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے لکیر کے دوسری جانب اچھال دیا اور پھر وہ ایک حیرت ناک منظر دیکھنے لگا، پتھر گہرائیوں میں چلا جا رہا تھا، تقریباً دو تین سو فٹ نیچے جا کر وہ زمین سے ٹکرایا تھا اور اس کے ٹکرانے کی آواز ابھری تھی۔ اب جو حیات علی نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو اسے چاروں طرف گہرائیاں ہی گہرائیاں نظر آئیں۔ مٹھ کی وہ عمارت سب کچھ دو تین سو فٹ کی گہرائی میں تھا اور اوپر وہ چارپائی پر زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر تنہا موجود تھا، اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ دنیا کا حیرت ناک منظر تھا جو کسی انسان نے پہلی بار دیکھا تھا۔ یہ اندازہ اسے ہو گیا کہ وہ پوری طرح کالے جادو کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اس کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی اور اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''خداوند عالم، یہ امتحان کب تک جاری رہے گا، میں تھکتا جا رہا ہوں، میری مدد کر میرے معبود، میری مدد کر۔''

ادھر وہ اس حال میں تھا اور ادھر کھوراج ہنستا مسکراتا ہوا مٹھ کے اندر پہنچا تھا اور پھر اس نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کچھ اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ انسان اسے نظر آیا جسے وہ بھوگ ناتھ کے نام سے پہلے بھی مخاطب کر چکا تھا۔ بھوگ ناتھ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ہوا کھوراج، کیوں بلایا ہے مجھے؟''

''مہاراج، ایک اور مسلمان آ پھنسا ہے، میرا خیال ہے ہمارا کام یہی پورا کر دے گا۔''

''کھوراج! تو بار بار مجھے تنگ کرتا ہے، بہت مشکل کام ہے یہ۔ ویسے ہمارا یہ کام کسی مسلمان سے ہی پورا ہو سکتا ہے، مہا سابلی ایک ایمان والے کا ایمان چھیننے کا جو انعام دیتے ہیں وہ نہ تیرے بھاگ میں لکھا ہے نہ میرے بھاگ میں۔''

''نہیں مہاراج! ہمیں وہ سب کچھ چاہئے، بھوگ ناتھ مہاراج اسے اور دیکھ لیتے ہیں، آپ خود اسے سمجھائیں، سمجھ جائے گا۔''

''چل دیکھیں، کہاں ہے۔'' بھوگ ناتھ نے کہا اور اس بار وہ دونوں مٹھ سے باہر نکلے تھے اور آرام سے چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں حیات علی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔

حیات علی نے ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھا تھا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا کہ وہ اسی سطح کی سیدھ میں چلے آ رہے ہیں جس میں اس نے سینکڑوں فٹ گہرائی دیکھی تھی، یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتے ہوئے لکیر کے دوسری طرف آ پہنچے۔

حیات علی گھورتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ حیرت کرنا بیکار تھا یہ جادوگری تھی، بس کچھ خیالات اس کا دکھ بنے ہوئے تھے۔ راجہ ہدایت یہاں تک آیا ہے۔ وہ ابھی یہاں موجود ہے یا یہاں سے آگے بڑھ گیا ہے۔ کیا ثنا اس کے ساتھ ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد مکھ راج کی آواز ابھری۔ ''بھوگ ناتھ مہاراج تیرے پاس آئے ہیں مورکھ، عزت دے انہیں، یہ تجھ پر مہربان ہو گئے تو تیرے سارے کام پورے ہو جائیں گے۔''

''کیا کرنا ہے مجھے؟'' حیات علی نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ......آ جاؤ راستہ ہے۔'' بھوگ ناتھ نے کہا اور پاؤں سے اس لکیر کا تھوڑا سا حصہ مٹا دیا جو مکھ راج نے بنائی تھی۔

حیات علی نے ڈرتے ڈرتے پاؤں آگے بڑھایا۔ اب سب کچھ ٹھیک تھا۔ لکیر کے آگے کی زمین ٹھوس تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر لکیر سے باہر آ گیا۔ مکھ راج اور بھوگ ناتھ نے مٹھ کا رخ کیا تھا۔ حیات علی سخت مضطرب تھا اصل کام سے ہٹ کر وہ کس جنجال میں پھنس گیا تھا۔

آخر کار دونوں مٹھ میں داخل ہو گئے۔ بھوگ ناتھ نے حیات علی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی ایک طرف جا بیٹھا اور بولا۔ ''ہم بے شک دوسرے دھرم والے ہیں ہر مہمان کی عزت بھی کرتے ہیں اور انسان ہونے کی حیثیت سے انسان کی مدد بھی۔ تم جس مشکل کا شکار ہو کر یہاں آئے ہو ہمارے پاس تمہاری ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ اگر اس کی بات کرتے ہو جس کا نام عدلان سوناری ہے تو یوں سمجھ لو کہ اس نے بھی ہمارے ساتھ کافی سے بتایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنا کام ادھورا چھوڑ دیا اور بھاگ گیا۔ پاپی جس مشکل کا شکار پھر رہا ہے اگر بھوگ ودیا کا پاتھ پورا کر لیتا تو ہر مشکل اس کے سامنے ہیچ تھی، جو چاہتا سو کر سکتا تھا، کیا سمجھے، مگر اپنے آپ کو چالاک سمجھ بیٹھا۔ دیکھو کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، بات اس طرح تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی، میں تمہیں پہلے کچھ دکھاتا ہوں۔'' بھوگ ناتھ نے کہا اور اس کے بعد وہ زمین پر ایک چوکور نشان بنانے لگا۔ بڑا سا نشان بنا کر اس نے اس پر کچھ منتر پڑھ کر پھونک ماری اور زمین کا یہ حصہ آئینے کی طرح روشن ہو گیا۔ بھوگ ناتھ نے کہا۔ ''یہی ہے نا تمہارا عدلان سوناری یا راجہ ہدایت خاں، دیکھو۔''

حیات علی کی نگاہیں بے اختیار اس آئینہ نما جگہ کی جانب اٹھ گئی اور اس نے راجہ ہدایت خاں کو دیکھا جو حیران پریشان ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا۔ حیات علی کے دانت بھنچ گئے اور جبڑوں کے مسلز ابھر آئے۔ اس کے منہ سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔ ''ہاں یہی ہے، کہاں ہے یہ؟ اگر تم مہمان نواز ہو اور اپنے علم سے میری مشکل کو سمجھ سکتے ہو تو مجھے بتاؤ، کہاں ہے یہ؟''

''اور دیکھو اور دیکھو......'' یہ کہہ کر بھوگ ناتھ نے آئینے نما جگہ پر ہاتھ پھیر دیا اور منظر بدل گیا۔ اب اس میں ثنا نظر آ رہی تھی، بھوگ ناتھ کی آواز ابھری۔ ''یہی ہے نا تیری پریمیکا۔''

حیات علی کا دل خون ہو گیا۔ ثنا اچھے لباس میں تھی، لیکن اس کے چہرے پر اداسی اور پریشانی نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے حیات علی کے سامنے رہی اور اس کے بعد آئینہ بجھ گیا۔ حیات علی نے بے بسی کی نگاہوں سے مکھ راج اور بھوگ ناتھ کو دیکھا اور بولا۔ ''میری مشکل حل کر دو، یہ میری منگیتر ہے، میری مدد کرو میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کم بخت اسے خوفزدہ کر رہا ہے اور اس نے اسے قبضے میں کر رکھا ہے، میری مدد کرو تمہارا احسان ہوگا میرے اوپر۔''

''دیکھ بالک، احسان جسے کہتے ہیں نا بے وقوفی کا دوسرا نام ہے۔ اس سنسار میں کچھ دو اور کچھ لو کا کھیل ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور یہی کھیل سچا ہے۔ ہماری بھی کچھ مشکلیں ہیں، تو انہیں ٹال سکتا ہے۔ کیا کرنا ہے تجھے، بس تیرہ دن کا پاتھ ہے۔ تیرہ پاتھ پورے کر لے بھوگ ودیا کے، سمجھ لے یہاں سے اڑتا ہوا جائے گا، عدلان سوناری سے زیادہ طاقت مل جائے گی تجھے، کیونکہ اس نے صرف چھ پاتھ پورے کئے ہیں اور اس کے بعد پاپی اپنے آپ کو بلوان سمجھ کر اپنے دشمن کے پیچھے چل پڑا تھا پر اس کا دشمن اس کے ہاتھ آج تک نہیں آیا، بول تیرہ پاتھ پورے کرے گا۔''

''تمہارا مطلب ہے تیرہ دن مجھے یہاں گزارنے ہوں گے۔''

''ہاں، پورے تیرہ دن تیرہ راتیں، تجھے یہ سب کچھ کرنا ہی ہوگا۔''

''مگر یہ پاتھ ہے کیا؟''

''بس تو یہ سمجھ لے تجھے اپنے دھرم کی بلی دینا ہوگی۔''

''دھرم کی بلی۔ مجھے بتاؤ وہ کیا ہوتی ہے؟''

''ایک بار پھر اپنی پریمیکا کو دیکھ لے، اس کے حاصل کرنے کے لئے تیرہ دن کیا تیرہ مہینے کی قربانی دی جا سکتی تھی۔ یہ دیکھ بیچاری پریشان ہے، کیا کر رہی ہے تجھے اندازہ نہیں ہوگا۔'' ایک بار پھر اس نے اس جگہ ہاتھ پھیرا اور روشنی نمودار ہو گئی۔

اس روشنی میں اس نے ثنا کو دیکھا جو حیران پریشان ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی اور ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ حیات علی کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر ثنا کو آوازیں دے لیکن بے وقوفی کی بات تھی، منظر میں ایک ریل ثنا کے سامنے سے گزر گئی اس سے اندازہ ہوا کہ ثنا کسی ریلوے اسٹیشن پر کھڑی ہوئی ہے۔ ایک طرف ایک چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر نیا پور لکھا نظر آ رہا تھا۔

منظر ہٹ گیا اور بھوگ ناتھ نے کہا۔ ''بے شک تیرہ دن گزر جائیں گے، لیکن یہ تیرے ہاتھ میں آ جائے گی، کیا کہتا ہے تو؟''

''یہ بھوگ ودیا ہے کیا؟''

''جاننا چاہتا ہے۔'' اور پھر بھوگ ناتھ نے اسے بھوگ ودیا کے اس عمل کے بارے میں جو تفصیل بتائی، اسے سن کر حیات علی نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ پریشانی کے عالم میں بھوگ ناتھ کی صورت دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''لیکن جو منتر تم مجھے پڑھا رہے ہو اس میں مجھے کیا حاصل ہوگا؟''

''بتاتا ہوں تجھے، بہت زیادہ مشکل کام ہے یہ، جب تیرے نو دن پورے ہو جائیں گے اور چار دن باقی رہیں گے تو تجھے منتر کا دوسرا حصہ بتا دوں گا میں، کیا سمجھا۔''

''ٹھیک ہے، لیکن اگر میرا کام پھر بھی نہ بنا تو؟''

''جب ہم کہہ رہے ہیں تو سمجھ لے وہ ہو جائے گا جو تو چاہتا ہے۔''

حیات علی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا، اسے فوری فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ دل تو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا گرا ہوا کام کرے۔ پولیس کی نوکری کی تھی اس نے۔ ہمت کے ساتھ ہر طرح کی جدوجہد کرنے کا قائل تھا لیکن کیا کرتا نصیب ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔

بہرحال ان دونوں نے اسے یہ عمل کرنے کے لئے آمادہ کر لیا تھا۔ پولیس کا یہ جوان محبت کے ہاتھوں وہ کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا جس کے بارے میں اسے کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی، لیکن اس کی آمادگی سے مکھ راج اور بھوگ ناتھ خوش نظر آ رہے تھے۔ بھوگ ناتھ نے مکھ راج سے کہا۔ ''مکھ راج! یہ اپنا کام کر لے تو اسے وہ سب کچھ دے دینا جس کا یہ خواہشمند ہے اور جو کچھ تجھ سے کہا جا رہا ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر کے کیا تو وہ کرنے کے لئے تیار ہے۔''

''ضرور کروں گا بھوگ ناتھ جی، بس مجھے میری ثنا مل جائے، بھوگ ناتھ جی میں نے بہت کچھ کیا ہے، مگر کامیابی نہیں حاصل ہو رہی مجھے۔''

''تجھے ایسی کامیابی حاصل ہوگی کہ تو بھی جیون بھر یاد کرے گا مگر بات وہی ہے، جو کچھ کہا جائے گا وہی کرے گا۔''

''ٹھیک ہے میں کروں گا۔''

''وچن دیتا ہے؟''

''جی، میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، لا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دے۔'' بھوگ ناتھ نے کہا اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ حیات علی نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ نجانے کیوں اسے اپنے بدن میں ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ ویسے بھی بھوگ ناتھ کا ہاتھ کسی انسان کا ہاتھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور برف کی طرح ٹھنڈا۔

چند لمحے بعد مکھ راج نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور چند لمحات اسی طرح گزر گئے، بھوگ ناتھ نے کہا۔ ''مکھ راج اسے سب کچھ سکھا سب کچھ بتا میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑا اور اس طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا جیسے وہاں کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ اب اس سے زیادہ حیات علی اور کیا دیکھتا۔ وہ لوگ درحقیقت جادوگر ہی تھے مکھ راج نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں تجھے ایک جاپ بتاؤں گا تجھے یہ جاپ تیرہ دن تک کرنا ہوگا، اس سے تیرا من صاف ہو جائے گا اور ساری باتیں تیرے من سے نکل جائیں گی کہ دین کیا ہے، دھرم کیا ہے، انسانیت کیا ہے، شرافت کیا ہے اور تو اندر سے بالکل صاف ستھرا ہو جائے گا، یہی نہیں تو یہ سمجھ لے کہ اس کے بعد تو اتنی بڑی قوت کا مالک بن جائے گا کہ بعد میں ہماری طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھے گا۔ سب کچھ تیرے پاس ہوگا۔''

''جی......حالانکہ میرے دل میں صرف ایک ہی خواہش ہے، میں نہیں چاہتا کہ دنیا میری مٹھی میں آ جائے۔''

''پاگل ہے تو، سنسار میں کون ایسا نہیں ہے جو سب سے بڑی شکتی حاصل کرنے کے بارے میں نہ سوچتا ہو، اگر تیرا یہ دشمن جس کا نام عدلان سوناری ہے تیرہ پاتھ پورے کر لیتا تو پھر اسے اس طرح بھاگنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ وہ یہاں آیا تھا مگر یہاں سے آگے بڑھ گیا، تیری پریمیکا کی کھوج میں، وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔''

''کیا؟'' حیات علی نے کہا۔

''یہ ساری باتیں اب تو مجھ سے نہ پوچھ، یہ خود تجھے سب کچھ بتا دے گا، کیا سمجھے؟''

''ٹھیک ہے۔''

''اب میں تجھے وہ جاپ بتا رہا ہوں اور تو اسے اپنی زبان سے بار بار دہرا۔'' مکھ راج نے کہا اور اس کے بعد وہ کچھ عجیب و غریب لفظ حیات علی کو بتانے لگا اور حیات علی سوچے سمجھے بغیر یہ لفظ اپنی زبان سے دہرانے لگا۔ اسے ان کا مفہوم نہیں معلوم تھا۔

''گھٹنوں کے بل بیٹھ جا۔'' مکھ راج نے کہا اور حیات علی نے اس کی اس ہدایت پر بھی عمل کیا۔

مکھ راج ایک ایک لفظ اس کے منہ سے سن رہا تھا اور حیات علی اپنے اندر ایک گڑگڑاہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے سینے میں دھڑک رہا تھا اور اسے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے اندر سے کہہ رہا ہو کہ یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا نہ کر، لیکن حیات علی کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں اب آہستہ آہستہ سلب ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک ایک لفظ ادا کر رہا تھا اور حیات علی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر کئی دفعہ یہ الفاظ دہرانے کے بعد مکھ راج نے کہا۔ ''ٹھیک ہے آنکھیں کھول دے۔ اب تجھے تیرہ دن تک یہی جاپ کرنا ہے، لیکن یہاں نہیں میں تجھے اس جگہ لے جا رہا ہوں جہاں تجھے یہ جاپ کرنا ہوگا۔'' اس عمارت کے پیچھے ایک چھوٹا سا تالاب ہے، اس تالاب کے کنارے بیٹھ کر تجھے یہ جاپ کرنا ہے اور شام کو سورج چھپ جائے اس وقت سے لے کر جب تک چاند نہ نکلے تجھے یہ جاپ کرنا ہوگا، اس کے بعد تو یہیں واپس آ کر سو جانا، یہاں کوئی تجھے نہیں ملے گا، میں یہاں نہیں رہتا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''گرو کہہ مجھے، گرو مہاراج۔''

''ٹھیک ہے گرو مہاراج۔''

''اور سن، تجھے بہت سی چیزیں ڈرائیں گی، لیکن ڈرنا نہیں ہے تجھے، سمجھ لیا، اب یہ بتا کہ جاپ یاد ہے تجھے؟''

''ہاں۔''

''تب پھر ٹھیک ہے۔ آ جا میرے ساتھ۔'' مکھ راج نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

حیات علی پر نجانے کیسی بیت رہی تھی، وہ تماشے کرنے پڑ رہے تھے جن کے بارے میں اس نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا، لیکن بہت ہو گیا تھا، ثنا کا چہرہ اسے نظر آیا تھا اور ثنا جس کیفیت کا شکار تھی اس سے حیات علی کا دل تڑپ گیا تھا، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ثنا کی محبت اس کے دل میں ہزار گنا زیادہ ہو گئی ہو اور ثنا کے لئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو کر سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ یہ بھول گیا تھا وہ کہ یہ گندے علوم کے ماہر ہیں، یہاں جو گندگی بکھری ہوئی ہے وہ کالے علم کی دین ہے، حیات علی یکا یک اندھیرے راستوں پر چل پڑا تھا۔

☆......☆......☆

حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا تھا۔ یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ خاقان اور نور دین کو مکمل طور سے عدلان سوناری نے دھوکے میں رکھا تھا اور وہ اسے ہی راجہ ہدایت خاں سمجھتے تھے۔ اب صورت حال تھوڑی سی تبدیل ہوئی تھی۔ انہوں نے رانیہ اور شمشاد علی کو قید خانے سے باہر نکالا اور اس کے بعد ان کا حلیہ وغیرہ تبدیل کرایا، اتنے دن کی قید میں وہ بڑے حال ہو گئے تھے، انہیں نیا لباس وغیرہ دیا گیا، خاقان اور نور دین یہ معلوم ہونے کے بعد کہ راجہ ہدایت خاں اصلی راجہ ہدایت خان نہیں ہے، ایک دم موم ہو گئے تھے۔ وہ انہیں لے کر باہر نکل آئے اور آخر کار اس شہر تک پہنچ گئے جس میں سورج نگر نامی عمارت تھی، رانیہ اس بات پر بضد تھی کہ وہ لوگ اسے اپنے ساتھ رکھیں، نور دین نے اس سلسلے میں اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''دیکھیں بی بی، ہم آپ کے غلام ہیں، اب آپ کی حیثیت بدل چکی ہے، ہم آپ کو صرف راجہ صاحب کے حکم پر نظر انداز کئے ہوئے تھے، لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ کے خلاف حکم دینے والے راجہ صاحب نہیں ہیں بلکہ کوئی مکار چور ہے، لیکن اب......''

''اگر تم یہ سمجھتے ہو نور دین کہ تم سے میرا کوئی تعلق ہے تو براہ کرم مجھے اور شمشاد علی کو اپنے اس مشن پر کام کرنے سے نہ روکو۔''

نور دین نے خاقان کی طرف دیکھا تو خاقان بولا۔ ''ٹھیک ہے، بی بی صاحب جو کہتی ہیں ہمیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔''

اور اس کے بعد وہ سورج نگر نامی عمارت میں داخل ہو گئے، یہاں پانچ افراد عمارت کی نگرانی پر موجود تھے۔ خاقان کو بہت بار عدلان سوناری کے ساتھ دیکھا جا چکا تھا، انچارج دلاور نامی آدمی تھا، اس نے خاقان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ اور یہ دونوں......''

''ہاں مالک نے انہیں آزادی دے دی ہے۔ میں انہیں راجہ صاحب سے ملانے لایا ہوں، جو کچھ ہو رہا ہے مالک کے حکم پر ہو رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے آ جائیے آپ۔'' دلاور نے کہا اور خاقان دلاور کے ساتھ سورج نگر نامی عمارت کے ایک تہہ خانے میں اتر گیا، جہاں قید خانہ بنا ہوا تھا اور اس قید خانے میں اصلی راجہ ہدایت خاں گھٹنوں میں سر دیئے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

وہ کافی کمزور ہو گیا تھا، داڑھی بڑھی ہوئی تھی، لیکن سب نے اسے پہچان لیا، خاقان کے منہ سے غمزدہ آواز نکلی۔ ''مالک، تمہارا غلام خاقان آیا ہے۔'' راجہ ہدایت خاں نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ اجنبی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ رانیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، ہدایت خاں نے کہا۔ ''میری گھڑی مل گئی۔''

''جی۔'' خاقان حیرانی سے بولا۔

''بھائی میری گھڑی کھو گئی ہے، پتہ نہیں کہاں گئی، کوئی اسے تلاش کر دے گا۔'' ایک لمحے کے اندر اندر انہیں علم ہو گیا کہ راجہ ہدایت خاں کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔

''مالک آپ کی گھڑی میں تلاش کر کے دوں گا، مجھے تو پہچانتے ہیں نا آپ۔'' خاقان نے کہا۔

راجہ ہدایت خاں اسے غور سے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''پہلے نہیں پہچانا تھا مگر اب پہچان لیا تم سکندر اعظم ہو نا، یونان سے آئے ہو۔''

وہ سب رحم بھری نگاہوں سے راجہ ہدایت خاں کو دیکھ رہے تھے۔ عدلان سوناری کی قید میں راجہ ہدایت خاں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ خاقان نے معصوم انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں مالک، میں سکندر اعظم ہوں اور یونان سے آیا ہوں، آپ آیئے میرے ساتھ۔''

''دروازہ کھولو گے تو آؤں گا، وہ لوگ تو دروازہ ہی نہیں کھولتے۔''

''میں کھولتا ہوں مالک۔''

راجہ ہدایت خاں کو قید خانے سے نکال لیا گیا، جب وہ باہر آئے تو دلاور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

''مالک نے ہمیں کوئی حکم نہیں دیا خاقان۔ اگر مالک ہمیں ٹیلیفون ہی کر دیتے تو......''

خاقان نے گردن گھما کر دلاور کو دیکھا اور پھر ہوشیاری سے بولا۔ ''ٹیلیفون سننا چاہتے ہو۔''

''بس ذرا آسانی ہو جاتی خاقان۔'' دلاور نے اس کے قریب آ کر کہا۔

خاقان کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ یہ ہاتھ ایک وزنی ہتھوڑے کی مانند تھا۔ سب لوگ خاقان کے غصے کو بھی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ خاقان کے لئے کسی کو قتل کر دینا بڑی معمولی سی بات ہے، چنانچہ دلاور چکرا کر گر پڑا۔ باقی لوگ سہمے ہوئے سے خاموش کھڑے تھے۔ خاقان نے گریبان سے پکڑ کر دلاور کو اٹھایا اور بولا۔ ''مجھے جانتا ہے۔''

''خاقان صاحب، ہم......ہم......معاف کر دیں، ہمارا یہ مقصد نہیں تھا۔''

''ادھر آؤ تم لوگ۔'' خاقان نے باقی لوگوں کو اشارہ کیا اور وہ لوگ ڈرے ڈرے سے اس کے قریب آ گئے۔ ''چلو اندر۔'' خاقان نے تہہ خانے کا اشارہ کیا، وہ لوگ کچھ سمجھ نہیں پائے۔ اندر داخل ہو گئے، تب خاقان نے گریبان سے پکڑ کر دلاور کو بھی ایک زوردار لات مار کر اندر پھینک دیا اور اس کے بعد قید خانے کے دروازے کو تالا لگا دیا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں خاقان صاحب، یہ کیا کر رہے ہیں آپ، ہم ہم......''

''مالک کا حکم بھجواؤں گا تمہیں، مالک کون ہیں، تمہیں خود پتہ ہے۔ تم لوگ، تم راجہ صاحب کے باغی ہو اور اس جھوٹے کمینے انسان کے لئے کام کر رہے ہو جس کی موت تم دیکھ لینا میرے ہی ہاتھوں ہوگی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے میرے مالک کا یہ حال کر رکھا ہے۔''

''ہماری بات تو سنئے، آپ بھی تو سوناری صاحب کے لئے کام کر رہے تھے۔''

''میں کس کے لئے کام کر رہا تھا یہ تمہیں اس قید خانے میں رہ کر معلوم ہو جائے گا، راجہ صاحب کو اس طرح بے قدری کا شکار کر رکھا ہے تم لوگوں نے، میرا خون کھول رہا ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ تم پیسے کے غلام ہو، تم خود کچھ نہیں کر سکتے تھے، اب بند رہو یہاں پر جب تک تمہاری زندگی ہے، کسی نے تمہیں کھول دیا تو ٹھیک ہے ورنہ......''

وہ لوگ چیختے چلاتے رہے، مگر خاقان راجہ ہدایت خاں کو ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ راجہ ہدایت خاں بدستور الٹی سیدھی باتیں کر رہا تھا۔

''سنو خاقان، یہ باہر کہیں عدلان سوناری کے دوسرے آدمی نہ ہوں۔'' شمشاد علی نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں صاحب، ہم اپنے مالک کے لئے ہزاروں زندگیاں دے سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔''

پھر خاقان انہیں لے کر چل پڑا۔ اس بار رانیہ نے مداخلت کی تھی۔ ''اگر تم حویلی جا رہے ہو تو یہ ایک خطرناک قدم ہوگا، اگر تم مجھے بتانا پسند کرو گے تو۔''

''کیوں نہیں، آپ بھی بہرحال راجہ صاحب کی بہن ہیں، ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں آپ ہمیں حکم دیں۔''

''دیکھو، میری رائے ہے کہ حویلی کا رخ بالکل نہ کرو، وہاں سے پتہ چل جائے گا کہ راجہ صاحب جس حال میں بھی ہیں واپس آ گئے ہیں اور عدلان سوناری جو پراسرار قوتوں کا مالک ہے، ان کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔ میری رائے ہے کہ تم شہر چلو، وہاں ایس پی سجاد حسین صاحب اور انسپکٹر حیات علی ہمارے دوست اور ہمدرد ہیں۔ وہ ہماری ہر طرح سے مدد کریں گے۔ پہلے یہاں سے چل کر کسی ہوٹل میں قیام کرو، راجہ صاحب کا حلیہ بھی درست کرنا ہے ہمیں، اس کے بعد میں ایس پی صاحب سے رابطہ قائم کروں گی، مجھے ان کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہیں۔''

''ٹھیک ہے بیگم صاب، جیسا آپ کا حکم۔'' خاقان نے کہا اور اس کے بعد وہ رانیہ کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔

رانیہ نے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل کا انتخاب کیا جہاں کوئی زیادہ نمایاں نہ ہو سکے اور اس کے بعد وہ ہوٹل کے دو کمروں میں منتقل ہو گئے، راجہ ہدایت خاں ایک بے ضرر آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کا بلند و بالا قد، اس کی شاندار شخصیت بری طرح دب کر رہ گئی تھی اور یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ اس کا حلیہ تھوڑا تبدیل کر دیں یا پھر پہلے ایس پی صاحب کو اطلاع دی جائے لیکن دوسرا کام انہوں نے پہلے مناسب سمجھا تھا۔

آپس کے مشورے کے بعد رانیہ نے ٹیلیفون پر ایس پی سجاد حسین سے رابطہ قائم کیا جو تھوڑی سی کوشش کے بعد ہو گیا، رانیہ نے کہا۔ ''ایس پی صاحب، میں رانیہ بول رہی ہوں، قصبہ امیر شاہ والی، راجہ ہدایت خاں کی سوتیلی بہن۔''

''آپ رانیہ......آپ کہاں ہیں؟''

''میں اس وقت ہوٹل فیروزی میں کمرہ نمبر ستائیس میں ہوں، میرے ساتھ اصل راجہ ہدایت خاں بھی موجود ہیں، کیا آپ ہم لوگوں کو فوری پناہ دے سکتے ہیں؟''

''ہاں، میں پہنچ رہا ہوں۔''

رانیہ نے خاقان کو دیکھا تو خاقان گردن جھکا کر بولا۔ ''آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں بیگم صاب۔''

''ہاں بولو۔''

''دیکھئے ہم اپنے مالک کے کتے ہیں، ہزار بار اس کے لئے جان دے سکتے ہیں، لیکن ہم نے غلطی سے نقلی راجہ ہدایت خاں کے حکم پر کئی قتل بھی کئے ہیں، جس کی خبر پولیس کو ہے۔ وہ ہمیں فوراً ہی گرفتار کر لے گی، قاتل تو ہر حال میں قاتل ہوتا ہے، ہم سزائے موت سے نہیں بچ سکیں گے، ہمیں مرنے کی پروا نہیں ہے، لیکن بیگم صاب، ابھی عدلان سوناری زندہ ہے، اسے ساری باتوں کا پتہ تو چل ہی جائے گا کیونکہ وہ گندے علم جانتا ہے، ہم جب تک آزاد رہیں گے اپنے مالک کی حفاظت کریں گے، اس لئے اگر آپ مناسب سمجھو تو ہمیں آزاد ہی رہنے دو، ہم آپ سے دور نہیں جائیں گے اور رابطہ رکھیں گے۔''

''تم دونوں نے جس طرح ہماری مدد کی ہے ہم اسے کبھی نہیں بھول سکتے۔'' رانیہ نے کہا اور خاقان نے گردن جھکا لی۔

پھر وہ دونوں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ شمشاد علی کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا، رانیہ کہنے لگی۔ ''میں جانتی ہوں شمشاد، تمہارا دل اپنے والدین سے ملنے کے لئے مچل رہا ہوگا، میں خود بھی ان کی خدمت میں حاضری دینا چاہتی ہوں لیکن تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ ہمارا دشمن آزاد ہے اور وہ اس بات پر تلملا اٹھے گا کہ ہمیں آزادی حاصل ہو گئی ہے، یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے تھوڑا سا صبر کر لو، یہ ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔''

''رانیہ ٹھیک کہتی ہو تم، خدا میرے ماں باپ کو زندہ سلامت رکھے، دیکھو، میری تقدیر میں ان کی خدمت کرنا لکھا بھی ہے یا نہیں۔''

''نہیں لکھا ہے تو لکھ لیں گے، تم مجھ پر بھروسہ کرو۔'' رانیہ نے کہا۔

ایس ایس پی سجاد حسین نے ان کے پاس پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی، اس نے بھی راجہ ہدایت خاں کو دیکھا اور دنگ رہ گیا۔

''راجہ صاحب! آپ خیریت سے تو ہیں۔''

''کون ہو تم، شکل سے تم ہمیں آگسٹس لگتے ہو، بولو کیا تم آگسٹس ہو؟''

''جی۔'' سجاد حسین نے حیرانی سے رانیہ اور شمشاد علی کو دیکھا تو رانیہ نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ ذہنی توازن کھو چکے ہیں، عدلان سوناری کی قید سے ہم نے انہیں آزاد کرایا ہے۔''

''کیا آپ لوگ اس ہوٹل میں رہنا ضروری سمجھتے ہیں؟''

''نہیں، بالکل نہیں۔ ہم وہاں سے براہ راست چلے آ رہے ہیں کوئی نہ کوئی قیام تو ضروری تھا، ہم آپ کو اس کی تفصیل بتائیں گے۔''

''تب آپ لوگ میرے ساتھ چلئے، میں آپ کو اپنے گھر لئے جا رہا ہوں، رانیہ آپ تو وہاں رہ چکی ہیں۔''

رانیہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ سجاد حسین اسے اپنے گھر لے آئے، خاقان اور نور دین نے بڑی احتیاط کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تھا جس کا اندازہ رانیہ کو ہو گیا تھا لیکن بہرحال ایس ایس پی سجاد حسین بڑے اہتمام کے ساتھ انہیں اپنے گھر میں لے گئے تھے اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی کر رہے تھے۔

رانیہ نے تنہائی ملتے ہی شمشاد علی سے کہا۔ ''ہمیں چونکہ خاقان وغیرہ کو چھپانا ہے اس لئے ہم ان سے ذرا مختلف انداز میں بات کریں گے۔'' شمشاد نے اس بات پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

رانیہ اور شمشاد علی نے ایس ایس پی سجاد حسین کو یہی بتایا کہ وہ عدلان سوناری کی قید میں تھے، ایک بار انہیں نکلنے کا موقع مل گیا، چنانچہ وہ راجہ ہدایت خاں کو لے کر بمشکل تمام یہاں تک پہنچے ہیں۔

ایس ایس پی سجاد حسین نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''سب سے پہلے راجہ صاحب کا علاج ضروری ہے، میں اس سلسلے میں سرکاری طور پر ہی انتظامات کرتا ہوں، لیکن میری رائے ہے کہ انہیں ابھی حویلی تک نہ لے جایا جائے، میں نے اپنی آنکھوں سے عدلان سوناری کو اپنے لباس سے گم ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ خطرناک جادوگر کوئی بھی عمل کر سکتا ہے، اگر یہ یہاں روپوش رہیں تو ان کے حق میں زیادہ بہتر رہے گا۔''

''میں آپ سے مکمل طور پر اتفاق کرتی ہوں۔'' رانیہ نے کہا۔

''کیوں راجہ صاحب، آپ کو اعتراض تو نہیں ہے؟''

''نہیں، ہیملٹ، بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے، جنرل منٹگمری کو اطلاع دے دو کہ ہم دشمن کی قید سے باہر نکل آئے ہیں اور اب ہم فوجوں کی کمان خود کریں گے۔'' راجہ ہدایت خاں نے کہا۔

ایس ایس پی سجاد حسین عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، نجانے کیوں اسے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

(جاری ہے)

صفحہ نمبر: 1......

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

ایم اے راحت

قسط: 19

ایس ایس پی سجاد حسین کو ایک لمحے کے لئے جو تعجب ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ خرابی دماغ کا اظہار کرتے ہوئے راجہ ہدایت خاں کے چہرے کے تاثرات نے ان کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ آنکھیں بھی چغلی کھا رہی تھیں کہ راجہ صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ محض اداکاری ہے۔ ایس ایس پی سجاد حسین نے گہری نگاہوں سے راجہ ہدایت خاں کا جائزہ لیا تو اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ سجاد حسین نے کہا۔ ”آپ پر جو کچھ گزری ہے راجہ صاحب وہ واقعی ایسی ہی ہے کہ انسان کا دماغی توازن خراب ہو جائے۔ بہرحال راجہ میرا خیال ہے راجہ صاحب کو ابھی تھوڑا سا آرام دیا جائے، اس کے بعد میں ڈاکٹر سے رجوع کرکے ان کی ذہنی کیفیت کی رپورٹ لوں گا۔“

”ٹھیک ہے، جس طرح آپ مناسب سمجھیں، ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ تک پہنچ گئے، یہ بہت بڑی بات ہے دیکھیں اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔“

”میں آپ لوگوں کے لئے بندوبست کئے دیتا ہوں، دیکھتے ہیں کیا صورت حال پیش آتی ہے، لیکن احتیاط بہت ضروری ہے، آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کیجئے۔“

”ہم تو قید میں تھے جناب، تقدیر نے یہ موقع دیا کہ ہم آپ تک پہنچ سکیں، اب باقی جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“

ایس ایس پی سجاد حسین کا پہلے یہ خیال تھا کہ ان لوگوں کو کسی محفوظ جگہ رکھیں اور راجہ ہدایت خاں کو اسپتال میں داخل کرا دیں تاکہ وہاں ان کا ذہنی علاج ہو سکے، لیکن اب صورت حال ذرا مختلف ہو گئی تھی۔ چنانچہ کچھ اور بندوبست کرنا تھا۔

اس سلسلے میں انہوں نے آخرکار ایک ایسا گھر تلاش کر لیا جہاں ان لوگوں کو رکھا جا سکتا تھا، وہ یہ بات جانتے تھے کہ جب عدلان سوناری کو ان لوگوں کے اپنی قید سے فرار ہو جانے کا علم ہوگا تو وہ خاموش نہیں بیٹھے گا کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔

جس گھر میں رانیہ اور شمشاد علی کو منتقل کیا گیا تھا وہ ایک بڑی پراسرار سی جگہ تھی۔ یہاں باقاعدہ پولیس گارڈ لگی ہوئی تھی۔ ایس ایس پی سجاد حسین نے گارڈز کو نئے مہمانوں کے بارے میں مکمل طور پر ہدایات دے دی تھیں، اسی عمارت میں ایک الگ گوشے میں راجہ ہدایت خاں کو رکھا گیا تھا۔ تنہائی میں راجہ ہدایت خاں نے کسی قدر بے چینی کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن پتہ نہیں کس خیال کے تحت وہ اپنی کیفیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

ایس ایس پی سجاد حسین کو موقع ملا تو وہ راجہ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ راجہ ہدایت خاں ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا تھا جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے، پولیس کی دو لیڈی سب انسپکٹر اور دو تین پولیس والے یہاں موجود تھے جنہیں ان لوگوں کی تمام ضروریات پوری کرنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔ تنہائی میں ایس ایس پی سجاد حسین نے راجہ ہدایت خاں سے کہا۔ ”راجہ صاحب، میرا نام سجاد حسین ہے، میری اس سلسلے میں مداخلت اس وقت شروع ہوئی جب عدلان سوناری نے رانیہ کے قتل کا ڈرامہ رچایا اور اس سلسلے میں اس کے شوہر کو پھنسا دیا اور اس بے چارے کو ایک لمبی سزا بھی کرا دی، لیکن اتفاق سے میں اس کیس کو ڈیل کر رہا تھا، مجھے اس بات پر شبہ ہوا کہ شمشاد علی نے رانیہ کو قتل کیا ہے اور بس پھر یوں سمجھئے کہ اس سلسلے میں نئی تحقیقات شروع ہو گئی۔“ ایس ایس پی سجاد حسین نے مختصر الفاظ میں حیات علی اور ثنا کے بارے میں بھی بتایا اور راجہ ہدایت خاں کی حویلی کی درسگاہ کے بارے میں بھی، اس دوران وہ راجہ ہدایت خاں کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ ”اور اس کے بعد تو بت یہاں تک پہنچ گئی اور رانیہ آپ کو لے کر میرے پاس آ گئیں، میں راجہ صاحب آپ کا تعاون چاہتا ہوں۔ میں نے کسی کے سامنے یہ بات نہیں کہی، لیکن آپ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے صحیح صورت حال سے آگاہ کریں۔ عدلان سوناری کے بارے میں بھی مجھے تفصیلات نہیں معلوم۔ وصیت نامے میں کیا ہے یہ بھی نہیں معلوم کیونکہ اتفاقیہ طور پر میں اس وصیت نامے کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ پولیس کی تحویل میں رہا اور اس کے بعد غائب ہو گیا۔ یہ میری بہت بڑی غلطی ہے کہ میں اس کی صحیح حفاظت نہیں کر سکا۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو مجھے معلومات فراہم کریں کیونکہ ایک بات میں جانتا ہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بالکل درست ہے، میں اس بات کو دل سے مانتا ہوں کہ آپ بہت برے حالات کا شکار رہے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہاں کسی پر اعتبار کرنے سے نقصان ہی ہوتا ہے۔ میں اور کسی سے نہیں لیکن اپنے ایک انسپکٹر حیات علی کی منگیتر سے مخلص ہوں جو تحقیقات کے لئے آپ کی حویلی میں گئی اور عدلان سوناری نے اسے غائب کر دیا۔ یہ ایک انتہائی سنگین بات ہے۔ حیات علی بے چارہ جن مشکلات سے گزر رہا ہے ان کا مجھے اندازہ ہے اور میں اپنے آپ کو اس کا ذمے دار سمجھتا ہوں۔ اگر آپ زبان کھول دیں تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ شاید ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ عدلان سوناری جو درحقیقت آپ کی شکل و صورت کا ایک آدمی ہے اور بہت عرصے سے آپ کا کردار ادا کر رہا ہے، لیکن اب وہ حویلی سے فرار ہو چکا ہے جس کی تفصیل میں آپ کو بتا چکا ہوں، اگر وہ ہمارے ہاتھ لگ جائے تو ثنا بھی شاید ہمیں مل جائے، یہ ایک اہم کام ہے، آپ ایک اچھی حیثیت کے مالک ہیں اور میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ اس سلسلے میں ہمیں کچھ بتانا پسند کریں گے۔“

”ہاں، کامریڈ اسٹالن کو اگر ختم کر دیا جائے تو آئزن ہاور اکیلا کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جاپان کی اس جنگ میں شمولیت سے پہلے کوئی کام ہو جائے۔ ادھر جنرل رومیل پریشانی کا شکار ہے، آپ اس کا جائزہ لے لیجئے۔“ راجہ ہدایت خاں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور ایس ایس پی سجاد حسین اس کے سامنے سے اٹھ گیا۔

”ٹھیک ہے راجہ صاحب، میں چاہوں تو آپ کا چیک اپ کرا کر آپ کی حقیقت کو سامنے لا سکتا ہوں، لیکن آپ آرام کریں، جو میں نے پیشکش کی ہے اس پر غور کریں اور اس کے بعد کسی بھی ملازم سے مجھے طلب کر لیں۔ اس سے پہلے میں آپ کے پاس نہیں آؤں گا، آپ یہاں آرام سے رہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ کا کیس کسی ڈاکٹر کے پاس جائے اور کوئی مشکل کہانی شروع ہو جائے۔ بہرحال اگر آپ مدد چاہتے ہیں تب بھی آپ کو پولیس ہی کا سہارا لینا پڑے گا، اگر کوئی آپ کا دوست ہے تو اس کے بارے میں بھی مجھے بتا دیجئے جو اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہو۔ او کے خدا حافظ۔“ سجاد حسین باہر نکل آئے۔

راجہ ہدایت خاں سے انہوں نے جس طرح کی گفتگو کی تھی اور جس طرح اپنے خلوص کا اظہار کیا تھا راجہ ہدایت خاں نے اس کی پذیرائی نہیں کی تھی بلکہ اپنا ڈرامہ جاری رکھا تھا۔ اب اتنی دیر باتیں کرنے کے بعد ایس ایس پی سجاد کو یقین ہو گیا تھا کہ راجہ ہدایت خاں صرف اداکاری کر رہا ہے۔ البتہ تھوڑی دیر کے بعد وہ رانیہ اور شمشاد علی کے پاس پہنچ گئے تھے۔

”تم لوگ جانتے ہو کہ تمہیں قید رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ میں اگر تمہیں حویلی واپس بھیج دوں تو تم یہ سمجھ لو کہ عدلان سوناری نے پتہ نہیں وہاں اپنے کتنے آدمی چھوڑ رکھے ہوں اور وہ تم لوگوں کے ساتھ کیا بدسلوکی کریں اس لئے میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو بلکہ خاص طور سے شمشاد علی کو پریشانی ہو رہی ہوگی۔ تم لوگوں نے جس جدوجہد کے ساتھ آزادی حاصل کی ہے جس کے بعد تمہاری خواہش یہی ہوگی کہ تم اپنے رشتے داروں کے پاس پہنچ جاؤ، میرا مطلب ہے خاص طور سے شمشاد علی اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے۔“

ان الفاظ پر شمشاد علی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، اس نے کہا۔

”حقیقت یہی ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے ملنا چاہتا ہوں، کاش مجھے ان کی خیریت مل جائے۔“

”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، میں خود ان سے مل کر تمہارے بارے میں انہیں تسلی دوں گا اور کہوں گا کہ وہ اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان رکھیں، ہم ایک تحقیق کے سلسلے میں اسے اپنے قبضے میں لئے ہوئے ہیں، مگر اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔ اصل میں شمشاد علی بات یہ ہے کہ عدلان سوناری کے بارے میں تمہیں اب علم ہو چکا ہوگا کہ وہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے، اگر وہ ایک عام مجرم ہوتا تو ہم کسی بھی طرح تمہیں کہیں بھی چھپا سکتے تھے، تمہارے والدین کو بھی تمہارے پاس لا سکتے تھے لیکن میں بس جانتا ہوں کہ اس کی پراسرار قوتیں اسے نجانے کہاں کہاں پہنچا سکتی ہیں، اس لئے تمہیں یہاں کچھ وقت گزارنا ہوگا۔“

”مجھے اعتراض نہیں ہے جناب، بس ذرا میرے ماں باپ۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں اس بارے میں رپورٹ دوں گا۔“

اور اسی شام سجاد حسین محفوظ علی کے گھر پہنچ گئے۔ محفوظ علی اور ان کے اہل خانہ کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ خراب تھی۔ محفوظ علی شدید بخار میں مبتلا تھے، کھانستے ہوئے باہر آئے تھے، ایس ایس پی سجاد حسین کو دیکھ کر ایک دم خوش ہو گئے۔

”خدا آپ کا بھلا کرے، آپ جیسے نیک افسر بہت کم دیکھے ہیں میں نے، ورنہ یہ غریب آدمی جس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس قابل نہیں ہے کہ آپ اس کے گھر آئیں، آ جائیے اندر۔“

”آپ تو سخت بیمار معلوم ہوتے ہیں محفوظ صاحب؟“

”ہاں بس ٹانگیں کمزور ہو گئی ہیں، اندر سے ٹوٹ گیا ہوں، بھائی کسی کی لاٹھی ٹوٹ جائے تو آپ خود سوچ لیں کہ اس کی کیا کیفیت ہوگی؟“

”مگر آپ کی لاٹھی ٹوٹی نہیں ہے محفوظ صاحب، آپ بات کو سمجھتے کیوں نہیں ہیں، ہمارا مقابلہ ایک شیطان سے ہے اور آپ نہیں جانتے کہ وہ شیطان کس قدر طاقتور ہے، کسی وجہ سے احتیاط رکھنا ہی پڑتی ہے۔“

”میں سمجھا نہیں جناب۔“

”دیکھئے، شمشاد علی بالکل محفوظ ہے، صرف اس کی زندگی کی خاطر اسے یہاں سے دور کر دیا گیا ہے۔ اس نے درخواست کی ہے کہ آپ کو اس کی خیریت کی اطلاع دے دی جائے۔“

محفوظ علی کی کیفیت سے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے انہیں دوبارہ زندگی کی جانب کھینچ لیا ہو۔ وہ بولا۔ ”اور اس بات پر مجھے یقین ہے کہ آپ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہیں۔“

”ہاں، میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہ لیجئے آپ رکھ لیجئے۔“ سجاد حسین صاحب نے جیب سے ایک موبائل فون نکال کر محفوظ علی کو دیا اور محفوظ علی اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

”میں شمشاد علی کی آپ سے گفتگو کرا دوں گا۔ آپ اسے سنبھال کر رکھئے اور میری گزارش ہے کہ جب آپ کی گفتگو اپنے بیٹے سے ہو جائے تو آپ اسے ضائع کر دیجئے۔ طریقہ کار میں بتائے دیتا ہوں۔“ کافی دیر تک سجاد حسین محفوظ علی کے پاس بیٹھے رہے تھے۔ چائے وغیرہ پی تھی اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل آئے تھے، ان کی نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں کہ کہیں کوئی ان کا تعاقب تو نہیں کر رہا لیکن ان بیچاروں کو صورت حال کا پتہ نہیں تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ اس وقت عدلان سوناری اپنی زندگی کے مشکل ترین حالات سے گزر رہا ہے۔

☆......☆......☆

فرزان نے ثنا کو ہوشیار کیا تھا اور حقیقت ہے کہ ثنا اگر اس وقت نکل نہ جاتی تو راجہ ہدایت خاں کے چنگل میں آ گئی ہوتی۔ عدلان سوناری ٹھاکر ارجن کی حویلی تک پہنچ گیا تھا اور ثنا نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔ پچھلے راستے سے نکل کر وہ اس رفتار سے دوڑی کہ اس نے خود بھی کبھی اس رفتار کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ کافی دور تک دوڑنے کے بعد وہ آبادی میں داخل ہو گئی۔ بہت سے لوگوں نے اسے دیکھا بھی ہوگا۔ ثنا نے اپنے آپ کو معتدل کیا اور وحشت بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ ایک عجیب سا خوف ایک عجیب سی دہشت اسے گھیرے ہوئے تھی۔ آہ کیا ہوگا، اب کیا ہوگا، وہ مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا۔ کیا کروں؟

اسی سوچ میں تھی کہ تھوڑے فاصلے پر اسے ریل کی پٹری نظر آئی، چند ہی لمحوں کے بعد اس سے ایک مال گاڑی گزر کر آگے بڑھ گئی اور ثنا کے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ اگر وہ ٹرین میں بیٹھ کر یہاں سے کہیں دور نکل جائے تو شاید سوناری اس تک نہ پہنچ سکے، لیکن ریلوے اسٹیشن نجانے کہاں ہے، ٹرین جس طرف سے آئی تھی وہ اسی جانب چل پڑی۔ بس تقدیر پر بھروسہ کیا تھا ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ریلوے اسٹیشن اس طرف ہو جدھر ٹرین جا رہی تھی۔

وہ آگے بڑھتی رہی اور بہت زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑا۔ کچھ فاصلے پر اسے ریلوے اسٹیشن نظر آ گیا تھا۔ اس کے اندر ایک ہمت پیدا ہوئی اور وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ بہت بار اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا کہ کہیں سوناری اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے، لیکن شاید سوناری کو اس کے فرار کا ابھی تک علم نہیں ہوا تھا یا ہو بھی گیا تھا تو ہو سکتا ہے وہ اسے حویلی ہی میں تلاش کر رہا ہو۔

بہرحال وہ ریلوے شیڈ تک پہنچ گئی، اتفاق سے ایک ٹرین آ کر اسی وقت لگی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آگے بڑھی۔ مسافر اتر اور چڑھ رہے تھے، ایک کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا تو وہ جلدی سے اس میں چڑھ گئی۔ ایک سہمے ہوئے کبوتر کی مانند۔ کمپارٹمنٹ بہت شاندار تھا اس کے دوسرے حصے میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں جبکہ یہ حصہ بالکل خالی تھا۔ کمپارٹمنٹ ایئرکنڈیشنڈ تھا، لیکن ثنا کو ان تمام باتوں کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک سیٹ پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ٹرین یہاں بہت کم وقت رکتی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد ثنا نے اسے رینگتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ اس کا ذہن بری طرح چکرایا ہوا تھا۔ ٹرین میں بیٹھ تو گئی تھی لیکن کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا۔ ٹرین کہاں جا رہی ہے، آگے کیا ہوگا۔ ان میں سے کوئی سوال اس کے دماغ میں نہیں تھا، وہ تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ سوناری کو اگر پتہ چل گیا کہ اب وہ کہاں ہے تو پھر اس کے بعد وہ کیا کرے گی۔ اس کا دل سینے میں پھڑ پھڑانے لگتا تھا۔ جب یہ تصور اس کے ذہن میں آتا تھا کہ سوناری دوبارہ اس پر قابو پا لے گا۔ وہ اب مر جانا پسند کرتی تھی، لیکن سوناری کے چنگل میں جانا اسے کسی قیمت پر گوارہ نہیں تھا۔ رہ گئی بات حیات علی کی تو وہ اب اس کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی تھی۔ حیات علی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکے گا، کرنے والے تو کر لیا کرتے ہیں، حالانکہ اس نے زندگی کی بازی لگا کر حیات علی سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن بیکار، بلکہ ایک طرح سے وہ یہ سوچ رہی تھی کہ حیات علی کو اطلاع دینے کا مطلب یہ ہے کہ آسانی سے دوبارہ سوناری کے چنگل میں پھنس جایا جائے، کون جانے سوناری نے حیات علی کے آس پاس ہی اسے تلاش کرنا شروع کر دیا ہو، وہ انہی سوچوں میں سر جھکائے بیٹھی تھی کہ اسے اچانک ہی ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ کسی عورت کی آواز تھی اور اس نے بے اختیار ترنم کہہ کر کسی کو پکارا تھا۔

اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو درمیانی عمر کی ایک موٹی اور بھدی سی عورت اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے حلق سے آواز نکلی اور اس کی آنکھیں چڑھ گئیں، وہ چکرا کر پچھلی سیٹ پر جا گری تھی۔

”ارے ارے دیکھو، زمانی بوا لڑھک گئیں۔“ دور سے ایک آواز ابھری اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے حصے سے کچھ لوگ دوڑے چلے آئے تھے، موٹی بھدی عورت سیٹ پر اوندھی پڑی ہوئی تھی، دو ملازم ٹائپ کے آدمیوں نے اسے بمشکل تمام سنبھال کر سیدھا کیا۔ ایک دبلے پتلے بدن کی خوبصورت سی لڑکی بھی آ گئی تھی۔ اس کی نگاہ ثنا پر پڑی۔ پہلی نگاہ میں اس نے سرسری انداز میں دیکھا لیکن دوبارہ چونک کر ثنا کو دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کی آواز ابھری۔

”ترنم۔“ لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی، موٹی عورت آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ دونوں ملازم قسم کے آدمی اس کے تھپڑ لگا رہے تھے۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

”کیا ہو گیا تم سب کو، کیا چکر ہے کوئی نیچے گر پڑا کیا؟“

”نہیں دادا ابو، ذرا آیئے، ذرا جلدی سے ادھر آیئے۔“ خوبصورت لڑکی نے کہا وہ ثنا کے پاس آ بیٹھی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورے جا رہی تھی۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد سفید بالوں والے ایک بزرگ قریب آ گئے۔

”کیا تماشا ہو رہا ہے۔ میں سمجھا کہ زمانی بوا ٹرین سے نیچے جا پڑیں، کیا ہوا ہے انہیں؟“

”دادا ابو ذرا ادھر دیکھئے پلیز ہری اپ جلدی۔“ خوبصورت لڑکی نے ثنا کی طرف اشارہ کر کے کہا اور بزرگ جو اچھی صحت کے مالک تھے۔ اپنی بڑی بڑی روشن آنکھوں سے ثنا کو دیکھنے لگے۔ ثنا خود گھبرائی ہوئی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔

بزرگ کے منہ سے ایک حیرت بھری آواز نکلی۔ ”اللہ کی پناہ، میں دیکھ رہا ہوں مہرین۔ مردے زندہ ہو کر نہیں آتے ہم سب یہ جانتے ہیں، لیکن سنا گیا ہے کہ سات ہمشکل اس کائنات میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ بیٹا آپ اکیلی ہیں؟“ اس بار یہ سوال انہوں نے ثنا سے کیا تھا۔ ادھر موٹی بھدی خاتون جنہیں زمانی بیگم کہا گیا تھا یا زمانی بوا ہوش میں آ گئی تھیں اور ہوش میں آتے ہی انہوں نے انگلی سے اس طرف اشارہ کیا جہاں ثنا بیٹھی ہوئی تھی، جن لوگوں نے اسے اٹھایا تھا ان میں سے ایک نے کہا۔ ”بھوت ہے، زمانی بوا بھوت ہے۔“

”ہائے میرے مولا۔“ زمانی بوا نے اٹھنے کی کوشش کی اور پھر بھد سے گر پڑیں۔

عمر رسیدہ بزرگ اس طرف متوجہ ہوئے اور برا سا منہ بنا کر بولے۔ ”ان خاتون کو ڈرامے کرنے کا خاص شوق ہے۔ یہ اگر باتھ روم کی طرف جا رہی ہیں تو انہیں پہنچا دیا جائے، ورنہ کیا فائدہ......“ انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور وہ لڑکی جسے مہرین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا ہنس پڑی۔ ”دادا ابو بس آپ بھی......“

”ارے بابا تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں، میں سمجھ گیا، ہوا کیا ہے، زمانی بوا نے اس بچی کو دیکھا اور وہ تو ہیں ہی آسمانی مخلوق، انہوں نے اسے ترنم کا بھوت سمجھ لیا۔ معاف کرنا بیٹے، ہماری ایک ڈرامہ کمپنی ہے اور یہ سب کے سب اداکار۔ ارے سن نہیں رہے ہو تم لوگ، زمانی بوا کو باتھ روم پہنچاؤ۔“ بزرگ نے ڈانٹ کر کہا اور دونوں ملازموں نے جلدی سے زمانی بوا کو اٹھایا اور انہیں تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمپارٹمنٹ کے دوسرے حصے میں لے گئے جہاں باتھ روم کا دروازہ تھا۔

زمانی بوا کو باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر دھکیل دیا گیا۔ ادھر بزرگ ثنا سے کہہ رہے تھے۔

”بیٹا محسوس مت کرنا، تم ایک ایسی مرحوم بچی کی ہمشکل ہو جو ہمارے خاندان کی ایک فرد تھی، ایک حادثے میں اس کا انتقال ہو گیا، تم ہو بہو اس کی شکل ہو۔ یہ زمانی بوا جو ہمارے ساتھ رہتی ہیں بڑی بے وقوف قسم کی خاتون ہیں۔ ترنم کی ہمشکل کو دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گئیں۔ تم سمجھ لو وہ تمہیں کیا سمجھی ہوں گی، بیٹا ایک بات بتاؤ اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہو یہاں پر، کوئی ساتھ نہیں ہے کیا؟“

ثنا نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

”اچھا اچھا کوئی بات نہیں، آ جاؤ۔ یہ میری پوتی مہرین ہے، میرا نام یوسف علی خاں ہے۔ ہم لوگ ایک شادی میں شرکت کر کے واپس اپنے گھر جا رہے تھے۔ ہم صولت پور میں رہتے ہیں۔ آؤ بیٹا آ جاؤ، ویسے تم ترنم کی اتنی ہمشکل ہو کہ کوئی بھی تمہیں دیکھ کر بری طرح دھوکا کھا سکتا ہے۔ آ جاؤ بیٹے آ جاؤ، مہرین انہیں لے کر آؤ۔“

”آیئے، کیا نام ہے آپ کا؟“ خوبصورت لڑکی نے جو انتہائی نفیس شخصیت کی مالک تھی پیار بھرے لہجے میں کہا اور ثنا کو بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

ثنا کمپارٹمنٹ کے دوسرے حصے سے آنے والی آوازوں کو تو سن چکی تھی، لیکن خود ہوش و حواس میں نہیں تھی، البتہ اب اسے تھوڑا سا بہتر احساس ہو رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ دوسرے حصے کو بہت خوبصورت بنایا گیا تھا۔ خاصے دولت مند لوگ معلوم ہوتے تھے۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ ثنا کو بیٹھنے کی پیشکش کی گئی اور وہ بیٹھ گئی۔

”بھئی مہرین سب سے پہلے جو مسلمانوں کا وتیرہ ہے وہ اختیار کرو، یعنی ہماری بچی کو کچھ کھلا پلاؤ، بیٹا کیا نام بتایا آپ نے؟“

”جی میرا نام ثنا ہے، ثنا حیدر۔“

”بہت پیارا نام ہے، بیٹا اکیلی کہاں جا رہی ہو اور اس طرح اس کمپارٹمنٹ میں سمٹ کر کیوں بیٹھ گئی تھیں۔“

”وہ بس میں تنہا ہوں، کچھ مشکلوں کا شکار ہوں، معافی چاہتی ہوں کہ بے اختیار میں اس کمپارٹمنٹ میں چڑھ گئی۔ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟“ ثنا کی آواز یہ کہتے ہوئے بھرا سی گئی۔

یوسف علی خاں نے اسے چونک کر دیکھا۔ دل میں ہمدردی کی لہر اٹھی۔ قریب آ کر بیٹھ گئے اور ثنا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

”بیٹا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف اسی لئے بنایا ہے کہ اس کے سینے میں انسانیت کے جذبے پلتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ دیکھو تمہارے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا ہے ہم میں سے کوئی تم سے اس کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، تمہیں جس طرح کی مدد کی ضرورت ہو مجھے بتاؤ۔ مالی مدد درکار ہو، کہیں جانا ہو، کوئی پناہ گاہ درکار ہو بیٹا تم ہمیں فرشتہ مت سمجھو، انسان ہی ہیں۔ فرشتے تو بہت بلند ہوتے ہیں، اتنے بلند کہ آسمانوں پر رہتے ہیں۔ ہم زمین کے حقیر کیڑوں پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو ضرورت مند دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرو۔ تم بالکل بے فکر رہو، قانونی اخلاقی ہر طرح کی مدد کی جائے گی تمہاری۔“ بزرگ کے الفاظ میں بڑی محبت تھی۔ ثنا کے بولنے سے پہلے وہ خود ہی بول پڑے۔ ”میں کچھ لمبی بات کر گیا ہوں، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہمیں اپنا سمجھ لو، بھئی مہرین، کیا بات ہے، ہماری بچی کو کچھ کھلاؤ پلاؤ، خاصی الجھی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔“

”جی ذرا زمانی بوا واپس آ جائیں، میں بندوبست کرتی ہوں۔“

ثنا نے ممنون نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے ذہن میں کچھ شگفتگی سی آ گئی تھی، بڑے اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں، بزرگ کے انداز میں پیار، لڑکی کی آنکھوں میں محبت اور باقی لوگ بھی ٹھیک ٹھاک ہی تھے۔ بزرگ نے جس طرح اسے مدد کی پیشکش کی تھی اس سے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ کم از کم ایک عارضی ٹھکانہ تو مل ہی جائے گا، یہ خوش قسمتی تھی کہ اس سے پہلے ٹھاکر ارجن سنگھ نے اس کی بھرپور مدد کی تھی اور اب جبکہ وہ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے گی، کیا کرے گی۔ ایک اور مددگار مل گیا تھا۔

اب حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اس کے اندر پیدا ہوتی جا رہی تھی، زمانی بوا واپس آ گئیں، لیکن اندر آتے ہی پھر ٹھٹکی تھیں اور اسی وقت یوسف علی خاں نے انہیں ڈانٹا تھا۔

صفحہ نمبر:......2

"زمانی بوا، اللہ تعالیٰ آپ کو عقل دے، یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے آپ نے، یہ بی بی ترنم کی ہمشکل ضرور ہے، ترنم نہیں ہے۔ مرحومہ کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا ہے، آپ اس کا مذاق اڑانا چاہتی ہیں؟"

"نن...... نہیں بڑے ابا، نہیں معافی چاہتی ہوں۔"

"جائیے، کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیجئے، کافی تیار کریں اور کچھ اور چیزیں۔"

"ابھی بڑے ابا۔" زمانی بوا نے کہا۔

"آپ لوگ میرے لئے تکلف......" ثنا نے کہنا چاہا لیکن مہرین نے زبان بند کردی۔ "بس بس ثنا صاحبہ، ہمارے ہاں تکلف نام کی کسی چیز کا گزر نہیں ہے، آرام سے بیٹھئے بالکل آرام سے پتہ نہیں ہے کہ آپ ہمارے لئے کتنی قیمتی ہیں اور خاص طور سے میرے لئے، بتا دوں گی آپ کو خواہ مخواہ ایک غمناک فضا نہیں پیدا کرنا چاہتی، سمجھ رہی ہیں نا آپ۔"

ثنا نے گردن ہلا دی تھی۔ اسے اپنی خوش نصیبی پر کوئی شک نہیں تھا، حالات بڑے سنگین نوعیت کے تھے، اس طرح کے واقعات میں کبھی کبھی لڑکیاں نجانے کیسے کیسے حالات کا شکار ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات تو ان کی زندگی ہی برباد ہو جاتی ہے وہ نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں لیکن پہلے ٹھاکر ارجن اور اس کے بعد یہ یوسف علی خاں صاحب جن کے انداز سے یہ احساس ہوتا تھا کہ صاحب دل ہیں اور انسانیت کے پرستار بھی۔

زمانی بوا نے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں سامنے لاکر رکھ دیں تو ثنا نے کہا۔ "نہیں، میں بھوکی تو نہیں ہوں۔"

"جناب عالی، ہمیں اندازہ ہے کہ آپ بھوکی نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ہماری دلجوئی کے لئے کچھ لیجئے، چلئے ہم بھی آپ کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔" مہرین ثنا سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی اور تھوڑی ہی دیر میں ثنا کو یوں لگا جیسے وہ اپنوں کے درمیان ہو۔

مہرین نے دوران گفتگو یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ ثنا کا کہیں خاص جگہ جانے کا منصوبہ تو نہیں ہے اور ثنا نے اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ مشکل حالات کا شکار ہے، کچھ برے لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جو اسے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

"وہ جو کوئی بھی ہیں میں یہی دعا کروں گی کہ خدا انہیں غارت کرے، لیکن تم بے فکر رہو، اب تمہیں ہمارے ساتھ صولت پور چلنا ہے اور جب تک تمہارے لئے حالات بہتر رخ اختیار نہ کر جائیں ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے، کیا سمجھیں؟"

ثنا نے گردن ہلا دی تھی۔

☆......☆......☆

پولیس والوں کی زندگی بڑی عملی ہوتی ہے، لیکن عشق نے حضرت قیس کو جنگلوں میں لا ڈالا تھا۔ ثنا بے شک حیات علی کی منگیتر تھی، لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ ثنا اپنے خاندان سے بچھڑی ہوئی لڑکی ہے، خاندان والے اس کی زیادہ پروا نہیں کرتے، وہ صرف حیات علی پر ہی بھروسہ کرتی تھی اور اسی بھروسے نے اسے دربدر کردیا تھا۔ اس احساس نے حیات علی کی عقل کی آنکھیں بند کردی تھیں، وہ جانتا تھا کہ بدبو کے اس شہر میں کالی غلاظت ہی پھیلی ہوئی ہے، لیکن ثنا کے پیار نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا، وہ اس جگہ پہنچ چکا تھا جہاں اسے جانا کا شنا تھا۔

کھوراج نے جو کچھ اسے سکھایا تھا وہ اسے اچھی طرح یاد تھا، چنانچہ جب سورج چھپا تو وہ اس درخت کے نیچے جا بیٹھا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ الفاظ جو اسے یاد کرائے گئے ہیں تیز رفتاری سے پڑھے جائیں تو زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں یہ کام ہو جائے گا، لیکن کھوراج نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک چاند نہ نکلے وہ وہاں سے نہ اٹھے۔ اس لئے جو کچھ بھی کرنا تھا آہستہ آہستہ کرنا تھا۔

ہر طرف اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور جب مکمل تاریکی پھیل گئی جس کی ہدایت کھوراج نے کی تھی تو حیات علی نے اس جاپ کو پہلی بار دہرایا۔ وہ آنکھیں کھولے بیٹھا تھا۔ وہ الفاظ اس کے ذہن میں چسپاں تھے اور آہستہ آہستہ منہ سے ادا ہو رہے تھے۔ ان الفاظ کا مفہوم اسے معلوم نہیں تھا، لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اندر گرمی سی پیدا ہونے لگی ہے، اس کا دل سینے میں پھڑپھڑا رہا ہے۔ نجانے اس کا ضمیر اس سے کیا کہہ رہا تھا لیکن اس وقت اس نے اپنی ہر کیفیت کو نظر انداز کردیا تھا۔

سات مرتبہ جب یہ الفاظ منہ سے نکل گئے تو اس کے بعد اندر کی آوازیں بند ہوگئیں اور وہ ان الفاظ کو زیادہ اہتمام سے پڑھنے لگا۔ اس کی نگاہیں سامنے جمی ہوئی تھیں اور آہستہ آہستہ۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تاریکیاں جنہوں نے آنکھوں کو تقریباً بالکل بے نور کردیا تھا، آہستہ آہستہ روشن ہوتی جارہی ہوں۔ ایک سرخی سی چاروں طرف پھیل گئی تھی اور آہستہ آہستہ چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔ یہ احساس اس کے اندر ضرور پیدا ہوا تھا کہ اس گھور تاریکی میں دیکھنا ناممکن تھا، لیکن اب مدھم مدھم سرخ ہلکی نارنجی روشنی میں مناظر واضح ہوتے جارہے تھے۔

اس کی نگاہ سامنے والے درخت پر پڑی جو کافی دور تھا، لیکن آہستہ آہستہ وہ واضح ہوتا جارہا تھا۔ درخت پر اسے چڑیا کا ایک گھونسلا نظر آیا اور پھر ایک بہت ہی خوبصورت چڑیا نظر آئی جو اپنے گھونسلے میں بیٹھی ہوئی ادھر دیکھ رہی تھی، وہ ان پرندوں کے بارے میں سوچنے لگا، کیا آزاد زندگی گزارتے ہیں، فضاؤں میں بسیرا کرتے ہیں جب دل چاہا اپنی جگہ سے پرواز کی اور جہاں چاہا پہنچ گئے، لیکن انسانی زندگی پر کتنے بوجھ ہیں، اسے اپنی کوششوں، اپنی کاوشوں سے گھر بنانے پڑتے ہیں اور اس کے بعد زندگی کے نجانے کیسے کیسے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بڑا فرق ہے ان پرندوں اور انسانوں کی زندگی میں۔

پھر اس نے سوچا کہ پرندوں کی زندگی تو بہت مختلف ہوتی ہے، تیز ہوا چلتی ہے تو ان کے گھونسلے اڑ جاتے ہیں اور وہ درختوں سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں، اس کے علاوہ ہر چھوٹے پرندے کو بڑا پرندہ شکار کرلیتا ہے۔ اپنی ان سوچوں کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کرکے اس نے ان الفاظ کے بارے میں سوچا، ان سوچوں نے اس سے کہیں وہ الفاظ تو نہیں چھین لئے لیکن زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا تھا، وہ وہی تھا جو کھوراج نے بتایا تھا۔

انہی خیالات میں وقت گزرتا رہا اور پھر جب چاند نے آسمان پر سر ابھارا تو وہ ایک دم چونک پڑا۔ اس سے یہی کہا گیا تھا کہ یہ جاپ اس وقت تک کرے جب تک چاند نکل نہ آئے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اس طرف چل پڑا جہاں اسے رہائش کے لئے جگہ بتائی گئی تھی۔ وہ ابھی رہائش گاہ کی سیڑھیاں طے کر ہی رہا تھا کہ اچانک ہی کہیں سے ایک نسوانی چیخ اس کے کانوں میں ابھری۔ کوئی عورت دلدوز انداز میں چیخ رہی تھی، اس کے دل میں ایک دم تجسس بیدار ہوگیا لیکن پھر کھوراج کے الفاظ کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں جو کچھ بھی ہو اس کی طرف سے آنکھیں اور کان بند رکھے جائیں۔ ایک بار دل نے اندر سے بغاوت کی کہ کم از کم دیکھے تو سہی کہ کون مصیبت میں ہے لیکن دو وہی باتیں تھیں۔ وہ اپنے دل کی بات مان لیتا یا کھوراج کی۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے اپنی رہائش گاہ کی جانب رخ کیا اور مٹھ میں داخل ہوگیا۔

عورت کے چیخنے کی آواز دوبارہ نہیں آئی تھی، پتہ نہیں کون عورت تھی اور اس پر کیا بیت رہی تھی، اپنی رہائش گاہ میں بستر پر لیٹ کر وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت ہی بدترین جرم کیا، جرم کا یہ احساس اس کے اعصاب میں سنسناہٹ پیدا کر رہا تھا، لیکن وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں میں اور کچھ ہے بھی تو نہیں میرے سامنے۔ برائی کو برائی سے ختم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ شخص جس کا نام عدلان سوناری ہے اور جس کے بارے میں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ گندے علوم کا ماہر ہے اس تک پہنچنے کے لئے اسے ان لوگوں کی مدد حاصل کرنا ہی ہوگی جنہوں نے اسے یہ ساری باتیں بتائی ہیں۔

بہرحال دوسرے دن جب سورج نکلا اور وہ اپنے معمولات سے فارغ ہوگیا تو اس نے کھوراج کو تلاش کیا۔ ابھی یہاں اس پر کوئی پابندی نہیں تھی اور اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ جہاں چاہے آجا سکتا ہے۔ بہرحال دیر تک وہ اس کشمکش کا شکار رہا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ پھر اس نے سوچا کہ جب ایک دن کے لئے اس برائی کو اپنا ہی لیا ہے تو اب اسے جاری رکھنا چاہئے اور کم از کم ایک کام مکمل کرلیا جائے تو اچھا ہے، ہوسکتا ہے اسے عدلان سوناری کو گرفتار کرنے یا ختم کرنے کی طاقت مل جائے۔ اس کے بعد وہ ہر طرح کی برائیوں کو ترک کردے گا اور اللہ سے معافی مانگ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا۔

کھوراج کی تلاش میں وہ ادھر ادھر بھٹکتا رہا اور آخر کار مٹھ کے پچھلے حصے میں پیپل کے ایک بڑے درخت کے نیچے بنے ہوئے چبوترے پر اس نے دیکھا کہ کھوراج ایک مرگ چھالہ پر بیٹھا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس کے سامنے موجود ہیں۔ وہ عقیدت سے کھوراج کی بتائی ہوئی باتیں سن رہے ہیں، حیات علی کے دل میں تجسس پیدا ہوا اور وہ بچتا بچاتا اس درخت کے پیچھے پہنچ گیا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ کھوراج ان لوگوں کو کچھ بتا اور سمجھا رہا تھا، یہ لوگ اس کے عقیدت مند تھے اور اس کے لئے خاصی اشیاء لے کر آئے تھے جو انہوں نے اس کے سامنے ڈھیر کردی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ وہاں سے اٹھے اور چل پڑے۔

تبھی کھوراج کی آواز ابھری۔ "بری بات ہے بالک، چھپ کر کسی کی بات نہیں سنتے، چھپ کر باتیں سننے والے مخلص نہیں ہوتے، تجھے آگے بھی اس کا بات خیال رکھنا ہوگا، چل سامنے آجا۔"

حیات علی کو ایک دم شرمندگی کا سا احساس ہوا، اپنی دانست میں تو وہ بڑا چھپ چھپا کر یہاں تک آیا تھا لیکن بہرحال کھوراج کالے علوم کا ماہر تھا، وہ سامنے آگیا اور بولا۔ "نہیں اصل میں، میں چھپ کر نہیں آیا تھا بلکہ آپ کے چیلے بیٹھے ہوئے تھے اس لئے میں نے سوچا کہ کہیں......"

"چل چھوڑ، یہ چیزیں اٹھا، پھل وغیرہ الگ کرلے، انہیں ایک جگہ کرکے میرے حوالے کردے۔ وہ میرے چیلے نہیں تھے، میں نے کوئی چیلا بھی نہیں بنایا، بہت سے لوگوں نے یہ کوشش کی ہے لیکن تو جانتا ہے کہ گیان ہر ایک کے بھاگ میں نہیں ہوتا، بھوگ ناتھ مہاراج تجھے گیان دے کر تجھ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

حیات علی اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگا، پھل وغیرہ سمیٹ کر اس نے ایک جگہ رکھے تو کھوراج پھر بولا۔ "لے اب اس میں سے جو کچھ بھی تیری پسند ہو اٹھالے لیکن اپنی رہائش گاہ میں جاکر ہی ان کو کھانا پینا، یہ لوگ روزانہ نہیں آتے، تین دن کے بعد آتے ہیں، آج سے تیسرے دن تو پھر اسی جگہ آجانا۔"

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کھوراج مہاراج۔"

"ہاں پوچھ۔"

"رات کو جب میں جاپ کرکے واپس لوٹا تھا تو مجھے کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔"

کھوراج نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے، پھر؟"

"کون تھی وہ، یہاں تو دور دور تک تو کوئی آبادی بھی نہیں ہے۔"

کھوراج گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "دیکھ...... تو ابھی ان ساری باتوں میں نہ پڑ، میں نے تجھے بتایا تھا کہ یہاں ہونے والی باتوں پر دھیان مت دینا۔ بہت کچھ ایسا ہوگا جو تیری سمجھ میں نہیں آئے گا لیکن جب تک تجھے وہ باتیں بتانے کا سمے نہیں آئے گا تجھے کچھ نہیں معلوم ہوگا۔ ان چیزوں کو من سے نکال دے اور صرف وہ کر جو تجھ سے کہا جائے، جیسے جیسے سمے بیتتا جائے گا بہت سی باتیں خود بخود تیرے علم میں آتی چلی جائیں گی۔ جا چل یہاں سے اور اپنا کام جاری رکھ۔"

حیات علی واپس آگیا، لیکن بہت سے احساسات اس کے ذہن میں تھے، بس اپنے آپ کو بہلائے رکھے تو ٹھیک تھا، ورنہ دل اندر سے یہ کہتا تھا کہ حیات علی کس جال میں پھنس گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ نہ خدا ہی ملے نہ وصال صنم۔

دوسری رات گئی، پھر تیسری رات ایک اور واقعہ پیش آیا۔ رات کی تاریکیاں روشن ہو جایا کرتی تھیں اور مدھم سرخ روشنی میں اسے مناظر نظر آتے تھے۔ سامنے والے درخت پر جو رنگین چڑیاں رہتی تھیں، دن کی روشنی میں بھی حیات علی نے انہیں دیکھا تھا اور نجانے کیوں اسے ایک پراسرار سا احساس ہوا تھا، یہ عام چڑیاں نہیں تھیں بلکہ یوں لگتا تھا جیسے پراسرار آتمائیں ہوں جو ایک روپ دھارن کرکے یہاں رہتی ہوں اور قرب و جوار کے ماحول کی نگرانی کرتی ہوں۔

اس وقت جب وہ رات کو جاپ کر رہا تھا اس کی تیز روشنی میں دیکھنے والی آنکھیں اسی درخت پر جمی ہوئی تھیں کہ درخت کی اوپری شاخ سے اسے ایک سانپ نیچے اترتا نظر آیا۔ انتہائی خوفناک کالا سانپ تھا۔ حیات علی کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا۔ نجانے کیوں اسے یوں لگا جیسے یہ سانپ اتر کر اسی کے پاس آئے گا اور اسے گھیر لے گا۔ سانپ کی باریک چمکدار نگاہیں اسی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ حالانکہ فاصلہ اچھا خاصا تھا لیکن حیات علی کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے سانپ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی ہوں۔ پھر اسے ایک دم کھوراج کی بات یاد آئی کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے اسے خوف محسوس ہو تو وہ اپنی جگہ نہ چھوڑے۔

حیات علی کی جانب دیکھنے والا یہ سانپ آہستہ آہستہ نیچے اترا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ گھونسلے کے قریب رک گیا، جس میں چڑیاں رہتی تھیں، پھر اس نے سانپ کو اپنا پھن گھونسلے میں داخل کرتے ہوئے دیکھا اور کچھ لمحوں کے بعد جو منظر حیات علی کی نگاہوں کے سامنے آیا اس نے اس کا دل تڑپا دیا۔ ایک حسین اور رنگین چڑیا سانپ کے منہ میں دبی ہوئی پھڑپھڑا رہی تھی اور سانپ اسے منہ میں دبائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ چڑیا پھڑپھڑاتی رہی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔

حیات علی کا دل سینے سے نکلا پڑ رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہو رہی تھی کہ کس طرح اس سانپ کو ہلاک کرکے اس چڑیا کو آزاد کرا دے، لیکن یہ اتنا آسان کام نہیں تھا اور پھر کھوراج کے الفاظ اس کے ذہن میں تھے، دیکھتے ہی دیکھتے سانپ چڑیا کو چٹ کر گیا۔ پھر اس نے دوبارہ پھن اندر ڈالا اور دوسری چڑیا نکال لی۔ اسے بھی ہلاک کرنے کے بعد سانپ نے اپنی منزل کی جانب رخ کیا اور درختوں کی شاخوں میں گم ہوگیا۔

حسین چڑیاں جو حیات علی کو بہت پراسرار لگ رہی تھیں، اب اس جہان سے رخصت ہوگئی تھیں اور حیات علی کے دل کو ایک دکھ کا سا احساس تھا، ایک چھوٹا سا تعلق پیدا ہوگیا تھا پچھلے دنوں میں ان چڑیوں سے، وہ جیسی بھی تھیں اور جو کچھ بھی تھیں لیکن تھیں بہت خوبصورت اور کس سکون سے زندگی گزار رہی تھیں، لیکن اب ان کا وجود مٹ گیا تھا اور ایک دشمن انہیں کھا گیا تھا۔

سانپ دوبارہ نظر نہیں آیا۔ بمشکل تمام حیات علی نے اپنے دل و دماغ کو قابو میں کیا اور اپنا وہ جاپ پورا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چاند نے سر ابھارا اور اس نے جاپ ختم کرکے اپنی جگہ کی راہ لی لیکن اس دن کے بعد سے دوبارہ اسے کوئی چیخ نہیں سنائی دی تھی۔

چوتھا اور پانچواں دن بھی گزر گیا۔ اس دوران حالات عجیب و غریب رخ اختیار کرتے رہے تھے، سانپ کے لئے بھی اس نے ایک عمل کیا تھا یعنی ایک ڈنڈا اپنے ساتھ لے لیا تھا کہ اگر کبھی سانپ اتر کر اس کی طرف آئے تو کم از کم اس سے نمٹا جاسکے۔

موسم بہت خوشگوار تھا، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ نہ ہو کہ ان بادلوں کی وجہ سے چاند ہی نظر نہ آئے، اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر چاند نظر نہیں آیا تو کیا کیا جاسکتا تھا، لیکن پھر آہستہ آہستہ جوں جوں رات گزرتی گئی بادل چھٹتے چلے گئے اور چاند پوری آب و تاب کے ساتھ نکل آیا۔ فضا میں چاروں طرف روشنی پھیل گئی تھی۔ پانچواں دن تھا اور وہ اس بات کی توقع رکھتا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا اور ہوا، کہیں سے ایک بلی اس کے سامنے "میاؤں میاؤں" کرتی ہوئی آگئی اور چند لمحوں کے بعد اس کی جانب رخ کرکے بیٹھ گئی۔

حیات علی اس بلی کو دیکھنے لگا تھا، اسے صاف یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بلی کی آنکھوں میں کوئی خیال کوئی سوال ہو، وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ دو تین بار اس نے منہ سے "میاؤں میاؤں" کی آوازیں نکالیں، بہت ہی خوبصورت بلی تھی۔ حیات علی اسے دیکھتا رہا لیکن پھر اچانک ہی ایک خوفناک واقعہ ہوا۔

سامنے والے درخت سے جس پر ان خوبصورت چڑیوں کا گھونسلا تھا جو سانپ کے ذریعے موت کا شکار ہو چکی تھیں اور جسے دیکھ کر حیات علی کو دکھ ہوا تھا، اچانک ہی ایک قدآور بلے نے چھلانگ لگائی۔ کالے رنگ کا یہ بلا بڑی لمبی چھلانگ لگا کر بلی پر آکودا تھا۔ بلی اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی اور بلا غراتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا۔

حیات علی نے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا کہ وہ بلا عام جسامت سے کہیں زیادہ تھا اور بہت ہی تندرست معلوم ہوتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بلی پر جھپٹا مارا اور اس کی گردن اپنے دانتوں میں دبوچ لی۔ حیات علی کے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہوگئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی انگلیوں میں تشنج سا نمودار ہوا، اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے اور اس خوبصورت بلی کو بچائے جو اب بلے کے جبڑوں میں دبی ہوئی تڑپ رہی تھی۔ بلا اسے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بلی خون میں نہا گئی۔ بلے نے اس کی ٹانگیں چبا ڈالیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کے پورے بدن کو چٹ کر گیا۔ اب زمین پر خون کے چھینٹوں اور بلی کی کھال کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا جبکہ کالے بلے کا منہ خون سے رنگین ہوگیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی جسامت بھی کافی بڑھ گئی تھی۔ بلی کو ہضم کرنے کے بعد وہ لمبی زبان نکال کر اپنے منہ پر لگا خون چاٹنے لگا تبھی اس کی گول گول خوفناک آنکھیں حیات علی کی جانب اٹھیں اور وہ اس طرح ٹھٹھک کر رک گیا جیسے پہلی بار اس نے حیات علی کو دیکھا ہو۔

نجانے کیوں حیات علی کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں، بلے کی آنکھوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے شکار کو تاک رہا ہو، پھر اس نے دونوں پاؤں پیچھے دبائے اور اس طرح ہوگیا جیسے حیات علی پر چھلانگ لگانا چاہتا ہو۔ حیات علی کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس نے سوچا کہ یہ کیا مصیبت آئی۔

وہ آہستہ آہستہ دبے قدموں سے اس کی جانب بڑھنے لگا اور حیات علی کے اعصاب کشیدہ ہوتے چلے گئے۔ اس کے دل میں اپنے تحفظ کا خیال بیدار ہوگیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بلے نے چھلانگ لگائی تو اسے کیا کرنا ہوگا، بلا کئی قدم آگے بڑھا اور اس طرح حیات علی کو تکتا رہا جیسے موقع ملتے ہی اسے بلی ہی کے انداز میں چبا ڈالے گا۔

بلا دو تین منٹ تک وہاں کھڑا رہا اور پھر اچانک ہی عقب سے چاند نمودار ہوگیا۔ حیات علی کو ایک دم اس کا احساس ہوا تھا، چنانچہ وہ سنبھل گیا اور اس کے بعد اس نے بلے کی جانب چھلانگ لگا دی۔ بلے نے اسے جھکائی دی اور بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا۔ حیات علی کی کیفیت اب بالکل بدل گئی تھی، پہلے وہ شدید خوف کا شکار تھا لیکن جیسے ہی چاند نکلا نجانے کیوں اس کے دل سے خوف نکل گیا۔ بلے پر اس کا غصہ انتہائی شدید تھا۔ وہ درخت کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس کی نگاہیں بلے کو تلاش کرتی رہیں۔ وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اگر بلا اوپر سے چھلانگ لگائے تو وہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالے۔

پھر اسے ایک دم احساس ہوا کہ یہ درخت ہے ہی نحوست کی جڑ اس کمبخت پر ساری خونخوار بلائیں رہتی ہیں، سانپ بھی اسی درخت پر اترا تھا اور بلے نے بھی بلی پر ایسی ہی چھلانگ لگائی تھی، بلا اب کہیں نظر نہیں آرہا تھا اور حیات علی کو یوں لگ رہا تھا جیسے بلا درختوں کی ان شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا ہو۔ کافی دیر وہ درخت کے نیچے کھڑا رہا لیکن بلا نظر نہیں آیا، ایک لمحے کے لئے حیات علی کا دل چاہا کہ درخت پر چڑھ کر اسے تلاش کرے، لیکن پھر اپنی دلیری کو اس نے اپنے سینے میں دبا لیا۔

درخت مصیبتوں کی جڑ تھا، کیا فائدہ کسی مصیبت میں پھنس جائے، وہاں سانپ بھی ہے اور بلا بھی۔ اس کے علاوہ نجانے کیا کیا الا بلا اس درخت پر ہو، کیونکہ وہ درخت کالے جادو کا مرکز ہے۔ تب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا، اس نے سوچا کہ جب وہ دوبارہ نظر آیا تو دیکھ لے گا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا، اچانک ہی اسے اپنے عقب میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں اور اس نے فوری طور پر پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسے یوں لگا جیسے اس پر برف کی سل آپڑی ہو۔ سارے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے، اس نے دیکھا کہ بلا آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلا آرہا ہے اور اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔

حیات علی کے حلق سے ایک دھاڑ سی نکلی اور وہ عجیب اعصابی کشمکش کی کیفیت میں بلے کی جانب دوڑ پڑا، لیکن وہ اس کے پلٹتے ہی پھر بھاگ گیا تھا۔

حیات علی نے کچھ دور تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ کمبخت بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا تھا، حیات علی ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے کہ اچانک ہی تیز ہوا چلنے لگی۔

ہوا ایک دم تیز ہوگئی تھی اور درخت کے پتے آپس میں بج کر ایک عجیب سی ہولناک آواز پیدا کر رہے تھے، اس نے گردن جھٹکی اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس پلٹ پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ اپنی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گیا تھا لیکن آج پھر اس کا دل لرز گیا۔ وہ نسوانی چیخیں آہستہ آہستہ ابھر رہی تھیں، ایک نسوانی آواز تھی جو کہہ رہی تھی۔

"نہیں تمہیں بھگوان کا واسطہ نہیں، مجھے مت مارو، دیکھو مجھے مت مارو۔" پھر یوں لگا جیسے کسی نے اس کا منہ بند کردیا ہو۔

یہ آوازیں بڑی دردناک تھیں۔ کوئی کسی کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ حیات علی نے بمشکل تمام اپنے آپ کو روکا تھا لیکن نجانے کیوں یہ نسوانی آواز اسے ایک بے کلی کا شکار کر رہی تھی۔

اچانک ہی اسے ثنا کا خیال آیا اور ایک دم اس کے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ کیا ثنا بھی ایسی ہی کسی کیفیت کا شکار ہوگی۔ آہ کیا یہ آواز ثنا کی تھی۔ اس بات نے اس کے ذہن میں آگ سی بھر دی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوانہ وار ادھر سے ادھر دوڑنے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور ایسی ہی جگہ بنی ہوئی تھی جسے مکان کہا جاسکتا تھا۔ یہ مکان پہلے بھی وہ دیکھ چکا تھا اور اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ کھوراج اسی مکان میں رہتا ہے۔

وہ بے اختیار دوڑتا ہوا اس مکان تک پہنچ گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے دروازے پر ایک زوردار لات ماری اور دروازہ ایک تیز دھڑدھڑاہٹ سے کھل گیا۔ اس نے سامنے کی طرف دیکھا، کھوراج ایک مرگ چھالہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اور کوئی نہیں تھا لیکن کھوراج کی پشت پر ایک دروازہ نظر آرہا تھا اور ایک اور چیز جو اسے نظر آئی وہ ایک رنگین دوپٹہ تھا جو کھوراج سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اندر تیز روشنی ہو رہی تھی۔

دفعتاً ہی اندر سے دروازہ پیٹنے کی آوازیں ابھریں اور وہی دردناک آواز سنائی دی۔ "کھول دو، بھگوان کے لئے دروازہ کھول دو۔"

کھوراج ایک دم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے پیچھے کی آواز پر تو توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ اس کی خونخوار نگاہیں حیات علی پر جمی ہوئی تھیں۔ "تو یہاں کیوں آگیا؟"

"اندر کون ہے؟"

"میں پوچھتا ہوں تو یہاں کیوں آگیا؟" کھوراج غرایا۔

"اور میں پوچھتا ہوں اندر کون ہے؟" وہ دروازے کی جانب بڑھا تو کھوراج نے دونوں ہاتھوں سے اس کا راستہ روک لیا اور بولا۔ "دیکھ اپنی موت کو آواز مت دے، یہ کالا جال ہے، تو ان چکروں میں مت پڑ۔"

"کھوراج اندر کوئی لڑکی بند ہے۔"

"اندر بہت سی بلائیں بند ہیں تو اس کی چنتا مت کر، اور تو نے جو کچھ کیا ہے نا اس کی سزا بھگتنی ہوگی تجھے، بھوگ ودیا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اپنی مرضی سے تو بھوگ ودیا کا گیان کر رہا ہے، ایسا کوئی کام تو نے کیا تو تجھے نہیں پتا کہ تو کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔"

"کھوراج سامنے سے ہٹ جاؤ، دروازہ کھولو۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تمہاری اور عدلان سوناری کی ملی بھگت ہے، ثنا یہیں اندر موجود ہے، دروازہ کھول دو۔"

"میں نے تجھ سے کہا تھا کہ بھوگ ودیا کا گیان کرتے ہوئے تجھے بہت سے بھٹکاوے ملیں گے، بھٹک گیا تو سمجھ لے کیا کام ہے۔"

"اپنی بکواس بند کرکے مجھے دروازہ کھولنے دے، ورنہ میں تیرا حلیہ خراب کردوں گا۔" حیات علی کے بدن میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔

وہ آگے بڑھا اور اس نے ایک زوردار گھونسا کھوراج کے منہ پر رسید کیا اور کھوراج اچھل کر ایک دیوار سے ٹکرایا۔ حیات علی نے دروازے کے قریب پہنچ کر اس کی زنجیر ہٹائی اور دروازہ کھول دیا، اندر بھی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن کمرہ بالکل خالی تھا۔ وہاں کسی کا کوئی وجود نہیں تھا۔

حیات علی پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا، اندر کوئی اور دروازہ بھی نہیں تھا، ماحول بالکل صاف شفاف تھا۔ دیواریں سپاٹ فرش بالکل ننگا۔ اب اسے ذرا سا تردد ہونے لگا، کیا واقعی یہ کوئی جادوئی آوازیں تھیں، یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے، وہ واپس پلٹا اور دروازے سے باہر نکل آیا، اسے یہ احساس تھا کہ اس نے کھوراج کے ساتھ زیادتی کرڈالی ہے۔ وہ ایک شاندار باکسر تھا اور کھوراج کے جبڑے پر جو گھونسا پڑا تھا وہ عام گھونسا نہیں تھا، ہوسکتا ہے کھوراج کے کچھ دانت بھی ہل گئے ہوں۔

وہ باہر نکلا اور اس نے اس طرف دیکھا جہاں کھوراج دیوار سے ٹکرایا تھا، لیکن کھوراج وہاں موجود نہیں تھا۔

(جاری ہے)

بند آنکھیں

ایم اے راحت | قسط: 20

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

حیات علی نے بھی سوچا تھا کہ اس کا گھونسا کھانے کے بعد گھوراج کہیں کہیں ادھر ادھر ہو گیا ہے۔ اس نے آس پاس کی تمام جگہ چھان ماری، لیکن گھوراج کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ تب وہ پریشانی سے سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہیں مٹھ کے آس پاس گھوراج کو تلاش کر کے اس سے معافی مانگے اور بھوگ ودیا کے تیرہ پاٹھ پورے کرے یا پھر یہاں سے چل پڑے۔

اس سے جلد بازی ہو گئی تھی، پر وہ کیا کرتا۔ اس کے دل کے ہر گوشے میں ثنا بسی ہوئی تھی۔ اسے ہر لمحے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ثنا یہیں آس پاس کہیں موجود ہے۔ ایک بار پھر اس نے گھوراج کو آواز دی اور اس بار اسے اپنے عقب میں آہٹیں سنائی دی تھیں۔ وہ چونک کر پلٹا تو اس نے گھوراج کو دیکھا جو ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا ہوا تھا۔ یہ وہی درخت تھا جہاں پہلی بار اس کی گھوراج سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا۔ ”مجھ سے غلطی ہو گئی گھوراج، میں معافی چاہتا ہوں تم سے۔“

”معاف کر دیں گے بالک، معاف کر دیں گے۔ پر بڑا برا ہو گیا۔ ہمارے ساتھ نہیں تیرے ساتھ۔ اب تو کال کنٹھ کی جانب سفر کرے گا، بھاگ بھاگ کی بات ہے۔ تم سسروں کے بھاگ میں کچھ لکھا ہی نہیں ہے تو ہم کیا کریں۔ ارے باؤلے دین دھرم، سب بہلاوے کی باتیں ہیں۔ منش کے ہاتھ میں شکتی ہو تو اس کا دھرم سب سے اونچا۔ اس شکتی کے کئی روپ ہیں۔ کہیں یہ دولت کی شکل میں ہوتی ہے اور کہیں بھوگ ودیا کی شکل میں۔ سارے راستے ایک ہی سمت جاتے ہیں۔ وہ سسرا ڈاکو تھا، کہیں ڈاکا مارا تھا اس نے، پولیس کی بہت بڑی تعداد سے بھینٹ ہو گئی۔ سارے ساتھی مارے گئے۔ وہ خود بھاگ کر یہاں آ پہنچا اور میرے پاس چھپا رہا۔ پولیس اس کی تلاش میں آئی مگر میں نے اسے اندھا کر دیا۔ اسے سامنے بیٹھا ڈاکو نظر نہیں آیا۔ وہ چھپا رہا کئی دن۔ مسلمان تھا اور ہمیں بھوگ ودیا کے پاٹھ کے لئے ایک مسلمان کے اندر یہ شکتی اتارنی تھی۔ ہم نے اسے بھوگ ودیا کی پیشکش کی اور اس نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ سسرے کا دین دھرم پہلے ہی خراب تھا۔ کرتا رہا بھوگ ودیا، پہلے پاٹھ سے گزر گیا۔ سات پاٹھ پورے کر لئے۔ آٹھویں پاٹھ میں اسے کنس پوتھی نظر آ گئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ کنس پوتھی حاصل کرنے کے بعد یوں سمجھو کہ پارس پتھر ہاتھ لگ گیا۔ آ گیا کمینہ لالچ میں، تین پاٹھ رہ گئے تھے بھوگ ودیا کے، پورے کر لیتا تو ایسی بہت سی کنس پوتھیاں اس کے پاس ہوتیں۔ پر چور تھا نا، چوری اس کے خون میں رچی ہوئی تھی۔ کنس پوتھی لے کر بھاگ نکلا، یہ بات پتہ نہیں تھی سسرے کو کہ کنس پوتھی کو بھی پانچ دن اپنے پاس رکھنا پڑتا ہے اور ایک جاپ کرنا پڑتا ہے اس کے لئے، ورنہ وہ غیر کے ہاتھ میں بیکار ہوتی ہے۔ اس نے اس کے دو چار کرشمے دیکھے اور سوچا کہ اب اسے یہاں رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھوگ ودیا ماننے کے بعد اس سے کنارہ کشی اچھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ یہاں سے بھاگ گیا اور تھوڑے دن کے بعد کنس پوتھی خود بخود اس کے پاس سے نکل گئی اور واپس اپنی جگہ آ گئی۔ وہ تو خیر چور تھا چوری کر کے بھاگا، مگر تو نے تو میرا اپمان کیا ہے۔ ملے گا تو خیر کیا تجھے، ہاں یوں سمجھ لے کہ جو ملے گا اسے جیون بھر یاد رکھے گا۔ پاپی منش کے اندر بڑا لالچ ہوتا ہے، ایک کام کے بجائے چھ کام کرنا چاہتا ہے۔ بات سن عدلان سوناری، راجہ ہدایت خاں کی حیثیت سے یہاں آیا تھا، پر بھگا دیا ہم نے اسے۔ تیری پریمیکا بھی اسے نہیں ملی تھی، وہ اسی کی تلاش میں یہاں سے ایک گیان لے کر اس کے پیچھے گیا ہے اور ہو سکتا ہے اب وہ اسے مل گئی ہو۔ پر تو اس تک نہیں پہنچ سکے گا، کیونکہ تو نے اپنے گرو پر ہاتھ اٹھایا ہے، تجھے گرو کا شراپ ضرور ملے گا۔“

”دیکھو گھوراج مجھے کچھ نہیں چاہئے، نہ مجھے کنس پوتھی چاہئے اور نہ بھوگ ودیا کا گیان۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے، میں تمہاری ہر بات مان رہا تھا اور دیکھ لو میں نے کس طرح سات پاٹھ پورے کر لئے ہیں۔“

”پاپی، یہ ایک ایسا گیان تھا جس سے کالے جادو کی اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ باقی چار پاٹھ جو تجھے کرنے تھے، ان میں بھوگ ودیا تھی اور اگر بھوگ ودیا کے چاروں پاٹھ کر لیتا تو پھر تو دیکھتا کہ عدلان سوناری تیرے حکم پر تیری پریمیکا کو تلاش کر کے تیرے چرنوں تک پہنچا دیتا۔ پر پاپی ہے تو۔ اب...... دیکھ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔“ گھوراج نے شدید غصے کے عالم میں کہا اور دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے۔

اچانک ہی گڑگڑاہٹ سی پیدا ہوئی اور اس کے بعد فضا میں دھویں کا طوفان امڈ آیا۔ چاروں طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا اور ہر چیز اس دھویں میں گم ہو گئی۔ حیات علی نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے ایک ہلکی سی جلن کا احساس ہوا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ تیز ہواؤں کے ساتھ دھواں تحلیل ہوتا چلا گیا اور حیات علی نے ایک اور منظر دیکھا۔ وہ بالکل ہی مختلف جگہ کھڑا ہوا تھا، نہ وہ مٹھ تھا نہ وہ ماحول، بلکہ جس جگہ وہ کھڑا ہوا تھا وہاں سرسبز و شاداب کھیت پھیلے ہوئے تھے اور کافی فاصلے پر ایک بستی نظر آ رہی تھی جو کچے پکے مکانوں پر مشتمل تھی۔ کوئی قصبہ تھا۔

حیات علی خاموش نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھتا رہا۔ اسے دکھ تھا کہ وہ راستہ بھٹک گیا تھا، مگر یہ بھی اللہ کا احسان تھا کہ اس نے اسے کالے علم سے بچا لیا تھا جبکہ کالے علم کو سیکھنے والوں کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب اس کے دو اور دشمن بن گئے تھے۔ گھوراج اور بھوگ ناتھ، لیکن کچھ الفاظ اسے بڑی تقویت دے رہے تھے جو گھوراج نے غصے کے عالم میں کہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ عدلان سوناری ثنا کو نہیں پا سکا، اس کا مطلب ہے کہ ثنا اب عدلان سوناری کے قبضے میں نہیں ہے اور اس کے چنگل سے نکل گئی ہے۔ بہرحال زندگی تو تلاش ہی کا نام ہے۔ زندگی میں ہر لمحے انسان کچھ نہ کچھ تلاش کرتا ہے۔ میری تقدیر میں ثنا کی تلاش ہے۔ ٹھیک ہے ثنا، میں تمہیں پا بے شک نہیں سکتا، لیکن تلاش تو کر سکتا ہوں، حیات علی نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

☆......☆......☆

ثنا کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔ یوسف علی خان نے جس محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ بڑی خوش کن بات تھی۔ ثنا کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ جس جال میں پھنسی ہے، اس کے تار آسانی سے نہیں ٹوٹیں گے، بہت وقت لگے گا اس میں۔ کچھ بددل بھی ہو گئی تھی حالات اور ماحول سے، چنانچہ سوچ رہی تھی کہ پرخطر راستے پر بھاگنے کے بجائے سب سے پہلے اپنے آپ کو محفوظ کیا جائے، اب جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔

آخر کار ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ یہاں صولت پور کا بورڈ نظر آیا تھا۔ اس دوران یوسف علی خاں کے ملازمین وغیرہ سامان سنبھالتے رہے تھے۔ چھوٹا اسٹیشن تھا اس لئے ٹرین یہاں زیادہ نہیں رکتی تھی۔ ٹرین رکتے ہی سب نیچے اترنے لگے۔ کچھ لوگ انہیں لینے کے لئے آئے تھے، جو لوگ لینے آئے تھے ان میں ملازمین بھی تھے اور کچھ گھر کے افراد بھی۔ باہر دو تین گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ملنے والے بڑی محبت سے ان سب سے ملے اور اس کے بعد سب گاڑیوں میں بیٹھ کر چل پڑے۔

مہرین اور یوسف علی خاں نے ثنا کو اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا جبکہ باقی لوگ دوسری گاڑیوں میں تھے اور گاڑیاں جس عمارت میں جا کر رکیں وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ سرخ پتھروں سے بنی ہوئی ایک شاندار حویلی جو قدیم طرز تعمیر کا نمونہ تھی اور یہاں کا ماحول بھی اسی طرح کا تھا کہ اس دور میں ایسے ماحول کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ نہایت پروقار، منظم اور پرشوکت۔ ثنا نے اس جگہ کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔ بڑی دلچسپ بات تھی کہ اسے اس دوران تین ٹھکانے ملے تھے اور تینوں اس کی سوچ سے کہیں زیادہ شاندار۔ پہلا ٹھکانہ راجہ ہدایت خاں کی شاندار کوٹھی، دوسرا ٹھاکر ارجن کا گھر اور اب پھر ایک حویلی جو قابل دید تھی۔ اسے ایک الگ خوبصورت کمرہ دیا گیا تھا اور یوسف علی خان نے اس سے کہا تھا...... ثنا بیٹی، دنیا کا کوئی انسان خود کو مشکلات سے دور نہیں کر سکتا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں بیٹا کہ زندگی اور مشکل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر مشکلیں نہ ہوں تو زندگی بے کیف ہو جائے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ بھی زندگی کی کچھ مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ پھر بھی کافی بہتری ہے۔ بیٹی ہمیں خوشی ہو گی کہ تم ہمارے ساتھ طویل وقت گزارو...... اور اس طرح گزارو جس طرح بیٹیاں گھروں میں گزارتی ہیں۔“

”جی......“ ثنا نے آہستہ سے کہا۔ اسے شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

پھر اس کی ملاقات پھوپھی فاخرہ سے ہوئی جو اسے دیکھ کر سکتے میں رہ گئی تھیں۔ مہرین ساتھ تھی اور اسے بتا کر لائی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ ”ترنم پھوپھی فاخرہ کی بیٹی تھی، ہو بہو تمہاری ہمشکل، بہت ہی خوش مزاج، بس ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ پھوپھی نے بظاہر تو صبر کر لیا لیکن تمہیں دیکھ کر صبر کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ذرا احتیاط کرنا، ہم نے انہیں حقیقت بتا دی ہے...... کچھ چھپایا نہیں ہے۔“

فاخرہ بیگم دیر تک ثنا کو دیکھتی رہیں اور پھر انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”بیٹی۔ یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں...... خدا کسی کو کسی سے جدا نہ کرے...... اللہ نے تمہیں اس کا ہمشکل بنایا ہے، بس میں یہ سوچتی ہوں کہ انسان اپنے آپ کو بہلاوے دے سکتا ہے، تمہیں سامنے آنا تھا، آ گئیں۔ بیٹی ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں تم سے، بار بار میرے سامنے مت آنا ورنہ پھر جب تم جدا ہو جاؤ گی تو صبر نہ کر پاؤں گی۔“ یہ کہہ کر فاخرہ بی بی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ثنا آگے بڑھی اور پھوپھی سے لپٹ گئی اور دھیرے سے بولی۔ پھوپھی جان میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، بس ایک اتفاق مجھے یہاں لے آیا ہے، آپ جیسا حکم دیں گی ویسا کروں گی۔“

فاخرہ بیگم نے ثنا کو اس طرح سینے سے چپکا لیا جیسے اسے اپنے بدن کا ایک حصہ بنانا چاہتی ہوں۔ مہرین بھی بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

یہاں باقی لوگ جیسے بھی تھے، لیکن سب سے دلچسپ کردار زمانی بوا کا تھا۔ زمانی بوا اس طرح چھپی چھپی پھرتی تھیں جیسے انہیں یقین ہو کہ وہ ترنم کا بھوت ہی ہے۔ کوریڈور سے گزر رہی تھیں کہ ثنا کسی کام سے باہر نکلی اس نے زمانی بوا کو نہیں دیکھا تھا لیکن زمانی بوا کی چیخ سن کر وہ پلٹی تو زمانی بوا اپنے تھلتھلاتے جسم کو سنبھالے بری طرح بھاگ رہی تھیں۔ ٹھوکر کھائی تو گر پڑیں۔

ثنا انسانی ہمدردی کی بنا پر لپکی اور اس نے زمانی بوا کو سہارا دے کر اٹھانا چاہا، لیکن زمانی بوا کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور بہت سے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ ثنا ہکا بکا رہ گئی تھی اور اس کے بعد جو قہقہوں کے طوفان ابھرے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔

اسی طرح کے دو تین واقعات ہو چکے تھے اور ثنا کوشش کر رہی تھی کہ کم سے کم زمانی بوا کے سامنے نہ آئے۔ ادھر باقی لوگ ثنا کی آمد سے بہت خوش تھے۔ ویسے تو ایک عام سی بات تھی۔ کوئی کسی کے ہاں آ جاتا ہے، لیکن ثنا چونکہ ترنم کی ہمشکل تھی اس لئے اس کی زیادہ پذیرائی ہو رہی تھی، خود یوسف علی خاں اس کے زیادہ سے زیادہ قریب رہتے تھے اور اسے بار بار اپنے پاس بلوا لیا کرتے تھے۔

یہ دولت مند لوگوں کا گھرانہ تھا۔ بڑی رئیسانہ شان تھی یہاں کی۔

مہرین اس کی بہت اچھی دوست بن گئی تھی، ثنا کو بس ایک خوف تھا کہ کہیں عدلان سوناری یہاں تک نہ پہنچ جائے۔ وہ ایک سفلی علوم جاننے والا آدمی تھا اور جس طرح وہ ثنا کا پیچھا کرتا ہوا ٹھاکر ارجن کے گھر تک پہنچ گیا تھا، یہ بڑی خوفناک بات تھی۔ ثنا اکثر اس کے بارے میں سوچتی تھی، کبھی کبھی اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سوناری حویلی پہنچ گیا ہو، وہ جس طرح ٹھاکر ارجن کے گھر پہنچا تھا وہ عام بات نہیں تھی، کوئی نام و نشان نہیں تھا ایسا پیچھے جس سے ثنا کا پتہ چل سکتا، لیکن وہ آ گیا تھا اب اس کے بعد وہاں جو کچھ بھی ہوا ہو۔ ٹھاکر ارجن نے جس محبت سے ثنا کو اپنے گھر رکھا تھا، ظاہری بات ہے وہ بے اولاد تھا۔ اسے اور رما ٹھاکر کو بھی ثنا سے محبت ہو گئی تھی۔ کتنے دکھی ہوئے ہوں گے وہ اس کے اس طرح چلے آنے سے۔ وہاں جو واقعہ پیش آیا تھا اور ٹھاکر پربھات سنگھ کا بھوت جس طرح نظر آیا تھا، ثنا کی زندگی میں یہ ساری باتیں بڑی عجیب سی تھیں، لیکن اب وہ ان سے اچھی طرح روشناس ہوتی جا رہی تھی۔ اگر سوناری یہاں پہنچ گیا تو اسے یہاں سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ وہ ان معصوم اور سادہ دل لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ پتہ نہیں سوناری نے ٹھاکر ارجن سنگھ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ تمام خیالات ثنا کے دل میں آتے رہتے تھے اور راتوں کی تنہائیاں اسے بہت زیادہ خوف کا شکار کر دیتی تھیں۔

مہرین کی آنکھوں میں اس کے لئے اکثر سوال ابھر آتا تھا اور ثنا سوچتی تھی کہ یہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے اس کے بارے میں، یہاں کھا رہی ہے، پی رہی ہے عیش سے رہ رہی ہے اور اپنے بارے میں بتانا پسند نہیں کرتی، نجانے کیا کیا خیالات ان کے دلوں میں آتے ہوں گے، ایک دن اس نے مہرین سے پوچھ لیا۔

”میرے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟“

مہرین نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔ ”کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”سوچتے تو ہو گے تم لوگ؟“

”دیکھو، بعض اوقات کردار اندر کی شخصیت کا اظہار تو کر دیتے ہیں ثنا، تمہیں بتاؤں سب کا مزاج نہیں، دادا ابو کا بھی یہ خیال ہے کہ دو ہی چیزیں ہیں تمہارے ساتھ کہ شادی شدہ ہو اور ساس سسر یا شوہر کے مظالم سے تنگ آ کر بھاگی ہو یا پھر کوئی اور ایسا واقعہ ہے۔ ہم سب ایک بات سوچتے ہیں، تمہاری شخصیت بری نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے آپ کو جس لئے چھپا رہی ہو وہ تمہاری مجبوری ہو گی ورنہ تم اس طرح کی نہیں ہو، ہمیں ضرور بتا دیتیں۔“

ثنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگی۔ ”مہرین میں تمہیں سچ سچ بتاؤں۔ نہ میرے کردار میں اللہ کے فضل و کرم سے کوئی ایسی خرابی ہے، جس سے میری آنکھیں شرمندگی سے جھک جائیں، نہ میں کسی عشق و محبت کا شکار ہو کر گھر سے نکلی ہوں۔ بس یوں سمجھ لو ایک حادثے کا شکار ہوئی ہوں اور اس حادثے نے ایک خوفناک دشمن میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ گندے علوم کا ماہر ہے اور میرا تعاقب کر رہا ہے، اگر کبھی دادا ابو سے تمہاری کوئی بات ہو تو صرف ایک بات انہیں بتا دینا کہ میں ان کے لئے کسی بدنامی کا باعث بنوں گی، نہ اس گھرانے کے لئے کسی تکلیف کا باعث۔ خدارا میرے بارے میں کوئی بری بات مت سوچنا۔“

”یار ایک بات سنو، دادا ابو بہت صاف ستھرے ذہن کے مالک ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے پیار اور اپنی محبت سے کیا ہے۔ ایک دفعہ بات ہو رہی تھی ہماری۔ کہنے لگے بیٹا دنیا میں انسان کے ساتھ نجانے کیا کیا مسائل لگ جاتے ہیں۔ وہ اگر ہم سے کبھی کوئی مدد چاہے گی تو ہم اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے۔“

ثنا خاموش ہو گئی۔

یہاں اچھا خاصا وقت گزر رہا تھا۔ ثنا سب سے بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔ لے دے کر بس زمانی بوا تھیں جو اچھے خاصے چلتے چلتے پٹڑی سے اتر جاتی تھیں۔ پھر اچانک ہی حویلی میں صفائی ستھرائی ہونے لگی اور پتہ چلا کہ کوئی مہمان آ رہا ہے۔ ثنا نے موقع ملتے ہی مہرین سے پوچھا۔ ”کوئی خاص مہمان ہے؟“

”ہاں برابر کے گاؤں سے شہریار خاں آ رہے ہیں۔“

”شہریار خاں، کوئی عزیز ہیں؟“

”نہیں بس ایسے ہی ہیں۔“ مہرین نے کہا اور ثنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ مہرین کے الفاظ میں ایک جھنجھلاپن تھا لیکن چہرے پر خوشی کا وہ تاثر نہیں تھا جو کسی پسندیدہ مہمان کے آنے پر ہوتا ہے۔

ثنا اسے دیکھتی رہی، پھر بولی۔ ”سچی بات یہ ہے مہرین کہ تم سے کتنی گہری دوستی ہو گئی ہے، لیکن اب بھی میری ہمت نہیں پڑتی کہ تم سے وہ باتیں کروں جو ذاتی ہوتی ہیں۔“

”ایسی باتیں کر کے دل اور دکھاؤ گی۔“ مہرین نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

”پھر بتاؤ تمہارے چہرے کا تاثر مجھے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر رہا ہے۔“

مہرین تھوڑی دیر تک خاموش رہی، پھر بولی۔ ”شہریار خاں میرے لئے یہاں آتے ہیں۔“

”تمہارے لئے۔“

”ہاں، انہوں نے میرا رشتہ مانگا ہے، دادا ابو نے ابھی کوئی فیصلہ کن بات تو نہیں کی، لیکن کرنا پڑے گی، دادا ابو نے مجھ سے بات کی تھی۔“ مہرین کے لہجے میں شدید افسردگی تھی۔

”خدارا مجھے تفصیل بتاؤ پلیز، یہ محسوس کئے بغیر کہ میں کون ہوں؟“

”یار ثنا تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو، اب تم بہت کچھ ہو ہمارے لئے۔“

”تو پھر بتاؤ مجھے۔“

”اصل میں ثنا ہر جگہ کے کچھ مسائل ہوتے ہیں ہمارے بھی ہیں، طویل عرصے سے ہم لوگ صرف اپنی ساکھ میں گزارہ کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے مسائل پیدا ہو گئے تھے خاندان کے لوگوں ہی کی وجہ سے کہ آہستہ آہستہ ہماری تمام زمینیں بک گئیں۔ لے دے کر بس یہ ایک حویلی رہ گئی ہے جو شہریار خاں کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے۔ دادا جان روایات پسند ہیں۔ بس یوں سمجھ لو وضع داری نبھا رہے ہیں، ورنہ اب ہماری آمدنی کہیں سے کچھ بھی نہیں رہی۔ پہلے زمینوں سے بہت سا پیسہ آتا تھا جواب نہیں آتا۔ شاید تمہیں یہ سن کر دکھ ہو گا کہ بہت سے قیمتی نوادرات اور بہت سی قیمتی اشیا خفیہ طریقے سے فروخت کی جا چکی ہیں، اس سلسلے میں ہمارے سب سے بڑے رازدار فراز ہیں، وہی دادا ابو کے لئے سارے کام کرتے ہیں۔“

”فراز کون ہیں؟“

”فراز کا یوں سمجھو ہمارے خاندان سے انتہائی قدیم تعلق ہے، ان کے دادا، دادا ابو کے گہرے دوست تھے اور دادا ابو کی زمینوں کی دیکھ بھال بھی وہی کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کام فراز کے والد نے سنبھال لیا۔ میرے امی ابو ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گئے۔ دادا جان نے ہی میری پرورش اور کفالت کی...... ہمارا ایک عجیب سا مسئلہ ہے ہمارے پاس بس اب کچھ نہیں ہے لیکن کیا تم یقین کرو گی کہ ہم سے منسوب ایک قدیم خزانہ آج تک ہمارے خاندان کی روایت بنا رہا ہے۔ یہ روایات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی ہیں، بڑی عجیب کہانی ہے، بس یوں سمجھ لو کہ ایک روایتی سا قصہ، وہ خزانہ ہم میں سے کسی کے علم میں نہیں ہے کہ کہاں ہے، ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”ہوں یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے تو شہریار خاں......“

”وہ پڑوس کے ایک زمیندار ہیں، ہماری ساری زمینیں انہوں نے ہی خریدی ہیں اور اب یہ حویلی بھی ان کے پاس گروی رکھی ہے، جب چاہیں اس پر قبضہ کر لیں، میرے امیدوار ہیں اور دادا ابو کو پیشکش کر دی ہے کہ حویلی ہمیشہ ان کی ملکیت رہے گی، اگر میری شادی ان سے کر دی جائے۔“

ثنا افسوس بھرے انداز میں یہ ساری داستان سنتی رہی پھر بولی۔ ”آدمی کیسے ہیں؟“

”انتہائی گھٹیا، بہت ہی بدذوق، ڈرامے باز، اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے والے، عجیب سا حلیہ بنائے رکھتے ہیں، ہیں بھی بڑے بے تکے وجود کے مالک، بس یوں سمجھ لو ثنا کہ اگر میری شادی ان سے ہو گئی تو میری زندگی ایک زخم بن جائے گی۔ یہ زخم میں کسی کو دکھا تو نہیں سکوں گی لیکن تم دیکھ لینا یہ ناسور بن کر مجھے ختم کر دے گا۔“ مہرین ثنا کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

ثنا کو شدید دکھ کا احساس ہوا، وہ سوچنے لگی کہ ہر شخص کے دل میں کہیں نہ کہیں کوئی زخم ہے، مجھے دیکھو، ماں باپ سے دور زندگی گزار رہی تھی۔ حیات علی سے توقع تھی کہ وہ میری داستان حیات میں اپنے وجود کو شامل کر کے تھوڑی سی خوشیاں بخش دے گا، لیکن ہم دونوں ہی ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ وہ بہت دیر تک مہرین کو تسلیاں دیتی رہی، ظاہر ہے، اس سلسلے میں خود کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

بہرحال پھر شہریار خاں آ گئے۔ قد کوئی پانچ فٹ ہو گا۔ بدن کا پھیلاؤ بے پناہ تھے۔ تلوار مارکہ مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے بال تھے۔ کسی سرکس کے مسخرے معلوم ہوتے تھے۔ بڑے شاہانہ قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ کرتا جس کا گلا کڑھا ہوا تھا اور اس میں موتی ٹنکے ہوئے تھے، پھدک پھدک کر چلتے تھے۔ ایک عجیب حلیہ بنا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ تقریباً پانچ افراد اور تھے جو شکل ہی سے لفنگے معلوم ہوتے تھے۔ پان کھائے ہوئے اور عجیب عجیب سا حلیہ بنائے ہوئے۔ مہمان خانے میں ان کے ٹھہرنے کے لئے بندوبست کیا گیا تھا، حویلی کے سارے ملازمین ان کی خاطر مدارات میں لگ گئے تھے۔ یہاں تک کہ ثنا نے دادا ابو کو بھی کئی بار مہمان خانے تک آتے جاتے دیکھا تھا۔ اگر ثنا کو ان کے بارے میں معلوم نہ ہو چکا ہوتا تو وہ غور بھی نہ کرتی۔ ثنا کو یہ سب کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ یوسف علی خاں کے لئے اس کے دل میں ایک اپنائیت ابھر رہی تھی۔

شام سے کچھ پہلے یوسف علی خاں اس کے کمرے میں آ گئے اور بولے۔ ”وہ، ثنا بیٹے ایک بات کہنی ہے تم سے۔“

صفحہ نمبر:.......2

"آپ نے کیوں تکلیف کی دادا ابو۔ کسی ملازم کے ہاتھ مجھے بلا لیا ہوتا۔" ثنا نے احترام سے کہا۔

"وہ بیٹے کچھ مہمان آئے ہیں۔"

"جی مجھے معلوم ہے۔"
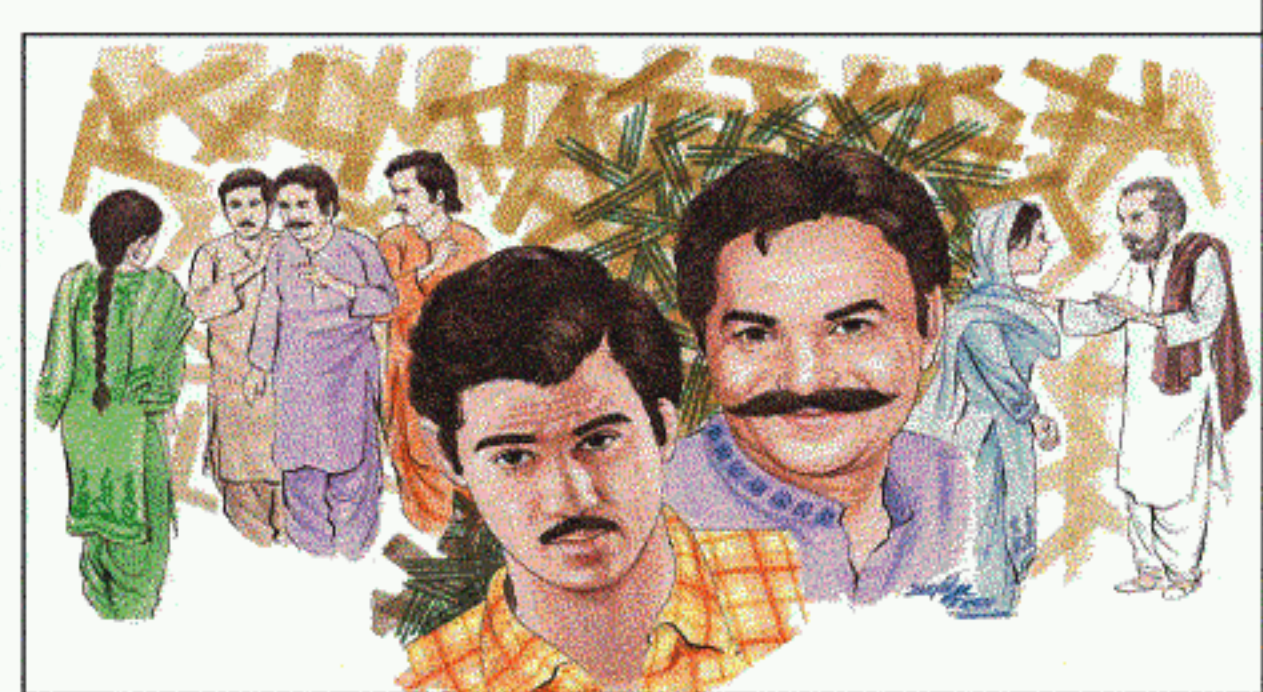
"شہریار مہرین کے منگیتر ہیں۔"

"جی.....!"

"لیکن ان کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں وہ اچھے نہیں ہیں۔"

"جی.....!"

"میں چاہتا ہوں کہ تم ان کے سامنے نہ آؤ...... مہرین کی تو مجبوری ہے، وہ ان کے سامنے آئے گی کیونکہ شہریار یہی چاہتا ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم ان کی نگاہوں میں آؤ، بیٹا محسوس مت کرنا اگر وہ اچھے لوگ ہوتے تو میں سب سے پہلے تمہیں ان کے سامنے لاتا۔"

"جی دادا ابو آپ اطمینان رکھیں، میں ان کے سامنے نہیں آؤں گی۔" ثنا نے کہا۔ یوسف علی خاں صاحب کے چہرے پر چھائی ہوئی بے بسی ثنا کو بڑی درد انگیز لگی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اپنے کمرے میں رہ کر اسے زیادہ بہتر طریقے سے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ اب کرنا کیا چاہئے، کیا یہاں سے حیات علی کو فون کیا جائے۔ اسے اپنے بارے میں بتایا جائے، لیکن وہی ایک خوف دل پکڑے ہوئے تھا۔ عدلان سوناری کو ابھی تک اس جگہ کے بارے میں معلوم نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس نے ثنا کی تلاش کے لئے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہوں۔ یقینی طور پر حیات علی بھی اس کی نگاہوں میں ہوگا۔ تھوڑا سا غور کر لیا جائے وقت کا انتظار کر لیا جائے۔ بہتر ہوگا، وہ اسی طرح سوچتی رہی اور پھر دوسرے دن صبح وہ بالکل اتفاقیہ طور پر چہل قدمی کے لئے نکلی تھی اور یوسف علی خاں کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے سامنے کی سمت رخ نہیں کیا تھا، بلکہ حویلی کے عقبی حصے میں نکل آئی تھی۔

یہاں بھی بہت خوبصورت باغ پھیلا ہوا تھا۔ ثنا کو یہ جگہ بے حد پسند تھی۔ چہل قدمی کرتی ہوئی دور نکل آئی۔ حویلی کافی وسیع و عریض تھی۔ ادھر کافی درخت زیادہ تھے اور ان پر اس وقت چڑیوں کی چہچہاہٹ اور ادھر سے ادھر آنا جانا، اتنا خوبصورت لگ رہا تھا کہ وہ ایک جگہ کھڑی ان پر نگاہیں جمائے رہی اور اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ تین افراد اس سے چند گز کے فاصلے پر آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔

وہ چونک کر پلٹی اور دھک سے رہ گئی۔ یہ شہریار اور اس کے دو ساتھی تھے۔ وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر شہریار نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔ "ہریالے میاں۔"

"جی...... باگا۔"

"کک...... کیا، یہ خاتون انسان ہیں؟"

"پپ...... پتہ نہیں، پیروں کے پنجے تو سامنے ہی ہیں۔"

"گدھے ہیں آپ، میں نے انہیں چڑیل تو نہیں کہا۔"

"نہیں باگا، میں بھی چڑیل نہیں کہہ رہا۔"

"بھاگیں۔"

"آپ بھاگیئے میں نہیں بھاگ سکتا۔" ہریالے میاں جو بڑی بڑی مونچھوں والا پہلوان ٹائپ کا آدمی تھا لرزتی آواز میں بولا۔

"کک...... کیوں تمہیں کیا ہوا ہریالے میاں؟"

"عشق ہو گیا ہے سرکار، مر گیا آپ کا ہریالہ۔"

"ہائے میرا ہریالہ بنا، ابے رمضان عرف ٹانگیر ذرا پتہ تو لگاؤ، یہ حور کہاں سے اتری ہیں؟"

ثنا ساری باتیں سن رہی تھی اور اس خوف کا شکار تھی کہ یہ لفنگے جن سے خصوصی طور پر یوسف علی خاں نے بچنے کے لئے کہا ہے یہاں کیسے آ مرے، یہ تو بڑی بری بات ہوئی، کون مانے گا کہ میں جان بوجھ کر ادھر نہیں آئی تھی۔ ساری پوزیشن خراب ہو گئی۔ کیا سوچیں گے مہرین دادا ابو اور دوسرے لوگ۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک ہی وہ تیسرا آدمی جسے رمضان ٹانگیر کہہ کر پکارا گیا تھا جل تو جلال تو پڑھ کر اس طرح بھاگا کہ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اچانک ہی شہریار کی آواز ابھری۔ "ٹانگیر اس کے بعد اگر تو نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں تیری دونوں ٹانگیں گولی مار کر ناکارہ کر دوں گا۔" وہ شخص جسے رمضان ٹانگیر کہا گیا تھا رک گیا۔ بالکل اس طرح جیسے تیز رفتار گاڑی کو بریک لگ جاتے ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہوا تھا کہ ٹائروں کی چرچراہٹ نہیں سنائی دی تھی۔

"واپس آ جا۔"

"سس...... سرکار غور کریں۔"

"کیا غور کریں؟" شہریار خاں نے کہا۔

"سرکار صورت، دیکھیں صورت۔" رمضان ٹانگیر اسی انداز میں بولا، اس کا رخ دوسری طرف ہی تھا۔ شہریار خاں نے غور سے ثنا کو دیکھا اور پھر اچانک ہی ان کے حلق سے بھی عجیب و غریب آوازیں نکل گئیں۔

"تت...... تت...... ترنم۔"

ثنا سمجھ گئی کہ کیا معاملہ ہوا ہے۔ ایک لمحے کے لئے دل میں شرارت ابھری تو اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور انگلیوں کے پنجوں کو سیدھا کر کے پورا منہ پھاڑ دیا۔ شہریار خاں کے حلق سے ایک دھاڑ سی نکلی اور اس کے بعد وہ پلٹ کر واپس بھاگے، لیکن ہریالے میاں سب سے آگے تھے۔ ان کا سارا عشق ہوا ہو گیا تھا۔

چند ہی لمحوں کے بعد تینوں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو ثنا بھی وہاں سے واپس چل پڑی اور اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس کی حالت بڑی عجیب و غریب تھی۔ ایک طرف تو قہقہے حلق سے آزاد ہونے کو بے قرار تھے۔ دوسری طرف یہ احساس بھی تھا کہ کام غلط ہو گیا۔ شکر تھا کہ اسی وقت مہرین نظر آ گئی۔ بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ ثنا کو دیکھ کر رکی اور پھر آنکھیں پھاڑے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"ارے یہ تمہیں کیا ہوا، یہ چہرہ کیوں سرخ ہو رہا ہے اور یہ حلیہ۔"

"مہرین میرے ساتھ آؤ پلیز، مہرین میری بات سن لو۔"

"ہاں کوئی بات ہوئی ہے بتاؤ۔" مہرین نے کہا اور ثنا کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

ثنا کافی نروس ہو رہی تھی۔

یوسف علی خاں نے اسے منع کیا تھا کہ شہریار اس کے آدمیوں کے سامنے نہ آئے لیکن وہ ہو گیا تھا جو نہیں ہونا چاہئے تھا، اس نے مہرین کو ساری تفصیل بتائی اور مہرین افسردگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"بھئی کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ تمہارا۔ بس لفنگے قسم کے لوگ ہیں، تم نے خود ہی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ میں ایک کام کرتی ہوں۔ تم سے پہلے دادا ابو کو اس بارے میں بتا دیتی ہوں۔ تمہیں صرف یہی احساس ہے نا کہ دادا ابو نے تمہیں منع کیا تھا، لیکن ان کا تم سے سامنا ہو گیا۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں ہے مہرین، میں کسی سے نہیں ڈرتی، میں ڈرپوک نہیں ہوں لیکن بس مجھے یہ خیال ہے کہ دادا ابو کی حکم عدولی ہو گئی۔"

"نہیں بالکل نہیں ہوئی تم بے فکر رہو، میں بات کر لوں گی۔"

ناشتے کے وقت ایک ملازمہ ثنا کے کمرے میں آ کر بولی۔ "ثنا بی بی آپ کو دادا ابو نے طلب کیا ہے۔"

"کک...... کہاں؟" ثنا خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ناشتے کے کمرے میں سب موجود ہیں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

"مم...... میرا۔ مجھے دادا ابو نے ہی بلایا ہے۔ اپنی طرف سے تو تم کچھ نہیں کہہ رہیں۔"

"نہیں ثنا بی بی...... ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہے، آپ آ جیے۔"

ناشتے کے کمرے میں گھر کے افراد کے علاوہ شہریار خاں کی پوری ٹیم موجود تھی۔ سب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، باقی سب تو بیٹھے رہے لیکن ہریالے میاں اٹھ کھڑے ہوئے اور زنانہ سے انداز میں بولے۔ "توبہ آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔ ذرا ایک بار پھر پانی کی بلی بن کر دکھایئے، آیئے ادھر۔" انہوں نے اپنے برابر کی کرسی کی طرف اشارہ کیا جہاں رمضان ٹانگیر بیٹھا ہوا تھا۔ ہریالے میاں نے اس کی کرسی میں لات مار کر کہا۔

"ابے اٹھ۔" اور رمضان ٹانگیر اٹھ گیا۔

ثنا نے بے حس نگاہوں سے سب کو دیکھا تو مہرین نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ادھر آ جاؤ۔"

ثنا اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تو ہریالے میاں نے کہا۔ "قسم ایمان کی۔ یہ تو بڑی بے حرمتی ہے۔ مگر بھابھی حضور نے کہا ہے اس لئے برا نہیں مانتا۔ ورنہ اپن تو کان پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔"

"ناک پر، ناک پر۔" ٹانگیر نے اس کے سر پر تھپڑ لگاتے ہوئے کہا۔

"ابے تو ٹھیک ہے نا۔ کان پور سے ناک پور کا فاصلہ ہی کتنا ہے مکھی ہے کہیں بھی بیٹھ جائے۔"

"دونوں مسخرے غضب کے مسخرے ہیں ہنسا ہنسا کر پیٹ خراب کر دیتے ہیں۔" شہریار نے کہا۔ پھر یوسف علی خاں سے بولے۔ "دادا ابو تعارف کرائیں نا۔"

"ثنا میرے دوست کی بیٹی اور مہرین کی دوست ہے۔"

"مہرین کے دوست ہمارے دوست...... اور ہم تو دوستیاں پکی کرنے والوں میں سے ہیں، آپ انہیں بتا دیں دادا ابو کہ ہم بادشاہ گر ہیں وہ چڑیا جو کسی کے سر پر بیٹھ جائے تو اس کی تقدیر بدل جائے۔"

"کچھ وضاحت نہیں کی باگا نے۔" رمضان ٹانگیر نے کہا۔

"بعد میں کریں گے۔ ساری باتیں اس طرح تو نہیں کہہ دی جاتیں البتہ اتنا ضرور بتا دیں کہ ہم نے پیتل گھاٹی والا باغ اور صورت پور کی مشرقی زمین ہریالے میاں کو دے دی ہے اور یہ بھی کافی بڑے زمیندار بن گئے ہیں۔" شہریار نے کہا۔

ثنا صبر و سکون سے ساری باتیں سن رہی تھی۔ شہریار نے پھر کہا۔ "آپ لوگوں نے دیکھا...... چلیں چھوڑیں ہم کچھ زیادہ بول رہے ہیں، ہاں بھئی مہرین بیگم، کوئی پکنک وکنک کا پروگرام بنایئے۔ شکار سے تو آپ کو دلچسپی نہیں ہے، مہرین بیگم کا کہنا ہے کہ بے گناہ جانوروں کو ہلاک کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔ ساری دنیا ایک ہی کام کر رہی ہے، یہ بات وہ بالکل نہیں جانتیں، خیر چھوڑیے پکنک کا پروگرام بنایئے، دادا ابو! ایک تو یہاں مشکل یہ ہے کہ ہر کام آپ ہی سے کہنا پڑتا ہے، آپ ہی کو تکلیف دینی پڑتی ہے، اب بتایئے اور کس سے کہیں۔"

"شہریار، ٹھیک ہے، پروگرام بنا لو آپ لوگ، میں انتظامات کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، ہم مہرین کے ساتھ مل کر سارا پروگرام طے کر لیں گے، لیکن ایک شرط ہے، یہ ثنا صاحبہ ہر قیمت پر ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

رات کو خاصی دیر گئے یوسف علی خاں ثنا کے پاس پہنچے تھے، ان کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی، اس کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

"کیا بات ہے دادا ابو؟"

"کہتے نہیں بن پڑ رہا بیٹے، رونے کو دل چاہتا ہے، لیکن روئے نہیں ہیں زندگی بھر، اس بھرم کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں دادا ابو؟"

"بیٹے اس نے جتنی بدتمیزی کی ہے ہمیں پتہ ہے اور تم نے جس صبر و سکون کے ساتھ سنا ہے ہم کیا کہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ تھوڑا سا اچھا سلوک کیا یعنی تمہیں یہاں لے آئے، لیکن معاوضہ کچھ زیادہ ہو گیا، تمہیں ہماری وجہ سے ان لفنگوں کی بدتمیزی برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔"

"نہیں دادا ابو حقیقت مہرین نے مجھے بتا دی ہے، واقعی آپ کی مجبوری بڑی دکھ بھری ہے۔"

"مہرین ہمارے خاندانی وقار کے لئے قربان ہونے کو تیار ہے، اگر وہ خودکشی بھی کر لے تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ریت میں چہرہ چھپا لینے سے کچھ نہیں ہوتا، مہرین کی تقدیر پہ کالی مہر لگ چکی ہے۔ مگر وہ کم بخت یہیں پر ختم نہیں کر رہا تمہارے بارے میں بھی کھل کر مجھ سے بات کی ہے، خیر میں نے اسے بتا دیا ہے کہ ثنا کا معاملہ دوسرا ہے، وہ ہمارے خاندان کی نہیں ہے، مجھے معاف کرنا بیٹی، مجبوراً میں نے اسے یہ بات بتائی ہے۔"

"غلطی میری بھی تھی دادا ابو، آپ نے مجھے ہدایت کر دی تھی اپنے آپ کو پوشیدہ رکھوں، لیکن میں سیر کے لئے نکل گئی۔"

"نا بیٹا نا، اب یہ بتاؤ کریں کیا؟"

"نہیں دادا ابو آپ کہیں تو یہ معاملہ میں ٹھیک کر لوں گی، دو تھپڑ لگا دوں گی اس کمینے ہریالے کو، اوقات میں آ جائے گا۔"

دادا ابو نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔ "کچھ زیادہ ہی غلبہ حاصل کر لیا ہے اس نے، میں بیٹا تم سے صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہر کام اپنی مرضی سے کرنا ہماری طرح مجبور مت ہو جانا۔ اگر بہت زیادہ گڑبڑ ہوئی تو ہم تمہیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیں گے، بددل مت ہونا بیٹا، بغیر بتائے کہیں چلی مت جانا۔"

"نہیں دادا ابو! میں کہیں نہیں جاؤں گی، وعدہ کرتی ہوں آپ سے۔"

یوسف علی خاں اٹھ کر چلے گئے اور ثنا پریشانی سے سوچنے لگی کہ اتنے اچھے خاندان کے لئے وہ کیا کر سکتی ہے، یہ تو خیر ایک گھٹیا سی بات تھی اس آدمی کی جس کا نام ہریالے میاں تھا۔ یہ لوگ دولت کے بل پر شیطان بنے ہوئے تھے۔ ثنا سوچتی رہی کہ کیا کرنا چاہئے، پھر طبیعت پر اتنا بوجھل پن سوار ہوا کہ وہ باہر نکل آئی۔ کافی تاریک ماحول تھا۔ حویلی کے کچھ حصے روشن تھے اور کچھ بالکل تاریک۔ وہ اپنی وحشتوں کا شکار ہو کر کافی آگے نکل آئی اور پھر پھولوں کے کنج کے پاس اسے کچھ سرگوشیاں سی سنائی دیں اور وہ ایک دم ٹھٹھک کر رک گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی وہاں کوئی تھا، کون؟ یہ اندازہ اسے نہیں ہو سکا تھا۔

☆......☆......☆

حیات علی بس زندہ تھا، لگن کچھ زیادہ ہی شدید ہو گئی تھی اور جس قدر پریشانیاں راستے میں آ رہی تھیں اس کی لگن بڑھتی ہی جا رہی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب واپس نہیں جائے گا۔ ثنا مل گئی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی تلاش میں زندگی کا آخری لمحہ بھی ختم کر دے گا۔

جس علاقے میں وہ سفر کر رہا تھا اس کے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم تھا، چاروں طرف پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ رات ہوتی جا رہی تھی۔ وہ زندگی سے بیزار ضرور ہو گیا تھا، لیکن زندہ بھی رہنا چاہتا تھا۔ ایک آرزو کے لئے، ثنا کی زندگی کے لئے۔

گہری رات ہو گئی تو اس نے زمین کے ایک حصے پر اپنے لئے جگہ بنا لی۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ کافی دیر تک جاگتا رہا اور اس کے بعد آنکھ لگ گئی۔

پھر سورج کی کرنوں نے پلکوں کے پپوٹوں میں گدگدی کر کے جگایا اور ذہن کے بند دریچے کھلنے لگے، گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے، دل رونے لگا۔ آہ میں گردش آسماں کا مارا ہوا ہوں۔ وقت کا سب سے بدنصیب انسان، جو اپنی زندگی جی بھی نہیں سکتا، جس کے لئے اس وسیع کائنات میں کوئی جگہ نہیں ہے، دل کا زخم کافی پریشان کرنے لگا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ساری رات اس ویران اور بے آب و گیاہ پہاڑوں میں گزاری تھی، تا حدِ نگاہ خشک چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور ان چٹانوں میں تاریک دھبے نظر آ رہے تھے، جو چھوٹے غاروں کے دہانے ہو سکتے تھے۔ دن کی روشنی میں اس نے بغور اس منظر کو دیکھا، عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ بھوک بھی شدت کی لگ رہی تھی، کھانے پینے کی کوئی چیز بھی یہاں موجود نہیں تھی۔ پیاس سے زبان پر کانٹے پڑے ہوئے تھے اور وہ ویران نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھ رہا تھا، بہت دیر تک اپنی جگہ بیٹھا سوچتا رہا اور پھر یہاں سے اٹھ گیا۔

چلنا تو ہے یہاں رکنے سے کیا فائدہ، ٹیلوں کے درمیان سفر کرتا ہوا وہ تھوہر کے ان درختوں کو دیکھتا رہا جو جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ جھاڑیوں کے درمیان زہریلے سانپ اور بچھو اکثر نظر آ جاتے تھے۔ اسے اب ان سے زیادہ خوف نہیں محسوس ہوتا تھا۔

سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور اس کی تپش بھی پریشان کر رہی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر اسے ایک غار کا دہانہ نظر آیا تو اس کے قدم غار کی جانب اٹھ گئے۔ کم از کم اس تیز دھوپ سے بچنے کے لئے غار اس کی مدد کر سکتا تھا۔ تھوڑی سی چھاؤں تو مل ہی جائے گی، وہ غار کے دہانے کے پاس پہنچ گیا۔ دہانہ کافی بڑا تھا۔ وہ تقریباً سات فٹ اونچا تھا اور اس کا قطر تقریباً پانچ ساڑھے پانچ فٹ ہوگا۔ باہر سے یہ غار جتنا تاریک نظر آتا تھا اندر سے اتنا تاریک نہیں تھا۔ غالباً پہاڑوں کے اوپری حصوں پر سوراخ تھے۔ یہ روشنیاں نظر آ رہی تھیں اور سورج کی روشنی نے اس غار کو اچھا خاصا روشن کر دیا تھا۔

اچانک اس کے نتھنوں میں ایک عجیب سی خوشبو آئی۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کہیں بھنا ہوا گوشت قریب ہی موجود ہے۔ اسی گوشت کی سوندھی سوندھی خوشبو ناک سے ٹکرا رہی تھی، اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں، تبھی اس نے اس چوکی کو دیکھا جس پر سفید رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ چوکی پر ایک بڑے سے برتن میں بھنا ہوا گوشت رکھا تھا اور قریب ہی پانی کا جگ تھا۔ ایک لمحے کے اندر دل و دماغ نے غور کرنا چھوڑ دیا اور اس کے قدم گوشت کی جانب بڑھ گئے، حالانکہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ اس جگہ یہ گوشت نظر آ جائے۔ وہ جلدی سے چوکی کے پاس پہنچ گیا اور اس کا ہاتھ تیزی سے پلیٹ کی جانب بڑھا، لیکن اسی وقت اس کے کان میں ایک سرگوشی سی ابھری۔ "یہ سور کا گوشت ہے حیات علی، اگر بھوک انتہائی پریشان کر رہی ہے تو کھا لو۔"

سرگوشی یقینی طور پر فرزان کی تھی۔

وہ ایک دم سے چونک پڑا اور اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ غار سنسان اور ویران پڑا ہوا تھا۔ فرزان نے اس کی مدد کی تھی، اسی وقت اس کے حلق سے بے اختیار آواز نکلی۔ "فرزان، دوست میری مدد کرو۔"

لیکن اس کے بعد فرزان کی آواز نہیں سنائی دی۔ حیات علی سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ آواز اس کا وہم تو نہیں تھی کیونکہ اس سے پہلے جب بھی کبھی اس نے فرزان کو آواز دی فرزان کی آواز اسے سنائی دی تھی۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟ اس نے ایک بار پھر اسے آوازیں دیں، لیکن فرزان کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ تاہم وہ اس آواز کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا جس نے اسے بتایا تھا کہ یہ حرام شے ہے اور اسے اپنی بھوک کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

کچھ ایسی وحشت اس کے دل میں پیدا ہوئی کہ وہ فوراً ہی غار سے باہر نکل آیا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔ ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں جاگزیں تھا، دوڑتے ہوئے اچانک ہی ایک جگہ اسے ٹھوکر لگی اور وہ بری طرح نیچے گرا۔ نیچے گرتے وقت اس کا سر کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔ بے ہوشی نے اس سے بھوک پیاس کا احساس چھین لیا اور بہت دیر تک وہ بے ہوش پڑا رہا، لیکن بہرحال ہوش میں تو آنا تھا۔ دھوپ اب بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بہت برا وقت آ گیا تھا اس پر، محبت کے ہاتھوں انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ تقدیر جہاں تک بھی ساتھ دے چلتے رہو، اس نے قدم آگے بڑھائے جس جگہ پتھر سے چوٹ لگی تھی وہاں خون بہہ کر جم گیا تھا۔ پھر سورج ڈھلنا شروع ہو گیا اور ابھی پوری طرح شام نہیں ہوئی تھی جب اچانک اس نے زمین پر ایک نشان دیکھا اور دفعتاً ہی اس کا دل بری طرح اچھل پڑا۔ یہ کالے قدم کا نشان تھا۔

"عدلان سوناری۔" اس کے منہ سے بے اختیار آواز نکلی۔

اس کا مطلب ہے کہ عدلان سوناری ادھر سے گزرا ہے۔ فرزان نے جن کالے قدموں کی نشاندہی کی تھی یہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گئے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کالے قدموں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پتہ نہیں کتنی دور چلا ہوگا کہ اسے پانی کی شرر شرر سنائی دی، اس بے آب و گیاہ علاقے میں پانی کی آواز اسے اپنا وہم محسوس ہوئی تھی، لیکن جب وہ کالے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتا ہوا اس بڑی چٹان کے پیچھے پہنچا جو سامنے ہی تھی تو ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی کی پھیلی رہ گئیں۔

چٹان کی اوٹ سے ایک چشمہ پھوٹ رہا تھا اور ایک چھوٹا سا نالہ بناتے ہوئے بہہ رہا تھا، چشمے کا پانی بالکل شفاف تھا۔ وہ پانی کو دیکھتا ہوا چند قدم آگے بڑھا۔ پانی صاف شفاف تھا اور اس کی تہہ تک نظر آ رہی تھی، پھر ایک جگہ بیٹھ کر اس نے پانی میں ہاتھ ڈال دیئے، ٹھنڈا اور شیریں پانی تھا۔ اس نے چلوؤں میں بھر بھر کر اسے پیا، اپنے اس زخم کو صاف کیا جو بدستور تکلیف دے رہا تھا، جس گرمی سے گزر کر آیا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس چشمے کے اندر لیٹ جائے اور اس وقت تک لیٹا رہے جب تک پورے بدن کا ایک ایک مسام ٹھنڈا نہ ہو جائے، لیکن ایک اور دوسری چیز نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر اسے کچھ درخت نظر آئے تھے جن پر سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھل لگے ہوئے تھے، سیب جیسے پھلوں کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی وہ تیزی سے دوڑا۔ کم از کم قدرت کی یہ تخلیق ناپاک نہیں ہو سکتی۔ درخت زیادہ اونچے نہیں تھے، اس نے ایک پھل توڑ کر اسے چکھا اور پھر وہ ان پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔

پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اس نے کافی پھل کھائے۔ بہرحال اس کے بعد اس نے ان پھلوں کو توڑ کر جیبوں میں بھرا اور وہ کافی مطمئن سا ہو گیا۔ کم از کم زندگی کی نوید تو مل گئی تھی، پھل اور پانی۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی اپنے بندوں کو نعمتوں سے محروم نہیں رکھا، بدن میں توانائی آ گئی تھی، ایک بار پھر اس نے زمین پر جھک کر کالے قدموں کے نشانات کو تلاش کیا اور انہیں دیکھ کر آگے بڑھنے لگا۔

سورج سر پر سے گزر چکا تھا اور شام کی کجلاہٹیں نمودار ہوتی جا رہی تھیں اور اس کے بعد آہستہ آہستہ رات چھا گئی۔ وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ چٹانیں سرسبز و شاداب علاقے میں تبدیل ہوتی جا رہی ہیں۔ اونچے اونچے درخت بھی کہیں کہیں نظر آنے لگے تھے۔ اسے ایک فرحت کا سا احساس ہوا، لیکن اب اس ویرانے اور تاریکی میں کالے قدموں کے نشانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

پھر چند ہی قدم اور طے کئے ہوں گے کہ دفعتاً اسے ایک روشنی نظر آئی اور وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ روشنی کیسی ہے؟ اس ویران اور بے آباد علاقے میں اس روشنی کا وجود کافی پراسرار محسوس ہو رہا تھا۔ کالے قدم تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن کسی ایک جگہ رک جانا بے مقصد تھا، اسے کسی منزل کی تلاش تو تھی نہیں، زندگی کا جو مقصد تھا اس کے لئے جتنا بھی سفر ہو جائے۔ چنانچہ وہ اس روشنی کے مرکز کی تلاش میں چل پڑا۔ اس سفر کا اختتام ایک ایسی جگہ ہوا جہاں خوبصورت پتھروں کی ایک محراب بنی ہوئی تھی اور اس محراب کے ایک طاقچے میں وہ چراغ روشن تھا جس کی روشنی اسے دور سے نظر آئی تھی۔

اس نے دلچسپی سے آگے نگاہیں دوڑائیں، محراب کے عقب میں اسے خوبصورت منظر نظر آئے جو دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ کوئی چار فٹ اونچی دیوار کا احاطہ تھا۔

اس ویرانے میں اتنی حسین جگہ کوئی طلسم ہی ہو سکتی تھی۔ وہ بے اختیار آگے بڑھ گیا۔ اتنا حسین منظر آنکھوں کے سامنے تھا کہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو جائیں۔ حسین طرزِ تعمیر کی ایک بارہ دری، سرسبز و شاداب گھاس جس پر پھولوں کے کنج، سنگِ مرمر کی بنچیں جا بجا پڑی ہوئی تھیں۔ پھر کچھ فاصلے پر ایک سنگی چبوترہ اور پھر ایک عمارت کا بڑا سا چوبی دروازہ۔

حیات علی چبوترے پر چڑھ گیا۔ اچانک چرچراہٹ کی ایک آواز کے ساتھ بڑا دروازہ کھلنے لگا اور حیات علی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ نہ جانے اب کیا ہونے والا تھا؟

(جاری ہے)

حیات علی کی نگاہیں پر تجسس انداز میں دروازے پر جمی ہوئی تھیں پھر دروازے میں جو شکل نظر آئی، اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کیلئے مبہوت رہ گیا، اس قدر حسین شکل وصورت تھی کہ انسانی تصور سے باہر ہو۔ قد تقریباً ساڑھے پانچ فٹ، انتہائی متناسب جسم، بہت ہی خوبصورت

اگر وہ پوتھی لے کر نہ بھاگتا جو اس کے کسی کام نہ آئی اور باقی تین پاٹھ پورے کرلیتا تو آج صورتحال ہی بدلی ہوئی ہوتی، ہم اس طرح کھنڈروں میں نہ چھپے پڑے ہوتے، بلکہ ہم اپنا ایک الگ سنسار قائم کرتے، دیکھو میں تمہیں پھر بتا رہا ہوں آخری چار پاٹھ کرلو، تم اتنے مہان ہوجاؤ گے کہ سوچ بھی نہیں سکو گے، کیا سمجھے؟"
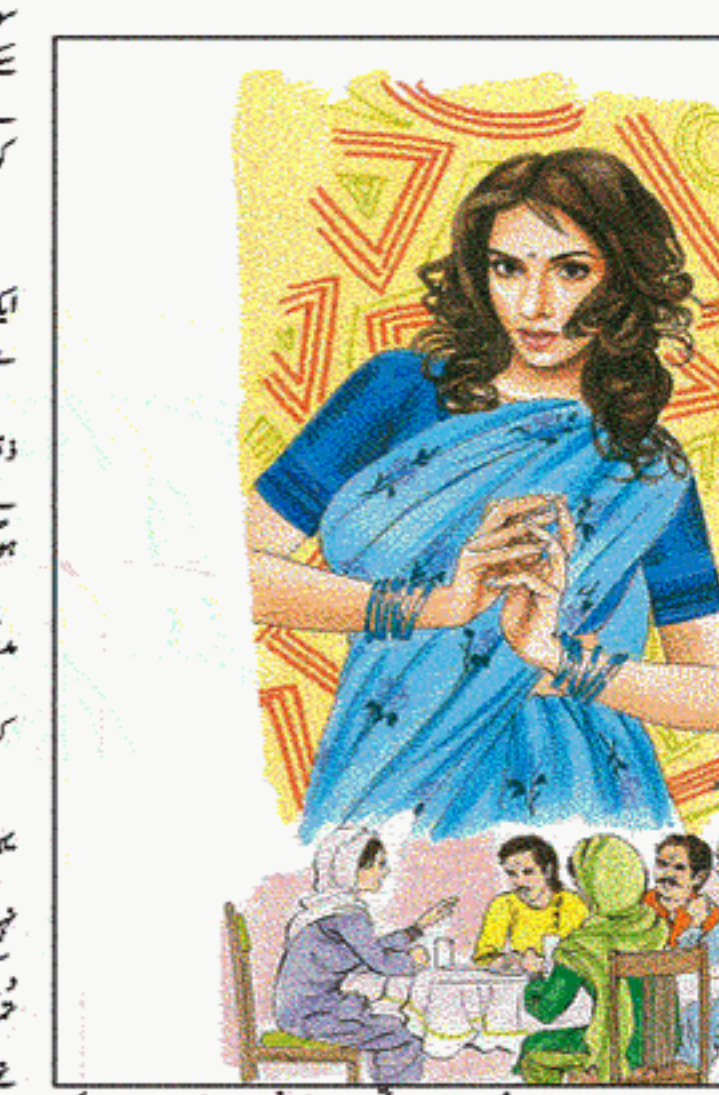
گلابی رنگ کی ساڑھی، ماتھے پر بندیا، چہرہ اتنا منور اور روشن کہ آنکھیں اس پر سے ہٹنا بھول جائیں لیکن حیات علی کے دل میں کوئی غلط خیال نہیں آیا تھا، بس اس طلسمی حسن نے اسے مسرور کردیا تھا اور اسے نگاہیں ہٹائے بغیر دیکھتا رہ گیا تھا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بہت ہی خوبصورت مسکراہٹ تھی اور انداز میں ایک استقبالیہ کیفیت تھی، پھر اس کی مترنم آواز سنائی دی۔ "اندر آجایئے۔"

اتنی خوبصورت آوازیں مشکل ہی سے سننے کو ملتی ہیں، حیات علی اس آواز کے جال میں جکڑا رہا اور اس کے قدم آگے نہ بڑھے تو وہ چند لمحات کے بعد پھر بولی۔ "میں نے آپ ہی سے کہا ہے اندر آجایئے، میں آپ کا انتظار کررہی تھی۔"

حیات علی کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا، ان الفاظ نے اس کے ذہن سے طلسم توڑ دیا تھا۔

"مم...... میرا انتظار......؟"

"ہاں آیئے نا، اندر آجایئے۔" وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"دیکھو...... شاید تم کسی اور کا انتظار کررہی ہو، میں تو بس اتفاقیہ طور پر......!"

"نہیں آیئے...... آپ ہی کا انتظار کررہی تھی میں۔"

وہ ایک لمحے تک ٹھٹکا، اس کے بعد شانے جھکا کر دروازے کی سمت بڑھ گیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اندر داخل ہوکر وہ بھونچکارہ گیا، ایک چوڑے کوریڈور سے گزار کر وہ اسے ایک ایسے بڑے کمرے میں لے آئی جو کافی خوبصورت تھا اور یہاں کھانے کی میز لگی ہوئی تھی اور اس پر بے شمار اقسام کے کھانے موجود تھے، طرح طرح کے میوے اور پھل سلیقے سے چنے ہوئے تھے۔

"بیٹھئے۔" اس نے حیات علی کیلئے کرسی گھسیٹی اور پھر بولی۔ "دیکھئے آپ ہمارے مہمان ہیں، بیٹھ جایئے اور اطمینان رکھئے کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

حیات علی بیٹھ گیا، اس وقت اس کی کیفیت ایک سحرزدہ شخص کی سی تھی۔ وہ بولی۔ "مہمان کی سب سے پہلی تواضع کھانے سے ہوتی ہے، آپ براہ کرم کچھ لیجئے۔"

حیات علی نے چونک کر چاروں طرف دیکھا، بھوک بے شک لگ رہی تھی لیکن یہ سب کچھ اس کیلئے ناقابل فہم تھا اور جن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچا تھا، ان میں سب سے بڑی چیز یہی تھی کہ اپنے ایمان کو برقرار رکھے، بھوگ ودیا میں جو کچھ ہورہا تھا، اگر وہ ہوجاتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنا ایمان کھوبیٹھتا اور کالے علم کا پیروکار بن جاتا، اب یہاں اس انوکھی طلسم گاہ میں پہنچ کر بھی وہی چیز سامنے آرہی تھی، کسی نے اس کے دل میں چٹکی لے کر کہا تھا کہ پاگل! دنیا کا ہر لالچ دین، دھرم اور ایمان کے آگے ہیچ ہے، بھوک کو برداشت کر، لڑکی کے ماتھے پر بندیا لگی ہوئی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ ہندو ہے اور کیا عجب ہے کہ یہ طلسم خانہ بھی بھوگ ودیا ہی کا ایک حصہ ہو۔

لڑکی نے پھر کہا۔ "آپ بہت زیادہ تکلف کررہے ہیں، آپ لیجئے نا۔"

"دیکھو مجھے تمہارا نام نہیں معلوم، کیا تمہیں میرا نام معلوم ہے؟"

لڑکی کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا، حیات علی کو صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ حیات علی کے نام کے سلسلے میں "ہاں" کہنا چاہتی ہے لیکن پھر خاموش ہوگئی ہے۔

"میرا نام نجوگتا ہے اور آپ......؟"

"میں مسلمان ہوں، میرا نام حیات علی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"نجوگتا! معافی چاہتا ہوں، ایک مسلمان اس طرح کسی ہندو کا مہمان نہیں بن سکتا، میری بات کا برا مت ماننا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارے اور آپ کے دھرم کا فرق ہے، لیکن جب میزبان، مہمان کے سامنے بیٹھا ہوتو اسے مہمان کی ہر بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے، آپ جو چاہے اطمینان کرلیں، مجھے میرے بھگوان کی سوگند اس کھانے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے آپ کا دھرم نشٹ ہو۔"

"اس کے باوجود نجوگتا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"مجھے دکھ ہوگا، میرے گھر آکر آپ کھانا نہیں کھائیں گے، اچھا پھر یوں کیجئے یہ پھل اور میوے موجود ہیں، یہ تو زمین پر اگتے ہیں، اس میں ہندو یا مسلمان کے دھرم کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔" حیات علی نے کہا اور پھلوں کی جانب ہاتھ بڑھا دیئے۔ گھر کی پکی ہوئی چیزوں میں سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا، ان میں پوریاں بھی تھیں، بھاجی بھی تھی لیکن حیات علی کا دل ان چیزوں کو قبول نہیں کررہا تھا، البتہ خوش ذائقہ پھل اس نے کافی کھالئے۔ نجوگتا بھی اس کے ساتھ ہی شریک ہوگئی تھی، اس نے گہری نگاہوں سے حیات علی کو دیکھا اور بولی۔ "اب تو آپ کو اطمینان ہے؟"

"ہاں نجوگتا لیکن میں شرمندہ بھی ہوں کہ میں نے تم سے اس طرح کی بات کی، اس کیلئے مجھے معاف کردینا۔"

"نہیں، میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی، آپ کا اپنا دھرم ہے اور دھرم کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں کہنا چاہئے۔"

حیات علی خاموشی سے نجوگتا کی صورت دیکھتا رہا تھا، دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اچانک ہی نجوگتا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہے، وہ حیات علی کے پیچھے کسی چیز کو دیکھ رہی تھی اور جب وہ پلٹا تو خود اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات پھیل گئے، دل میں ایک دم خوف پیدا ہوا تھا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا کیونکہ پیچھے بھوگ ناتھ کھڑا ہوا تھا، اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اس لڑکی سے کوئی نفرت کا احساس ہوا ہو، پھر اس نے گہری نگاہوں سے حیات علی کو دیکھا اور بولا۔ "ہوں تو تم یہاں آکر بھی اپنے ایمان، دھرم کی بات کررہے ہو، پاگل آدمی تم نے ہماری دعوت قبول نہیں کی، ہم قدم قدم پر تمہیں اپنے بیچ لانا چاہتے ہیں لیکن تم ہر جگہ بچ رہے ہو۔"

"مکھ راج نے مجھے سور کا گوشت کھلانے کی کوشش کی تھی اور تم جانتے ہو کہ مسلمان کے دین میں یہ گوشت کیا حیثیت رکھتا ہے؟"

"دین، دین......! دیکھو بھوگ ودیا وہ ودیا ہے جسے منش سیکھ لے تو یہ سمجھ لو سنسار اس کے چرنوں میں ہوتا ہے، بڑے کھیل چل رہے ہیں اور سنا ہے تم نے مکھ راج کو مارا تھا، تمہیں وہاں سے آزادی بے شک مل گئی، مکھ راج اگر چاہتا تو وہیں تمہارے پیروں میں زنجیر ڈال کر تمہیں کسی درخت سے باندھ دیتا اور تم بھوکے پیاسے مرجاتے، مگر سنو حیات علی! ہمیں بھوگ ودیا کیلئے ایک ایسے ودھوان کی ضرورت ہے جو بہت ہی بڑے دین کا حامی رہ چکا ہو جیسے مسلمان اور اس کے بعد جب وہ بھوگ ودیا کو سویکار کرے گا تو بھوگ ودیا میں روشنی ہی روشنی پیدا ہوجائے گی، یہ ہماری مجبوری ہے، ہم نے اس سسرے عدلان سوناری کو بھی اسی راستے پر لانا چاہا تھا، پر وہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں، اس نے بس ایک چھوٹی سی چیز پر بھروسہ کرلیا، حالانکہ وہ دین، دھرم کا اتنا قائل نہیں تھا جتنے تم ہو،

"تمہارا دماغ خراب ہے، تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں ویسے بھی ایک مذہبی خاندان کا فرد ہوں، میرے دادا کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شہادت نصیب ہوئی ہے، میں خود بھی محکمہ پولیس میں تھا اور میں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے ہوئے یہ اقرار کیا تھا کہ اپنے مذہب کی توہین ہونے دوں گا اور نہ کسی ایسے شخص کو زندہ چھوڑوں گا جو میرے مذہب کی توہین کرے گا، تم مجھے گھیر گھار کر یہاں تک لے آئے لیکن اطمینان رکھو میرا ایک مشن ضرور ہے مگر وہ مشن میرا دین اور ایمان سے بڑا نہیں ہے، مجھے اگر اپنے مشن کو بھی قربان کرنا پڑا تو مذہب کیلئے میں ایسا ہی کروں گا۔"

"ارے جا بہت دیکھے ہیں دین، دھرم والے، چار دن روٹی نہ ملے تو سارا دین، دھرم کہیں چلا جاتا ہے، تو کیا سمجھتا ہے تو ہم سے ٹکر لے گا، عدلان سوناری کی بات دوسری تھی، وہ کنس پوتھی لے کر فرار ہوگیا اور کنس پوتھی ہمارے پاس واپس آگئی، پر تیرا کام بالکل الگ ہے، ماروں گا نہیں میں تجھے لیکن ایسا سے لے آؤں گا تجھ پر کہ تو موت کیلئے بھی تڑپے گا اور ارے او ری، تجھ سے کہہ رہا ہوں میں نجوگی! میں کیا کہہ کر گیا تھا تجھ سے، بول کیا کہا تھا میں نے تجھ سے؟"

لڑکی کے چہرے پر انتہائی خوف ابھر آیا تھا، اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "آپ نے کہا تھا مہاراج کہ ایک مہمان آرہا ہے اور مجھے اس کی خاطر مدارات کرنی ہے۔"

"اور کیا کہا تھا میں نے؟"

"آپ نے کہا تھا کہ اس مہمان کو تجھے بھوجن کرانا ہے، اپنی ساری اداؤں سے کام لے کر اسے اپنے جال میں پھانسنا ہے۔"

"تو کیا کیا تو نے......؟"

"مم...... مہاراج! میں نے وہی کیا جو آپ نے مجھ سے کہا تھا، پر میں کیا کروں یہ میری اداؤں میں آیا ہی نہیں۔" لڑکی نے اس معصومیت سے کہا کہ حیات علی کے ہونٹوں پر ان حالات کے باوجود مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اس مسکراہٹ کو کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

"میں نے کہا تھا کہ بھوجن کراتا ہے اسے اور تو اس کیلئے میووں اور پھلوں کا انتظام کرکے بیٹھی ہوئی ہے، ہیں، پیٹ بھر دیا تو نے اس کا مورکھ، تو نہیں جانتی یہ پاپی مکھ راج کو مار کر بھاگا ہے، زخمی کردیا ہے اس نے مکھ راج کو اور تو نے اس کا پیٹ بھروا دیا پھلوں سے...... کیا سزا دوں میں تجھے، بول میں تجھے کیا سزا دوں؟"

"سنو میری بات سنو بھوگ ناتھ، بس یہی قوت ہے تمہاری، معصوم لڑکیوں کو اپنی ناکامیوں کی سزا دیتے ہو، یہ سزا تم اس کے بجائے مجھے دے دو تو زیادہ اچھا ہوگا، گردن کاٹ دو میری، تم تو یہ کرسکتے ہو۔"

"بڑی ہمدردی ہوگئی دونوں میں، ارے تو دیکھ تو سہی میں اس کا اور تیرا کیسا حشر خراب کرتا ہوں، آ میرے ساتھ، او تو آ میرے ساتھ۔" اس نے بڑی حقارت سے لڑکی سے کہا اور وہ سہمے سہمے ہوئے قدم اٹھاتی ہوئی بھوگ ناتھ کے پیچھے چل پڑی جو آگے بڑھ گیا تھا۔

حیات علی اس وقت ان دونوں کو نہیں روک سکا تھا، وہ اپنی جگہ بے جان سا بیٹھا رہا اور نجوگتا اور بھوگ ناتھ کہیں دور چلے گئے، پتہ نہیں وہ اسے کہاں لے گیا تھا، حیات علی بیٹھا سوچتا رہا، وہ اس کالے طلسم میں بری طرح پھنس گیا تھا، راج مکھ وہاں سے تو غائب ہوگیا تھا لیکن بھوگ ناتھ سے اس کی ملی بھگت تھی۔

کافی دیر تک وہ وہیں بیٹھا رہا پھر اس نے سوچا کہ کم از کم اٹھ کر جدوجہد تو کرنی چاہئے، وہ اس دروازے سے نکلنے ہی والا تھا کہ اسے دور سے نجوگتا آتی ہوئی نظر آئی، وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی حیات علی کے قریب آگئی، اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔"

"افسوس تو مجھے ہے نجوگتا کہ میری وجہ سے تمہیں۔"

"نہیں بھوگ ناتھ مہاراج نے مجھے کچھ نہیں کہا، میں تو ان کی داسی ہوں، انہوں نے مجھے معاف کردیا۔"

"پھر وہ تمہیں وہاں کیوں لے گیا تھا؟"

"بس، کہہ رہے تھے کہ میں تمہارا ہر طرح خیال رکھوں۔" اس بار اس نے جو الفاظ کہے، وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے نہیں ملتے تھے، حیات علی کو شبہ ہوگیا کہ بھوگ ناتھ نے اسے کوئی نئی چیز سکھا کر بھیجا ہے۔

"ایک بات بتاؤ نجوگتا......؟"

"ہاں پوچھئے۔"

"اس جنگل اور ویرانے میں یہ عجیب سی جگہ کیا ہے، کیا یہ بھوگ ناتھ کی رہائشگاہ ہے؟"

"آپ مجھ سے یہ ساری باتیں نہ پوچھیں، بڑی مشکل سے تو مجھے معافی ملی ہے، آپ آیئے میرے ساتھ میں آپ کو آپ کی آرام گاہ میں پہنچادوں۔" اس نے کہا اور حیات علی کو یہ یقین ہوگیا کہ بھوگ ناتھ نے اسے کسی نئے حربے سے لیس کرکے بھیجا ہے، کچھ دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت آرام گاہ میں داخل ہوگئی، یہاں ایک مسہری پڑی ہوئی تھی۔

"بیٹھئے۔" وہ بولی۔

حیات علی کے بیٹھنے کے بعد وہ خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور انہیں الٹ کر دیکھنے لگی پھر مسکرا کر بولی۔ "شکریہ۔"

"کیا ہوا......؟"

"پنڈت جی کو دیکھ رہی تھی، یہ دیکھو۔" اس نے اپنے ہاتھوں کے ناخن حیات علی کے سامنے کردیئے اور حیات علی نے تعجب سے دیکھا کہ اس کے ناخنوں میں بھوگ ناتھ کی تصویر نظر آرہی تھی، وہ ایک مرگ چھالہ پر آسن رمائے بیٹھا تھا۔

"یہ سب کچھ......؟"

"مہاراج کی دی ہوئی شکتی ہے مگر یہ انہوں نے دوسرے کاموں کیلئے دی تھی، اب وہ آرام سے اپنی کالی بھگتی کررہے ہیں اور کل تک یہاں نہیں آئیں گے، نہ ہی کالی بھگتی کے درمیان وہ کسی اور بات کی طرف توجہ دیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس وقت یہاں آزاد ہو؟"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہاں آزاد ہی کہہ لو۔" پھر وہ جلدی سے بولی۔ "میں تمہیں بتاؤں مہاراج جب مجھے یہاں سے لے گئے تھے، انہوں نے مجھے کافی ڈانٹ ڈپٹ کی اور اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرا اصل کام تمہارا دھرم نشٹ کرنا ہے، اصل میں مکھ راج اور ہمارے بھوگ ناتھ مہاراج ایک نئی شکتی حاصل کرنے کی کوششوں میں برسوں سے لگے ہوئے ہیں، کالی شکتی میں جتنے گندے کام ہوسکتے ہیں، اسی سے کالی شکتی کو طاقت ملتی ہے، ایک مسلمان سے اس کا دھرم چھین کر اس کی بھینٹ دینی ہے لیکن وہ ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہوسکے، پہلے انہوں نے کچھ اور مسلمانوں کو اس کام کیلئے آمادہ کیا تھا، انہیں شکتی بھی دی، پر وہ ان کی مرضی کے کام نہیں کرسکے اور اب شاید تم ملے ہو، سو تم نے بھی ان کی بات نہیں مانی، میں جو کچھ بھی ہوں، میرا بھگوان جانتا ہے، پر میں نہیں چاہتی کہ میری طرح کوئی اور بھی برباد ہو مگر میں تمہیں یہ بتادوں کہ مجھے تمہیں طرح طرح سے دھوکے دینا پڑیں گے، مجھے مجبور سمجھ لینا، پہلی بات تو یہ کہ یہاں کسی قسم کا گوشت مت کھانا اور وہ پھل مت کھانا جن میں رس ہو کیونکہ ہوسکتا ہے ان پھلوں میں تمہیں وہ چیز دی جائے جو تمہارا دھرم نشٹ کردے، ہاں سوکھے میوے کھاسکتے ہو اور ایسے پھل جو رس والے نہ ہوں، پانی بھی پی سکتے ہو کیونکہ پانی بھگوان کی طرف سے پوتر ہے، اس کے علاوہ اگر تم نے اس کے کہنے سے کچھ کھایا پیا تو وہ تمہاری مرضی ہوگی، میرا اس میں کوئی دوش نہیں ہوگا۔"

"مگر مجھے یہ بتاؤ نجوگتا کہ تم نے مجھے یہ سب کچھ کیوں بتادیا؟"

"اس سے جو کچھ میں تمہیں بتارہی ہوں، اس کا اسے پتہ نہیں چلے گا، ایک بات اور تمہیں بتادوں یہ جگہ بھول بھلیوں میں سے ہے، تم یہاں سے آسانی سے نہیں نکل سکو گے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارا احسان مانتا ہوں نجوگتا مگر ایک سوال میرے ذہن میں ہے، کیا تم مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی؟" حیات علی نے کہا اور نجوگتا کی حسین آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ ایک دم خاموش ہوگئی تھی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم کسی مشکل میں پھنسی ہوئی ہو، کاش میں تمہاری مدد کرسکتا۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر حیات علی کو دیکھا پھر بولی۔ "مجھے معاف کردینا، میں زبان نہیں کھول سکتی۔"

"ٹھیک ہے، میں بھی تمہیں مجبور نہیں کروں گا، ہاں ایک بات بتاؤ یہاں آس پاس کوئی آبادی ہے؟"

"نہیں، کوئی آبادی نہیں ہے، اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے، اس نے نہیں بلکہ مکھ راج نے، تم کسی کی تلاش میں کالے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چل رہے تھے، وہ نشانات مکھ راج نے دوبارہ بنائے اور تمہیں اس طرف بھیج دیا، وہ جھوٹے نشانات تھے جو یہاں تک آتے تھے۔"

حیات علی ششدر رہ گیا تھا، بڑی دھوکا دہی ہوئی تھی اس کے ساتھ اس نے ممنون نگاہوں سے نجوگتا کو دیکھا پھر بولا۔ "نجوگتا! تم نے واقعی یہ بتا کر میرے اوپر احسان کیا ہے مگر تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ آخر تمہیں یہاں سے کیسے نکالا جاسکتا ہے؟"

"کوئی نہیں نکال سکتا مجھے، جب میرے ماتا پتا ہی نے میری بھینٹ دے دی، میری بلی چڑھا دی تو اور کون میرا ہمدرد ہوسکتا ہے۔" وہ رونے لگی۔

حیات علی نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "تمہارے ماتا پتا نے......؟"

"ہاں دھرم کے نام پر انہوں نے اپنی بیٹی کا بلیدان دے دیا، ہم سات بہنیں تھیں، میرے پتا کو بیٹے کا ارمان تھا اور ہر بار جب ہمارے ہاں ایک بہن پیدا ہوجاتی تو انہیں بڑا دکھ ہوتا، منتیں اور مرادیں مانگتے پھرتے تھے چاروں طرف...... پھر وہ یہاں آگئے، انہوں نے کالی کے مندر میں منت مانی کہ اگر بھگوان نے انہیں بیٹا دے دیا تو وہ اپنی ایک بیٹی اس پر بلیدان کرنے کیلئے تیار ہیں، میں ان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی بیٹی تھی اور دھرم کے مطابق مجھے ہی بیٹے کیلئے قربان کیا جاسکتا تھا، بھگوان نے انہیں بیٹا دے دیا اور انہوں نے مجھے کالی مندر کے سپرد کردیا، میں اس وقت گیارہ سال کی تھی، پہلے تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی لیکن جوں جوں میں جوان ہوتی گئی، مجھے احساس ہوا کہ میرے لئے مشکلیں پیدا ہورہی ہیں اور پھر مجھے پنڈت بھوگ ناتھ کے قبضے میں آنا پڑا اور اس شیطان کی ہر بات ماننی پڑی بس اس سے میں یہاں رہتی ہوں۔"

"مجھے بہت افسوس ہوا ہے نجوگتا! تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو، کاش میں تمہاری مدد کرسکتا۔"

حیات علی رات کو سو نہیں سکا تھا، وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ کونسی ایسی ترکیب ہو جو یہاں سے نکلا جاسکے، مصیبت در مصیبت آگئی تھی، شنا بچاری کو بس ایک چھوٹے سے جرم کی اتنی بڑی سزا ملی تھی کہ وہ آج تک مشکلوں میں پھنسی ہوئی تھی، بہرحال فی الحال کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ دوسری صبح اپنی آرام گاہ سے باہر نکل آیا اور ادھر ادھر گھومنے لگا، سوچ رہا تھا کہ اس طلسم کدے سے نکلنے کا کیا ذریعہ ہوسکتا ہے، وہ عمارت کے صحن میں آیا، یہاں ایک خوبصورت تالاب بنا ہوا تھا، چند لمحے سوچتا رہا، پھر اس نے کہا جو ہوگا دیکھا جائے گا، چنانچہ وہ لباس اتار کر تالاب میں اتر گیا، نہانے کے بعد وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ نجوگتا نظر آگئی۔ وہ بولا۔ "تم کہاں تھیں؟"

"بس کچھ کام ہوتے ہیں مجھے۔"

"وہ کہاں ہے میری مراد بھوگ ناتھ سے ہے۔"

"میں یہیں ہوں میرے دوست......!" پیچھے سے بھوگ ناتھ کی آواز سنائی دی۔

حیات علی نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔ "ہوں تو تم اس طرح بھی آجاتے ہو۔"

"میں نے تمہارے بارے میں جاپ کئے ہیں اور مجھے پتہ چلا ہے کہ تم ہمیں وہ سب کچھ دے سکتے ہو جس کی ہمیں ضرورت ہے، تم سمجھ لو میرے دوست کہ تمہیں اتنا کچھ مل جائے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، میری مانو بھوگ ودیا کے باقی چار پاٹھ بھی پورے کرلو، تم دیکھو گے کہ بھوگ ودیا تمہیں اتنا کچھ دیتی ہے کہ تم حیران رہ جاؤ گے، میں نے تمہارے بارے میں پچھلی رات بہت کچھ معلوم کیا ہے، تم محکمۂ پولیس میں تھے نا......؟ ارے پاگل اگر اسی محکمے میں اپنا ایک مقام بناسکتے ہو تو بھوگ ودیا کے بعد تم واپس بھی جاسکتے ہو اور تمہاری وہ پریمکا بھی تمہیں مل سکتی ہے، تم محکمۂ پولیس میں جاؤ گے، بڑی بڑی وارداتوں کی تفتیش کرو گے اور چٹکیاں بجاتے تم اصل مجرموں کو پکڑ لو گے، تمہارا عہدہ بڑھتا چلا جائے گا، اتنی بڑی شکتی تم ذرا سی بات کیلئے چھوڑ رہے ہو، میری مانو میں پھر تمہیں موقع دے رہا ہوں، نجوگتا ان کی خوب خاطر مدارات کرو، میں چلتا ہوں، اگر یہ تیار ہوجائیں تو تم مجھے خبر کردینا۔" بھوگ ناتھ واپسی کیلئے نجوگتا کو دیکھ رہا تھا، جب وہ چلا گیا تو نجوگتا نے کہا۔

"اور جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے، وہ غلط نہیں ہے، اگر تم ان کی بات مان لو گے تو وہ تمہارے جاپ پورا کرا کے شیطان کے چرنوں میں تمہاری بلی دے دیں گے اور ان کا کام پورا ہوجائے گا، یہ صرف سبز باغ ہیں جو اس نے تمہیں دکھائے ہیں۔"

بات حیات علی کے علم میں پہلے بھی آچکی تھی، لیکن نجوگتا اس طرح منہ کھول دے گی، اس کا اسے اندازہ نہیں تھا، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس کیلئے مخلص ہے مگر میں تیرے لئے کیا کرسکتا ہوں نجوگتا......! اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

☆......☆......☆

عدلان سوناری کو ایک بار پھر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا، وہ عجیب و غریب فطرت کا مالک تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ماضی بہت عجیب رہا تھا، ایک لمبی کہانی اس کی ذات سے وابستہ تھی، بچپن ہی سے برائیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا، ایک بہت بڑے زمیندار کی اولاد تھا، زمینداری کے دور میں اتنا آگے بڑھا کہ باپ، دادا کی عزت پر حرف آگیا اور اسے گھر سے بھاگتے بن پڑی، نوجوانی کا عالم تھا، کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا، دولت اور دوستوں نے اسے بگاڑ دیا تھا، گھر سے بھاگ کر مشکلات کا شکار رہا، یہاں تک کہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہاتھ لگ گیا، دلیر تھا، نوعمر تھا چنانچہ خود بھی ان میں شامل ہوکر ڈاکے ڈالنے لگا اور پوری طرح ان میں رچ بس گیا، ایک بار ڈاکے کے دوران ہی اس کی ملاقات ایک سادھو سے ہوگئی جو عجیب وغریب قوتوں کا مالک تھا، سادھو کو اپنا گرو بنالیا، دین دھرم کا پہلے ہی پکا نہیں تھا بس ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا تھا، اس لئے مسلمان تھا چنانچہ سادھو اسے الٹے سیدھے جاپ کراتا رہا اور ان میں سے کچھ جاپ ایسے بھی تھے جن کی مدد سے اسے کچھ پراسرار قوتیں بھی حاصل ہوئیں اور پھر وہ کئی ایسے علم سیکھ گیا جو برائیوں کا مظہر تھے، اس کے ساتھ ہی اسے غلط طریقے سے حاضرات کا عمل بھی آگیا اور اس نے ایسے کئی ڈاکے ڈالے جن کے بارے میں اس نے حاضرات کے اس علم سے فائدہ اٹھایا تھا۔

اس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

سادھوی نے اسے اس راستے پر ڈالا تھا کہ اگر ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا علم آجائے تو اس سے بہت سے ایسے فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں جن سے دولت کے انبار لگ جائیں گے، چنانچہ وہ اس تگ و دو میں مصروف ہوگیا اور پھر ایک ایسے شخص سے اس کا واسطہ پڑا جو اسی عمل کے بارے میں معلومات حاصل کررہا تھا، لیکن سفلی طریقوں سے نہیں بلکہ اس کا علم ذرا مختلف قسم کا تھا اور یہ شخص فرزان تھا جس کے بارے میں وہ اتنا جان چکا تھا کہ فرزان ایک عالم کا بیٹا ہے اور وہ عالم اپنا علم اسے دے رہا ہے، اس شخص کے ساتھ ہی ایک اور شخص بھی فرزان کے والد سے ماضی شناسی کا علم حاصل کررہا تھا، فرزان کافی حد تک یہ علم حاصل کرچکا تھا، اس کے ساتھ جو دوسرا شخص یہ علم حاصل کررہا تھا، وہ ایک بہت بڑا آدمی تھا اور اس کا نام ریاست علی خان تھا، ریاست علی خان بہت بڑا زمیندار تھا اور فرزان کے والد سے وہ علم اپنے شوق کی بنا پر حاصل کررہا تھا۔

عدلان سوناری باقاعدہ ڈاکو تھا اور اس کے دل میں بہت سے منصوبے تھے، اسے بھی یہ ساری معلومات حاصل ہوئیں چنانچہ اس نے ریاست علی خان کا تعاقب کیا اور اسے پتہ چل گیا کہ ریاست علی خان اس علم کو جانتا ہے اور کافی حد تک اسے سیکھ چکا ہے، ریاست علی خان کا تعاقب کرتے ہوئے اسے راجہ ہدایت خان بھی نظر آیا جو ریاست علی خان کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا۔

راجہ ہدیت خان، عدلان سوناری کا ہمشکل تھا، اسی قد وقامت کا مالک، چنانچہ سب سے پہلے عدلان سوناری نے راجہ ہدایت خان کو قید کرکے اس کی حیثیت اختیار کرلی اور اس طرح وہ ریاست علی خان کے قریب پہنچ گیا، ریاست علی خان کو تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ احساس ہوگیا کہ کوئی پراسرار عمل کیا جارہا ہے، چنانچہ اس نے اپنی تمام تر معلومات ایک وصیت نامے کی شکل میں ترتیب دی، بظاہر یہ وصیت نامہ تھا، لیکن درحقیقت یہ عدلان سوناری کے بارے میں اتنے ٹھوس ثبوت تھے کہ اگر وہ غلط ہاتھوں میں پڑ جاتے تو عدلان سوناری چاہے اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر کچھ بھی کرتا لیکن اسے اپنی پراسرار حیثیت برقرار رکھنا مشکل ہوجاتا اور وہ بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا۔

راجہ ہدایت خان کی حیثیت سے اس نے بہت سے کھیل کھیلے، اسے اس بات کا علم ہوا کہ ریاست علی خان نے اپنی تمام تر معلومات اپنی بیٹی کو دے دی ہیں، ساتھ ہی وصیت نامے کے وہ کاغذات بھی جن کی رو سے راجہ ہدایت خان کی تمام تر دولت اور جائداد اصل میں رانیہ کی ملکیت قرار پاتی، کیونکہ راجہ ہدایت خان ریاست علی خان کی اولاد نہیں تھا، وہ ایک اور باپ کی اولاد تھا جس کا اس جائداد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ہاں اس کے باپ کی موت کے بعد ریاست علی خان نے اس کی ماں سے شادی ضرور کرلی تھی۔

راجہ ہدایت خان کو شاید ان تمام چیزوں کا احساس بھی نہیں تھا لیکن عدلان سوناری نے راجہ ہدایت خان کا روپ اختیار کرنے کے بعد یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ جو جائداد اور دولت رانیہ کے نام منتقل ہوئی ہے، اسے اپنے قبضے میں کرلے لیکن راجہ ہدایت خان کی حیثیت سے وہ رانیہ کو کسی اور شکل میں نہیں پھانس سکتا تھا، چنانچہ اس نے رانیہ کی شادی شمشاد علی سے کرائی اور پھر رانیہ کو مجبور کیا کہ وہ کاغذات اور وصیت نامہ اسے دے دے لیکن رانیہ نے اس کی بات نہیں مانی، اس کے نتیجے میں وہ مسلسل مشکلات کا شکار ہوتی رہی۔

ایک بار عدلان سوناری نے اسے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے اس کی بات نہ مانی تو وہ زندگی بھر اس کی قید میں رہے گی اور اپنے آپ کو کبھی آزاد نہیں کرپائے گی، اس کا شوہر بھی جیل میں رہے گا اور دونوں کی زندگیاں اس طرح تباہ ہوجائیں گی۔ عدلان سوناری ان دونوں کو کبھی کا ختم کرچکا ہوتا، اگر وہ کاغذات اس کے ہاتھ آجاتے، اس کا دوسرا شکار فرزان تھا جو اس عالم باپ کا بیٹا تھا، فرزان کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ عدلان سوناری گندی قوتوں کا مالک ہے اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، اسے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا کہ اگر وہ عدلان سوناری کے ہاتھ آگیا تو وہ نہ صرف اس سے یہ علم چھین لے گا جو اس کے باپ نے اس کی آنکھوں میں منتقل کردیا تھا بلکہ ہوسکتا ہے وہ اس سے اس کی زندگی بھی چھین لے چنانچہ فرزان نے راہ فرار اختیار کی۔

وہ لاکھ کوششوں کے باوجود عدلان سوناری کے ہاتھ نہیں آسکا، یہاں تک کہ اس سے خوف محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنا یہ علم ثنا کو دے دیا اور اس کے بعد ثنا مشکل کا شکار ہوگئی، عدلان سوناری کو اس بات کا علم تھا کہ اگر ثنا کے سچے خواب اس کے قبضے میں آگئے تو کسی نہ کسی طرح وہ ان کاغذات کو حاصل کرکے انہیں ضائع کردے گا لیکن اسے مسلسل ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب وہ دربدر تھا، آگے ثنا تھی اور پیچھے وہ......!

اس کی تمام تر قوتیں بیکار ثابت ہوئی تھیں، ایک بار ڈاکے کے دوران وہ ایک ویرانے میں جا پہنچا تھا جب پولیس اس کے تمام ساتھیوں کو ہلاک کرچکی تھی، وہاں اسے ٹھاکر ارجن اور بھوگ ناتھ ملے جنہوں نے اسے بھوگ ودیا کا علم دے کر اپنے مطلب کیلئے استعمال کرنا چاہا لیکن وہاں بھی عدلان سوناری نے بے وقوفی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک ایسی چیز جو اس کے ہاتھ لگ گئی تھی، لے کر فرار ہونا مناسب سمجھا مگر اس سے بھی اسے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا اور اس کے بعد ہی اسے راجہ ہدایت خان نظر آیا تھا۔ یہ تھی عدلان سوناری کی زندگی کی پوری کہانی اور اب یہاں ٹھاکر ارجن کے ہاں آنے کے بعد بھی وہ ثنا سے محروم رہا تھا اور اسے علم ہوا تھا کہ ثنا کو کسی طرح اس کی آمد کا پتا چل گیا اور وہ نکل گئی ہے۔

ٹھاکر ارجن نے اس کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا تھا، لیکن عدلان سوناری کا یہاں رہنا بیکار تھا، چنانچہ وہ ثنا کی تلاش میں آگے نکل آیا، وہ بڑی بے چارگی محسوس کررہا تھا۔

ایک لمبا سفر کرکے وہ ایک چھوٹی سی بستی پہنچا، یہاں اس نے فیصلہ کیا کہ کچھ وقت سکوت اور سکون اختیار کرے، ثنا تو صحیح معنوں میں ہاتھوں سے نکل گئی ہے، اب اسے کیا کرنا چاہئے، کوئی راستہ، کوئی امید باقی نہیں رہی تھی، ہاں ثنا اگر مل جاتی تو کچھ بدلے ہوئے انداز کے ساتھ وہ ثنا کے ساتھ مل کر کام کرتا، بہرحال جو تھوڑا بہت علم اس کے پاس تھا، ابھی اس سے اسے کچھ امیدیں وابستہ تھیں، چنانچہ اس نے ایک پرانے ویرانے کا رخ کیا، یہاں اس ویرانے میں اسے ایک عمل کرنا تھا جو حاضرات کا عمل تھا، ایک ڈاکو ہونے کے باوجود اس نے پراسرار علوم کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی تھیں اور بہت سے ایسے عمل حاصل کرلئے تھے جن سے وہ اپنے چھوٹے موٹے کام لے لیا کرتا تھا، راجہ ہدایت خان بن کر اس نے جو درس کا سلسلہ اور دعاؤں کا سلسلہ جاری کیا تھا، اس سے اسے بڑے فائدے ہوئے تھے، بڑے بڑے اعلیٰ عہدیدار، لیڈر اور دوسرے سرمایہ دار اس کے پاس آکر اسے اپنا دکھ سناتے، بظاہر وہ ان سے ہمدردی کرتا لیکن راجہ ہدایت خان کے دو ہرکاروں سے وہ بھرپور کام لیتا تھا جن میں سے ایک کا نام خاقان اور دوسرے کا نام نوردین تھا، دونوں یہ بات نہیں جانتے تھے کہ ان کا مالک نقلی ہے، وہ اسے اصلی ہی سمجھتے تھے اور آنکھیں بند کرکے اس کیلئے کام کیا کرتے تھے، چنانچہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور دولت مند عدلان سوناری کے سامنے اپنے خزانوں کے منہ کھول کر بیٹھ گئے تھے اور عدلان سوناری ان سے جو چاہتا، راجہ ہدایت خان کی حیثیت سے کرالیا کرتا تھا لیکن اب وہ اس قدر بے سہارا ہوگیا تھا کہ ہر طرف سے اسے مایوسی کا سامنا ہی کرنا پڑ رہا تھا بہرحال اس نے اس ویرانے میں بیٹھ کر اپنے عمل کا آغاز کردیا اور پانچ دن تک وہ وظیفہ پڑھتا رہا جس میں اسے حاضرات کے ذریعے ریاست علی کو طلب کرنا تھا، پانچویں رات تھی بارہ بجے کا وقت تھا، چاند ڈوب چکا تھا، جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا، وہاں ہو کا عالم تھا اور انتہائی خوفناک ماحول...... اس ماحول میں اس کے سامنے ایک جھاڑی کے اندر مدھم روشنی پھوٹ رہی تھی اور پھر اس نے بند آنکھوں سے محسوس کیا کہ اس روشنی سے کوئی نمودار ہوا ہے، آنکھیں کھولنا انتہائی خوف کا باعث بن سکتا تھا، اس نے بند آنکھوں کے ساتھ ہی کہا۔

"ریاست علی...... کیا تم حاضر ہوگئے ہو؟"

"کیا کہنا چاہتا ہے ناپاک انسان...... تیرے وجود سے جو کالی بدبو اٹھ رہی ہے، وہ مجھے پریشان کررہی ہے، اس سے پہلے کہ میں تجھے کوئی نقصان پہنچادوں، بول مجھے کیوں تکلیف دی ہے؟"
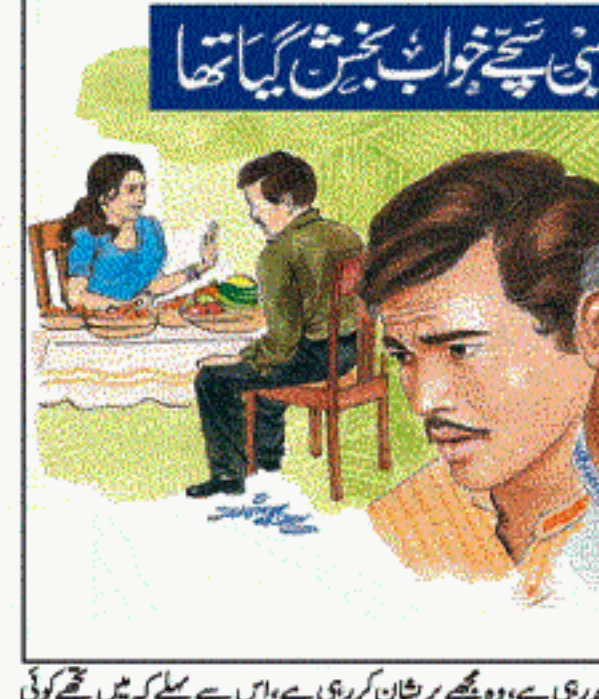
"ریاست علی! سب کچھ جانتے ہو تم، اپنے وصیت نامے کی شکل میں تم نے میرے لئے جو بیج بودیا ہے، وہ میری جان کا عذاب بنا ہوا ہے، مجھے یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی ثنا کہاں ہے؟"

چند لمحات کیلئے خاموشی طاری ہوگئی پھر جھاڑیوں سے آواز ابھری۔

"صولت پور میں ہے، وہ صولت پور میں۔"

"کس جگہ......؟"

"یہ نہیں بتاسکتا تم صولت پور جاکر خود اسے تلاش کروگے۔"

"صولت پور۔" عدلان سوناری کے منہ سے نکلا پھر وہ بولا۔

"وصیت نامہ اور اس کے کاغذات کہاں ہیں؟"

"وہ تمہارے ہاتھ نہیں لگ سکتے، وہ فرزان کے قبضے میں ہیں، فرزان، آہ فرزان، آہ فرزان......!" اچانک ہی جھاڑیوں سے نمودار ہونے والی روشنی بجھ گئی اور عدلان سوناری کی آنکھیں بے اختیار کھل گئیں۔

"ریاست علی خان! میں نے تمہیں طلب کیا تھا، مجھے تم سے کچھ اور بھی معلومات حاصل کرنی ہیں۔" لیکن اس کے بعد کوئی جواب سنائی نہیں دیا تھا۔ عدلان سوناری تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

تجسس انسانی فطرت کا حصہ ہے، ثنا کچھ اور آگے بڑھی اور پھر ایک دم رک گئی، اسے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی۔

"کوئی حل نہیں ہے فراز......! کوئی حل نہیں ہے، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا، دادا ابو کی عزت کو مٹی میں نہیں ملاسکتی ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دوں، اس حویلی سے نکل جاؤں جہاں اب مسائل کے سوا اور کچھ نہیں ہے، شہریار کی صورت دیکھتی ہوں تو یقین کرو دل سینے سے باہر آنے لگتا ہے، میرے بل پر جو کچھ کیا جارہا ہے، کیا وہ میرے ساتھ زیادتی نہیں ہے، بھاڑ میں جائے حویلی، بھاڑ میں جائیں یہاں کے اقدار...... میں اپنی قربانی تو نہیں دے سکتی، شہریار سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کرلی جائے، کوئی انسان اس جیسے چھچھورے شخص کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتا ہے، فراز! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں دادا جان کو ذرا میں یوں نہیں دیکھ سکتی، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں یہاں سے فرار ہوکر ان کی عزت کا سودا نہیں کرسکتی، ہاں ایک ہی حل ہے انسان کے پاس وہ یہ کہ اپنی زندگی کھودے، پتہ نہیں کس کس نے حویلی کو اس حال میں پہنچایا، بھٹکتوں گی میں، کہاں سے آئیں گے کروڑوں روپے...... کروڑوں کی بات ہے فراز یقین کرو کبھی کبھی تو فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے کہوں کہ فراز چلو خدا کیلئے یہاں سے نکل چلو، اتنی دور نکل جاؤ یہاں سے کہ اس طرف سے چلنے والی ہوائیں بھی ادھر کا پتہ نہ دے سکیں۔"

"نہیں مہرین پلیز، ایسی باتیں مت کرو، میں بہت ناکارہ انسان ہوں، مہرین سب سے پہلے مجھے اپنے دل سے نکال پھینکو، کوئی کسی کیلئے اگر کچھ نہ کرسکے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے کہ اس کا نام لے کر اپنے آپ کو تباہ کرے۔"

"فراز! میرا تمہارا بچپن کا ساتھ ہے، فراز گھر میں تم جو کچھ بھی حیثیت رکھتے ہو، مجھ سے پوچھو کہ میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے، سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، میری محبت اس طرح کسی کے قدموں میں جا پڑے گی فراز...... خدا کیلئے مجھے راستہ دکھاؤ۔"

"مہرین! ایک ہی راستہ ہے، اپنے دل کو سنبھال لو، قربانی بڑی چیز ہے، تم جانتی ہو قربانی کا مقام کیا ہے، اپنے آپ کو قربان کردو اس حویلی کی عزت پر دادا جان کی عزت پر۔"

"کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں، اس شخص کو دیکھ کر میرا بلڈ پریشر ہائی ہوجاتا ہے اور تو اور اس کتے کو دیکھو وہ جو ہریالے میاں ہے، کمبخت دو کوڑی کا انسان، پتہ نہیں کیا شے ہے اور اس بیچاری کو دیکھو مہمان ہے، تم یہ بتاؤ فراز، شہریار اور میرا مسئلہ بالکل الگ ہے، دادا جان اسے کیوں مجبور کررہے ہیں کہ وہ ان کے سامنے آئے، یہ تو دادا جان کی زیادتی ہے، ایسا تو نہیں ہونا چاہئے۔"

ثنا خاموشی سے یہ داستان سن رہی تھی، صاف ظاہر تھا کہ مہرین فراز کو پسند کرتی ہے، فراز کے بارے میں اسے پتہ چل گیا تھا کہ گھر کا ملازم ہے، بہت ہی دلکش لڑکا تھا، بڑی اچھی شخصیت کا مالک، کوئی بھی لڑکی اس سے محبت کرسکتی تھی، لیکن یہ کھیل بڑا خطرناک تھا، ثنا کے دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھری کہ کاش یہ لوگ اس مشکل سے نکل سکتے بہرحال یہ مسئلہ حل کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، وہ دبے قدموں وہاں سے واپس چلی آئی اور پھر اپنی آرام گاہ میں آکر وہ سوچ میں ڈوب گئی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

دفعتاً اس کے دل میں ایک سوال ابھرا، آخر یہ شہریار، ہریالے میاں اور رمضان ٹائیگر کی کہانی کیا ہے اور پھر پہلی بار اس کے دل میں یہ خیال جاگا کہ آج وہ ان لوگوں کے بارے میں خواب دیکھے، سب سے پہلے اس نے شہریار کو ذہن میں رکھا اور اس کے بارے میں سوچتی ہوئی سو گئی۔

تب اس کے دماغ میں ایک دور دراز علاقے کا منظر ابھرا، وہ اللہ یار خان تھے، بڑے کروفر کے مالک، بڑی زمینداریاں تھیں، دولت ان کے قدموں کی خاک تھی، شہریار انہی کا بیٹا تھا، وہ بہت ہی سرکش تھا، بڑا بھائی فخریار ایک سمجھدار انسان تھا، شہریار شروع ہی سے سازشی ذہن کا مالک تھا، وہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ بڑے بھائی کو باپ کی نگاہوں میں ذلیل کرسکے اور اپنی ان کوششوں میں وہ عام طور سے کامیاب رہا کرتا تھا۔

فخریار اس کی نسبت سیدھا سادا آدمی تھا اور بڑی حیثیت کا مالک نہیں تھا، پھر ایک دفعہ شہریار نے ایک ایسا موقع تلاش کیا جس سے فخریار کو ذلیل کیا جاسکے اور وہ اس میں کامیاب ہوگیا، چنانچہ بڑے بھائی نے خودکشی کرلی، شہریار کے راستے کا ایک کانٹا نکل گیا تھا، اس کے بعد وہ باپ سے اپنی من مانیاں کرانے لگا یہاں تک کہ اس نے دولت پر قبضہ کرنے کیلئے باپ کو ایک خاص قسم کا زہر دینا شروع کردیا، نتیجے میں اللہ یار مفلوج ہوگیا اور اس کے بعد وہ گوشہ نشین ہوگیا۔ یہ شہریار کی کہانی تھی۔

شہریار نے بے پناہ دولت کے بل پر مہرین کا رشتہ مانگ لیا، ساری زمینیں خرید لیں اس نے یوسف علی خان کی اور اس کے بعد انہیں مجبور کیا، اصل میں یہ چھوٹی سی الگ کہانی تھی، مہرین ایک مرتبہ سفر کررہی تھی، شہریار نے اسے دیکھ لیا، اس سے الفت کا اظہار کیا تو مہرین نے شہریار کو تھپڑ مار دیا جس کے بعد شہریار نے اس سے کہا کہ وہ اسے خرید لے گا اور اس نے ایسا کر دکھایا۔

پھر ثنا نے ہریالے میاں کا خواب دیکھا اور اس کے بعد رمضان ٹائیگر کا اور ان تینوں کا ماضی اس کے علم میں آگیا، دوسری صبح جاگنے کے بعد وہ اس سلسلے میں منصوبہ بندی کرنے لگی۔

اس دن جب ناشتے کی میز پر سب جمع ہوئے تو سب نے محسوس کیا کہ ثنا کا موڈ خاصا بدلا ہوا ہے، پہلے وہ بجھی بجھی سی رہتی تھی لیکن آج وہ خوش نظر آرہی تھی، مہرین اور یوسف علی نے بھی اس بات کو محسوس کیا، پھوپی فاخرہ بیگم تو اس سے بے پناہ پیار کرتی تھیں، ہر جگہ اس کے پاس ہی بیٹھا کرتی تھیں اور ثنا بھی ان کا خاص خیال کرتی تھی، انہوں نے آخر سوال کرہی ڈالا۔ "کیا بات ہے ثنا آج تم بہت خوش نظر آرہی ہو؟"

"جی، میں واقعی خوش ہوں، اصل میں میرے ذہن کے بند دریچوں میں کچھ کہانیاں خود بخود آجاتی ہیں اور میں انہیں بیان کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتی ہوں۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" پھوپی فاخرہ نے گردن ہلا کر کہا۔

"کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی کہ وہ کہانیاں سچی ہوا کرتی ہیں؟"

"اچھا...... تو کیا آپ کی یہ خوش مزاجی کسی سچی کہانی کی وجہ سے ہے تو کیا ہم بھی اس سچی کہانی کے بارے میں کچھ جان سکتے ہیں؟" نصیبوں کے مارے ہریالے میاں بے اختیار ہوکر خود بول پڑے۔

ثنا مسکرادی، اس نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "اصل میں میرے کانوں میں یہ بات پہنچی تھی کہ آپ نے مجھے پسند کیا ہے، کیا یہ سچ ہے؟" ثنا نے جس بے باکی سے یہ الفاظ کہہ دیے تھے، کسی کو اس کی توقع نہیں تھی، دوسرے لوگ تو حیران ہوئے ہی تھے لیکن خود ہریالے میاں کا منہ تعجب سے کھل گیا تھا، وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

ثنا بولی۔ "کیا یہ سچ ہے ہریالے میاں......؟"

کوئی کچھ نہ بولا، ہریالے میاں بغلیں جھانکنے لگے تھے، اسی وقت شہریار نے ہریالے میاں کا ساتھ دیا۔ "ہاں ہم نے یہ بات کہی تھی اور بتایا تھا یوسف علی خان مرحوم کو کہ ہریالے میاں ننگے بھوکے نہیں ہیں، اتنا دیا ہے ہم نے انہیں کہ وہ پورے رئیس بن چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے شہریار صاحب! لیکن ذات پات بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب......؟" شہریار نے کہا۔

"آپ بھی جانتے ہیں کہ ہریالے میاں کی مقدس محل میں نائی کی دکان تھی، وہیں آپ کی ان سے دوستی ہوئی تھی، کہئے تو دوستی کی وجہ بھی بتادوں؟"

شہریار کا رنگ اڑ گیا تھا، اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ کیا...... آپ کیا رضا پور کی رہنے والی ہیں۔"

"بہت معصوم ہیں آپ شہریار صاحب...... نرگس جہاں یاد ہیں آپ کو...... آپ نے انہیں جو ہیرے کا نیکلس دیا تھا، وہ کہاں گیا۔" ثنا نے بڑے مزے سے کہا۔

"یہ لک...... کیا بکواس ہونے لگی، یہ مجھ پر کیچڑ اچھال رہی ہیں۔" ہریالے میاں اٹھنے لگے لیکن شہریار کی سنک چڑھ گئی، اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔ "بیٹھ جاؤ۔"

ہریالے میاں اپنی جگہ ساکت ہوگئے، شہریار اب کچھ متاثر ہوگیا تھا، اس نے کہا۔ "آپ ہیرے کے نیکلس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟"

"بات ہیروں کے نیکلس کی ہوتی تو شاید میں خاموش ہوجاتی لیکن آپ کو وہ ڈکیتی یاد ہے جس میں آپ کے ماموں کی ہلاکت ہوگئی تھی؟"

"کیا......؟" شہریار اچھل پڑا۔

"مم...... میں باتھ روم......!" ہریالے میاں پھر کھڑے ہوگئے، اس بار شہریار نے اسے نہیں روکا تھا پھر وہ، ثنا کی طرف متوجہ ہوکر بولا۔ "ڈکیتی کی کیا بات ہے؟"

"ڈکیتی کے الزام میں چمن شاہ کو چھ سال کی سزا ہوئی تھی کیونکہ آپ کے ماموں بھی قتل ہوگئے تھے اور چمن شاہ نے بیان دیا تھا کہ ماموں پر گولی اس کے ساتھی نے چلائی تھی۔"

"ہاں...... پھر......؟" شہریار اب بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"جانتے ہو وہ ساتھی کون تھا؟"

"کون تھا۔"

"ہریالے میاں۔"

"کیا......؟" شہریار اچھل پڑا۔

"چمن شاہ جیل میں ہے، آپ اسے جیل سے نکال کر اس کی زبان کھلوالیں، پتہ چل جائے گا، آپ کے ماموں مشرق وسطیٰ سے آئے تھے اور بڑی دولت کما کر لائے تھے، آپ نے ہریالے میاں کو یہ تفصیل بتائی تھی، بس اس نے چمن شاہ کے ساتھ مل کر ڈکیتی کا پروگرام بنالیا۔"

شہریار سکتے میں رہ گیا تھا، کچھ دیر وہ گم صم رہا پھر اچانک دھاڑا۔

"ٹائیگر......!"

رمضان ٹائیگر اچھل پڑا پھر جلدی سے بولا۔ "لیس باس......!"

"اس کتے کو پکڑو۔"

"اوکے باس۔" رمضان نے کہا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ شہریار کی تو خیر حالت خراب تھی ہی لیکن باقی لوگ بھی گنگ بیٹھے ہوئے تھے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، کافی دیر تک سناٹا چھایا رہا تھا پھر شہریار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہ رمضان ٹائیگر بھی کمبخت کہاں مر گیا، دیکھتا ہوں۔"

تقریباً تمام لوگوں نے کرسیاں چھوڑ دی تھیں، ابھی وہ باہر نہیں نکلے تھے کہ رمضان دروازے میں نظر آیا۔ "بھاگ گیا باس!"

"کیا مطلب......؟" شہریار دھاڑا۔

"سامان لے کر بھاگ گیا، کمرے میں نہیں ہے، چوکیدار نے اسے بدحواسی کے عالم میں گیٹ سے باہر بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"پیچھا کرو، واپس کیوں آمرے، تم ٹائیگر ہو یا دیسی کتے......!" شہریار نے کہا اور رمضان ٹائیگر ایک بار پھر واپس دوڑ گیا۔

شہریار کسی کو کچھ بتائے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا تھا، باقی لوگ بدستور دم بخود تھے، یوسف علی خان نے کہا۔ "بھئی ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا گیا، میں تو معافی چاہتا ہوں، لیکن تم میں سے جو کوئی بھی ناشتہ کرنا چاہتا ہے۔"

"نہیں دادا ابو اب کس سے ناشتہ ہوگا۔" مہرین نے کہا اور پھر ثنا کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ہمیں کچھ وقت دوگی ثنا؟"

ثنا، مہرین کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی تھی، جانتی تھی کہ اب اس سے سوالات ہوں گے لیکن خوش بھی تھی کہ ہریالے میاں بھاگ گئے تھے اور شہریار بھی ڈسٹرب ہوگیا تھا، مہرین نے اسے سامنے بٹھایا اور بولی۔ "کیا تھا یہ سب کچھ؟"

"میری جان چھوٹ گئی، میں نے اس ہریالے کو بھگا دیا یہاں سے۔"

"ثنا! یقین کرو ہم میں سے ہر شخص آدھا پاگل ہوچکا ہے، تم شہریار کو یا ہریالے کو کیسے جانتی ہو، کیا مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوگیا؟"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا تم سے مہرین کہ اگر میں کسی کے بارے میں غور کرتی ہوں تو اس کے ماضی کی ساری کہانیاں میرے علم میں آجاتی ہیں، اس بات پر شک مت کرنا، تم لوگ میرے محسن ہو میں نے تمہیں سب کچھ سچ بتادیا ہے اور اب جب اتنا بتادیا ہے میں نے تمہیں تو تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میرا ایک دشمن میرے پیچھے لگا ہوا ہے، دشمنی اس لئے ہوئی کہ وہ مجھے اپنے جال میں پھانس کر ایسے کاموں کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہے یعنی میں اسے معلومات فراہم کرکے دوں کہ کون کیا ہے، وہ میرا تعاقب کررہا ہے اور میں اس سے بھاگی بھاگی پھر رہی ہوں۔"

"تمہیں دوسروں کے ماضی کی کہانیاں معلوم ہوجاتی ہیں؟"

"ہاں اگر میں اس کیلئے کوشش کروں تو۔"

مہرین یقین نہ کرنے والے انداز میں ثنا کی صورت دیکھتی رہی تھی، پھر دوپہر کو کھانے کی میز پر کوئی نہیں آیا، سب عجیب سے احساسات کا شکار تھے البتہ ایک بجے کے قریب مہرین ایک ملازمہ کے ساتھ اندر آگئی، ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی آرہی تھی، ٹرالی پر کھانے پینے کی اشیا موجود تھیں، مہرین نے کہا۔ "اصل میں آج سبھی بے وقوف بنے ہوئے ہیں، صبح کے واقعے نے ان سب کے ذہنوں پر عجیب سا اثر ڈالا ہے، مجھے تو بڑی بھوک لگ رہی ہے، آؤ کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ اپنے دادا ابو کو آپ دونوں نے نظر انداز کردیا۔" یوسف علی خان کی آواز دروازے سے سنائی دی اور وہ اندر آگئے۔ "ہم کھانے میں شریک ہوئے جاتے ہیں۔" انہوں نے کہا اور ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ بہرحال کھانا کھایا گیا پھر یوسف علی خان نے کہا۔

"ثنا بیٹی! جانتی ہو کہ ہم لوگوں کے ذہن تجسس سے پھٹے جارہے ہیں۔"

"دادا ابو! میں مہرین کو بتاچکی ہوں کہ اگر کسی شخصیت پر میں غور کرتی ہوں تو اس کا ماضی میرے علم میں آجاتا ہے، آپ یقین کریں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے، حالانکہ میں جانتی ہوں کہ اتنی تفصیل بتانے کے بعد خود میری شخصیت بھی مشکوک ہوگئی ہے۔"

دادا ابو نے گردن جھکالی تھی اور پھر انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا، لیکن شام کی چائے سے پہلے اچانک ہی دروازے پر دستک ہوئی اور ثنا نے کہا۔ "آجاؤ بھئی، تم لوگ یہ تکلف مت کیا کرو، آجاؤ کون ہے؟"

لیکن دروازے سے اندر داخل ہونے والا شہریار تھا۔

(جاری ہے)

قسط: 22

ایم اے راحت

ثنا، شہریار کو دیکھ کر بری طرح چونک پڑی اور سنبھل کر بیٹھ گئی، پھر اس نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا۔ ”جی فرمائیے؟“

”دیکھو بی بی! میں ذرا بگڑے دماغ کا آدمی ہوں، میں کسی کا تلخ رویہ برداشت نہیں کرتا، تمہیں میرے ساتھ دوسرا سلوک کرنا ہوگا، میرا خیال ہے کہ تمہیں میری حیثیت کا اچھی طرح پتہ چل گیا ہوگا تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں، مجھے اس کا بالکل صحیح صحیح جواب دو۔“
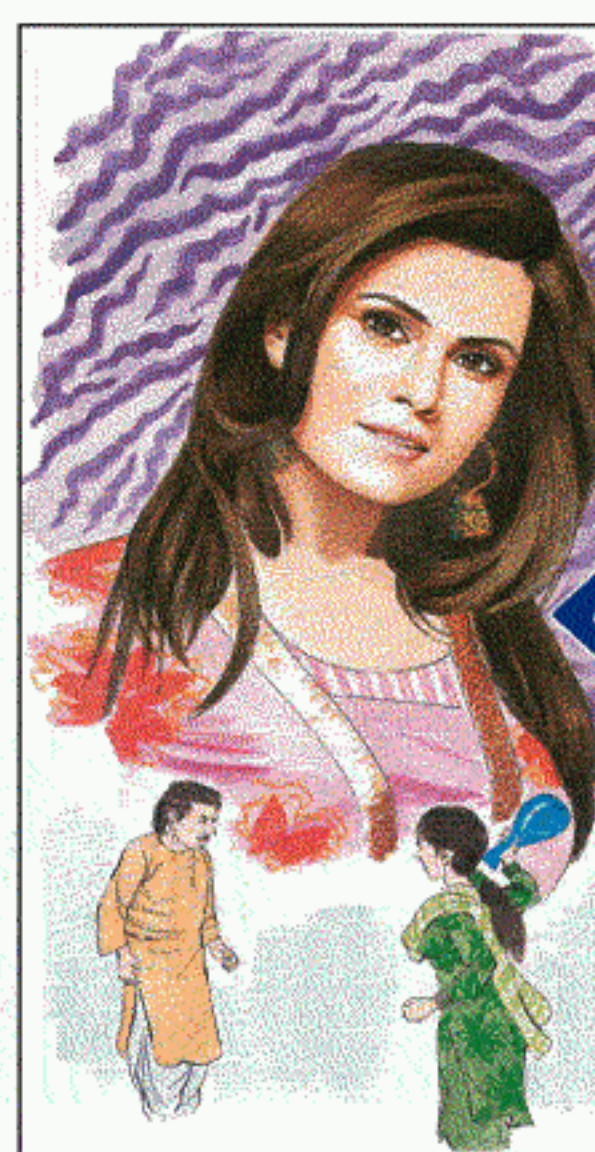
”آپ ایک منٹ کے اندر اندر یہاں سے باہر نکل جائیے، دادا ابو کے کمرے میں جائیے اور دادا ابو سے اجازت لیجئے کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، چلئے فوراً دفع ہو جائیے یہاں سے۔“

شہریار کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا، آنکھوں میں خون اتر آیا تھا پھر اس نے کہا۔ ”دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو، میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”گیٹ آؤٹ...... فوراً یہاں سے باہر نکل جاؤ ورنہ......!“ ثنا نے قریب رکھا ہوا گلدان اٹھالیا۔

شہریار اسے گھورتا رہا اور اس کے بعد باہر نکل گیا۔ ثنا کو واقعی غصہ آگیا تھا، شہریار ویسے ہی قابل نفرت شخصیت تھا، ثنا اس سے کیوں خوف زدہ ہوتی، وہ اس گھر میں مہمان تھی، بے شک یوسف علی خان کا مسئلہ اٹکا ہوا تھا لیکن ثنا کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، ہریالے میاں تو آؤٹ ہی ہوگئے تھے اور اگر رمضان ٹائیگر نے انکشاف کیا تو یہ بھی بھاگتے نظر آئیں گے، باقی رہ گئے شہریار تو وہ یوسف علی خان کو بے شک تنگ کرسکتے تھے، ثنا کو نہیں...... بہرحال وہ انتظار کرتی رہی لیکن شہریار دوبارہ واپس نہیں آئے تھے، نہ ہی ان کی طرف سے کوئی کارروائی ہوئی تھی البتہ گھر کی فضا میں کچھ کبیدگی تھی اور پھر مہرین نے ہی ثنا سے اس بارے میں پوچھا۔ ”ثنا! کیا شہریار آپ کے پاس آئے تھے؟“

”ہاں آئے تھے، پاگلوں کی طرح اندر گھس آئے تھے اور مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے، میں جانتی ہوں کہ وہ ہریالے میاں ہی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے، مجھ پر رعب ڈالنے لگے اور میں نے طبیعت جھک کردی، گلدان اٹھالیا اور خدا کی قسم مزید بدتمیزی کرتے تو شکل بگاڑ دیتی ان کی۔“

مہرین ثنا کو دیکھتی رہ گئی اور پھر بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ ”خدا تجھے خوش رکھے ثنا میرا دل خوش کردیا، میں کیا کروں، مجھے کچھ بتاؤ، کچھ بتاؤ مجھے۔“

”اور جیسے تم نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے۔“ ثنا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

مہرین چور سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ”کک...... کیا مطلب...... میں نے......!“

”تم نے مجھے اپنے دل کی بات کبھی نہیں بتائی۔“

”بتائی تو ہے یار......!“

”ایک سوال کروں؟“

”چلو کرو۔“

”تم فراز سے محبت کرتی ہو؟“ ثنا نے براہ راست مہرین کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور مہرین کا چہرہ خوف سے زرد ہوگیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی پھر اس نے اس طرح دیوار کا سہارا لیا جیسے اگر یہ سہارا نہیں لیا تو گر پڑے گی۔

”سوری مہرین! میرے جو دل میں تھا، میں نے کہہ دیا بس اور کچھ نہیں کہوں گی۔“

”نہیں ثنا! یہ اس قدر خوفناک بات ہے کہ اگر کسی کے کانوں میں پہنچ گئی تو میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا تم جانتی ہو ایسے گھروں میں کس کا کیا بگڑ سکتا ہے۔“

”بس میں دوبارہ کوئی سوال نہیں کروں گی۔“

”کرو نا مجھ سے سوال، تم ایک پراسرار ہستی ہو ہمارے لئے پہلی بات تو یہ کہ تم زخم کی ہمشکل ہو اور اتنی ہمشکل ہو کہ آج بھی تمہارے بارے میں باتیں ہوتی ہیں پھر تم نے ہریالے میاں کے بارے میں جو انکشافات کئے ہیں، انہوں نے سب کو دنگ کردیا ہے، لوگ تمہارے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کررہے ہیں۔“

”برا کہہ رہے ہیں مجھے......؟“

”نہیں، برا کون کہے گا، بس یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی پراسرار ہستی ہے جو کسی مشکل کا شکار ہوکر ادھر آگئی ہے، تم یقین کرو اگر ایک آدھ بار اور تم نے ایسی کوئی پیشگوئی کردی یا کوئی بات بتادی تو یہ لوگ تمہیں کوئی پہنچی ہوئی ہستی سمجھنا شروع کردیں گے۔“

ثنا ہنسنے لگی پھر بولی۔ ”خیر چھوڑ اب کوئی کچھ کہتا ہے تو کہنے دو، تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا، نہ دو، یہ بتاؤ شہریار کے آئندہ کے منصوبے پتہ چل سکے، میرے بارے میں ویسے میں نے ہریالے میاں کو تو ایک ہی ہٹ میں آؤٹ کردیا ہے، کیسی رہی؟“

”یار رہی تو بہت ٹھیک مگر یہ بتاؤ تمہیں پتہ کیسے چلا؟“

”بس میں نے بتایا نا کہ بعض باتیں خود بخود میرے ذہن میں آجاتی ہیں اور میں انہیں سادگی سے بیان کردیتی ہوں، نہ میں کوئی بزرگ ہوں نہ ولی نہ درویش...... ایک مصیبت زدہ لڑکی ہوں جو بس مصیبتوں کا شکار ہوکر یہاں تک پہنچ گئی، مختصر تمہیں اپنے بارے میں بتا چکی ہوں اور دادا ابو کو بھی۔“

”ناراض لگ رہی ہو مجھ سے، میں تمہیں صرف ایک بات بتادوں ہمارے دادا ہی کی بات ہے میرا مطلب ہے اس خاندان کے دوسرے دادا یعنی دادا ابو کے والد احمد علی خان ظالم تو وہ ہرگز نہیں تھے، بس اقتدار کے پجاری تھے، گھر کا ایک بہت ہی پڑھا لکھا شخص جو یہاں ملازمت کرتا تھا، ہمارے خاندان کی ایک لڑکی سے محبت کرنے لگا اور جب اس کی محبت کا پتہ چلا تو دادا ابو کے والد احمد علی خان نے اسے ایک تہہ خانے میں بند کردیا اور جب وہ بھوکا پیاسا وہیں مرگیا تو اس کی قبر بھی اسی تہہ خانے میں بنادی، آج بھی وہ قبر یہاں ایک تہہ خانے میں موجود ہے، فراز کو میں نے یہ بات بتادی تھی، ویسے بھی وہ بہت نیک اور شریف النفس نوجوان ہے، کہنے لگا کہ مہرین جس خاندان کا نمک کھایا ہے، اس کی عزت کا بھرپور پاس کیا جاتا ہے، میں ایک ہزار بار مرجاؤں گا مگر کبھی ایسی بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔ ثنا وہ بہت ہی سادہ لوح انسان ہے، یقیناً وہ مرجائے گا، میں اس کے مرنے کے بعد خودکشی کروں گی، نہ یہ بات کسی پر ظاہر کروں گی کہ ہمارے درمیان محبت کا کوئی رشتہ تھا، ہاں بس ایک دن خاموشی سے ایک ایسا عمل کرڈالوں گی جو مجھے موت سے ہمکنار کردے اور یہ کسی کو کبھی نہیں معلوم ہوسکے گا کہ وہ عمل میں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔“ مہرین کی آواز رندھ گئی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

ثنا اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ کر اس کے آنسو خشک کرتی ہوئی بولی۔ ”زندگی میں ایک رازدار، ایک وفادار دوست اتنا قیمتی ہوتا ہے مہرین کہ اس کا کوئی بدل کبھی نہیں ہوتا، کیا مجھے اپنا دوست بناسکتی ہو تم؟“

”کیا تمہیں اپنی اسی پراسرار قوت سے ہماری محبت کے بارے میں معلوم ہوا؟“

”نہیں اتفاق سے میں نے تم دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔“

”ہائے میں مرجاؤں، یہ کب کی بات ہے؟“

ثنا نے اسے وقت بتایا تو مہرین خوف زدہ ہوگئی۔ ”اللہ نے معاف ہی کردیا، تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا ہوتا، بس غلطی میری ہی ہے۔“

”اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا مہرین......! اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے، ہوسکتا ہے اللہ کوئی ایسی سبیل نکال دے کہ تمہاری منزل آسان ہوجائے۔“

مہرین پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوگئی تھی، لیکن اس کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اس بات پر دل ہی دل میں ہنس رہی ہے، اب ایسی سبیلیں بھی نہیں نکلتیں کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ جائے۔

پھر رات کو ایک اور تماشا ہوا، کھانے کی میز پر شہریار بپھر گیا۔

”میں اس لڑکی کے ساتھ کھانا نہیں کھاؤں گا، اس نے میری توہین کی ہے دادا ابو......! آپ اس سے کہیں، مجھ سے معافی مانگے۔“

یوسف علی خان بھی اس وقت کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ”شہریار اپنی اوقات میں رہو، وقت نے اگر تمہیں میرے مقابل لاکھڑا کیا ہے تو یہ مت سمجھو کہ وقت مکمل طور پر تمہارا ساتھ دے گا، وہ میری مہمان ہے، میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے، اگر تم کھانا نہیں کھانا چاہتے اس کے ساتھ تو تمہارا کھانا تمہارے کمرے میں بھجوادیا جائے گا، جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔“

شہریار کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا، فضا میں کافی تکدر پیدا ہوگیا تھا، وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے خاموشی سے اپنی پلیٹ اپنے سامنے کرلی اور کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی جبکہ شہریار ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، کھیل خاصا دلچسپ ہوگیا تو شہریار اپنی جگہ سے اٹھ کر ثنا کے پاس آگیا۔

”اگر ممکن ہو تو آپ مجھے معاف کردیں۔“ وہ دادا ابو سے مخاطب ہوکر بولا۔ ”اصل میں زندگی میں اپنی بات مانتے ہوئے دیکھا ہے لوگوں کو دادا ابو! میری آنکھیں کھل گئیں، واقعی ثنا آپ کی مہمان ہیں اور ایک مہمان کے ساتھ اس طرح کی بدتمیزی غیر مناسب تھی، مگر آپ یقین کریں میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی، میں ان کے کمرے میں یہ پوچھنے گیا تھا کہ آخر انہیں ہریالے کے بارے میں اتنی معلومات کیسے حاصل ہوگئیں مگر میرے پوچھنے کا انداز اچھا نہیں تھا معافی چاہتا ہوں مس ثنا......! بس اس کے علاوہ اور کیا کہوں۔“

سبھی کو نرم ہونا پڑا، یوسف علی خان نے شہریار کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی سخت ہوگیا تھا اس کیلئے معذرت چاہتا ہوں۔“ سب کے جانے کے بعد مہرین نے ثنا سے کہا تھا۔

”ثنا ہوشیار رہنا، رات کو اپنے کمرے کا دروازہ اچھی طرح بند کرکے سونا، یہ شخص اتنا شریف النفس نہیں ہے کہ اتنی بڑی بات کو اس طرح نظر انداز کردے گا، ممکن ہے اس کے ذہن میں کوئی غلط منصوبہ آگیا ہو، اللہ تمہاری حفاظت کرے۔“

ثنا خاموش ہوگئی تھی، شہریار کو تجسس تو واقعی تھا، یہاں اس گھر میں زمانی بوا سے اس کے بڑے اچھے تعلقات تھے، وہ انہیں لیتا دیتا رہتا تھا، چنانچہ اس نے دوسرے دن زمانی بوا کو پکڑا اور بولا۔ ”میں یہ سمجھتا ہوں زمانی بوا کہ اس حویلی میں آپ میری بہترین ساتھی ہیں، آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں میں۔“

”اللہ تمہیں عزت دے، زندگی دے میاں......! تمہاری غلام ہوں، تمہاری جوتیاں سیدھی کرتی رہی ہوں، اسی کا کھارہی ہوں۔“

”زمانی بوا! یہ ثنا کیا چیز ہے؟“

”اے میاں! اللہ تو یہ کوئی مانتا ہی نہیں ہے میری بات، تمہیں بتاؤں شہریار میاں! ایسی ہوگی ان لوگوں کے ساتھ کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے، وہ کوئی زندہ وجود نہیں ہے، روح ہے روح...... پتہ نہیں کس مقصد کے تحت واپس آئی ہے، تم نے اس کی شکل نہیں دیکھی فاخرہ بیگم کی بیٹی زخم سے ملتی ہے، شہریار میاں! تم یقین کرلو میں نے ایسی بہت سی روحیں دیکھی ہیں، میرے دادا ابو کہتے تھے......!“

”زمانی بوا! میری بات تو سنو، یہ آئی کہاں سے ہے؟“

”ریل میں ملی تھی، ریل میں، چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی، ہمارے ڈبے میں گھس آئی تھی، ارے تمہیں پتہ ہے روحیں تو ویرانوں میں ہی ہوا کرتی ہیں، میں نے جو اسے دیکھا تو اللہ میری توبہ، میری تو میا ہی مرگئی، کوئی مانتا ہی نہیں ہے مگر ایک دن سب کو پتہ چل جائے گا۔“

”یار تم سے کوئی کام کی بات معلوم کرنا مشکل ہے، خیر پتہ چل ہی جائے گا، مگر یہ ہریالے اس کے خاندان کا پتہ ہے مجھے، مار مار کر ادھ موا کردوں گا، سب بتائیں گے کہ کہاں چھپا ہوا ہے بس اس دنیا میں کسی پر بھروسہ کرنا مشکل ہے مگر اب یوسف علی خان سے آخری بات کئے لیتا ہوں، ان سے پوچھوں گا کہ تاریخ دیدیں مجھے، کب مہرین کو اس گھر سے دلہن بنا کرلے جاؤں اور اگر تاریخ نہ دی تو سمجھو ٹال مٹول کررہے ہیں۔ بڑے میاں مگر میں بھی شہریار ہوں، میں دیکھوں گا کہ کس کا دماغ کام زیادہ بہتر کرتا ہے۔“

بہرحال ایک دلچسپ کھیل شروع ہوگیا تھا اور ثنا محسوس کررہی تھی کہ یہاں آکر وہ تھوڑی سی راجہ ہدایت خان کے خوف سے آزاد ہوگئی ہے، ویسے بھی اپنے گھر والوں سے اس کا رابطہ نہیں تھا، یہاں اسے گھر جیسا ماحول ملا تھا، محبتیں ملی تھیں اس لئے اس کا خوب دل لگ رہا تھا، شہریار خطرناک آدمی تھا، اس سے ہوشیار رہنا بھی ضروری تھا لیکن ثنا کے علم میں فراز اور مہرین کی محبت بھی آگئی تھی اور اس کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں لگ گیا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆

حیات علی نے یہ ساری مشکلیں ثنا کیلئے اٹھائی تھیں، اسے رہ رہ کر یہی احساس ہوتا تھا کہ ثنا اس کی وجہ سے مشکلوں میں پھنسی ہے اور اب وہ زندگی کے عذاب سے گزر رہی ہے مگر ایک بات پر اسے حیرت ہوتی تھی کہ اگر ثنا اس وقت عدلان سوناری کے چنگل میں نہیں ہے تو جہاں بھی ہے، وہاں سے اس سے فون پر رابطہ کیوں نہیں کرتی، حیات علی کا موبائل نمبر اس کے پاس تھا، پہلے بھی جب اس نے راجہ ہدایت خان کی حویلی سے اسے فون کیا تھا تو حیات علی نے فون ریسیو کیا تھا، اب ایسی کونسی مشکل ہے کہ ثنا اس سے فون پر بات نہیں کررہی۔ نجو گپتا نے حیات علی کو یہ بات بتادی تھی کہ اگر اس نے کھوراج وغیرہ کی بات مان بھی لی تو اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ اس کے چار پاٹھ پورے کرا کے اس کی قربانی دے دیں گے، بھلا اس سے حیات علی کو کیا فائدہ ہوگا، اس طرح تو عدلان سوناری بھی چالاک نکلا کہ وہ وہاں سے بھاگ گیا، مجھے کیا کرنا چاہئے، اس طلسم کدے سے نکلنے کیلئے...... کیا نجو گپتا کا سہارا لیا جائے، اسے بے وقوف بنایا جائے یا پھر ان لوگوں کے ساتھ کوئی فراڈ کیا جائے، موقع ملا تو اس نے نجو گپتا سے سوال کرلیا۔

”نجو گپتا! کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب ہوسکتی ہے؟“

”خود میں نے سیکڑوں بار یہ کوشش کی ہے مہاراج! پر کامیاب نہیں ہوسکی، یہ جادو نگری ہے اور یہاں بھوگ ناتھ اور کھوراج کا راج ہے، تم کوشش کے باوجود ان دیواروں کو پار نہیں کرسکو گے۔“

”ایک اور بات بتاؤ مجھے نجو گپتا! تمہیں تو ان لوگوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوچکی ہیں، یہ کنس پوتھی کیا چیز ہے؟“

”مہاراج! ایک بھوج پتر ہے اور اس بھوج پتر کی خوبی یہ ہے کہ جس کے پاس یہ ہو، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

”ایک اور بات نجو گپتا......! یہ بات مجھے کھوراج نے بتائی تھی کہ عدلان سوناری نامی کوئی شخص کنس پوتھی لے کر بھاگ گیا تھا مگر کنس پوتھی کو رکھنے کیلئے بھوگ ودیا کے چار پاٹھ پورے کرنے ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ تیرہ پاٹھ تک کنس پوتھی پاس رہتی ہے ورنہ وہ واپس آجاتی ہے۔“

نجو گپتا نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔ ”بات اصل میں یہ ہے مہاراج کہ میرا تو اس سنسار میں کوئی ہے نہیں، جب تک جیتی رہوں گی، ان دونوں کے بیچ ہی رہوں گی، اگر یہاں سے نکل بھی گئی تو اب سنسار میں میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اس لئے مجھے اپنے جیون مرن کی کوئی چنتا نہیں ہے، تم اگر کہو تو میں تمہارے یہاں سے نکلنے کی تیاریاں کروں؟“

”اور تم میرے ساتھ نہیں ہوگی؟“

”دونوں ہی مارے جائیں گے، نہ تم جیتے رہ پاؤ گے اور نہ میں...... مجھے یہیں چھوڑ دینا۔“

”نہیں، میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں اور ہم لوگ اپنے محسنوں کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے، زندگی موت اللہ کے ہاتھ ہوتی ہے، ہمیں اس کی پروا نہیں ہے، تمہارے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا اس لئے نہیں کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں بلکہ اس لئے کہ تم نے میرے ساتھ دوستانہ سلوک کیا ہے۔“

”جذباتی باتیں مت کرو، دیکھو میرے جیون میں آگے کچھ نہیں ہے، تم کسی لڑکی کی تلاش میں ہو جیسا کہ تم نے مجھے بتایا ہے اور پھر میں کب کہہ رہی ہوں کہ میں تمہیں یہاں سے نکال پاؤں گی، تم نے کنس پوتھی کی بات کی ہے نا تو مجھے کنس پوتھی تک جانے کا راستہ معلوم ہے، میں یہ نہیں جانتی کہ اگر تم اسے حاصل کرلو گے تو تمہیں اس سے کوئی مدد مل سکتی ہے یا نہیں...... لیکن میں تمہیں وہاں تک پہنچا سکتی ہوں۔“

”کیسے نجو گپتا......؟“ حیات علی نے کسی قدر سنسنی محسوس کی تھی۔

”بس ایک بار کھوراج مہاراج مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر ساتھ ہی لے بھی آئے تھے، وہ راستے بڑے عجیب تھے، پر انہوں نے مجھے بتادیا تھا کہ ان راستوں سے کہیں اور نکلنا مشکل ہے، ان کا کوئی کام تھا، وہیں انہوں نے مجھے کنس پوتھی بھی دکھائی تھی۔“

”تمہیں وہ راستے یاد ہیں؟“

”ہاں مجھے یاد ہیں۔“

”اور اگر یہ بات ان دونوں کو پتہ چل گئی تو؟“

”یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا، اگر تم چاہو تو......!“

حیات علی سوچ میں ڈوب گیا، اس طرح کی باتوں سے اسے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، عملی انسان تھا مگر کیا کرتا، جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، اس کے بعد باقی سب کچھ رہ ہی نہیں جاتا تھا۔ یہ جادو نگری تھی اور جادوگروں کی یہ کائنات بالکل الگ اور مختلف تھی۔ اس نے کہا۔ ”نجو گپتا! میں اپنی ذات کیلئے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔“

”بار بار ایسی باتیں کروگے تو میں سمجھوں گی کہ مجھے دکھ دے رہے ہو، میں تو جیون کھوئے بیٹھی ہوں، کیا رکھا ہے میرے جیون میں...... کس کیلئے جی رہی ہوں میں، بس یوں سمجھو کہ میں نے ابھی تک موت کے بارے میں نہیں سوچا، ورنہ میرے لئے سب سے اچھی بات یہی ہے کہ میں مر جاؤں۔“

حیات علی کا دل دکھنے لگا، واقعی نجو گپتا ایک طرح سے ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اس رات اس نے اچھی طرح سوچا، کھوراج اور بھوگ ناتھ اکثر اس کے پاس آجاتے تھے اور اسے ترغیب دیتے تھے کہ وہ بھوگ ودیا پوری کرلے لیکن ابھی تک حیات علی کے دل میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ اپنا ایمان کھونے کی کوشش کرے اور ویسے بھی اسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ اپنی ناپاک خواہشوں کی تکمیل کیلئے ہی اسے مجبور کررہے ہیں۔

بہرحال دوسرے دن اس نے نجو گپتا سے کہا۔ ”نجو گپتا! ہم وہ سفر کرنے کیلئے تیار ہیں، میں تم سے بس ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں، اگر ہم اس سفر پر جانے کیلئے اس جگہ سے نکل جاتے ہیں تو کیا وہ بھوج پتر حاصل کرنے کے بجائے ہم کسی اور سمت کا رخ نہیں اختیار کرسکتے؟“

”نہیں ہے مہاراج......! یہی تو نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو میں خود کوشش نہ کرتی، آپ اگر ان راستوں پر جاؤ گے تو دیکھو گے کہ ان پاپیوں نے کس طرح اس جادو نگری کو آباد کررکھا ہے۔“

”میں صرف یہ سوچتا ہوں نجو گپتا کہ اگر میں کسی طرح نکلنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو کہیں تم مشکل میں نہ پڑ جاؤ، اچھا چلو ایک وعدہ ہی کرلو، اگر میں کامیاب ہوگیا تو کیا تم میرا ساتھ دوگی؟“

نجو گپتا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک غمگین مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مہاراج! تم کسی سے پریم کرتے ہو اور اپنی پریمیکا کیلئے دربدر ہوئے ہو، میں اگر ان دونوں کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو بتاؤ کہاں جاؤں گی میں......؟“

”دیکھو نجو گپتا! دنیا بہت وسیع ہے، ہم یہاں سے اگر نکل گئے تو تم زندگی کے نئے راستے تلاش کرسکتی ہو، ابھی تم جوان ہو، میں اگر ایک ایسی بات کہوں جو تمہیں ناگوار گزرے گی تو اس کیلئے تم مجھے معاف کردینا۔“

نجو گپتا نے نگاہیں اٹھا کر حیات علی کو دیکھا اور بولی۔ ”کہو۔“

”نجو گپتا! اگر تم میرا دھرم اختیار کرلو تو تمہیں اپنی بہن بنا کر اپنے ساتھ رکھوں گا اور ایسی جگہ تمہاری شادی کروں گا کہ تم زندگی بھر خوش رہو گی۔“

نجو گپتا، حیات علی کی بات سن کر خوب ہنسی تھی پھر اس نے کہا تھا۔ ”چلو ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے، اگر جیون بچا تو پھر سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ حیات علی نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں یہاں سے روانگی کیلئے تیار ہوگئے لیکن حیات علی یہ بات نہیں جانتا تھا کہ آخر وہ ایسا کونسا سفر ہوگا جس میں وہ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں پاسکیں گے۔

☆......☆......☆

یوسف علی خان بڑے دل والے تھے، شاندار زندگی گزاری تھی، بدنصیبی سے بے سہارا رہ گئے تھے، کوئی ایسا شخص ان کے ساتھ نہیں تھا جو ان کے بڑھاپے کی لاٹھی ہوتا، مہرین پوتی تھی، دوسرے رشتے دار بھی تھے لیکن اتنا قریب کوئی بھی نہیں تھا۔ فراز پر بہت زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور ان کے ذاتی معاملات میں فراز ہی ان کا مددگار ہوتا تھا لیکن انہوں نے کبھی فراز کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا کہ وہ ان کے خاندان کا کوئی فرد بن جائے پھر مہرین کا معاملہ تو یوں بھی اٹک گیا تھا، بہرحال اس وقت بھی پریشان بیٹھے ہوئے تھے کہ مہرین اور گھر کے چند دوسرے افراد اندر داخل ہوگئے۔

یوسف علی نے فوراً ہی اپنا موڈ بدل لیا، اپنے چہرے پر خوشی طاری کرلی۔

صفحہ نمبر:.....2

"آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے تھے دادا ابو؟" مہرین نے کہا۔

"بھئی کبھی کبھی اکیلے بیٹھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"پھر تو ہم نے غلط کیا یہاں آ کر.....!"

"اب ایسی باتیں کرو گی بیٹے! تم لوگوں کی وجہ سے تو میری رگوں میں خون کی روانی ہے، ورنہ اور کیا رکھا ہے میری زندگی میں۔"

"دادا ابو! جب مہرین یہاں سے چلی جائیں گی تو اس کے بعد آپ کیسے زندگی گزاریں گے؟" ایک اور لڑکی نے سوال کیا۔

دادا ابو کے چہرے پر غم کے تاثرات پھیل گئے۔ انہوں نے کہا۔

"بیٹے! بچیاں گھروں کو چھوڑ ہی جاتی ہیں اور ان کے جانے پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے لیکن کبھی کبھی تقدیر میں دکھ ہی دکھ لکھ دیئے جاتے ہیں، مہرین کی زندگی سے.....!" دادا ابو نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

مہرین سمجھ گئی کہ وہ شہریار کا نام نہیں لینا چاہتے، لیکن ابھی بات آگے نہیں بڑھی تھی کہ فراز اندر داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا، اس نے ان لوگوں کو دیکھا اور یوسف علی کے پاس پہنچ کر بولا۔ "دادا ابو! ایک ایسی بات ہے جو آپ سے کہنا بھی ابھی ہے، لیکن میرا خیال ہے آپ اس کیلئے تنہائی پسند کریں گے۔"

"ایسی کیا بات ہے بھئی، دکھاؤ یہ کاغذ کیا ہے؟"

ایک ایک کر کے لوگ اٹھنے لگے تو دادا ابو نے مہرین سے کہا۔ "نہیں مہرین! تم بیٹھو، مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی، بیٹھو بیٹھو، کوئی بات نہیں ہے۔" مہرین بیٹھ گئی۔

باقی لوگ کمرے سے باہر نکل گئے، دادا ابو نے کاغذ پڑھا پھر بولے۔ "مگر او ہو میں سمجھ گیا، جانتا ہوں اس ذلیل انسان کی فطرت کو اور میں سوچ بھی رہا تھا کہ اس نے خاموشی کیوں اختیار کی ہے، اصل میں وہ اپنے شیطانی منصوبوں کی تکمیل کر رہا ہوگا۔"

"کیا ہے دادا ابو.....؟"

"شہریار نے حویلی خالی کرنے کا نوٹس دیا ہے، وکیل کی معرفت نوٹس آیا ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ ایک مہینے کا وقت دیا جا رہا ہے، مہینے کی آخری تاریخ کو یہ حویلی خالی ملنی چاہئے، ورنہ پولیس بلالی جائے گی۔" مہرین کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا، دادا ابو نے فراز سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹھو فراز بیٹا اب تم سے کوئی بات چھپی ہے، اصل میں شہریار نے اس بچی کے ساتھ بدتمیزی کی تو میں نے اسے ڈانٹ دیا، وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہو گیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ بچھو کی طرح ڈنک ضرور مارے گا، اب بتاؤ کیا جواب دیں اس نوٹس کا، مہرین بیٹے! اب دو ہی باتیں ہیں، میرا تو خیال یہ ہے کہ ہم حویلی خالی کر دیں۔"

"توبہ توبہ دادا ابو! میں دیکھ لوں گا، اس فخر الدین کو، کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے وہ۔" دروازے سے شہریار کی آواز سنائی دی اور وہ بغیر کسی اجازت کے اندر گھس آیا اور ایک جگہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "اصل میں فخر الدین میرا پارٹنر ہے، یہ بات تو آپ لوگوں کو معلوم ہو گی جو زمینیں وغیرہ خریدی ہیں نا، ہم لوگوں نے مشترکہ طور پر ہی خریدی ہیں اور اس حویلی کا بھی مسئلہ وہی ہے، حویلی جب گروی رکھی گئی تھی تو میرے پاس کیش نہیں تھا، پوری کی پوری رقم فخر الدین نے ادا کی ہے، کمبخت لالچی آدمی ہے، حویلی اسے بہت پسند ہے، کہتا ہے کہ یار یوسف علی خان سے بات کر لو باقی جو رقم بھی وہ چاہیں تو ہم انہیں ادا کر دیں گے، میں اس حویلی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ بے وقوف آدمی وہ میری ہونے والی سسرال ہے اور تجھے یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حویلی میں یوسف علی خان کا پورا خاندان رہتا ہے، ایک طرح سے یوں سمجھ لو حویلی ان کی جان ہے، اگر وہ رقم ادا نہیں بھی کر سکے تو میں تجھے وہ رقم دے دوں گا کیونکہ وہ میری ہونے والی سسرال ہے، ویسے دادا ابو میں آپ سے تو خیر کچھ کہنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا، ایک مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ ہمیں زندگی گزارنے کا موقع دیں کیونکہ بہرحال جو کام کل کرنا ہے، وہ آج ہی کیوں نہ کر لیا جائے، آپ براہ کرم میری درخواست پر غور کریں اور یہ نوٹس بالکل بیکار ہے، میں کبھی یہ حویلی خالی نہیں ہونے دوں گا، اگر آپ اس بات کیلئے راضی ہیں کہ.....!"

"میں نے تم سے ایک سال کا وقت مانگا تھا، ابھی چار مہینے ہوئے ہیں، آٹھ مہینے باقی ہیں۔"

"آپ وقت ضائع کر رہے ہیں، بچوں کی خوشیوں کیلئے تو بزرگ.....!"

"میری بات سنو، میں نے یہ بات کبھی نہیں کہی، مہرین سے رشتہ اس بات سے منسلک نہیں ہے، ہو سکتا ہے میں تمہارا قرض ہی ادا کر دوں۔"

"پھر وہی غیریت کی بات کی آپ نے دادا ابو.....! پہلی بات تو یہ کہ آپ قرض کہاں سے ادا کریں گے، کوئی معمولی رقم تو ہے نہیں، دوسری بات یہ کہ مہرین کیلئے میں دنیا کا ہر قدم اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔"

"میرا خیال ہے تم فضول گفتگو کر رہے ہو شہریار! بارہ مہینے کا وعدہ تم نے خود کر لیا تھا، تھوڑا سا انتظار اور کرو، ہم دیکھتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"آپ دیکھ لیجئے، میں تو شریف آدمی ہوں اور میرا آپ سے دلی لگاؤ ہے لیکن فخر الدین ایک خالص کاروباری آدمی ہے، قرقی لے کر آ گیا۔"

"کیسے آ جائے گا، ہم نے گروی کیلئے ایک وقت مانگا ہے تم سے.....؟"

"دیکھئے وقت تو دل سے دیا جاتا ہے، آپ ہماری بات نہیں مان رہے۔"

"میرا خیال ہے اب تم فضول باتیں کر رہے ہو شہریار!"

"نہیں دادا ابو! میں فضول بات نہیں کر رہا، آپ نے میرا ادب دیکھا ہے، بے ادبی نہیں دیکھی۔"

"بدتمیزی کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں ابھی نہیں، لیکن آپ وہ وقت قریب لاتے چلے آ رہے ہیں، غور کیجئے، میں چلتا ہوں۔" شہریار نے کہا اور باہر نکل گیا۔

یوسف علی خان بیچارے خاصے نروس ہو گئے تھے، فراز بھی وہیں تھا، مہرین سر جھکائے بیٹھی تھی۔ یوسف علی خان نے کہا۔ "میں بہت بدنصیب انسان ہوں، کسی مسئلے میں الجھتا ہوں تو یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ مجھے کوئی صحیح مشورہ دیدے۔"

"دادا ابو! آپ بس وہ کیجئے جو آپ نے وعدہ کر لیا ہے۔" مہرین نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"وعدہ کس بے وقوف نے کیا ہے مہرین بیٹے! جذباتی طور پر سوچنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، میں تمہیں اس شخص کے حوالے نہیں کر سکتا جس میں نہ انسانیت ہے نہ شرافت..... ہم حویلی خالی کئے دیتے ہیں، تم انشاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگ ہی جاؤ گی اور اچھی ہی طرح لگو گی کیونکہ ہمارا خاندانی نام تو ہے لیکن اس کمینے کو میں تمہاری زندگی پر قبضہ نہیں جمانے دوں گا۔"

"نہیں دادا ابو! اس حویلی سے ہماری پہچان ہے۔"

"بات کریں گے، اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے، چلو اٹھو، ہنسو، بولو، مشکلات جھیلنے کی عمر میری ہے، تمہاری نہیں، میں تمہاری پیشانی پر شکن نہیں دیکھ سکتا، میری بچی! البتہ تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ قصور میرا بھی نہیں ہے، یہ معاملات بہت پیچھے سے چلے آ رہے ہیں، مجھے تو یہ مشکلات ورثے میں ملی ہیں لیکن میں تمہیں نہیں دینا چاہتا، بس ذرا اپنی حیثیت کو اپنی سطح سے تھوڑا سا نیچے لے آؤ، چلو بھئی میٹنگ برخاست، کس سے پوچھیں اور کیا کریں۔" دادا ابو خود اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

سب جانتے تھے کہ ان کے دل پر کیا بیت رہی ہے، بڑے ظرف کے مالک تھے، سب کچھ تنہا ہی برداشت کر لیا کرتے تھے۔

اس وقت ثنا ان لوگوں کے پاس نہیں تھی لیکن مہرین سیدھی روتی ہوئی ثنا کے پاس پہنچی تھی اور ثنا ہکا بکا ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے مہرو! کیا ہوا مہرو؟" ثنا پیار سے اب اسے مہرو کہنے لگی تھی۔

مہرین اس کے سینے سے لگ کر سسک پڑی، ثنا، مہرین کو تسلیاں دیتی رہی پھر بولی۔ "مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے مہرین.....؟"

جواب میں مہرین نے پوری تفصیل ثنا کو بتا دی تھی اور ثنا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ مہرین کو تسلیاں دیتی رہی، لیکن اس رات وہ بڑی الجھنوں کا شکار تھی، دل میں بار بار خیال آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے، رقم کا معاملہ تھا، شہریار ایک بدقماش انسان تھا، وہ کچھ بھی کر سکتا تھا، اگر قرقی لے آیا تو یہ ہنستا بولتا خاندان کس طرح عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے، پوری حویلی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ثنا کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگی، ایک دم اس کے چہرے پر خوف ابھر آیا تھا۔ جب سے یہاں قیام کیا تھا، اس طرح رات کے اس حصے میں کوئی یہاں نہیں آیا تھا، اس کے دل میں راجہ ہدایت خان ہی کا خیال آیا تھا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی تھی، دستک دوبارہ ہوئی اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچ گئی۔

"کون ہے؟" جواب میں اسے دستک دوبارہ سنائی دی اور ثنا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔ جو شخص اسے سامنے نظر آیا، اسے دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی تھی، یہ ایک انتہائی عمر رسیدہ، باریش انسان تھا، اس کے چہرے پر نور تھا، اس نے بڑے پُروقار لہجے میں کہا۔ "بدن کا چراغ تیری آنکھ ہے، اگر آنکھوں کی بینائی درست ہو تو تمام بدن روشن ہے ورنہ تاریک....."

"جی..... مم..... میں کچھ نہیں آپ..... آپ کون ہیں؟" ثنا نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔ پتہ نہیں انہوں نے ثنا کی بات سنی یا نہیں، البتہ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ "وہ بڑائی سے محروم ہے جو علم سے پیار نہیں کرتا۔"

"میں آپ سے کیا کہوں۔" ثنا بولی۔

"ان شکستہ قبروں پر غور کرو جن کے اندر بڑے بڑے حسین سمائے ہوئے ہیں اور ان کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔"

"آپ اندر آ جائیے۔" ثنا متاثر ہو کر بولی لیکن بزرگ نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی اور بولے۔ "آنکھ والا وہ ہے جو اپنے آپ کو دیکھے، بے شک انسان تدبیر کرتا ہے لیکن کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے، خدا حافظ۔" وہ واپسی کیلئے مڑے اور پھر دوبارہ ادھر دیکھ کر بولے۔ "دروازہ بند کر لو۔"

ثنا کا منہ کچھ کہنے کیلئے کھلا، لیکن پھر اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی، اس کے دل پر شدید خوف طاری تھا اور بدن تھر تھر کانپ رہا تھا، اس حویلی کا یہ بالکل ہی نیا کردار تھا۔ آج تک اس نے ان بزرگ کو حویلی میں نہیں دیکھا تھا اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔

پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا لیکن اس کے دل پر اب بھی خوف طاری تھا، رات کو صحیح طریقے سے نیند بھی نہیں آئی، وہ ان بزرگ میں کھوئی رہی، پھر موقع ملتے ہی اس نے دوسرے دن مہرین سے پوچھا۔ "مہرین! یہاں کوئی ایسے بزرگ بھی رہتے ہیں جن کی لمبی سفید داڑھی ہے بھنوؤں تک سفید ہیں، بہت زیادہ عمر رسیدہ معلوم ہوتے ہیں؟"

"کیوں کیا ہوا؟" مہرین نے سوال کیا۔

"پچھلی رات کو ایک بزرگ میرے کمرے کے دروازے پر آئے تھے۔" ثنا نے کہا اور پھر اسے پوری تفصیل بتا دی۔ اسے بزرگ کے کہے ہوئے الفاظ تک یاد تھے۔

مہرین نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں وہ بابا غیاث علی ہیں۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں مگر میں نے پہلے تو انہیں یہاں نہیں دیکھا۔"

"حویلی کے آخری حصے میں جو ایک حجرہ بنا ہوا ہے، بابا صاحب وہاں رہتے ہیں، کیا تم اس بات پر یقین کرو گی کہ وہ ہماری چوتھی یا پانچویں پشت دیکھ رہے ہیں اور صحیح معنوں میں ان کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔"

"اچھا ہیں کون؟" ثنا نے سوال کیا۔

"ہمارے پردادا کے ساتھی ہیں وہ، اب ظاہر ہے اتنی عمر ہونے کے بعد ذہنی توازن کہاں درست رہتا ہے، ایک بار میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہماری اس حویلی میں کہیں ایک بڑا خزانہ دفن ہے کہ اگر وہ ہمیں حاصل ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ ہماری آگے کی چھ نسلیں اس سے فیضیاب ہو سکیں، یہ خزانہ ایک روایتی حیثیت رکھتا ہے، ہمارے پردادا کے بھی پردادا نے اسے دفن کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک وصیت کی تھی کہ اس خزانے کو اس وقت تک نہ نکالا جائے جب تک اس خاندان پر بہت ہی برا وقت آ جائے اور یہ زمانے میں رسوا ہو رہا ہو، صحیح معنوں میں تو شاید وہی وقت ہے، ہم واقعی زمانے میں رسوا ہو ہی چکے ہیں اور مزید ہونے والے ہیں، تم دیکھو وہ کمینہ انسان دادا ابو کے سامنے کس طرح بات کر رہا ہے، حالانکہ ایک زمانہ یہ تھا کہ جہاں دادا ابو بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سو سو گز تک کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، کوئی ہنسی یا زور سے آواز منہ سے نہیں نکالتا تھا اور آج یہ شخص نجانے کیا کیا حوالے دے کر دادا ابو کو خوف زدہ کر رہا ہے، تم نے دادا ابو کا چہرہ نہیں دیکھا، ان پر جو بیت رہی ہے، ثنا! میں جانتی ہوں، ہمارا خاندان بہت ہی مختصر رہ گیا ہے لیکن دادا ابو اگر چلے گئے تو تم یقین کرو کہ سب ختم ہو جائے گا۔" مہرین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کسی خزانے کی بات کر رہی تھیں تم۔" ثنا نے کہا۔

"ہاں خزانہ کہاں دفن ہے، یہ بابا غیاث علی کو معلوم ہے لیکن ان کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے، کئی بار ان سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن بس وہ اپنی ہی سناتے رہتے ہیں، کبھی بتایا نہیں انہوں نے اس خزانے کے بارے میں۔"

"کیا ایسی کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ وہ خزانے کے بارے میں بتا دیں، یہ تو امید افزا بات ہے۔"

"نہیں ہو سکی، ایک مرتبہ ایک حادثہ بھی ہو چکا ہے، ہمارے ہی خاندان کا ایک شخص تھا اور اسے کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ بابا غیاث علی اس خزانے کے بارے میں جانتے ہیں، وہ بابا غیاث علی کو اغوا کر کے نیلے باغ لے گیا تھا، نیلا باغ ہماری ہی ملکیت تھا، لیکن اب وہ شہریار کے قبضے میں ہے، تو نیلے باغ میں ایک گھر بنا ہوا ہے ہمارا، وہاں لے جا کر اس نے بابا غیاث علی پر اتنا تشدد کیا کہ وہ نیم مردہ ہو گئے بس یوں سمجھ لو کہ اگر باغ کا مالی کسی طرح انہیں دیکھ نہ لیتا تو وہ گئے تھے، پورے جسم پر زخم ہی زخم تھے، بڑا ظلم کیا تھا اس کمبخت نے، انہیں آگ سے جلایا تھا، ان کے زخموں پر نمک ڈالا تھا لیکن بابا صاحب اسے خزانے کے بارے میں نہیں بتا سکے، اب وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ اس کا تذکرہ کر سکیں، بس اگر ان سے یہ سوال کرو تو گم ہو جاتے ہیں، بہرحال مالی نے انہیں دیکھ کر اطلاع دی اور وہاں فوج کی فوج پہنچ گئی، اس شخص سے مقابلہ کیا اور وہ مقابلے میں گولی کھا کر ہلاک ہو گیا، بابا صاحب بھی خزانے کے بارے میں نہیں بتا سکے۔"

مہرین کافی دیر تک اس کے ساتھ رہی، اس کے بعد وہ چلی گئی تو ثنا اپنے کمرے میں آ گئی لیکن اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا، کیا یہ ممکن ہے کہ بابا غیاث علی اس خزانے کے بارے میں بتا دیں، کیا اس اجنبی کے بخشے ہوئے سچے خواب بابا غیاث علی کا ذہن کھول سکتے ہیں، کیا وہ بابا غیاث علی کے بارے میں خواب دیکھ کر یہ معلوم کر سکتی ہے کہ وہ خزانہ کہاں ہے، اگر ایسا ہے تو یہ کوشش کرنی چاہئے، اسے نجانے کیوں کچھ امید سی ہو گئی تھی لیکن اس کیلئے ایک بار پھر بابا غیاث علی سے ملنا ضروری تھا، چنانچہ اس نے دوبارہ ملاقات پر مہرین سے کہا۔ "مہرین وہ بابا صاحب میرے لئے بہت دلچسپی کا باعث بن گئے ہیں، کیا میں ان کے حجرے میں جا کر انہیں دیکھ سکتی ہوں؟"

"اس میں کیا مشکل ہے، میرے ساتھ چلنا، ویسے بھی بابا صاحب عام حالات میں برے نہیں ہیں، بڑی اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں، ان کی باتوں میں بڑی حکمت ہوتی ہے، تم جب چاہو میں تمہیں ان کے پاس لے جا سکتی ہوں۔" مہرین نے کہا اور ثنا پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

☆.....☆.....☆

حیات علی نجو گتا کے ساتھ چل پڑا، دیوانی لڑکی زندگی کی بازی لگانے پر تل گئی تھی، دونوں شیطان بے پناہ عفریتی قوتوں کے مالک تھے اور یہ بات نجو گتا بھی جانتی تھی کہ جو قدم وہ اٹھا رہی ہے، وہ اسے موت کی جانب لے جا رہا ہے، لیکن اس کا بھی ایک نظریہ تھا کہ بس جی رہی ہے، زندگی کا کوئی مقصد تو ہے نہیں، اگر اس کے ذریعے اس نوجوان کا کوئی کام ہو جائے جو اپنی محبت کی آگ میں جلتا ہوا خزاں رسیدہ پتے کی طرح ڈولتا پھر رہا ہے تو زندگی کا اس سے اچھا مصرف اور کیا ہوگا، بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس نے حیات علی کو بتائی بھی نہیں تھیں لیکن بہرحال حیات علی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اس کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ ابھی تک اس سفر کے بارے میں متجسس تھا جس جگہ وہ رہ رہا تھا، اس کے بارے میں اسے پورا پورا یقین تھا کہ یہ ایک طلسمی جگہ ہے اور کسی بھی وقت بالکل اسی طرح غائب ہو سکتی ہے جس طرح مٹھ کے پاس سے وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا، نجو گتا اسے لئے ہوئے دور دراز فاصلے طے کر کے ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں ایک مینار سا بنا ہوا تھا، یہ مینار زیادہ اونچا نہیں تھا لیکن انتہائی بدنما تھا، اس کا رنگ بالکل کالا پڑ چکا تھا اور اس پر کائی کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں، نجو گتا نے اس دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جو مینار کے دامن میں تھا۔ "ہمیں اس دروازے سے اندر جانا ہے۔"

"یہ جگہ تو بہت حسین بنی ہوئی ہے جبکہ یہ مینار.....!"

"یہ جادو کا گڑھ ہے اور جادو بدنما ہی ہوتا ہے، وہ جو کچھ تم دیکھتے رہے ہو اور جہاں رہے ہو، وہ صرف ایک خوشنما دھوکا ہے جبکہ یہ جگہ ایک حقیقت ہے۔"

"نجو گتا! تم نے بتایا تھا کہ تم نے یہاں سے نکل بھاگنے کی کئی کوششیں کی ہیں؟"

"ہاں کی تھیں، لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔"

"اب اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہوگا۔"

"بار بار یہ باتیں کہہ کر تم مجھے کیوں ڈرا رہے ہو، میرے دل میں اب ڈر جیسی کوئی چیز رہی نہیں ہے، دیکھو سنسار کا کوئی بھی انسان یہ بات نہیں کہتا کہ وہ موت کو خوشی سے گلے لگانے کو تیار ہے، سب جینا چاہتے ہیں، دھرتی پر جیون کا بوجھ گھسیٹنے والے ایسے اپاہج اور معذور لوگ جن کے جسموں سے کوڑھ بہتی ہے، اگر ان سے تم پوچھو کہ کیا وہ خوشی سے مرنا چاہتے ہیں تو بھگوان کی سوگند وہ انکار کر دیں گے، اس بات کا برا مانیں گے، زندگی ایسی ہی دلکش چیز ہے انسان کیلئے مگر کبھی کبھی زندگی سے اس طرح بیزاری ہو جاتی ہے کہ جینا برا لگنے لگتا ہے، میں بھی انہی میں سے ایک ہوں، اس لئے مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔"

"نجو گتا! بہت سے الفاظ میں اس لئے نہیں کہنا چاہتا کہ تم یہ سمجھو گی کہ چونکہ تم میری مدد کر رہی ہو اس لئے میں تمہیں خوش کرنے کیلئے یہ جملے کہہ رہا ہوں لیکن یقین کرو اگر ہم یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں ایک ایسا بھائی مل جائے گا جس پر تم ناز کرو گی۔"

نجو گتا پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ہم اس مٹھ میں داخل ہوں گے تو کالے جادو کے پیروکار ہمیں روکیں گے، ڈرنا نہیں ہے، بس میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔"

"ٹھیک ہے۔" حیات علی نے اپنے دل میں خوف کی ایک ہلکی سی لہر محسوس کی تھی، پھر انہوں نے مٹھ کے اس دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ نیچے جانے کیلئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، بالکل گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا، تاریکی میں نجو گتا کی آواز ابھری۔ "دونوں طرف دیواریں ہیں، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، ادھر ادھر گرنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، بس ذرا احتیاط سے چلے آؤ، قدم پھونک پھونک کر رکھنا، کوئی سیڑھی ٹوٹی ہوئی ہے، کوئی پہلی سے زیادہ لمبی ہے، تم ذرا غور کر کے ہی اترنا۔"

"اپنی رفتار آہستہ رکھنا نجو گتا!" حیات علی نے کہا۔

"ہاں، اس کی تم چنتا مت کرو۔"

حیات علی نے ایک قدم نیچے رکھا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ تقریباً ایک فٹ اونچی سیڑھی ہے، تین قدم آہستہ آہستہ کر کے نیچے اتارے، چوتھا قدم رکھنے کیلئے پاؤں نیچے اتار رہا ہی تھا کہ ایک دم اندازہ ہو گیا کہ نیچے کافی گہرائی ہے، اس نے فوراً ہی اپنے جسم کو سنبھالا اور پھر احتیاط کے ساتھ نیچے کودا، کوئی تین فٹ نیچے جانا پڑا تھا اسے، اگر نجو گتا پہلے سے اسے اس بات سے آگاہ نہ کرتی تو شاید اوندھے منہ ہی نیچے جا کر گرتا بلکہ نجو گتا کے اوپر ہی گرتا، اب اس نے اور زیادہ احتیاط کرنا شروع کر دی۔

پھر تین چار سیڑھیاں بالکل ٹھیک تھیں، اچانک ہی دیوار سے کوئی پرندہ چیختا ہوا نکلا اور اس کے منہ سے ٹکراتا ہوا دوسری طرف چلا گیا، حیات علی کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی تھی، پرندے کے پنجے اس کے رخسار پر لگے تھے اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اس کا رخسار زخمی ہو گیا ہے، جلن ہونے لگی تھی، نجو گتا کچھ نہ بولی، اس کی سانسوں کی آواز آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی، حیات علی نے بھی کچھ نہ کہا اور سنبھل کر نیچے اترنے لگا۔

کوئی چھ سات سیڑھیاں اور اترا تھا کہ سر پر کوئی چیز گری، اسے یہ احساس ہوا کہ کوئی چپچپی سی شے ہے، ایک بار پھر اس کے بدن میں ٹھنڈا پسینہ آ گیا لیکن اس نے نجو گتا سے کچھ نہیں کہا تھا پھر کوئی تیس پینتیس کے قریب سیڑھیاں اترنے کے بعد مدھم سی روشنی نظر آئی اور نجو گتا کا ہیولا آگے جاتا ہوا نظر آیا۔

جب آخری سیڑھی طے کی تو اچھی خاصی روشنی پھیل گئی تھی، یہ ایک گپھا تھی، غار بالکل قدرتی تھا، اس میں جگہ جگہ چٹانیں جھکی ہوئی تھیں اور ان چٹانوں کے بیچ میں بے شمار سوراخ تھے جن میں چمگادڑیں گھسی ہوئی تھیں، جیسے ہی انہوں نے نیچے قدم رکھا، چمگادڑوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ ابھری اور وہ ان دونوں پر حملے کرنے لگیں لیکن ایک بار بھی انہوں نے حیات علی اور نجو گتا کے سر، چہرے یا جسم کو نہیں چھوا تھا بس ان کے پروں کی ہوا ان دونوں کے جسم سے ٹکرا رہی تھی اور وہ تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہی تھیں، کوئی ڈیڑھ منٹ تک یہ ہنگامہ جاری رہا اور اس کے بعد چمگادڑیں دوبارہ اپنے اپنے بلوں میں جا گھسیں، اسی وقت نجو گتا کی آواز ابھری۔ "ڈر رہے ہو؟"

"نہیں۔" حیات علی نے جواب دیا۔

"آؤ، یہ ہمیں صرف ڈرا رہی ہیں تاکہ ہم یہاں سے واپس بھاگ جائیں، رکے بغیر آگے چلے آؤ۔" نجو گتا نے کہا اور حیات علی نے آگے قدم بڑھا دیئے۔

طویل ترین غار میں وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، راستہ آگے جا کر تنگ ہو گیا تھا اور پھر وہ ایک لمبی سرنگ جیسی شکل اختیار کر گیا، سب کچھ تھا لیکن ایک بات حیات علی نے محسوس کی تھی، وہ یہ کہ یہاں گھٹن نہیں تھی اور سانس پر کوئی بوجھ نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

حیات علی جدید دور کا انسان تھا اور زمانہ جدید میں جادو وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی، سائنس کا جادو ہر طرح کے جادو پر سبقت لے گیا تھا لیکن یہ جو کچھ نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا، اس کی تردید نہیں کی جا سکتی تھی، اس کا اپنا ایک وجود ہے اور اگر جدید دنیا کو اس کے بارے میں بتایا جائے تو وہ اسے صرف قصہ کہانی سمجھے گی، اگر واپس جانا نصیب ہوا اور اس نے یہ واقعات کسی کو بتائے تو لوگ اس کا مذاق ہی اڑائیں گے۔

دفعتاً نجو گتا کے حلق سے ایک ڈری ڈری آواز نکل گئی، وہ جلدی سے حیات علی کے بازو سے آ لگی تھی، حیات علی کو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی، جو کچھ تھا، سامنے آ گیا تھا۔

(جاری ہے)

وہ انسانی ڈھانچے تھے جو یوں لگ رہا تھا جیسے دیواروں سے نکل رہے ہوں۔ ان کے جسم چمک رہے تھے اور آنکھیں چھوٹے چھوٹے بلبوں کی طرح روشن تھیں۔ ان کا رنگ انتہائی پیلا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ان کی نگاہیں دونوں پر جمی ہوئی ہوں۔ ان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی تھی۔ دفعتاً

بند آنکھیں

ایم اے راحت

قسط: 23

ہی انہوں نے تیزی سے ان کی جانب چھلانگیں لگائیں اور نجو کتا کے حلق سے ایک اور دہشت بھری چیخ نکلی۔

سب سے آگے والے ڈھانچے نے آگے بڑھ کر نجو کتا کے بال پکڑ لئے تھے اور اسے گھسیٹ کر اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ حیات علی گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹا تو لکڑی کے ایک کندے سے ٹکرا کر گرا۔ ایک ڈھانچے نے اس پر چھلانگ لگائی تو اس نے بڑی مہارت سے اسے دونوں پیروں پر روکا اور دوسری جانب اچھال دیا۔ ڈھانچے کا کوئی وزن نہیں تھا۔ دوسرے کئی ڈھانچوں نے بھی اس پر چھلانگیں لگائیں، لیکن حیات علی نے بریک ڈانسر کی طرح زمین پر ہاتھ ٹکا کر اپنی ٹانگوں کو گھمایا اور ڈھانچے اس کی ٹانگوں کی ضرب سے اچھل اچھل کر دور جا گرے۔

اچانک حیات علی کو اس کندے کا خیال آیا جس سے ٹکرا کر وہ گرا تھا اور اس نے پھرتی سے پلٹ کھا کر وہ کندہ ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ اس کی شکل کسی بیس بال بیٹ کی سی تھی اس نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کر سب سے آگے آنے والے ڈھانچے کی ٹانگوں پر دے مارا اور ڈھانچے کی ٹانگیں اس کے جسم سے علیحدہ ہو گئیں۔

ادھر نجو کتا کی مسلسل چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اب کئی ڈھانچے اس سے لپٹ گئے تھے اور نجو کتا کے حلق سے مسلسل دہشت بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ حیات علی اس طرف دوڑا اور اس نے پوری مہارت سے ہاتھوں میں پکڑا ہوا کندہ ان ڈھانچوں پر مارنا شروع کر دیا۔ ڈھانچے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے اور کچھ لمحوں کے بعد نجو کتا آزاد ہو گئی۔ اب صرف تین ڈھانچے رہ گئے جنہوں نے دیوار میں ٹکریں مارنا شروع کر دی تھیں۔ وہ واپس دیواروں میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس میں ناکام تھے، پھر ان کی جدوجہد مدھم پڑتی چلی گئی۔

حیات علی نے ان سوراخوں کو دیکھا جن میں ڈھانچے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، یہ سوراخ چھوٹے چھوٹے تھے، ڈھانچے بے شک دیوار سے برآمد ہوئے تھے، ممکن ہے انہی سوراخوں سے باہر نکلے ہوں لیکن وہ بس ایک جادوئی عمل ہی ہو سکتا تھا کیونکہ ان سوراخوں میں واپس جانا بڑا مشکل کام تھا لیکن اس وقت حیات علی سچ مچ خوفزدہ ہو گیا جب اس نے ان سوراخوں سے سانپوں کے سر نکلتے ہوئے دیکھے۔ بے شمار سوراخ تھے اور بے شمار سانپ۔

نجو کتا ایک بار پھر ان سانپوں سے خوفزدہ ہو کر چیخنے لگی۔ حیات علی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے؟ کندہ بدستور اس کے ہاتھ میں تھا، جو سب سے قریبی سوراخ تھا اور جس میں سے سانپ نکل رہا تھا، اس نے اس سے نکلتے ہوئے سانپ پر وہ کندہ مارا اور سانپ کی گردن لٹک گئی، وہ مر گیا تھا لیکن دوسرے سوراخوں سے سانپ زمین پر آ گرے۔ وہ سب رینگ رینگ کر یکجا ہو رہے تھے اور ان کا رخ سامنے کی سمت تھا، نجو کتا بری طرح دہشت زدہ تھی۔

"ہم کیا کریں، بتاؤ واپس چلیں، یہ ہمیں آگے نہیں جانے دیں گے۔" نجو کتا نے کہا۔

"نجو کتا تم بتا چکی ہو کہ تم پہلے بھی یہاں آچکی ہو۔"

"ہاں اس سے میں بھوگ ناتھ کے ساتھ تھی، اس وقت یہ سب کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"کنس پوتھی کہاں ہے؟"

"آگے وہ تھوڑا سا آگے، وہ جو چورس دروازہ نظر آرہا ہے بس اس کے دوسری طرف۔"

"آؤ۔" حیات علی نے نجو کتا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ہائے رام مگر یہ ناگ۔"

"دیکھا جائے گا......اب جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"مم......میں......"

"اگر تمہیں ڈر لگ رہا ہے تو میری کمر پر چڑھ جاؤ، میں آگے جاؤں گا۔" حیات علی کے اندر نجانے کیا کیفیت بیدار ہو گئی تھی، لیکن نجو کتا اس کی کمر پر نہیں چڑھی۔ وہ ڈری ڈری حیات علی کے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

حیات علی نے دو قدم آگے بڑھائے تو اس نے محسوس کیا کہ سانپ پیچھے سرک رہے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس کی ہمت بڑھ گئی اور وہ آگے بڑھنے لگا۔ سانپ اب ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، یہاں تک کہ حیات علی ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ سانپ بے شک ادھر سے ادھر ہو رہے تھے، لیکن ان کے درمیان راستہ اب بھی نہیں تھا، تب حیات علی نے ان میں سے ایک سانپ کے سر پر پاؤں رکھ دیا اور وہ بل کھانے لگا اور باقی سانپ بھاگ بھاگ کر دیواروں پر چڑھنے لگے اور چند لمحوں کے بعد وہ ان سوراخوں میں گھس گئے، جبکہ وہ سانپ جو حیات علی کے پاؤں کے نیچے دبا ہوا تھا نکلنے کے لئے سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ حیات علی نے اس کے سر پر زور لگایا تو سانپ کا پھن پچک گیا اور اس کا بدن لہریں لینے لگا، یہاں تک کہ کچھ لمحوں کے بعد اس میں زندگی ختم ہو گئی۔

نجو کتا نیم غشی کی سی کیفیت میں تھی، اس نے بڑی مضبوطی سے حیات علی کا بازو پکڑا ہوا تھا، جب یہ سانپ بھی مر گیا تو حیات علی نے کہا۔ "آؤ نجو کتا، ہم آگئے ہیں تو واپس نہیں جائیں گے، نہ میں تم سے یہ کہوں گا کہ تم واپس جاؤ۔" حیات علی نے آگے قدم بڑھائے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ اس دروازے کے قریب پہنچ گیا، جس کے دوسری جانب نجو کتا نے بتایا تھا کہ کنس پوتھی موجود ہے۔

لیکن حیات علی دروازے کے قریب پہنچا تو اسے آگ کی تپش محسوس ہوئی، دروازے کے دوسری جانب شاید تیز آگ جل رہی تھی۔ وہ ایک لمحے تک سوچتا رہا اور اس کے بعد نجو کتا کا ہاتھ پکڑ کر اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ بھی کافی بڑی جگہ تھی۔ بہت ہی بڑا غار جس میں مکمل خاموشی طاری تھی، لیکن اس کے درمیانی چوکور حصے میں دہکتے ہوئے کوئلوں کی آگ نظر آرہی تھی۔ اس قدر خوفناک آگ تھی کہ لگتا تھا در و دیوار سلگ رہے ہیں، لیکن یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ جتنی تیز آگ تھی اس کی تپش اتنی تیز نہیں تھی۔

نجو کتا نے ایک طرف اشارہ کیا، ایک بہت ہی خوبصورت پتھر کی سل پر ہیرے جواہرات جگمگا رہے تھے اور ان کے درمیان ایک لوح رکھی نظر آرہی تھی جس میں شعاعیں گردش کر رہی تھیں۔ یہی کنس پوتھی تھی۔ حیات علی کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں، اس نے ایک گہری سانس لے کر نجو کتا کی طرف رخ کیا اور بولا۔ "وہ کنس پوتھی ہے۔" لیکن نجو کتا کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی، وہ دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔

یہ محسوس کر کے کہ نجو کتا کسی چیز کو دیکھ کر خوفزدہ ہے۔ حیات علی نے فوراً ہی رخ بدلا، تب اس نے ایک سنگھاسن پر دو افراد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا انداز کچھ عجیب سا تھا، لیکن یہ اجنبی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک کال راج تھا اور دوسرا بھوگ ناتھ۔ پہلی بار دونوں اس طرح سے ساتھ نظر آئے تھے، ان کے رخ انہی کی جانب تھے اور وہ غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے، پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہوں نجو کتا تو نے وہی کر دکھایا جو کنس پوتھی میں لکھا ہوا تھا۔ نجو کتا! ہم نے تجھے کیسا مان دیا تھا۔ دیویوں کا درجہ دے دیا تھا تجھے۔ پر دھوکا تو تجھے کرنا تھا کیونکہ تو ناری ہے، چل چھوڑ ہمارا کیا بگڑا اور تو بھی بڑا کٹھور ہے پاپی۔ کنس پوتھی چاہئے تجھے۔ کہا تھا تجھ سے کہ کنس پوتھی اتنی آسانی سے نہیں حاصل ہو سکتی، اس کے لئے بھوگ ودیا کے تیرہ پاٹھ پورے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا، تجھ سے اچھا تو وہ تھا جس نے نو پاٹھ تو کر لئے تھے چار رہ گئے تھے سرے کے۔ کر لیتا تو کیا ہوتا، کال راج نے اتنا کہا اور بھوگ ناتھ کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا پھر بولا۔ "ارے بھوگی بتا ہی دے اس کو کہ کیا ہوتا سن پاپی، تو مسلمان ہے نا۔ یہ بہت پرانی بات ہے، ہمارے جیون کی کہانی ہے۔ ہم دونوں جڑواں بھائی تھے۔ ایک مہان دیوتا سمان منش کے بیٹے جسے سنسار ایک دیوتا کی طرح پوجتا تھا۔ پھر ہمیں مہا سابلی ملے۔ مہا سابلی کہتے تھے کہ ایک اوتار نے ان کا کام خراب کر رکھا ہے اور یہ کام کرنے کے لئے انہیں اپنے چیلے چاہئیں، سو ہم نے ان کی بات مان لی۔ سب سے پہلے انہوں نے ہم سے یہ کام لیا کہ ہمارے پتا جی کو ہمارے ہاتھوں مروایا۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ دین دھرم بس ایک دوسرے کو ڈرانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ سنسار میں سب سے بڑی چیز شکتی ہے اور جس کی شکتی مہان ہے بس وہ سنسار میں اسی کو جیون گزارنے کا حق ہے۔ مہا سابلی کے لئے ہم نے بڑے کارنامے کئے اور وہ ہمیں شکتی دیتے چلے گئے، انہوں نے ہمیں بتایا جو کام کیا جائے پورا کیا جائے۔ ہم دونوں نے شکتی حاصل کرنے کے لئے مہا سابلی کے بتائے ہوئے سارے پاٹھ کئے اور ہمیں شکتی ملتی چلی گئی۔ ارے بیوقوفو! تم لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اس وقت ہم سارے سنسار کو اتھل پتھل کر سکتے ہیں۔ اتنی شکتی ہے ہمارے پاس مہا سابلی کی دی ہوئی کہ ہم چاہیں تو انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا سکتے ہیں اور بہت سے ایسے کام کر سکتے ہیں جنہیں کوئی سوچ بھی نہ سکے۔ ہمارا سب سے مہان کام اگن پوجا ہے، تم دیکھ رہے ہو یہ اگن کنڈ ہمارا جیون ہے اور جب ہماری آخری شکتی مکمل ہو جائے گی تو ہم اگن اشنان کریں گے۔ آگ سے نہائیں گے۔ جب ہم اپنا آخری کام پورا کر لیں گے تو آگ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور ہم اس میں جب چاہیں گے نہا سکیں گے، آگ میں نہانا ہماری شکتی کے پورے ہونے کا نشان ہوگا لیکن اس کے لئے ہمیں کئی کام کرنے ہیں، بس ایک کام میں وقت ہو رہا ہے۔ مہا سابلی کا حکم ہے کہ ایک ایسے مسلمان کا دھرم نشٹ کیا جائے جو اپنے آپ کو بڑا دھرم داس سمجھتا ہو۔ وہ دھرم کا سیوک ہو۔ ابھی ہم یہی کام نہیں کر سکے۔ وہ کم بخت ڈاکو آیا تھا اگر ہم چاہتے تو اسے اسی سے نشٹ کر سکتے تھے، نو پاٹھ پورے کئے اس نے اور ہم سمجھے کہ چلو ہمارا کام مکمل ہو گیا۔ پر اس کے بعد پاپی کی کھوپڑی خراب ہوئی اور بھاگ گیا اور اب تو آگیا ہے، ارے باؤلے کنس پوتھی اگر تجھے مل بھی گئی تو کیا کرے گا اس کا، کیا کرے گا بول اس کا؟"

حیات علی جواب تک خوف کے جال میں گرفتار تھا ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے سر کو زوردار جھٹکے دیئے پھر بولا۔ "مگر ایک بات بتاؤ، اگر میں تمہارے لئے بھوگ ودیا کے تیرہ پاٹھ پورے کر لوں تو میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ذبح کر کے میرے خون سے غسل کرو گے تاکہ یہ آگ تمہیں جلا نہ سکے، اب بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"ہمارے لئے تو اب تو کچھ بھی نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اپنی موت کا خود فیصلہ کر لے، کیسے مرے گا۔ ویسے ہم تجھے بتائیں یہ اگن کنڈ جو ہے نا، بڑی پوتر چیز ہے۔ ہو سکتا ہے تجھے بھی کچھ مل جائے۔ اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس میں کود کر جان دے دے اور یہ سسری، ماتا پتا نے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔ ہم نے اسے جو جیون دیا وہ تو بھی دیکھ چکا ہے۔ دیویوں کی طرح رہ رہی تھی ہمارے پاس۔ کسی بات کی چنتا نہیں تھی۔ پر منش کے من میں یہی تو ایک چیز ہوتی ہے، اس نے غداری کی۔ اب اس غداری کی تو اسے سزا ملے گی ہی، اتنا ہی جیون تھا بیچاری کا۔ تم دونوں کی بلی مہا سابلی کو ایسے تو اچھی نہیں لگے گی، لیکن پھر بھی اگن کنڈ کے لئے تو کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے، بھوگ ناتھ کیا کہتے ہو؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں اس پاتال کنس میں آنے کے بعد جیتا واپس جانے دیں۔ چلو کر لیتے ہیں کچھ، اور تو، مسلمان پاپی تو ہماری شکتی دیکھنا چاہتا ہے، دیکھ یہ عورت ہے، ہم دونوں اگر چاہیں تو اس کے شریر میں آدھے آدھے سما سکتے ہیں اور اس کی آتما کو نکال کر باہر پھینک سکتے ہیں کیا سمجھے، کیسا رہے گا یہ کھیل دیکھنا چاہتا ہے؟"

"کیا مطلب میں تمہاری بات نہیں سمجھا؟" حیات علی کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیا ایسی کوئی ترکیب ہو سکتی ہے کہ وہ ان سے جان بچا سکے۔ بیچاری نجو کتا بھی اس کی وجہ سے زندگی کی بازی ہارنے تک آگئی تھی۔

"نجو کتا! جا اس دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جا، جو کہہ رہے ہیں وہ کر، ہو سکتا ہے تیرے حق میں کوئی اچھی بات ہو جائے۔"

"کیا کرو گے تم دونوں، بولو، کیا کرنا چاہتے ہو، میں جیتی ہوں کہاں جو مجھے جیون سے کوئی دلچسپی ہوگی۔ مارنا چاہتے ہو نا تم مجھے، چلو مار دو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

جواب میں وہ دونوں ہنسنے لگے۔ "کیسا اچھا لگے گا تجھے، ایسا کر اپنا شریر آتما سے خالی کر دے۔ ہم تیرے شریر میں آکر تجھے بتائیں گے کہ دیکھ ہم نے کتنی شکتی حاصل کی ہے۔ یہ ایک ایسا گیان ہے کہ تو سوچ نہیں سکتی اور میں تمہیں بتاؤں مسلمان! سنو، اس سے سنسار میں جو کچھ ہو رہا ہے تمہاری آنکھوں سے دور نہیں ہے، ہر طرح کی شکتی منش اپنے قبضے میں کر لینا چاہتا ہے، ہر انسان طاقت کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس سے کسی کو کیا فائدہ اور کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بڑے بڑے ملکوں کے بڑے لوگ طاقت کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں۔ ہمارے اس گیان سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہماری پہنچ کہاں تک ہو جائے گی۔ فرض کرو ایک بہت بڑا آدمی ہے جو ایک دیش پر حکومت کر رہا ہے، ہمارا من چاہتا ہے کہ ہم اس کی جگہ ہوں اور وہ جو حکومت کر رہا ہے ہم کریں۔ ہم آسانی سے اس کے شریر میں جا سکتے ہیں اور اس کی آتما کو نکال کر باہر پھینک سکتے ہیں۔ وہ شریر ہمارا اپنا ہوگا، بھلا کون دیکھے گا اور سوچے گا کہ اندر کون ہے اور باہر کون، کیسا رہے گا؟"

حیات علی حیرت سے منہ کھول کر انہیں دیکھ رہا تھا، انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر کال راج بھوگ ناتھ سے بولا۔ "آؤ بھوگی ذرا یہ تماشا انہیں بھی دکھاتے ہیں۔ اچھا لگے گا انہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے ہلے اور پھر ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

مہرین ثنا کو لے کر حویلی کے پچھلے حصے میں اس حجرے کی جانب چل پڑی جہاں اس کے کہنے کے مطابق بابا صاحب رہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے ثنا نے یہاں کبھی ان بزرگ کو نہیں دیکھا تھا۔ بہرحال وہ حجرے میں پہنچ گئیں۔ سامنے ہی خوبصورت کیاریاں تھیں، جن کے نزدیک سفید ریش بزرگ بیٹھے ہوئے سوکھے تنکے سبز گھاس سے علیحدہ کر رہے تھے۔ یہ دونوں آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئیں تو بزرگ نے گردن موڑ کر کہا۔ "نیک لوگوں کو دشمنوں سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے، کیا سمجھیں؟"

"بابا غیاث، ہم آپ کے پاس آئے ہیں، میں انہیں آپ سے ملانا چاہتی ہوں۔"

"آج سے کل کا جنم ہوتا ہے، خزاں کی کوکھ سے بہار پیدا ہوتی ہے۔ سوکھے پتے زمین کی گود میں سما کر ہریالی اور پھولوں کو روپ دیتے ہیں۔ آنسوؤں کی حدت سے مسکراہٹیں جاگ اٹھتی ہیں۔ ہر چیز حق کی طرف سے آتی ہے اور حق کی طرف چلی جاتی ہے، حق اللہ، حق اللہ۔"

"بابا صاحب، آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" ثنا نے سوال کیا، لیکن بزرگ نے نگاہ اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

"آپ ہم سے بات نہیں کریں گے۔" ثنا بولی وہ غور سے ان بزرگ کو دیکھ رہی تھی اور ان کے چہرے سے اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ جو حکمت اور دانائی کی باتیں کرتے ہیں تو کیا یہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ یا پھر بس عمر کی اس منزل سے گزر رہے ہیں جہاں عقل و دانش محدود ہو جاتی ہے۔

بزرگ چند لمحات بیٹھے تنکے سمیٹتے رہے اس کے بعد خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے حجرے میں چلے گئے۔ ثنا نے مہرین کی طرف دیکھا تو مہرین بولی۔ "بس میرا خیال ہے اس سے زیادہ انہیں تنگ کرنا بیکار ہے، کوئی بھی انہیں تنگ نہیں کرتا بلکہ سب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں آؤ واپس چلیں۔" ثنا نے کہا۔

اس کے ذہن میں جو ایک تصور تھا بس وہ اس پر عمل کرنا چاہتی تھی اور اس رات کا اس نے جس بے چینی سے انتظار کیا۔ شاید اس سے پہلے اسے کبھی کسی رات کا اتنی بے چینی سے انتظار نہ رہا ہو۔

تمام معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے دل میں ارادہ کیا کہ آج رات وہ بابا غیاث علی کے بارے میں خواب دیکھے گی اور تھوڑی دیر کے بعد اسے نیند آگئی۔ پھر اس اجنبی کے بخشے ہوئے سچے خواب اس کی آنکھوں میں سرایت کرنے لگے۔

اس نے ایک بہت ہی خوبصورت حویلی دیکھی، یہی حویلی تھی۔ اس حویلی میں ایک چھوٹا سا دس سال کا بچہ بھاگ بھاگ کر تمام کام کر رہا تھا۔ سارے کردار اجنبی تھے، کوئی بھی شخص جانا پہچانا نہیں تھا۔ ایک بزرگ شخص نے ایک جوان آدمی سے کہا۔ "احمد علی! یہ تمہارا بیٹا غیاث علی تو بڑا ہی کام کا بچہ ہے، میں اسے جب بھی دیکھتا ہوں میرے دل میں خوشی کی لہر اٹھتی ہے۔"

"آپ ہی کا نمک خوار ہے اور آپ دیکھ لیجئے گا یہ آپ ہی پر جان نثار کر دے گا، آپ کا جاں نثار ہے۔"

"اس بار ہم شکار پر جائیں گے تو اسے ضرور اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" بزرگ نے کہا جو شکل و صورت ہی سے ایک شاندار شخصیت کے مالک معلوم ہوتے تھے۔

پھر ثنا نے جنگل دیکھا، درختوں پر مچان باندھ دیئے گئے تھے، وہ چھوٹا سا بچہ ان بزرگ کے ساتھ ایک مچان پر موجود تھا۔ شیر کا شکار کیا جا رہا تھا۔ نجانے کیا ہوا کہ وہ بزرگ اس مچان سے نیچے گر پڑے۔ شیر کو ہانکا کر کے یہاں تک لے آیا گیا تھا۔ اس کی خوفناک غراہٹیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے ان بزرگ کو دیکھ لیا جو درخت سے گرنے کی وجہ سے تھوڑے سے زخمی بھی ہو گئے تھے، شیر ان کی جانب متوجہ ہوا، لیکن اسی وقت اس لڑکے نے درخت سے چھلانگ لگا دی اور شیر ایک دم ڈر سا گیا۔

لڑکا ایک طرف بھاگ پڑا تھا اور شیر اس کے پیچھے لگ گیا تھا، لیکن اس دوران دوسرے لوگوں کو موقع مل گیا۔ شیر پر گولیاں برسائی گئیں اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ اس بچے نے جو کارنامہ دکھایا تھا اس سے ان بزرگ کی جان بچ گئی تھی۔

اور پھر ثنا نے حویلی میں جشن کا منظر دیکھا۔ اس بچے کو بڑی عزت دی جا رہی تھی، اس کے بعد اس نے اور بھی بہت سے مناظر دیکھے۔ پھر ایک دوسرے مرحلے میں اس نے ایک پرانا مندر دیکھا۔ یہ بدھ مندر تھا۔ بہت ہی قدیم تھا اور کسی ویرانے میں بنا ہوا تھا۔ وہ بری طرح مسمار ہو چکا تھا اور اس کے زیادہ تر حصے ٹوٹے پھوٹے تھے۔ وہ لڑکا اب اچھا خاصا جوان ہو چکا تھا اور بڑی شاندار شخصیت کا مالک نکل آیا تھا۔ وہ بزرگ مزید بوڑھے ہو گئے تھے، یہاں اس مندر کے آس پاس بس وہ دونوں ہی نظر آرہے تھے۔ بزرگ شاید کچھ بیمار ہو گئے تھے، نوجوان لڑکا انہیں سہارا دیئے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا اور پھر وہ شکستہ مندر کے پاس پہنچ گئے، لڑکے نے سہارا دے کر بزرگ کو پتھر کی ایک سل پر بٹھایا، پھر اس کی آواز ابھری۔ "نہیں دادا ابو، آپ بالکل ٹھیک ہیں، تھوڑی سی ہمت اور کیجئے باہر سردی بہت زیادہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مندر کے بہت سے حصے صاف ستھرے ہوں گے، کیا میں آپ کو اٹھا کر لے چلوں؟"

"مجھے اپنی ٹانگیں بے جان محسوس ہو رہی ہیں بیٹے، میں شاید اندر تک نہ چل سکوں۔"

"آپ بالکل ٹھیک ہیں اور بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" لڑکے نے کہا اور اس کے بعد اس نے جھک کر کسی ہلکے پھلکے وجود کی طرح بزرگ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور انہیں لئے ہوئے اندر چل پڑا۔

مندر باہر سے زیادہ بوسیدہ نظر آرہا تھا، اس کے اندر کے بہت سے حصے بالکل صاف ستھرے تھے، خاص طور سے ایک بت کے قدموں میں تو بالکل ہی یوں لگتا تھا جیسے کوئی صفائی کر کے گیا ہو، اس نے ان بزرگ کو وہاں لٹانا چاہا تو وہ بولے۔ "نہیں یہ تم کہاں لٹا رہے ہو مجھے، میں اس مجسمے کے پیروں میں لیٹوں گا۔"

"معافی چاہتا ہوں دادا ابو۔" لڑکے نے پھر انہیں اٹھایا اور بت سے تھوڑے فاصلے پر لے جا کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر وہ ان کے پیروں کے پاس بیٹھ کر ان کی مالش کرنے لگا۔ بزرگ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لڑکا بہت دیر تک ان کے پیروں میں مالش کرتا رہا اور اس کے بعد بزرگ نے اپنے پیروں کو جنبش دی اور خوشی کے لہجے میں بولے۔ "میرے خون کی روانی بالکل ٹھیک ہو گئی ہے، میں شاید اب اپنے قدموں پر کھڑا بھی ہو سکتا ہوں۔"

"آیئے دادا ابو! میرا سہارا لے کر کھڑے ہو جایئے۔" بزرگ نے اس کے کندھوں کا سہارا لیا اور کھڑے ہو گئے، لڑکا انہیں مندر کے صاف ستھرے حصے میں چہل قدمی کرانے لگا۔ بزرگ کی حالت کافی بہتر ہو گئی۔

"شدید سردی نے آپ کی یہ حالت کر دی ہے۔"

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں بیٹے کہ ہم یہاں سے واپسی کے لئے کیا کریں گے۔ پرانا گاؤں بھی کافی فاصلے پر ہے۔ اگر ہم کسی طریقے سے وہاں تک پہنچ سکتے......"

"آپ بالکل بے فکر رہیں، میں سارے انتظام کر کے آؤں گا۔" نوجوان لڑکے نے جواب دیا۔

"قرب و جوار کا ماحول کافی خوفناک ہے۔"

"آپ کو ڈر لگے گا۔"

جواب میں بزرگ ہنسنے لگے پھر بولے۔ "ہاں میرے بہادر شیر اب تو تو یہی کہے گا، میں بوڑھا جو ہو گیا ہوں۔"

"آپ سو جوانوں کے جوان ہیں دادا ابو! آپ اکیلے ہیں کہاں، میں اور آپ مل کر ایک بنتے ہیں۔"

"خدا تجھے خوش رکھے۔"

صفحہ نمبر: 2

پھر اس کے بعد ثنا نے دیکھا کہ نوجوان ان بزرگ کو چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا ہے۔ بزرگ اب بالکل بہتر حالت میں تھے، وہ پرانے مندر کے مختلف حصوں کو دیکھتے رہے اور اس کے بعد وہ ایک مجسمے کے پاس کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک ان کا پاؤں لڑکھڑایا اور انہوں نے مجسمے کی پشت کا سہارا لیا، لیکن اس کے ساتھ ہی گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور سامنے والی دیوار اپنی جگہ سے سرکنے لگی۔ دیوار جو سرکی تو وہاں سے آگ ابل پڑی۔ آگ تھی یا پھر ان پتھروں کی روشنی جو وہاں موجود تھے۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ بزرگ کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ انہوں نے اس خلا میں سونے کے کئی مجسمے دیکھے جن پر لاتعداد ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ یہ دیوی دیوتاؤں کے مجسمے تھے اور ان کے قدموں میں اتنا کچھ ڈھیر تھا کہ جسے دیکھ کر خود پر بے ہوشی طاری ہو جائے۔ یہ ایک عظیم الشان خزانہ تھا، سونے کے سکوں سے بھرے ہوئے کلسے، سونے کے بت، ہیروں کے ڈھیر جن سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ بزرگ انہیں دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد مجسمے کے اسی حصے کو دبا کر پتھر کی وہ سل برابر کردی۔ ان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور وہ بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ کافی وقت گزر گیا اور اس وقت گہری رات چھا گئی تھی جب وہ نوجوان لڑکا بزرگ کے پاس پہنچ گیا۔
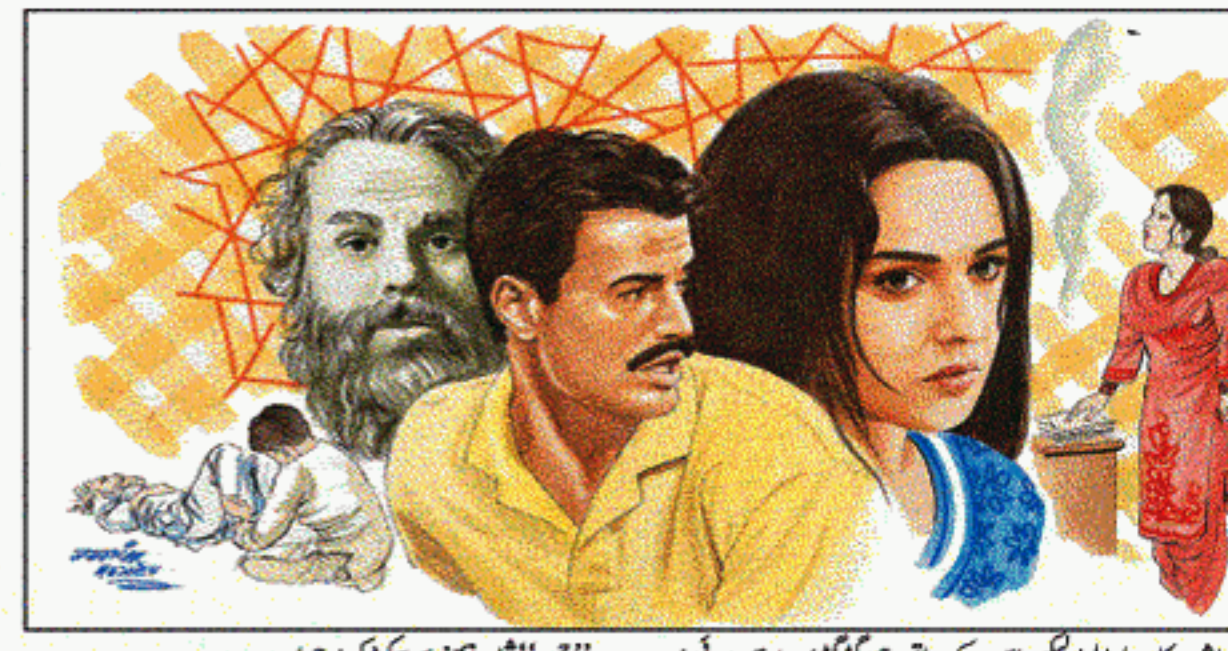
”میں ایک گھوڑا گاڑی لے کر آیا ہوں، آپ آرام سے میرے ساتھ چل سکیں گے۔“

”اور کون ہے تمہارے ساتھ؟“ بزرگ نے پوچھا۔

”نہیں کوئی نہیں ہے، وہاں سے میں نے کوشش کی اور اس کے بعد مجھے گھوڑا گاڑی مل گئی، ہم اس گھوڑا گاڑی میں گاؤں پہنچیں گے۔ پھر وہاں سے آگے کا بندوبست کرلیں گے۔“

”ہوں...... ٹھیک ہے چلیں۔“ بزرگ نے کہا اور اس کے بعد وہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے دادا ابو؟“

”بالکل ٹھیک ہوں غیاث علی، مگر جلدی سے حویلی واپسی کا بندوبست کرو۔“

”آپ بالکل فکر نہ کریں، آپ ہی کی وجہ سے ذرا سی گڑبڑ ہوگئی تھی ورنہ اب تک تو ہم حویلی پہنچ چکے ہوتے۔“

بزرگ نے نوجوان لڑکے کو کچھ نہیں بتایا تھا اس خزانے کے بارے میں، لیکن ان کی جو کیفیت تھی وہ خود ہی جانتے تھے۔

اس کے بعد وہ گاؤں پہنچے اور پھر گاؤں سے انتظام کر کے حویلی پہنچے۔ حویلی پہنچنے کے بعد بزرگ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ ثنا نے حویلی کا منظر دیکھا اور اس کے بعد اس نے یہ بھی دیکھا کہ رات کی تاریکی میں وہ بزرگ حویلی کے نیچے بنے ہوئے تہہ خانوں میں سے ایک تہہ خانے میں اترے اور اس کا جائزہ لینے لگے۔ بہت دیر تک وہ جائزہ لیتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے دوسرے دن روشنی میں غیاث علی سے کہا۔ ”غیاث علی! میں کچھ کام کرانا چاہتا ہوں۔“

”جی دادا ابو بتایئے۔“

”تم کچھ مزدوروں کا انتظار کرلو۔“

ثنا نے دیکھا کہ بزرگ نے حویلی کے نیچے بنے ہوئے تہہ خانوں میں سے ایک کمرے کا انتخاب کیا۔ اس کمرے تک آنے کے جو راستے تھے وہاں دیوار چنوا دی گئی اور اس کمرے کو حویلی کے دوسرے حصوں سے علیحدہ کردیا گیا۔ تہہ خانوں میں اب یہ خفیہ تہہ خانہ بن گیا تھا لیکن اس کے بعد بزرگ نے یہ کیا کہ حویلی کے ایک حصے میں ایک چھوٹی سی باؤلی بنوائی۔ ایک چوکور تالاب جیسی جگہ۔ جہاں انہوں نے چاروں طرف کنارے بنوا لئے تھے۔

غیاث الدین نے ان سے پوچھا۔ ”دادا ابو یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”بیٹے ایک بہت اہم کام ہے، جو کچھ بھی کروں گا تم سے پوشیدہ نہیں رکھوں گا، اب ذرا اس جگہ سے ہمیں ایک سرنگ بنوانی ہے۔“

ایک بیس فٹ لمبی سرنگ اس طرح سے تیار کی گئی کہ اس میں ایک آدمی بیٹھ کر گزر سکے۔ اس کی اونچائی تقریباً چار فٹ تھی اور چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ اس جگہ کو دوسرے لوگوں کی پہنچ سے محفوظ کردیا گیا تھا۔ یہ باؤلی ایک ہفتے میں مکمل ہوگئی تو اس کے بعد بزرگ نے انتظامات کئے اور غیاث علی ہی کو اس سلسلے میں استعمال کیا گیا۔

”غیاث علی! ہمیں اسی پرانے مندر تک چلنا ہے۔“

”جی دادا ابو۔“

”لیکن کسی کو اس کا اندازہ نہیں ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ ہمارے پاس دو بڑے صندوقوں کا بندوبست بھی ہونا چاہئے۔“ غیاث علی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن اس نے تعمیل کی اور اس کے بعد بڑی احتیاط کے ساتھ گھوڑوں والی بگھی میں ایک بار پھر اس دور دراز مندر تک کا سفر طے کیا گیا اور اس کے بعد بزرگ اس نوجوان کو لے کر مندر میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے اسی بت کو متحرک کر کے وہ دیوار کھول لی، نوجوان ساکت رہ گیا تھا۔

”یہ دادا ابو یہ......“

”ہاں بیٹے یہ کوئی بہت پرانا خزانہ ہے اور اب ہم اسے حویلی منتقل کریں گے۔“

”دادا ابو تو آپ نے یہ تہہ خانہ اسی لئے بنوایا تھا؟“

”ہاں...... چلو اب انتہائی برق رفتاری کے ساتھ اس خزانے کو باہر صندوقوں میں منتقل کرو۔“

ثنا اپنی آنکھوں سے یہ عجیب وغریب کھیل دیکھتی رہی تھی، حالانکہ وہ عالم خواب میں تھی، لیکن خزانے کی منتقلی کا عمل دیکھ کر خواب کی کیفیت میں ہی اس پر سنسنی سی طاری ہوگئی تھی، بہرحال وزنی بت، اشرفیوں کے کلسے اور دوسرے زیورات ان صندوقوں میں منتقل ہوتے رہے اور جب تمام چیزیں منتقل ہوگئیں تو بزرگ نے کہا۔ ”غیاث علی! یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہنا چاہئے۔“ یہ خزانہ اتنا بڑا ہے کہ ہم اس سے دس گاؤں خرید سکتے ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ابھی اس کے لئے مجبور نہیں کیا اس لئے اس خزانے کا راز میں کسی تک نہیں جانے دیتا، ہاں اسے سینہ بہ سینہ منتقل کیا جائے گا اور اس کے لئے کوئی ایسا انتظام کیا جائے گا جس سے یہ خزانہ اس وقت نکالا جائے گا جب حویلی پر برا وقت آئے۔ سمجھ رہے ہونا میری بات۔ میں اس کا راز صرف تمہیں سونپ رہا ہوں۔“

پھر ثنا نے دیکھا کہ دادا ابو نے اس راز سے اپنے بیٹے کو آگاہ کیا اور اسے یہ بتایا کہ اس کا امین صرف غیاث علی ہے اور غیاث علی جب مرنے لگے گا تو اس وقت جو بھی ہوگا اسے اس خزانے کے بارے میں تفصیل بتا دی جائے گی۔

پھر ثنا نے دادا ابو کی موت دیکھی۔ اس کے بعد وہ حویلی کے دوسرے عوامل اور پھر بزرگ غیاث علی تک پہنچ گئی جن کی عمر بہت زیادہ ہوگئی تھی اور وہ حجرہ نشین ہوگئے تھے۔

ثنا کا خواب ٹوٹ گیا لیکن اس کے وجود میں جو شدید سنسنی تھی وہ ناقابل برداشت تھی۔ بدن میں جیسے آگ لگ رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ خزانے کا راز اسے معلوم ہوگیا تھا، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ باؤلی بھی اسے مل جائے۔ بے شک اس کے اب تک کے خواب سچے نکلے تھے اور اس اجنبی کے دیئے ہوئے سچے خواب اہم ترین ضرورتوں پر اس کے کام بھی آچکے تھے، لیکن پھر بھی نجانے کیوں ایک وہم سا اس کے دل میں ہوتا تھا۔

بمشکل تمام صبح ہوئی۔ اس کا پورا بدن اینٹھا اینٹھا سا تھا۔ یہاں تک کہ اسے بخار ہوگیا۔ مہرین اس کی بہترین مونس اور غم خوار تھی، وہ اس کے پاس آئی اور اس کی تیمارداری میں مصروف ہوگئی۔ دادا ابو بھی آگئے۔ تمام لوگ آگئے یہاں تک کہ شہریار بھی رمضان ٹائیگر کے ساتھ پہنچ گئے۔

”بڑی عجیب باتیں ہیں، بڑا سنگین معاملہ ہے آپ کیوں بیمار ہوگئیں ثنا؟“

”آپ کی وجہ سے۔“ ثنا نے جواب دیا اور شہریار بے وقوفوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

”مم...... مگر میں، مم...... میرا مطلب ہے میں تو مہرین کو چاہتا ہوں۔“

”جی۔“ ثنا نے ہونٹ سکوڑ کر پوچھا۔

”میں مہرین سے بے وفائی نہیں کرسکتا ثنا، میں مہرین کے لئے پیدا ہوا ہوں وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ تم کو اللہ نے بنایا ہے بڑی دیر کے بعد۔“

”جی۔“

”ہاں اسی طرح کا کوئی شعر ہے۔“

”جی نہیں، کچھ غلط پڑھ رہے ہیں آپ یہ شعر......“ بیمار ہونے کے باوجود ثنا نے مسکراتے ہوئے کہا، باقی لوگ بھی مسکرا رہے تھے۔

”مم...... میں مجھے شاعری نہیں آتی۔“

”چلئے چھوڑیئے اب میں کیا کہوں آپ کی شان میں۔ میں آپ کی غلط فہمی دور کردوں میں آپ کی محبت میں بیمار نہیں ہوئی۔“

”تو پھر۔“ شہریار نے بھاڑ سا منہ کھول کر پوچھا۔

”بس...... رہنے دیجئے آپ کو جب بھی کوئی برا بھلا کہتا ہے دادا ابو ناراض ہوتے ہیں۔“ ثنا نے کہا۔

شہریار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”ان کے سوا میرا اس دنیا میں اور ہے کون؟“ کچھ اس انداز میں کہا تھا شہریار نے کہ یہاں موجود تمام لوگوں کے حلق سے قہقہے نکل گئے تھے۔ ثنا کا ذہن بھی بٹ گیا تھا۔ وہ جس سنسنی کا شکار تھی اس میں کچھ کمی واقع ہوگئی تھی۔ ہاتھ پاؤں اب بھی اینٹھ رہے تھے، وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی لیکن بات اتنی سنگین تھی کہ خود اس کے اپنے لئے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا، جس کام کا بیڑہ اس نے اٹھایا تھا قدرت نے اس کی تکمیل کر ڈالی تھی اور وہ اس خزانے کا راز معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

غیاث علی بیچارے اپنا ذہنی توازن کھو چکے تھے اور سو فیصد یہ راز ان کے ساتھ ہی ان کی قبر میں چلا جاتا، کسے بتاتے وہ اس بات کو کہ خزانہ کہاں پوشیدہ ہے، وہ تو صحیح گفتگو کرنا بھی نہیں جانتے تھے۔

اگر خوابوں کا یہ عمل ان کے ماضی کو نہ کھولتا تو شاید خزانہ انہیں کبھی نہ ملتا، لیکن اب ثنا کے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوگیا تھا، وہ یہ کہ حاصل شدہ خزانہ اس حویلی کی تقدیر بدل دے گا۔ اسے بے پناہ خوشی تھی، لیکن پھر بھی بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں آگے بڑھ کر بولنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اگر وہ اس طرح کی کوئی نشاندہی ان لوگوں کے سامنے کردیتی ہے اور بات پوری نہ ہوئی تو خاصی مشکل میں پڑ جائے گی۔ بمشکل تمام اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے خوابوں میں نظر آنے والی اس باؤلی کو تلاش کیا جائے اگر وہ باؤلی مل جائے تو کم از کم یہ اعتبار ہو جائے کہ خواب سچا ہے۔

اس نے ان ساری باتوں کو اپنے دل میں ہی رکھا اور دوسرے دن سے اس باؤلی کی تلاش شروع کردی۔ وہ ہر بات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کر رہی تھی۔ بابا غیاث علی سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنے کی کوشش حماقت ہی تھی۔ ویسے بابا غیاث علی کی شخصیت اسے اچھی لگی تھی۔ کاش وہ صحیح الدماغ ہوتے اور اگر ایسا ہوتا تو اب تک اس حویلی کی مشکل دور ہو چکی ہوتی۔

پھر حویلی کے ایک ایک چپے کی تلاشی لیتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں اسے ایک چوکور اینٹوں کا نشان نظر آیا۔ ٹوٹی پھوٹی اینٹیں زمین کے برابر ہو چکی تھیں اور ان پر مٹی جم گئی تھی، بس چند اینٹیں جھانک رہی تھیں۔ وہ سینڈل کی ایڑھی سے اس حصے کو ٹٹولتی رہی۔ پانی وغیرہ کا تو خیر اب کوئی نشان بھی نہیں تھا لیکن اسے یہ چوکور جگہ نظر آگئی جو اچھی خاصی بڑی تھی اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، یقیناً ماضی قدیم میں یہ باؤلی رہی ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی کوشش بار آور ہوئی، کچھ کام کی بات بنی ہے۔ بدن میں ایک سنسنی اور ہاتھ پاؤں میں اینٹھن لئے وہ واپس چل پڑی۔ اب اسے یہ سوچنا تھا کہ اس بارے میں کس طرح بات کی جائے۔ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں، لیکن بہرحال ایک خوف بھی دامن گیر تھا کہ دیکھو کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔

☆......☆......☆

رانیہ سو رہی تھی۔ شمشاد علی اس کے پاس موجود تھا۔ شمشاد علی نے محفوظ علی سے بات کرلی تھی اور اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ بخیریت ہے اور پولیس کی حفاظت میں ہے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، راجہ ہدایت خاں نے ابھی تک اپنے آپ کو تسلیم نہیں کیا تھا اور اسی طرح بے تکی باتیں کر رہا تھا۔ اس رات رانیہ سو رہی تھی کہ اچانک ہی اسے محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ آوازیں دے رہا ہو۔ وہ چونک کر اٹھ گئی۔ شمشاد علی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے ایک سایہ سا تھوڑے فاصلے پر محسوس ہوا۔

”کون ہے؟“ رانیہ نے آہستہ سے کہا اور ایک سرگوشی سنائی دی۔

”رانیہ! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، میں کسی بھی طور تمہارا دشمن نہیں ہوں اور تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بہت ضروری اور اہم کام ہے مجھے تم سے، اٹھ کر ادھر آجاؤ۔“

رانیہ نے شمشاد علی کو دیکھا وہ اس طرح سو رہا تھا کہ اس کے فرشتوں کو بھی کسی بات کا علم نہیں تھا۔ رانیہ ایک ہمت والی لڑکی تھی، اپنی جگہ سے اٹھ گئی، پراسرار سائے نے دروازہ کھولا اور اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک برآمدے میں کھڑے ہوئے تھے۔ پراسرار سایہ اس سے کچھ فاصلے پر تھا اس نے کہا۔ ”رانیہ میرا نام فرزان ہے، شاید یہ نام تمہارے کانوں تک پہنچا ہو، اور اگر نہیں پہنچا تو اب سن لو کہ میرا نام فرزان ہے، میرا باپ ایک عالم تھا اور بہت سے علوم اسے آتے تھے۔ میں اپنے باپ کے ساتھ کچھ علوم حاصل کر رہا تھا اور ان میں کامیابی حاصل کرتا جا رہا تھا، جن میں ایک علم سچے خوابوں کا تھا جس سے کسی بھی شخص کے ماضی کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا تھا۔ میرے باپ کے ساتھ تمہارے والد بھی تھے جن کا نام ریاست علی خاں تھا۔ ریاست علی خاں بھی اس علم کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے اور کافی حد تک کامیابی حاصل کر چکے تھے کہ ہمارا واسطہ ایک بدباطن شخص سے پڑ گیا۔ اس کا نام عدلان سوناری تھا۔ یہ ایک بدنام ڈاکو تھا اور اس نے باقاعدہ گروہ بنا رکھا تھا۔ عدلان سوناری بھی پراسرار علوم کے حصول کے لئے نجانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا اور اس نے کچھ پراسرار علوم حاصل کر بھی لئے تھے۔ پھر اس شخص نے ہمارے ساتھ ایک بہت بڑا دھوکا کیا، اس نے اپنے علم کے ذریعے مجھے نقصان پہنچایا اور میں ایک طرح سے یوں سمجھ لو بے جسم ہوگیا۔ میرا جسم ضائع ہو چکا تھا، لیکن کچھ ایسے علوم میرے پاس تھے کہ میں دوسرے جسموں کو اپنا جسم ظاہر کرسکتا تھا۔ یہ ایسی بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں عدلان سوناری سے اپنا انتقام لینا چاہتا تھا، ریاست علی خاں کو بھی عدلان سوناری کے ہاتھوں نقصانات پہنچے اور انہوں نے اس کی تمام حرکتوں کا کچا چٹھا کچھ ایسے علوم کے ساتھ وصیت نامے کے کاغذات میں درج کردیا کہ اگر وہ منظر عام پر آجائے تو تم یہ سمجھو عدلان سوناری کے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ عدلان سوناری بہت سے منصوبے اپنے ذہن میں رکھتا تھا، اس نے راجہ ہدایت خاں کا ہمشکل ہونے کا فائدہ اٹھایا اور راجہ صاحب کو قید کرلیا۔ اس کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ان کاغذات کا حصول تھا جو ریاست علی خاں کے وصیت نامے میں شامل کردیئے گئے تھے اور ان میں عدلان سوناری کی تفصیل تھی۔ بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں رانیہ جن سے انسان صرف اپنی پراسرار قوتوں سے نہیں نمٹ سکتا، اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ قدرت نہیں رکھی کہ وہ انسانوں کی تقدیر کا مالک بن جائے۔ خیر عدلان سوناری کے بارے میں اب مجھے یہ علم ہو چکا ہے کہ وہ زبردست مصیبتوں میں گرفتار ہے اور وقت اسے اس منزل کی طرف لے جا رہا ہے جہاں اس کی روح فنا ہو جائے۔ یہ کاغذات میں تمہارے لئے لایا ہوں، انہیں راجہ ہدایت خاں کے سامنے پیش کردو اور ایس ایس پی سجاد حسین کے سامنے بھی تاکہ راجہ ہدایت خاں اس خوف سے بے نیاز ہو جائے جس کا وہ شکار ہے۔ بس اسی لئے میں تمہارے پاس آیا تھا، یہ کاغذات میں یہاں رکھ رہا ہوں۔“ پراسرار ہیولے نے کہا اور کچھ کاغذات ایک جگہ رکھ دیئے اور اس کے بعد وہ ہوا میں تحلیل ہوگیا۔

رانیہ کو یہ سب ایک خواب سا محسوس ہو رہا تھا، لیکن بہرحال اس نے کاغذات اٹھائے اور پھر دوسرے دن یہ کاغذات ایس ایس پی سجاد حسین کے سامنے پیش کردیئے۔ ایس ایس پی سجاد حسین ان کاغذات کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ پھر رانیہ نے انہیں عدلان سوناری کی تفصیل بھی بتا دی تھی۔ راجہ ہدایت خاں نے جو یہ کاغذات دیکھے تو اچانک ان کی تمام ذہنی قوتیں واپس آگئیں۔ انہوں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ ”حقیقت یہ ہے ایس ایس پی صاحب کہ میں اس خوفناک انسان سے خوفزدہ تھا جس کا نام عدلان سوناری ہے۔ وہ قاتل ہے، ڈاکو ہے، انتہائی سنگدل انسان ہے۔ خدا کرے وہ واقعی مصیبت میں پھنس گیا ہو۔“

”اب آپ بتایئے راجہ صاحب آپ ٹھیک حالت میں ہیں؟“

”میں معافی چاہتا ہوں، بس یوں سمجھ لیجئے مجھے بھی اپنی زندگی کا خوف تھا۔“

”تو اب میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟“

”اگر آپ اجازت دیں تو میں واپس قصبہ امیر شاہ پہنچ جاؤں اور خاموشی کے ساتھ اپنا گھر سنبھالوں۔ میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔ عدلان سوناری کون تھا، میرے دو آدمی تھے جو میرے وفادار تھے اور مجھے یہ بات معلوم ہے کہ انہوں نے صرف میرے ساتھ وفا کی اور میرے دھوکے میں عدلان سوناری کا شکار بنے۔ ایس ایس پی صاحب اگر آپ انہیں تلاش کر کے میرے حوالے کردیں اور ان کی جاں بخشی کرا دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔“

”میرے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے، کوئی ایسا عینی گواہ نہیں ہے جو یہ بتا سکے کہ انہوں نے عدلان سوناری کے کہنے سے کسی انسان کو کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ بہرحال میں انہیں تلاش کروں گا اگر وہ مل گئے تو میں ضرور انہیں آپ تک پہنچانے کی کوشش کروں گا لیکن شرط یہی ہے کہ اگر ان کے خلاف کسی نے شکایت کی اور ایف آئی آر درج کرائی تو پھر میں ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔“

راجہ ہدایت خاں نے یہ بات منظور کرلی تھی۔ رانیہ جانتی تھی کہ خاقان اور نورالدین کہاں ہیں، لیکن بہت سے موقعوں پر زبان بند کرنا ہی مناسب تھا۔ بہرحال ایس ایس پی سجاد حسین نے راجہ ہدایت خاں کو ہر طرح کی پولیس مدد فراہم کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد راجہ ہدایت خاں کو رانیہ اور شمشاد علی کے ساتھ حویلی پہنچا دیا گیا۔ شمشاد علی اپنے والدین کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا جب تک کہ اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ عدلان سوناری ان کے خلاف کسی کارروائی میں کامیاب نہیں ہو جائے گا۔ رانیہ نے اپنے ذرائع سے کام لے کر خاقان اور نورالدین کو اس بات کی اطلاع دے دی تھی کہ راجہ ہدایت خاں قصبہ امیر شاہ واپس پہنچ چکا ہے اور اب انہیں آگے کا انتظار تھا کہ دیکھیں عدلان سوناری اب اس سلسلے میں کیا کرتا ہے اور اس کی پہنچ کہاں تک ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

بہت غور کرنے کے بعد آخرکار ثنا نے فیصلہ کیا کہ پہلے مہرین کو بھی رازدار بنایا جائے اور اس سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ مہرین کی تلاش میں چل پڑی۔ مہرین کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ یوسف علی خاں کے کمرے میں ہے۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد وہ اسی طرف چل پڑی۔ یوسف علی خاں کے کمرے میں اس وقت ایک اور معرکہ سرگرم تھا۔ شہریار، رمضانی ٹائیگر، فراز اور مہرین وہاں موجود تھے۔ یوسف علی خاں کافی برہم نظر آ رہے تھے۔ شہریار کے چہرے پر بھی غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ثنا نے کمرے میں آنے کی اجازت مانگی تو یوسف علی خاں کی آواز ابھری۔

”آجاؤ ثنا، اچھا ہوا تم آگئیں۔“

ثنا کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے ایک ایک کا چہرہ دیکھا تھا۔

”بیٹھو ثنا۔“ یوسف علی خاں نے کہا اور ثنا بیٹھ گئی۔ یوسف علی خاں پھر بولے۔ ”ثنا بیٹی، کسی زمانے میں اس حویلی کی روایات مثالی ہوتی تھیں۔ ہم لوگ مہمان نوازی جانتے تھے لیکن وقت اور ہماری بدقسمتی نے ہم سے ہماری غیرت چھین لی۔ بیٹے تم ہمارے خاندان کی ایک ایسی بچی کی ہمشکل ہو جو ہم سے بچھڑ گئی ہے، اس کے علاوہ بھی تم ایک پیاری بچی ہو، لیکن بدقسمتی سے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں، بیٹی کہ اب تم یہاں سے...... چلی جاؤ۔ ہم...... ہم تمہیں تحفظ نہیں دے سکیں گے۔ میں تم سے کھل کر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ یوسف علی خاں کی آواز بھرا گئی۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ”ہم اپنی بدقسمتی سے شہریار کے مقروض ہوگئے ہیں۔ ہماری ساری شان وشوکت ان کے پاس گروی ہے۔ یہ حویلی اب ہماری نہیں ان کی ملکیت ہے۔ یہ اگر چاہیں تو ہمیں چند گھنٹوں کے نوٹس پر اس حویلی سے نکال سکتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس شرط پر یہاں رہنے کی اجازت دی ہے کہ ہم مہرین کی شادی ان سے کردیں۔ ہمیں اس کے لئے تیار ہونا پڑا، انہوں نے دوسرا مطالبہ تمہارے لئے کیا اور کہا کہ ان کے مصاحب ہریالے میاں تمہیں پسند کرنے لگے ہیں۔ وہ تمہارے ذریعہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے دفعان ہوگئے اور اب ایک نیا شوشا اٹھا ہے۔“

”کیا دادا ابو......“ ثنا نے اطمینان سے پوچھا۔

”شہریار صاحب کا حکم ہے کہ اب تمہیں رمضان ٹائیگر سے منسوب کردیا جائے۔“

”میں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔“ شہریار نے کہا اور سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ”میں ان کے کمرے میں گیا تھا، ان سے کچھ بات کرنی تھی مجھے انہوں نے بے عزت کر کے نکال دیا۔ میں اپنی بے عزتی کبھی نہیں بھولتا۔“

”رمضان سے میری شادی کر کے آپ مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں شہریار صاحب؟“ ثنا نے کہا لیکن شہریار نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

یوسف علی خاں بولے۔ ”بہرحال ثنا میں تم سے معذرت چاہتا ہوں بیٹے۔ میں تمہیں، تمہیں۔“ دادا ابو کی آواز رندھ گئی۔

”ٹھیک ہے دادا ابو، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ذرا...... ٹائیگر صاحب سے تنہائی میں بات کرلوں۔“

”کیا مطلب......؟“ دادا ابو چونک پڑے۔

”میں ان سے معلوم کروں گی کہ کیا یہ خود بھی مجھ سے شادی پر تیار ہیں یا صرف شہریار صاحب کی وجہ سے اس کے لئے تیار ہوئے ہیں۔“ ثنا نے کہا۔

رمضان ٹائیگر کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں اس نے مسکرا کر کہا۔ ”آیئے باہر چلیں۔“

”آیئے......“ ثنا اٹھ گئی۔ شہریار کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کرسکا تھا کہ کیا کرے۔ ثنا باہر نکل آئی اور رمضان ٹائیگر بھی اس کے پیچھے باہر نکل آیا۔ دونوں کافی فاصلے پر پہنچ کر ایک جگہ رک گئے۔ ثنا نے مسکرا کر کہا۔ ”جی جناب۔ اب بتایئے کیا حکم ہے۔“

”آپ میرے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں گی، میں شہریار صاحب کو آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑنے دوں گا!“

”آپ اس وقت کیوں خاموش تھے جب شہریار میری شادی ہریالے سے کرنا چاہتے تھے۔“ ثنا بولی۔

”وہ بس میں...... لیکن اب کوئی ہمیں نہیں روک سکے گا۔ میں آپ کو لے کر شہریار سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔“

”پھر ہمارا خرچ کیسے چلے گا۔“

”میرے پاس بیس لاکھ روپے جمع ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے، لیکن مجھے اپنا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔“

”کیوں......؟ بیس لاکھ روپے کم نہیں ہوتے اور پھر میں آپ کے لئے خوب کمائی کروں گا۔ آپ مجھ سے شادی کر کے تو دیکھیں۔“

”روپے پیسے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر آپ کے گھر کے صحن سے وہ لاش برآمد ہوگئی تو کیا ہوگا۔ میرا مطلب ہے آپ کے بہنوئی کی لاش جسے آپ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اپنے گھر کے پچھلے صحن میں دفن کردیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بہن کس قدر خطرناک ہے اور آج تک اپنے شوہر کو تلاش کر رہی ہے۔ آپ کو اپنے بہنوئی کے قتل کے جرم میں سزائے موت ہو جائے گی اور میں بیوہ ہو جاؤں گی۔“

رمضان ٹائیگر نے گرنے سے بچنے کے لئے ایک دیوار کا سہارا لیا تھا۔

(جاری ہے)

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی سچے خواب بخش گیا تھا

ایم اے راحت | قسط: 24

بند آنکھیں

رمضان ٹائیگر کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید ہو گیا تھا۔ ثنا نے پھر کہا۔ "اصل میں ہر انسان کو اپنے مستقبل کا خیال ہوتا ہے، رمضان ٹائیگر اگر شفیع محمد کو یہ پتہ چل جائے کہ ڈکیتی کے اس کیس میں تم نے پولیس کو مخبری کی تو وہ تمہارے پورے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی معاملات ہیں، مثلاً وہ چندن ہار جو شہریار نے نوری بائی کو تحفے میں دیا تھا اور بعد میں نوری بائی نے شہریار کو اس ہار کے لئے ذلیل کیا تھا کہ شہریار نے نقلی ہار اسے دیا ہے۔ شہریار آج تک اس فکر میں ہے کہ وہ اصلی ہار نقلی ہار میں کیسے بدل گیا، جس کی وجہ سے اس کی اتنی بے عزتی ہوئی۔ اب بتاؤ کہ اگر شہریار کو یہ بات بتا دی جائے کہ اصلی ہار رمضان ٹائیگر صاحب نے تبدیل کیا تھا تو وہ تمہارا کیا حشر کرے گا، اب بتاؤ ان حالات میں تم سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔"

"معاف کر دو، تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کر دو۔ م...... میں...... میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔" رمضان ٹائیگر نے زمین پر اوندھے لیٹ کر ثنا کے پاؤں پکڑنا چاہے۔ ثنا کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے ارے، تم تو میرے ہونے والے مجازی خدا ہو۔ مجھے کیوں گنہگار کر رہے ہو، میرے پاؤں پکڑ رہے ہو، تم تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو رمضان ٹائیگر......"

"تن...... نہیں تم...... تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہو گیا؟"

"رمضان ٹائیگر، تم کیا سمجھتے ہو میں تمہیں ایسے ہی چھوڑ دوں گی، شفیع محمد کو میں تمہارے بارے میں تفصیل بتا دوں گی۔ تمہارے بہنوئی کی لاش میں تمہارے گھر کے صحن سے برآمد کراؤں گی، تمہاری بہن تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرائے گی اور ایف آئی آر تو وہ بعد میں درج کرائے گی، وہ جس قدر خونخوار عورت ہے تمہارا جو حشر وہ کرے گی تمہیں اس کا اندازہ ہے اور پھر شہریار......"

"ارے نہیں تمہیں اللہ کا واسطہ...... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی، تم مجھے بیوی بنانے کی بات کر رہے ہو۔"

"میں کب کر رہا ہوں، وہ تو تم نے شہریار کو برا بھلا کہہ دیا تھا اس لئے وہ تم سے بدلہ لینے پر تل گیا۔"

"اب تم یہ بتاؤ میرے لئے کیا سوچا تم نے؟"

"تمہیں اللہ کا واسطہ، میرے لئے موت کا سامان مت پیدا کرو، اگر تم اپنی زبان بند رکھو گی تو مجھے کچھ نہیں ہو گا۔"

"تو پھر یہاں سے چلتے ہیں واپس، تم ان لوگوں کو یہ بتاؤ گے کہ تم مجھ سے کبھی شادی نہیں کرو گے بلکہ مجھے بہن بناؤ گے۔ باجی کہو گے۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"وہ مجھے مار ڈالے گا، مگر ٹھیک ہے، یوں بھی تو میرے لئے موت کا سامان ہو چکا ہے۔ شہریار سے تو بچت ہو جائے گی کسی نہ کسی طرح، لیکن اگر تم نے یہ باتیں کسی کو بتا دیں تو...... مگر یہ تمہیں معلوم کیسے ہوئیں، تمہیں اللہ کا واسطہ بتا دو۔"

"چلو وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے، اب زیادہ یہاں رکنا مناسب نہیں ہے، چلیں؟"

"چلو چلو......" رمضان ٹائیگر نے روتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے بعد ثنا اس کے ساتھ مسکراتی ہوئی واپس آ گئی۔ جہاں سب لوگ تجسس کا شکار تھے اور ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

دادا ابو نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا، مہرین نے بھی سرد آنکھوں سے دونوں کو دیکھا، رمضان ٹائیگر کی غیر حالت دیکھ کر مہرین کسی قدر چونکی تھی۔

رمضان ٹائیگر نے شہریار کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "شہریار جی، میں اس لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، میں نے اسے بہن کہہ دیا ہے، باجی ہے یہ میری، باجی جان مجھے معاف کر دو۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں آ سکتی۔"

"رمضان......" شہریار کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"ارے چھوڑو شہریار بھائی، نکالتے ہو مجھے نوکری سے نکال دو، مگر ایک بھائی بہن کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔"

"لعنت ہے تم پر......"

"بس شہریار بس، کافی ہے۔" دادا ابو نے کہا اور شہریار غصے سے پھنکارتا ہوا باہر نکل گیا۔ رمضان بھی اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔ باقی تمام لوگ حیران نگاہوں سے پہلے دروازے کو دیکھتے رہے اور پھر ان کی نگاہیں ثنا پر آ جمیں۔ فراز نے کہا۔ "ثنا صاحبہ! میں نے آج تک آپ سے کبھی بات نہیں کی لیکن خدارا اپنی اس جادوگری کے بارے میں ہمیں بھی تو کچھ بتا دیجئے، آپ سب کچھ کر سکتی ہیں، کمال کی بات ہے دادا ابو، آپ نے دیکھا کہ ہریالے صاحب کس طرح دم دبا کر بھاگ گئے۔ شہریار صاحب نے ثنا صاحبہ کو ان کے حوالے کرنے کے بارے میں بات کی تھی، آپ سے...... اور رو با ڈالا تھا اور آج......"

دادا ابو نے مسکراتی نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور بولے۔ "یہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے، نجانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ ہماری پھوٹی تقدیر بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے درمیان بھیجا ہے۔"

ثنا مسکرا دی پھر بولی۔ "دادا ابو! آپ لوگوں نے جس طرح میرے ساتھ محبت کا سلوک کیا ہے، جس طرح مجھے اپنے درمیان جگہ دی ہے اس کے صلے میں تو مجھے اپنی جان تک آپ کے لئے دے دینی چاہئے۔ اتنے اچھے لوگ اس دنیا میں کہاں ہیں، لیکن بہرحال آپ کی محبت میرے لئے بہت بڑا مقام رکھتی ہے۔"

"بیٹے ہماری کالی تقدیر نے ہمیں اس طرح ذلیل و خوار کر دیا ہے، ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے اور ہم کس طرح کے لوگ ہیں۔"

"دادا ابو سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ پر بھروسہ رکھئے۔"

پھر شہریار نے اپنی برہمی کا اظہار اسی دن کر ڈالا۔ وہ یوسف علی خاں سے ملا تھا، اس وقت بھی اتفاق سے ثنا یوسف علی خاں کے پاس موجود تھی اور یوسف علی خاں فراز سے بات کر رہے تھے۔ شہریار کو اس طرح آتا دیکھ کر وہ سب محتاط ہو گئے۔

"دادا ابو معافی چاہتا ہوں، کل یا پرسوں تک واپسی کا ارادہ ہے، لیکن میں نے ایک اور فیصلہ کیا ہے اور اس بات کا خواہشمند ہوں کہ آپ اس پر عمل کر ڈالئے۔"

"ہاں...... کیا شہریار؟"

"دادا ابو فخر الدین نے مجھے فون پر ہدایت کی ہے کہ حویلی دو یا تین دن کے اندر خالی ہو جانی چاہئے۔ میری اس سے کافی تلخ کلامی ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر میں اس گھر کا داماد بن جاتا ہوں تو پھر حویلی پر کسی کی بری نگاہ نہیں اٹھنی چاہئے، تو اس نے کہا کہ دادا ابو تمہیں صرف میٹھی گولیاں کھلا رہے ہیں، وہ تمہاری شادی کسی قیمت پہ مہرین سے نہیں کریں گے۔"

"ارے واہ، یہ فخر الدین تو تم سے زیادہ ہی ذہین آدمی نکلا بھئی......"

دادا ابو نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مذاق نہیں کر رہا دادا ابو، کل مغرب کی نماز کے بعد میرا نکاح مہرین سے ہو جانا چاہئے تاکہ رات کو میں اسے اطلاع دوں کہ مہرین میری بیوی بن چکی ہے اور اب حویلی کا خیال وہ دل سے نکال دے۔"

"اچھا اگر ایسا نہ ہو سکے تو؟" دادا ابو نے سوال کیا۔

"تو پھر دو صورتیں ہیں، میرا قرض واپس کر دیجئے گا یا پھر حویلی خالی کر دیجئے، اس کے بعد میں مہرین کا خیال دل سے نکال دوں گا۔"

"تو پھر تم ہمیں ایک ہفتے کی مہلت دے دو۔ حویلی اس طرح تو خالی نہیں ہو سکتی۔ اب اگر تم ہمارے خلاف کوئی دعویٰ دائر کرو گے تو اس میں بھی تمہیں کچھ دن تو لگ ہی جائیں گے۔ مقدمے بازی کرنے کے بجائے ہمیں ایک ہفتے کی مہلت دے دو۔ ہم کوئی دوسرا انتظام کر کے وہاں منتقل ہو جائیں گے، باقی جہاں تک مہرین اور تمہارے نکاح کا معاملہ ہے تو بیٹے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے گھر کے کتے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا، بس اتنی ہی اوقات ہے تمہاری۔"

"دادا ابو! شہریار ہے میرا نام......"

"پہلے کچھ اور تھا؟" دادا ابو نے پر مزاح لہجے میں کہا۔

"آپ نے جو کچھ مجھے کہا ہے اس کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی آپ کو......"

"یار حویلی دے دیتے ہیں تمہیں، کیوں مرے جا رہے ہو؟"

"نہیں دادا ابو بات صرف حویلی تک ہی نہیں رہے گی، حویلی تو خیر آپ کو خالی کرنا ہی ہو گی، لیکن آپ نے جو الفاظ ان سب کے سامنے کہے ہیں اس کی قیمت الگ ہو گی۔"

"چلو پھر دیکھ لیں گے، اس سلسلے میں بھی سودا کر لیں گے۔" یوسف علی خاں نے کہا اور شہریار باہر نکل گیا۔

"ہاں بھئی فراز! اب تم بتاؤ بیٹے کہ جب ہم ایک قلاش مسافر بن جائیں گے تو تمہارا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہو گا؟"

"دادا ابو، اچانک آپ نے یہ سوال مجھ سے کیوں کیا، اس سے پہلے تو آپ نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی؟"

"یار دیکھو، پورا خاندان بھرا پڑا ہے ہمارا یہاں اس حویلی میں۔ ویسے خدا کا فضل ہے کہ تھوڑے بہت حالات ان لوگوں کے علم میں بھی آ چکے ہیں اور سب بوریا بستر باندھے بیٹھے ہوئے ہیں کہ جب ہمیں دھکے مار کر اس حویلی سے باہر نکالا جائے گا تو وہ لوگ اس سے پہلے ہی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ میں نے یہ بات ان کے کانوں میں ڈال دی ہے۔ ان میں سے ہمارا کوئی مددگار نہیں ہے، سب ہنستے ہوئے چلے جائیں گے، اب ہمیں سہاروں کی ضرورت تو ہو گی نا تم یہ بتاؤ کہ تم ہمارے لئے کیا کر سکتے ہو؟"

"دادا ابو میں زندگی کی آخری سانس تک آپ کا ساتھ دوں گا، اگر ہماری تقدیر میں سڑکوں پر آنا ہے تو اس سڑک پر آپ اکیلے نہیں ہوں گے، فراز آپ کے ساتھ ہو گا، باقی جہاں تک معاملہ ان تمام باتوں کا ہے تو ہمیں ایک دم سے تو یہاں سے کوئی نہیں نکال سکے گا۔ ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے، کسی بھی جگہ منتقل ہو جائیں گے۔"

"جزاک اللہ، بڑا سہارا ملا بیٹے آپ کی ان باتوں سے۔ ثنا اب تم ہمارے ساتھ ہی رہو گی۔ اب کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، ارے بڑا مزہ آئے گا، زندگی میں تبدیلی بڑی دلچسپ چیز ہوتی ہے۔ دیکھتے ہیں کہ باہر کی دنیا کیسی ہے۔ فراز بیٹے بڑا دل بڑھایا ہے تم نے، ہم نہیں جانتے کہ اس کے صلے میں ہم تمہیں کیا دیں گے، خیر چھوڑو، ویسے ایک بات پر بڑا دکھ ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمارے پاس اتنا بڑا خزانہ موجود تھا، کاش بزرگ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھا لیتے، کوئی ایسی دستاویز جو عملی شکل میں سامنے ہوتی، ہو سکتا ہے خاندان میں کسی کو اس خزانے کا علم ہو، لیکن اب یہ بات تاریخی داستان بن چکی ہے، وقت کی چھاؤں میں سوئی ہوئی ایک پرانی کہانی۔"

ثنا کچھ دیر تک خاموش رہی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے کمرے کے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔ سب نے اس کے اس عمل کو حیران نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یوسف علی خاں بے صبری سے بولے۔ "کوئی خاص بات ہے ثنا بیٹے۔"

"جی دادا ابو......" ثنا واپس آ کر دادا ابو کے پاس بیٹھ گئی۔

"خیریت؟"

"دادا ابو، کسی خزانے کی داستان دوسری بار میرے سامنے آئی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس خزانے کی تاریخ کیا ہے۔"

"ہمارے پردادا کو یہ خزانہ کہیں سے حاصل ہوا تھا۔"

"کہاں سے؟"

"تمہارے پوچھنے کا انداز بہت عجیب ہے، تم کیا کہنا چاہتی ہو یہ ہم سمجھ نہیں پائے۔" یوسف علی خاں نے بدستور حیران لہجے میں کہا۔

"دادا ابو! یہ خزانہ آپ کے پردادا کو شکار کے دوران کہیں سے حاصل ہوا تھا، اس وقت ان کے ساتھ کون تھا یہ بات آپ کے علم میں ہے۔"

"صرف اور صرف غیاث علی جن کی عمر کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ ہماری چوتھی یا پانچویں پشت دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ وہ بے شک ایک زندہ وجود ہیں لیکن دماغی طور پر بالکل ختم ہو چکے ہیں، ان کی دماغی کیفیت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ غیاث علی پردادا کی ناک کا بال تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتے تھے، سیر و شکار میں بھی وہی ہوا کرتے تھے اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ خزانہ ان کے علم میں تھا، لیکن پہلے بھی ان سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ ہم لوگ خزانے کو محض کہانی کا درجہ دیتے رہے ہیں۔ وہ تو اب ذرا سا تذکرہ ہوتا ہے، اس بات پر کہ کاش اس کی کوئی صحیح تفصیل ہمارے سامنے ہوتی تو اس وقت بڑے کام آ سکتی تھی۔"

"دادا ابو! میں خزانے کی تلاش میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔" ثنا کے الفاظ پر ایک شدید سنسنی دوڑ گئی تھی۔ سبھی نے حیران نگاہوں سے ثنا کو دیکھا، کچھ لمحوں کے بعد دادا ابو بولے۔ "بیٹے! آپ کا اب تک جو کردار رہا ہے اس میں بھی کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی جو غیر سنجیدہ ہو، کیا آپ اس وقت سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہی ہیں؟"

"جی دادا ابو، شاید میں آپ کی رہنمائی اس خزانے تک کر سکوں۔"

دادا ابو کے بدن پر ہلکی سی کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ یہ کیفیت سبھی محسوس کر رہے تھے، فراز نے کہا۔ "دادا ابو! وہ معاملات تو آپ دیکھ چکے ہیں۔ ثنا صاحبہ نے ہریالے میاں کو ان کے اعمال کا کچا چٹھا سنا کر دوڑا دیا، رمضان ٹائیگر کو اپنے ساتھ لے گئیں تو وہ سب کچھ بھول کر باجی باجی کرتا ہوا آ گیا۔ ثنا صاحبہ کے بارے میں دادا ابو آپ خود یہ بات کہہ چکے ہیں کہ ان کی شخصیت میں کہیں کوئی ایسا معاملہ چھپا ہوا ہے جو ہمارے علم سے باہر ہے۔"

"ثنا بیٹے آپ براہ کرم مجھے بتایئے کہ کیا واقعی آپ اس طرح کا کوئی کام کر سکتی ہیں؟"

"دادا ابو میری دلی آرزو ہے کہ آپ کی عزت، آپ کا وقار حویلی کی حرمت اسی طرح قائم رہے جس طرح اب تک رہی ہے۔ دادا ابو دعاؤں کے ساتھ ساتھ میرا تھوڑا سا عمل بھی اس سلسلے میں ہے، اب آپ یہ بتایئے کہ کیا حویلی کے نیچے کچھ تہہ خانے بھی ہیں؟"

"ہاں ہیں۔"

"میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ابھی اسی وقت......؟"

"اس کا فیصلہ آپ خود کریں دادا ابو، کیا رات میں ہم ان تہہ خانوں میں اتر سکتے ہیں؟"

"ہاں روشنی کے مناسب انتظام کے ساتھ اور بہتر یہی رہے گا، لیکن تم نے ان تہہ خانوں کی بات کیوں کی۔ خدا کے لئے ثنا بیٹے دیکھو، یہ مسئلہ اتنا جذباتی ہے کہ ہمیں اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا بلکہ ہو رہا ہے، اگر تم واقعی کوئی احسان کرنا چاہتی ہو تو مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس خزانے کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"دادا ابو، صرف اتنا بتا سکوں گی آپ کو کہ میری زندگی سے ایک انوکھی کہانی وابستہ ہو گئی ہے۔ ایک پراسرار اجنبی نے مجھے سچے خوابوں کا تحفہ دیا ہے، میں جو خواب دیکھتی ہوں دادا ابو وہ سچے ثابت ہوتے ہیں، میں اگر کسی کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں تو مجھے اس کا علم اپنے خواب میں ہو جاتا ہے، دادا ابو اب آپ سے کچھ چھپانا بیکار ہے، آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ان خوابوں کی وجہ سے ایک ایسا شخص میری جان کا لاگو ہو گیا ہے جو چاہتا ہے کہ میں اس کے دشمنوں کے بارے میں خواب دیکھ کر ان کی حقیقت بتاؤں اور وہ اس سے فائدہ اٹھائے، میں نے اس شخص کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو وہ مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اس کی وجہ سے بھاگی بھاگی پھر رہی ہوں۔ میں نے بحالت مجبوری ہریالے کے بارے میں اسے ذہن میں رکھ کر خواب دیکھا اور اس کا کچا چٹھا شہریار صاحب کے سامنے بیان کر دیا، رمضان ٹائیگر کے بارے میں بھی مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا۔ میں نے اسے اس کے ماضی کی داستان سنائی جو بڑی خطرناک ہے، وہ قاتل بھی ہے اور میں نے اس پر یہ انکشاف کر دیا کہ میں اگر چاہوں تو پولیس کو اس جگہ کی نشاندہی کر سکتی ہوں جہاں اس نے اپنے بہنوئی کو قتل کر کے دفن کر دیا ہے اور اس کی اطلاع اس کی بہن کو بھی نہیں ہے کہ اس کے شوہر کا قاتل خود اس کا سگا بھائی ہے۔ بہن اس قدر خطرناک عورت ہے کہ اگر اسے اس بات کا علم ہو جائے تو وہ اپنے ہاتھوں سے رمضان ٹائیگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ بہرحال میں نے دوسرے کمرے میں لے جا کر رمضان ٹائیگر کو یہ سب کچھ بتایا تو وہ مجھے باجی باجی کہتا ہوا یہاں آ گیا۔ دادا ابو پہلے بھی ایک بار آپ نے اس خزانے کا ذکر کیا تھا۔ پھر بالکل اتفاقیہ طور پر میری ملاقات بابا غیاث علی سے ہو گئی اور میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ میں ان کا ماضی کریدوں۔ ان کے بارے میں خواب دیکھوں، دادا ابو میں نے ایسا کیا تو مجھے بہت سی حقیقتوں کا علم ہو گیا۔ خدا کرے میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔"

دادا ابو ہی نہیں مہرین اور فراز نے بھی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ یہ سنسنی خیز انکشاف ان سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سنجوگتا دیوار سے جا لگی اس کے چہرے پر ایک جھلاہٹ تھی۔ غالباً وہ بھی اب زندگی سے مایوس ہو چکی تھی اور شاید زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ بھوگ ناتھ اور مکھو راج اس کے سامنے آ گئے اور پھر انہوں نے کوئی منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ حیات علی بے بسی سے کھڑا ہوا تھا۔ ایک پولیس آفیسر ہونے کی حیثیت سے وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا، لیکن اس کا اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا کہ کچھ نہیں سکے گا۔ یہ غیر حقیقی زندگی تھی اور ان واقعات کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک بہت ہی عجیب و غریب منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ سنجوگتا کے جسم سے ایک ہیولا سا علیحدہ ہو گیا۔ یہ ہیولا چمکدار لکیروں کی شکل میں سنجوگتا کے بدن کی آؤٹ لائن تھی، وہ سنجوگتا کے جسم سے نکل کر تھوڑے فاصلے پر جا کھڑا ہوا ادھر بھوگ ناتھ اور مکھو راج کے جسم ڈھلتے جا رہے تھے۔ پھر وہ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے اور اچانک ہی دیوار سے لگی سنجوگتا کے منہ سے بھوگ ناتھ کی آواز نکلی۔

"دیکھا تو نے، ہمارا عمل مکمل ہو چکا ہے اب ہم اس کے شریر میں ہیں، مکھو راج بتا اسے۔"

"ہاں اب سنجوگتا کے شریر میں ہم دونوں ہی ہیں۔"

"تم دونوں...... تم دونوں......" جواب میں سنجوگتا کے حلق سے مکھو راج کی آواز میں قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

"اور یہ سسری......" بھوگ ناتھ نے سنجوگتا کی آؤٹ لائن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اب یہ آتما ہے، جب تک ہم اس کا شریر اسے واپس نہیں کریں گے یہ اسی طرح آتما کی شکل میں بھٹکتی رہے گی۔"

"ہاں، لیکن بڑی غلطی کر ڈالی تم نے بھوگ ناتھ مہاراج بڑی غلطی ہو گئی تم سے مکھو راج جی، بتاؤں کیسے؟" خود سنجوگتا ہی کے چہرے کے تاثرات میں پریشانی کی ایک لہر نمودار ہوئی لیکن اسی وقت اچانک سنجوگتا کے بدن کی آؤٹ لائن آگے بڑھی۔ اس کے ہاتھ نے اس جسم کو گریبان سے پکڑا اور اتنی تیزی سے پکڑ کر آگے بڑھی کہ رک نہ سکی اور دوسرے لمحے حیات علی نے ایک سنسنی خیز منظر دیکھا۔ سنجوگتا نے ان دونوں کو اس جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دیا تھا اور آگ سے ان کی دھاڑیں بلند ہو رہی تھیں۔ سنجوگتا کا اپنا بدن شعلے پکڑ چکا تھا اور اس میں سے ان دونوں کی چیخ و پکار کی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے سنجوگتا کا بدن کوئلے میں تبدیل ہو گیا، لیکن سنجوگتا نے وہیں پر بس نہیں کی تھی، اس نے حیات علی سے کہا۔ "تم میری مدد کرو۔ ان دونوں کے جسموں کو بھی گھسیٹ کر آگ میں ڈال دو جلدی کرو۔ کہیں اپنے کسی جادوئی عمل سے وہ دونوں دوبارہ اپنے جسموں میں واپس نہ آ جائیں۔"

حیات علی کے بدن میں بھی بجلیاں بھر گئی تھیں۔ اس نے فوراً ہی ان دونوں کے بے جان جسموں کو اٹھا کر اس آگ میں جھونک دیا تھا۔ گوشت جلنے کی بدبو فضا میں اٹھ رہی تھی۔ آگ سے چراند کے ساتھ دھواں اٹھ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے ان تینوں جسموں کو اپنی جیسی شکل میں تبدیل کر لیا۔

حیات علی خوف بھری نظروں سے اس جادوگری کے کھیل کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد دھواں اور بدبو بھی ختم ہو گئی۔

سنجوگتا کی آواز ابھری۔ "چلو کھیل ختم ہو گیا۔ بھگوان جس کے بھاگ میں جو کچھ لکھتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارے تو ماتا پتا ہی ہمارے بیری ہو گئے تھے کسی اور سے کیا دکھڑا۔"

"یہ دونوں ختم ہو گئے سنجوگتا۔"

"ہاں پاپی نرکھی تھے نرک میں گئے۔"

"اب تمہارا کیا ہو گا سنجوگتا۔"

"ہو گا......؟ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔"

"مطلب......؟"

''دیکھا نہیں تم نے۔ ہم نے اپنا شریر بھی تم پر وار دیا۔ بھسم ہو گئے ہم۔''

''گویا تم...... تم اب اپنے بدن میں نہیں آسکتیں۔''

''کونسے بدن میں۔ کونسے بدن کی بات کر رہے ہو تم۔''

''اوہ......'' حیات علی نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ تم نے میرے لئے اپنی جان دے دی۔''

''اچھا ہی کیا، اور کیا کرتے ماٹی کے اس ڈھیر کا جسے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ چلو کہانی ختم ہوئی، آؤ یہاں سے چلیں اب یہاں کیا کرو گے چلو آؤ۔'' نجو گتا نے کہا اور اس کے بعد اس کے بدن کی چمکدار لکیر نے ایک سمت اختیار کی۔

حیات علی کے قدم اس کے پیچھے پیچھے اٹھ گئے، وہ بڑی شدید سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ بس ایک خواب جیسی کیفیت میں تھا۔ جیتی جاگتی زندگی میں اس طرح کے کھیل نہیں ہوتے۔ جس راستے سے وہ یہاں تک پہنچے تھے اسی راستے سے واپسی ہوئی اور آخرکار نجو گتا اسے لئے ہوئے اوپر پہنچ گئی۔ باہر کی فضا جوں کی توں تھی۔ نجو گتا ہیولے کی شکل میں موجود تھی۔

حیات علی نے کہا۔ ''نجو گتا! میں تو یہاں سے چلا جاؤں گا، مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کروں۔''

جواب میں نجو گتا کی ہنسی سنائی دی، پھر اس نے کہا۔ ''بڑے عجیب ہو گئے ہیں ہم بھی، تم نے بھٹکتی آتماؤں کے بارے میں سنا ہوگا حیات بابو۔ آتمائیں اسی سے بھٹکتی ہیں جب ان کے جیون میں انہیں کچھ نہ ملا ہو، ہمارے من میں آرزو تو یہی تھی کہ ہم بھی سنسار میں انسانوں کی طرح رہیں، انسانوں کی طرح جئیں، ہمارے من میں بھی پریم ساگر امڈتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا پریمی کوئی نہیں تھا۔ پرنتو کے من میں آرزوئیں تو ہوتی ہیں، ہمیں دکھ اس بات کا ہے کہ ماتا پتا نے اپنے کرم کے لئے ہمیں اپنے آپ سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد ہم ترستے ہی رہے جیون میں کسی اچھے سنسار کے لئے اور اب ایک بڑے دکھ کی بات یہ ہوئی کہ شریر تو ہم نے اپنا بھسم کر دیا، بلی دے دی ہم نے، اپنی بھینٹ دے دی، پر ہمیں چتا بھی نہ ملی۔ چتا ملی بھی تو ایسی آگ بھری کہ جس میں ہماری آتما کو بھی شانتی نہیں ملی، اب بھٹکتے رہیں گے۔ پتہ نہیں کب تک، ہم نہیں جانتے کہ ہمارا انتم سنسکار کیا ہوگا۔''

حیات علی کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا نجو گتا، میں نے تو تم سے کہا تھا کہ اگر یہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا تو میں تمہیں ایک سچا بھائی بن کر دکھاؤں گا۔''

''چھوڑو، تم ہمیں بتاؤ، ہم تمہارے لئے کیا کریں؟''

''نجو گتا اب تو مایوسیوں کے سوا میری زندگی میں اور کیا رہ گیا ہے۔ بس یوں سمجھ لو ایک لڑکی سے محبت کی تھی میں نے۔ ایک چھوٹی سی غلطی نے اسے مصیبتوں میں پھنسا دیا اور پتہ نہیں کہاں چلی گئی وہ۔ بس اسی کی تلاش میں زندگی گزار رہا ہوں اور تم یقین کرو کہ اب مجھے بھی زندگی سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ سارا مستقبل تباہ ہو گیا میرا۔ بس مجھے بھی اب موت ہی کی آرزو ہے۔''

''نہیں ابھی نہیں، ہمیں تو سنسار میں کوئی ایسا نہ مل سکا جس سے من کی بات کہہ دیتے اور وہ ہمارے لئے کچھ کرتا لیکن ہمیں بھٹکنے کا موقع مل گیا ہے، ہمیں سے وہ ہم تمہاری پریمیکا کو تلاش کریں گے اور کسی بھی سے تمہیں اس کے بارے میں اطلاع دے دیں گے۔ تم ایسا کرو یہاں سے نکل کر بائیں سمت چل پڑو۔ کافی فاصلے پر جا کر تمہیں ایک بستی نظر آئے گی، بستی میں اپنے لئے جگہ بنا لینا اور ہمارا انتظار کرنا۔ ہم تمہاری پریمیکا کو تلاش کر کے تمہیں اس کے بارے میں خبر دیں گے۔''

حیات علی نے ممنون نگاہوں سے اس نظر آنے والے لکیری ہیولے کو دیکھا اور خاموشی سے گردن جھکا لی۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے گردن جھکائے کھڑا رہا۔ اس کے دل میں واقعی نجو گتا کے لئے غم کا تاثر تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر گردن اٹھائی اور بولا۔ ''نجو گتا میں......'' لیکن وہ چمکدار ہیولا اب اس کے سامنے نہیں تھا۔

اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں، پھر دور دور تک دیکھا، بہت فاصلے پر، بہت زیادہ فاصلے پر وہ ہیولا چلا جا رہا تھا۔ ایک بھٹکتی ہوئی روح کا یہ کھیل بھی شاید ہی کسی نے اپنی زندگی میں دیکھا ہو۔ نجو گتا اس کے لئے پھر سے چل پڑی تھی، جو راستہ وہ بتا گئی تھی، حیات علی اس راستے پر چل پڑا۔ تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے اس نے یہ سفر کیا اور پھر اسے ایک بستی کے آثار نظر آنے لگے۔

☆......☆......☆

فراز تیاریوں میں سب سے پیش پیش تھا۔ سارے کام انتہائی خفیہ طریقے سے کئے جا رہے تھے اور بڑی احتیاط برتی جا رہی تھی کیونکہ شہریار یہیں موجود تھا اور خاصا تلخ ہو گیا تھا۔ یہ بات بعد میں دادا ابو نے کہی تھی کہ وہ ذلیل فطرت انسان ہے اور چونکہ اس کی کافی بے عزتی ہو چکی ہے، اس لئے وہ یقیناً اب ایسی تیاریوں میں ہوگا جس سے ان لوگوں کو یہاں سے جانے پر مجبور کیا جا سکے۔

بہرحال فراز نے ضرورت کے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے، حویلی میں جہاں تہہ خانے میں اترنے کی جگہ تھی وہاں تمام چیزیں پہنچا دی گئی تھیں۔ طے یہ ہوا تھا کہ مہرین، فراز، دادا ابو اور ثنا ان تہہ خانوں میں اتریں گے۔

''تہہ خانے صاف ستھرے ہیں کیونکہ میں اکثر ان کی صفائی کراتا رہتا ہوں۔ وہاں تمہیں کسی قسم کی کوئی غلاظت یا گندگی نہیں ملے گی۔ ان تہہ خانوں میں گھٹن بھی نہیں ہے، کیونکہ وہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ بنوائے گئے ہیں۔''

''دادا ابو کیا ان تہہ خانوں کو کسی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے؟''

''نہیں بیٹے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ثنا خاموش ہو گئی۔

بارہ بجے جب پوری حویلی میں گہرا سناٹا طاری ہو گیا تو وہ اندر ہی اندر راہداریوں کو عبور کرتے ہوئے ایک دروازے تک پہنچ گئے جو ایک بند کمرے کا دروازہ تھا۔ اس کے برابر ہی تین چار کمرے اور بھی تھے، یہ کمرے ہمیشہ بند پڑے رہا کرتے تھے۔ ان میں بڑے موٹے تالے لٹکے ہوا کرتے تھے، جس کمرے کے دروازے پر وہ پہنچے اس میں بھی ایک بڑا سا تالا لٹکا ہوا تھا۔

فراز نے ایک لمبی چابی سے اس دروازے کے تالے کو کھولا۔ ثنا کا دل بھی دھڑک رہا تھا۔ خواب میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اسے اپنی یادداشت میں لا رہی تھی۔ کمرے کے اندر روشنی ہو گئی۔ ایک پیلا سا مگجا بلب روشن تھا اور اس کی روشنی اس کمرے کو مکمل روشن کرنے میں ناکام ہو رہی تھی، لیکن پھر بھی وہ دروازہ نمایاں تھا جس میں ایک اور تالا پڑا ہوا تھا۔ دروازے کے اوپر ایک پردہ بھی تھا جو دیواروں کے رنگ کا تھا اور صرف ایک نگاہ دیکھے جانے پر وہ پردہ دیواروں سے الگ محسوس ہوتا تھا، اس پردے کے پاس پہنچ کر فراز نے ایک اور چابی سے اس تالے کو کھولا پھر ثنا سے بولا۔ ''ثنا صاحبہ اندر روشنی کر رہا ہوں میں، لیکن دروازے کے فوراً بعد سیڑھیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ گیارہ سیڑھیاں ہیں۔ آگے میں چل رہا ہوں، میرے پیچھے آپ آجایئے اور آپ کے پیچھے مہرین اور دادا ابو ہوں گے۔''

وہ لوگ ایک ایک قدم نیچے اترتے رہے، ثنا سیڑھیاں گن رہی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکنیں کافی تیز ہو چکی تھیں۔ باقی لوگ بھی شدید سنسنی کا شکار تھے۔ گیارہویں سیڑھی سے نیچے اتر کر فراز نے روشنی کی۔ یہاں تہہ خانوں میں بھی روشنی کا انتظام کیا گیا تھا، البتہ یہاں مدھم روشنی کے بلب لگائے گئے تھے جن کے بارے میں دادا ابو نے کہا۔ ''چونکہ ان تہہ خانوں کو ہم صرف صفائی ستھرائی کے لئے ہی استعمال کرتے رہے ہیں اور یہ کام دن کی روشنی میں بھی ہوتا رہا ہے، اس لئے یہاں کبھی تیز روشنی کا بندوبست نہیں کیا گیا۔''

''میں ابھی تیز روشنی کئے دیتا ہوں۔'' فراز نے کہا۔ خاص قسم کی چارجنگ لائٹیں وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا جن میں ہم لگی ہوئی تھی اور جیسے ہی اس نے لائٹ کا بٹن دبایا تہہ خانوں میں دن نکل آیا تھا۔

دادا ابو نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ ''فراز کے سپرد جو کام کیا جاتا ہے وہ اسے بڑی محنت کے ساتھ کرتا ہے، ویسے ثنا بیٹے ہم لوگ تمہارے خواب کی روشنی میں تہہ خانوں کا جائزہ لے لیتے ہیں۔ اگر ہمیں وہ جگہ مل گئی جہاں خزانہ ہے تو پھر ہم دن کی روشنی میں دوبارہ یہاں آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے دادا ابو جیسا آپ پسند کریں۔'' ثنا نے کہا۔

''دیکھو اس تہہ خانے کے پانچ کمرے ہیں ہم یہاں سے آغاز کرتے ہیں۔'' دادا ابو نے کہا اور ثنا اپنی تمام تر یادداشتوں کو مجتمع کر کے تہہ خانے کے ان کمروں کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے بھرپور طریقے سے اپنے خوابوں کی روشنی میں ان پانچ کمروں کا جائزہ لیا۔ ایک ایک دیوار کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا، لیکن وہ جگہ اسے نظر نہیں آئی جہاں اس نے وہ تہہ خانے کی دیوار دیکھی تھی۔ وہ پانچوں کمروں میں کئی کئی بار گئی اور اس کے چہرے پر مایوسی ابھرنے لگی۔

دادا ابو، مہرین اور فراز بار بار اس کا چہرہ دیکھتے رہے تھے اور پھر ثنا کے چہرے پر مایوسی دیکھ کر ان کی اپنی آنکھوں میں بھی مایوسی اتر آئی تھی۔ ثنا تھکی تھکی نظر آنے لگی تو دادا ابو نے کہا۔ ''نہیں بیٹے، کوئی بات نہیں ہے، زندگی کے دو رخ ہوتے ہیں، سیاہ اور سفید روشنی اور تاریکی، ہمیں ان دونوں رخوں کے لئے تیار رہنا چاہئے، ایک بات پر میرا ایمان ہے، وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو بہتری پیدا کرنی ہوتی ہے تو اس کے اسباب بھی ہو جاتے ہیں، لیکن پھر بھی کوئی بات نہیں ہے، اللہ مالک ہے، کیا خیال ہے واپس چلیں۔''

''جی دادا ابو'' ثنا نے کہا۔ تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کر کے وہ لوگ اوپر آگئے، روشنی بجھا دی گئی تھی۔ ثنا نے کہا۔ ''دادا ابو آپ یہ نہ سوچیں کہ میں ناکام ہو گئی، میرے ذہن میں دور دور تک ناکامی کا کوئی تصور نہیں ہے، میں ایک بات کا آپ سے وعدہ کرتی ہوں، نجانے کیوں میرا دل یہ بات کہہ رہا ہے کہ ہمیں آخرکار خزانہ حاصل ہو جائے گا۔''

''بیٹے میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں۔''

''دادا ابو! یہاں باہر حویلی کے ایک حصے میں ایک باؤلی تھی جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔''

''ہاں تھی۔'' دادا ابو کے لہجے میں تجسس اور آنکھوں میں حیرت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

''دادا ابو میں نے اس باؤلی کو تلاش کیا تھا کیونکہ میرے خوابوں کا تعلق اس باؤلی سے بھی تھا وہاں اب پانی نہیں ہے بلکہ وہ زمین کی سطح سے برابر ہو گئی ہے، لیکن وہاں اینٹوں کے نقوش موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باؤلی وہاں تھی۔''

''بیٹے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔''

''دادا ابو ہم اس خزانے تک پہنچیں گے اور لازمی طور پر پہنچیں گے، اب آپ صرف یہ سوچیں کہ اس جگہ ہمیں تھوڑی سی کھدائی کرنی ہے، اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

''وہاں سے کیا کوئی ایسا راستہ دریافت ہو سکتا ہے جو خزانے تک جاتا ہو؟''

''سو فیصد دریافت ہو سکتا ہے، نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' ثنا نے نجانے کیوں پورے اعتماد سے کہا۔

سب لوگ سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر فراز نے کہا۔ ''ایک کام کرتا ہوں، وقت تو لگے گا ایک آدھ دن کا، لیکن ہم اس طرح کا اظہار کرتے ہیں کہ جیسے اس باؤلی کی اینٹیں نکلوا کر ہم اسے دوبارہ صحیح کرانا چاہتے ہیں اور پھر پانی بھروانا چاہتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک ہے، ہم اس کے چاروں طرف قناتیں لگا دیں گے اور اس کے بعد کھدائی کی جائے گی۔''

''مزدور میں لے کر آؤں گا کہیں اور سے، یہاں ہم اپنے ہاں کے مزدور بھی نہیں لیں گے، کسی دور جگہ سے لے کر آؤں گا میں اور پھر اگر ہمیں کچھ نقوش مل گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''مناسب۔'' دادا ابو نے کہا۔

اسی رات انہوں نے چند افراد کے سامنے اس باؤلی کو دوبارہ بنوانے کا اظہار کیا اور کہا کہ اس باؤلی کو دوبارہ بنوا کر وہ اپنے اجداد کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسی قابل توجہ بات نہیں تھی، فراز نے انتظامات شروع کر دیئے، پہلے باؤلی کے گرد قناتیں لگا دی گئیں۔ پھر بڑے سادہ سے انداز میں فراز نے مزدوروں کو وہاں کھدائی کے لئے لگا دیا، حالانکہ ہر شخص متجسس تھا اور باؤلی کے گرد موجود رہنا چاہتا تھا، لیکن احتیاطاً اس طرف سے بے توجہی برتی گئی تھی تاکہ کسی کو یہ احساس نہ ہو کہ اچانک ہی باؤلی کی جانب ان کی توجہ کیوں ہو گئی ہے، خاص طور سے اس شکل میں جبکہ شہریار بھی وہیں موجود تھا اور اس وقت بہت بری طرح خار کھائے ہوئے تھا اپنے طور پر شاید وہ کچھ کارروائیاں بھی کر رہا تھا تاکہ دادا ابو پر دباؤ ڈالا جا سکے۔

اس کے انداز سے شدید تپش کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کھانے پر بھی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا، بہرحال اس کی کوئی خاص پروا نہیں کی گئی تھی۔ اب صرف فراز کے اطلاع دینے کا انتظار تھا۔ ادھر فراز جو مہرین سے محبت بھی کرتا تھا اور اس سے زیادہ ان لوگوں کا وفادار تھا۔ پورے تجسس اور دلچسپی کے ساتھ باہر سے لائے ہوئے مزدوروں سے کام کرا رہا تھا، وہ ان قناتوں کے اندر مزدوروں کے ساتھ موجود تھا۔ زیادہ کھدائی نہیں کرنی پڑی اور مزدوروں کو ایک بڑا ڈھکن نظر آیا جو غالباً بہت ہی مضبوط سیمنٹ کا بنا ہوا تھا۔ مزدوروں نے صفائی کرنے کے بعد کہا۔ ''سر جی یہ تو کوئی ایسی جگہ ہے جسے بند کیا گیا ہے، کیا ہم اسے توڑ دیں؟''

''پتہ نہیں کیا ہے، مالکوں کو ہی اس کے بارے میں معلوم ہوگا، ایسا کرو کام بند کر دو۔ اگر مالکوں سے بات کرنے کے بعد مجھے تمہاری ضرورت ہوئی تو میں تمہیں دوبارہ بلا لوں گا۔ لو یہ اپنے پیسے لو اور یہ رہا میری طرف سے تمہارا انعام......'' مزدوروں کو ان کے اصل معاوضے سے چار چار گنا زیادہ انعام ملا تو ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

''ہماری جب بھی ضرورت ہو صاحب جی آپ ہمیں بلوا لیں۔''

''تم ایک کام ضرور کر دو، وہ یہ کہ اس گول ڈھکن کے چاروں طرف اتنی کھدائی کر دو کہ جب ہم اسے اٹھانا چاہیں تو یہ اٹھ جائے۔''

''صاحب جی ہم اسے اٹھا دیتے ہیں، آپ دیکھ لیں۔'' ڈھکن کا قطر کوئی چار فٹ کے قریب تھا۔ چار فٹ کے دائرے کے اس ڈھکن کے کنارے خالی کئے گئے اور مزدوروں نے کدال کی مدد سے اسے اٹھایا تو ڈھکن با آسانی اٹھ گیا، حالانکہ نجانے کتنے سال سے وہ اسی طرح جما ہوا تھا، لیکن غالباً یہ بھی کوئی طریقہ کار تھا کہ ڈھکن آسانی سے اٹھ جائے، ڈھکن کے نیچے ایک تاریک خلا موجود تھا۔

''نہیں اب یہ تو مالکان ہی بتا سکیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے؟'' فراز نے دھڑکتے دل سے کہا اور اس کے بعد مزدوروں کو حویلی سے باہر رخصت کر کے واپس آگیا۔

قناتیں اٹھا کر وہ اندر پہنچا اور اس نے ڈھکن کے کنارے ہلکی ہلکی مٹی ڈال دی۔ اس کا چہرہ تجسس سے سرخ ہو رہا تھا، ثنا کی پیشگوئی بالکل درست نکلی تھی۔ یہ جگہ بے حد پراسرار تھی اور اس کی تعمیر کے بارے میں صاف اندازہ ہو چکا تھا کہ سیمنٹ کے اس ڈھکن سے اس سرنگ کا منہ بند کر دیا گیا ہے۔ جس میں داخلے کا راستہ تھا اور اس میں پانی بھروا دیا گیا تاکہ کسی کو اس طرف سے شبہ نہ ہو سکے۔ بہت ہی مہارت سے کام کیا گیا تھا۔

بہرحال اب یہ اطلاع دادا ابو کو دینی تھی چنانچہ بڑی احتیاط کے ساتھ اطلاع دادا ابو تک پہنچ گئی اور پورا گروپ شدید سنسنی کا شکار ہو گیا۔ دادا ابو تو بے چارے ایک طرح سے بیمار سے ہو گئے تھے۔ ثنا، مہرین اور فراز انہیں دلاسے دے رہے تھے۔

''بھئی اتنی کچی طبیعت کا انسان نہیں ہوں میں لیکن جس طرح میری عزت داؤ پر لگ گئی ہے اور جس طرح وہ بدبخت ہمیں بلیک میل کر رہا ہے اس سے میرے اندر بس تھوڑی سی ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے، پھر اب کیا خیال ہے فراز؟''

''دادا ابو! رات ہی کا وقت مناسب رہے گا، کسی کی توجہ اس طرف نہیں ہو سکی ہے ابھی تک مزدوروں کو میں نے رخصت کر دیا ہے۔ ہم انتظامات کر لیں گے ذرا احتیاط کے ساتھ جانا پڑے گا۔''

بہرحال فراز ایک بہترین منتظم تھا، اس نے بہت ہی عمدگی کے ساتھ تیاریاں کیں، لوہے کی بڑی بڑی مضبوط راڈیں مہیا کی گئیں اور نائلون کے موٹے موٹے رسے۔ اس کے بعد روشنی کا انتہائی مناسب بندوبست کر لیا گیا تھا۔

پھر بارہ بجے کے بعد جب سب گہری نیند سو گئے، یہ پوری طرح اطمینان کر لیا گیا کہ شہریار اور رمضان تانگیر بھی گہری نیند سو گئے ہیں تو وہ لوگ چوروں کی طرح باؤلی کی جانب چل پڑے۔ ویسے بھی وہ باؤلی ذرا عام رہائش گاہ سے فاصلے پر تھی۔

قناتوں کے درمیان داخل ہو کر لوہے کی بڑی بڑی راڈیں جن کے درمیان نائلون کے رسے کو بہت مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ ڈھکن ہٹا کر نیچے نظر آنے والے دہانے پر رکھ دی گئی اور پھر سب سے پہلے ان رسیوں کے ذریعے نیچے اترنے والا فراز ہی تھا، جس نے روشنی اپنی کمر سے باندھی ہوئی تھی اور اس تاریک سرنگ میں اتر رہا تھا۔ دہانے سے ڈھکن ہٹا کر تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ اندر کی گیس باہر نکل جائے، ویسے وہاں گیس تھی نہیں، کوئی چار پانچ گز نیچے اترنے کے بعد فراز کے پاؤں نیچے زمین سے جا لگے اور اس نے کہا۔ ''میرے بائیں سمت ایسا ہی ایک سرنگ نما دروازہ ہے میں اس میں جا رہا ہوں، آپ محتاط رہئے، خدانخواستہ مجھے کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں رسہ ہلا کر آپ کو اطلاع دوں گا۔''

''میں رسہ پکڑے بیٹھا ہوا ہوں بیٹے، تم ہلاؤ گے تو مجھے اندازہ ہو جائے گا اور ہم تمہیں اوپر کھینچ لیں گے۔'' دادا ابو نے کہا اور بیٹھ کر رسہ پکڑ لیا۔

''دادا ابو سنبھل کر آپ نیچے نہ گر جائیں۔'' مہرین بولی۔

''نہیں بیٹے، اب میں اتنا کمزور نہیں ہوں۔'' دادا ابو نے کہا اور اس کے بعد انتظار کرنے لگے۔

فراز اس دوسرے سوراخ سے اندر داخل ہو گیا اسے حیرت تھی کہ یہ سوراخ اتنے شفاف تھے کہ ان میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی تھی، نہ مٹی کے ڈھیر اتر رہے تھے اور نہ ہی سیمنٹ میں کہیں کوئی جگہ تھی۔ ظاہر ہے زمانہ قدیم کی کاریگری تھی، اس دوسری سرنگ کا اختتام ایک بڑے سے کمرے پر ہوا اور فراز نے ساتھ لائی ہوئی روشنی میں اس کمرے کے اندر رکھے ہوئے وہ بڑے بڑے دو صندوق دیکھے جنہیں دیکھ کر فراز کے بدن پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی، صندوقوں میں تالے لگے ہوئے تھے۔ فراز نے ساتھ لائی ہوئی کدال سے ایک صندوق کا تالا کھولا اور اس کے بعد اس کا ڈھکن اٹھایا لیکن جب ڈھکن کھلا تو یہ روشنی جسے وہ ساتھ لایا تھا اور جو بہت تیز تھی ماند پڑ گئی۔ صندوق انتہائی اعلیٰ درجے کے قیمتی ہیروں سے بھرا ہوا تھا اور ان ہیروں کی روشنی نے اس جگہ کو مکمل طور پر روشن کر دیا تھا۔ فراز کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ایک عجیب سا سحر اس پر طاری ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ٹھیک ہے ریاست علی خان میرا وقت خراب ہے، تم سب اس وقت میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو مجھے اپنی منزل پر پہنچ جانے دو دیکھ لوں گا ایک ایک کو بتاؤں گا کہ عدلان سوناری کیا ہے۔ میں دیکھ لوں گا تم سب کو، اچھی طرح دیکھ لوں گا۔'' وہ دیوانوں کے سے انداز میں اپنے بال نوچنے لگا اور پھر اس کی آواز ابھری۔ ''صولت پور۔ ٹھیک ہے ثنا۔ اب تو میرا واحد سہارا رہ گئی ہے تو مجھے میری منزل تک پہنچائے گی، بے شک وقت خراب ہو گیا ہے میرا۔ لیکن میں تجھے تلاش کر لوں گا، میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اگر تو مجھے نہ ملی تو پھر میں اپنے مرکز پر جاؤں گا۔ اپنے ان تمام علوم کو یکجا کروں گا جو میرے پاس موجود ہیں، ٹھیک ہے، نہ مجھے بھوگ ودیا ملی نہ کنس پوجی، لیکن میرے پاس ابھی بہت کچھ ہے، میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، اپنے گرو مہاراج سے جواب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میں نہیں جانتا دین دھرم کیا چیز ہوتی ہے، وقت نے مجھے بگاڑا ہے میرے ماں باپ نے میری گمشدگی کے بعد مجھے تلاش بھی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں دنیا میں اس وقت کوئی ایسا نہیں ہے جسے میری ضرورت ہو، لیکن مجھے خود اپنی ضرورت ہے۔ دیکھتا ہوں میں کہ یہ دنیا کس طرح میرے شکنجے سے بچتی ہے۔ کسی کے ساتھ نہ انصاف کرو نہ رحم کرو، جو اپنی مٹھی میں آجائے اسے پیس کر رکھ دو، جو اپنی مٹھی میں آجائے اسے فنا کر دو، اس کے علاوہ اور کچھ مت کرو، ٹھیک ہے۔'' اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چل پڑا۔

کافی لمبا سفر طے کرنے کے بعد وہ ایک بستی میں داخل ہو گیا، بستی میں پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلے ایک جگہ آئینے میں اپنا حلیہ دیکھا اور پھر خود سے کہا۔ ''سب سے پہلے اپنا حلیہ ٹھیک کیا جائے۔ اس کے بعد صولت پور کی تلاش۔''

وہ بستی کے بازاروں میں گھومتا پھرا اور پھر اس نے ایک جگہ سے کچھ چیزیں خریدیں۔ نیا لباس، نیا ساز و سامان۔ نائی کی دکان پر جا کر پہلے غسل کیا اور پھر بال کٹوائے۔ دوبارہ غسل کیا اور پھر انسانوں کی سی شکل میں آگیا جبکہ اس سے پہلے دربدر پھرتے ہوئے اس کا حلیہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ ویسے بھی اسے خطرہ تھا کہ کہیں اسے پہچان نہ لیا جائے کیونکہ بہرحال پولیس کے پاس اس کا پورا ریکارڈ موجود تھا اور پولیس کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ عدلان سوناری کا گروہ ضرور ختم ہو گیا ہے، لیکن عدلان سوناری خود نکل گیا ہے، ان تمام چیزوں کو اسے مدنگاہ رکھنا تھا، پھر اس نے ایک شخص سے پوچھا۔ ''بھائی صولت پور کے بارے میں جانتے ہو یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟''

''میں صولت پور ہی کا رہنے والا ہوں، وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے، یہاں میں اپنی بیٹی سے ملنے آیا تھا ابھی ایک ہفتے کے بعد میری واپسی ہے۔''

میں صولت پور جانا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ یہاں سے کیسے سفر کیا جائے؟''

''سیدھے ہاتھ پر چلے جاؤ۔ جب بسوں کے اڈے پر پہنچ جاؤ گے تو وہاں تمہیں تین چار جگہوں کی بسیں مل جائیں گی، پوچھ لینا کسی سے کہ صولت پور کی بس کہاں سے جاتی ہے؟''

عدلان سوناری نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ فاصلہ طے ہونے کے بعد وہ بسوں کے اڈے پر پہنچ گیا۔ ایک کنڈیکٹر ''صولت پور، صولت پور'' کی آواز لگا رہا تھا، چنانچہ وہ اس بس میں جا بیٹھا، بس مسافروں سے بھر گئی تو کنڈیکٹر نے دروازے بند کئے اور اس کے بعد عدلان سوناری اپنے انتہائی خوفناک ارادوں کے ساتھ صولت پور کی طرف چل پڑا۔

(جاری ہے)

بس نے اسے صولت پور اتار دیا تھا۔

عدلان سوناری نے سب سے پہلے اپنے لئے کسی ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی۔ صولت پور اچھا خاصا قصبہ تھا، شہر اور قصبے کی ملی جلی شکل تھی اس کی، پھر بھی عدلان سوناری نے اپنے لئے ایک سرائے منتخب کی۔

بند آنکھیں

ایم اے راحت | آخری قسط
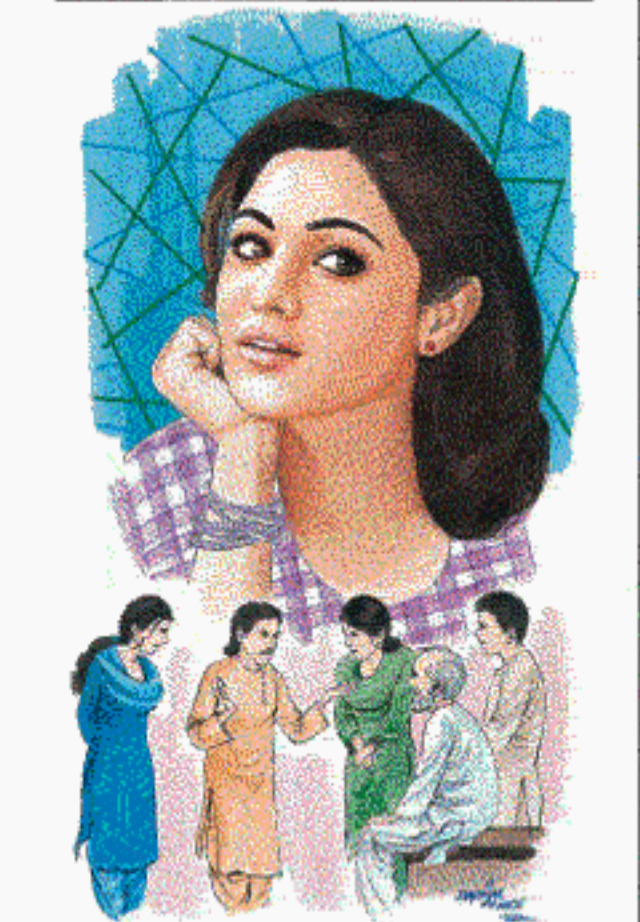
سرائے کے کمرے میں ایک پلنگ پر لیٹ کر وہ اپنے ماضی کو یاد کرنے لگا۔ بہت پرانی بات تھی جب وہ بھی کسی ماں کا بیٹا تھا، کسی باپ کا لخت جگر کہلاتا تھا اور بھی بہن، بھائی تھے جو ایک بھرپور اور اچھی زندگی گزار رہے تھے لیکن اس کے بچپن بگڑتے چلے گئے۔

زمیندار ہونے کی حیثیت سے اس نے بہت سوں کو نقصان پہنچایا، برے لوگوں کی صحبت اسے کہیں سے کہیں لے گئی یہاں تک کہ گھر سے دور ہو گیا، باپ اور بھائیوں نے اسے اپنے لئے ایک گالی تصور قرار دیا اور وہ ڈاکو بن گیا، وہ ڈاکے ڈالتا رہا، گروہ کا سربراہ بن گیا لیکن شروع ہی سے اسے پراسرار علوم سے دلچسپی تھی، ایک طرف وہ ایک بے رحم ڈاکو تھا تو دوسری طرف اس نے اپنا ایمان بیچ کر بہت سے پراسرار علوم حاصل کئے اور اس کیلئے وہ تمام گندگی اختیار کر لی جو کالے جادو کے سلسلے میں ہوا کرتی ہے لیکن اسے بہت کچھ حاصل نہیں ہو سکا تھا، اس کی فطرت میں حرص اور لالچ بری طرح رچا ہوا تھا، وہ دوسروں سے ان کا سب کچھ چھین لینا چاہتا تھا، اسی طرح یہ سفر جاری رہا، یہاں تک کہ ایک بار اس کا پورا گروہ ختم ہو گیا اور اس نے راجہ ہدایت خان کا روپ اختیار کر لیا۔

ریاست علی خان اور فرزان وغیرہ اس کی زندگی میں آئے، ریاست علی خان تو بیچارہ ختم ہو گیا لیکن فرزان کو جس نے ماضی کے راز جاننے کا علم حاصل کر لیا تھا، اس نے مجبور کیا کہ وہ اپنا علم اسے دیدے، فرزان تیار نہیں ہوا تو اس نے اس کا جسم چھین لیا اور اسے ایک جگہ محفوظ کر دیا، البتہ فرزان اپنے علم کے سہارے دوسروں کے اجسام میں زندگی گزارتا رہا تھا۔

عدلان سوناری کی سب سے بڑی آرزو تھی کہ فرزان کو قابو میں کر کے اس سے اس کا علم چھین لے پھر اسے ثنا مل گئی، عدلان سوناری اس سے اس کا علم تو نہ چھین سکا لیکن اس نے ثنا ہی کو اپنے کام میں لانے کا فیصلہ کر لیا لیکن ثنا اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور وقت اسے اس منزل تک لے آیا کہ اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا سوائے چند چھوٹے موٹے علوم کے...... چنانچہ یہاں تک آنے کے بعد وہ اب صولت پور میں ثنا کو تلاش کرنا چاہتا تھا، ہندسوں کا ایک علم اس کی رہنمائی کر سکتا تھا، چنانچہ یہاں قیام کے بعد تھوڑا سا وقت آرام کیا گیا اور پھر اس نے ہندسوں کے علم سے ثنا کی کھوج لگانا شروع کر دی، اگر ثنا اس کے علم کے مطابق صولت پور ہی میں ہے تو اب اسے تلاش کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہوگا، ہندسے اس کی رہنمائی کرتے رہے۔ ریاست علی خان نے یہ تو بتا دیا تھا حاضرات کے ذریعے کہ ثنا صولت پور میں ہے لیکن باقی نشاندہی اس نے نہیں کی تھی، تاہم ہندسوں کا علم اسے اس حویلی کی جانب اشارہ کرنے لگا جو یوسف علی خان کی حویلی تھی اور جب اس طرف اس کی نشاندہی ہوئی تو اس نے یوسف علی خان کے بارے میں سرائے کے ایک ملازم سے معلومات حاصل کیں۔

"یہاں ایک حویلی ہے جو یہاں کے کسی قدیمی رئیس کی ہے، کیا تم اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"

"بڑی حویلی تو ایک ہی ہے صاحب جی......! یوسف علی خان صاحب کی۔"

"ہاں، میں انہی کی بات کر رہا ہوں، کس طرف ہے وہ؟" ملازم نے اسے حویلی کا راستہ بتایا۔ عدلان سوناری تیاریاں کرنے کے بعد حویلی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور حویلی اسے مل گئی۔ اب حویلی میں داخل ہونے کا معاملہ تھا چنانچہ اس نے اپنے آپ کو ایک سیاح ظاہر کیا اور حویلی کے چوکیداروں کو انعام و اکرام دے کر ان سے کہا کہ اسے اس شاندار حویلی کی سیر کرا دی جائے۔ اس کی تقدیر نے اس کا ساتھ دیا تھا کہ اسے ثنا، مہرین اور فراز کے ساتھ حویلی کے مغربی حصے میں جاتی ہوئی نظر آ گئی، عدلان سوناری کا سارا خون اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا، اس نے خونی نگاہوں سے ثنا کو دیکھا اور اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

"تو......! تو یہاں چھپی ہوئی ہے، دیکھ لے کس طرح میں نے تجھے تلاش کیا ہے اور اب میں تجھے یہاں سے حاصل کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

چوکیداروں نے اس سے کہا۔ "صاحب جی! بغیر اجازت کسی کو حویلی میں لانا ہمارا بہت بڑا جرم ہے، اب آپ یہاں سے نکل چلیں، اگر کسی بڑے نے دیکھ لیا تو ہماری مصیبت آ جائے گی۔"

"ہاں، تمہاری مہربانی، بڑی خوبصورت جگہ ہے۔" عدلان سوناری نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے چالاکی سے ایک ایسی جگہ دریافت کر لی تھی جہاں سے وہ بعد میں بھی حویلی میں داخل ہو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

شہریار بری طرح چکرایا ہوا تھا، رمضان ٹائیگر اب واحد آدمی تھا جو اس کا ساتھی تھا، حالانکہ رمضان ٹائیگر نے جو حرکت کی تھی، وہ ایسی تھی کہ شہریار اس کی کھال اتار کر پھینک دے، ہریالے تو غدار تھا اور شہریار نے طے کر لیا تھا کہ ہریالے کو اس طرح نہیں چھوڑے گا، یہاں سے جانے کے بعد چاروں طرف آدمی دوڑا دے گا اور اسے تلاش کر کے دم لے گا لیکن رمضان ٹائیگر نے ابھی اس وقت جو کیا تھا، وہ ناقابل معافی تھا، بھلا اس کی بات کو اس طرح ٹھکرا دیا جائے، دوسروں کی باتوں میں آ کر...... کمرے سے باہر نکل کر اس نے سب سے پہلا سوال رمضان ٹائیگر سے یہی کیا تھا۔ "تو وہ باجی جان ہے تیری......؟"

"صاحب جی! بس یہی ایک بہت بڑی خرابی ہے آپ کے ٹائیگر میں، اگر کوئی خوبصورت لڑکی روتی ہوئی نظر آ جائے تو ٹائیگر بلی بن جاتا ہے، یہ میری کمزوری ہے صاحب جی! اپنے ٹائیگر کو آپ جس طرح چاہیں سزا دے لیں، اس سے پہلے کبھی آپ کی حکم عدولی نہیں کی، صاحب جی! کیا آپ جانتے ہیں دوسرے کمرے میں جا کر اس نے مجھ سے کیا کہا؟"

"کیا کہا......؟"

"کہنے لگی کہ تم میرے بھائی کے ہمشکل ہو، میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے اپنا بھائی یاد آ گیا تھا جو جوانی میں مر گیا تھا، مجھ سے کہنے لگی کہ رمضان! تم اگر مجھ سے شادی کر بھی لو گے تو میرا دل تم سے نہیں مل سکے گا، جب بھی میں تمہیں دیکھوں گی، مجھے اپنا بھائی یاد آئے گا، میرے بھائی! مجھے ایک بار بہن کہہ دو، بس ایک بار بہن کہہ دو، یہ کہہ کر صاحب جی وہ ایسا روئی کہ بس اپنا پتہ پانی ہو گیا، صاحب جی! جوتے لگا لو پر اس نے بھائی کہہ دیا تو ہم اسے کیسے بیوی بنا سکتے تھے؟"

"سارے کے سارے ایک جیسے ہو گئے ہو تم، بے عزتی ہو رہی ہے میری!" لیکن یہ بے عزتی یہیں تک محدود نہیں تھی، شہریار کو بعد میں یہ احساس ہوا کہ یہاں کے لوگوں نے اب اس سے بہت زیادہ لاپروائی برتنا شروع کر دی ہے۔

صبح ناشتے کی میز پر شہریار معمول کے مطابق پہنچا تھا، ناشتہ بھی لگ گیا تھا لیکن ناشتے پر کوئی نہیں آیا، ایک ملازم نے کہا کہ صاحب آپ ناشتہ کریں، آج دادا ابو نے ناشتہ اپنے کمرے میں کر لیا ہے۔ دوپہر کے کھانے پر بھی کوئی خاص اہتمام نہیں تھا، بس کھانے پینے کی چند چیزیں رکھی ہوئی تھیں، دوسرا دن بھی ایسا ہی گزرا اور شہریار غصے سے دیوانہ ہو گیا۔

"سمجھا کیا ہے ان لوگوں نے ہمیں...... بات کرتا ہوں دادا ابو سے۔" اور پھر شہریار خود ہی دادا ابو کے پاس پہنچ گیا۔ "کیا ہو رہا ہے یہ آپ کے گھر میں میرے ساتھ؟"

"کیا ہوا شہریار! خیریت تو ہے؟"

"میں اس سلوک کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"بھئی وجہ کچھ بھی سمجھ لو، تمہیں خود یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ اب ہمارے حالات اتنے اچھے نہیں رہے ہیں، مہمان ایک دن کا ہوتا ہے، دو دن کا ہوتا ہے، تین دن کا ہوتا ہے، تم تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہے، اب کہاں تک خاطر مدارات کروں تمہاری؟"

"پہلے تو ایسا نہیں تھا دادا ابو! پہلے تو میرے لئے یہاں سب کچھ موجود تھا۔"

"پہلے کی بات اور ہے، ہمارے تعلقات بھی تو اب اتنے زیادہ اچھے نہیں رہے۔"

"دیکھیں دادا ابو! میں آدمی کھرا ہوں، کھری بات کرتا ہوں، میرا پارٹنر فخر الدین آپ اسے نہیں جانتے، وہ بڑا فخر دماغ ہے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری وجہ سے اس نے حویلی چھوڑ رکھی ہے، دادا ابو! اب آپ مجھے بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے، زمینوں میں بھی اسی کا پیسہ لگا ہوا ہے، میرے اکیلے کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟"

"یہی ہم لوگ غور کر رہے تھے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"بس یہی کرو کہ حویلی خالی کر دو۔"

"نہیں شہریار! یہ نہیں کروں گا، بلکہ اب یہ کہوں گا کہ تم اپنا قرض واپس لے لو اور رفو چکر ہو جاؤ اور ایک بات اور کہوں گا تم سے، خبردار اب اپنے آپ کو اس حویلی کا داماد مت کہنا، دانت نکال کر ہتھیلی پر رکھ دیے جائیں گے، ہم لوگ بہت شریف ہیں لیکن جب شریف بدمعاشی پر اترتے ہیں تو ان سے بڑا بدمعاش کوئی نہیں ہوتا۔"

"دادا ابو! مجھ سے کہہ رہے ہیں یہ بات، مجھ سے...... میرے دانت نکال دیے جائیں گے، ہے کسی کی مجال......؟"

"ہاں ہے، اسی لئے کہہ بھی رہا ہوں، بولو کب تک دانت نکلواؤ گے اپنے......؟" یوسف علی خان نے کہا اور شہریار بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔ "مہرین! تم سن رہی ہو میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، سن رہی ہو تم؟" مہرین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے بھی وہ شہریار سے کبھی نہیں بولتی تھی۔

شہریار نے کہا۔ "آپ لوگ تھوڑے دن پہلے تو بھیگی بلی بنے ہوئے تھے، اب یہ اچانک سینہ کیسے تان لیا آپ نے؟"

"شہریار! تم سے صرف ایک بات کہی ہے، اپنا قرض مع سود وصول کر لو، ایک ایک پائی ادا کر دیں گے، تم ایسا کرو فخر الدین کو بلا لو، اس سے کہو کھاتے لیتا آئے اور ساری زمینیں وغیرہ خالی کر دے، میں ایس پی صاحب کو فون کرتا ہوں، شہر سے نفری لے کر آ جائیں اور زمینوں کا چارج ہمیں دلوا دیں، ہم ان کی موجودگی میں سارا قرضہ ادا کریں گے۔"

"ایس پی صاحب کو بلا لیں آپ، میں اپنے وکیل صاحب کو بلا لیتا ہوں اور ایک بات آپ سن لیجئے، اگر میرے قرضے کی ایک ایک پائی نہ ادا ہوئی تو حویلی تو خیر خالی کرا ہی لی جائے گی، آپ کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ بھی دائر کیا جائے گا، سمجھ گئے آپ......؟"

"جب میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہارا قرضہ واپس کر دوں گا تو پھر فضول باتیں کیوں کر رہے ہو، کھاتے منگوا لو، فخر الدین کو بلا لو، کیا سمجھے، ہم تمہارا قرض اتارنا چاہتے ہیں تو اتار دیں گے۔"

"جانتے ہو کتنا ہے؟"

"ارے یار! فضول باتیں مت کرو، جو میں نے کہا ہے، وہ کرو، چلو دفع ہو جاؤ اور یوں کرو کہ فخر الدین کو جتنی جلدی ہو سکے، بلا لو، اس سے زیادہ ہم برداشت نہیں کر سکتے، سمجھ رہے ہو نا ورنہ پھر تم سے درخواست کریں گے کہ صولت پور میں کئی سرائے ہیں، تم وہاں جا کر رہو اور اس وقت یہاں آؤ جب تمام کھاتے مع وکیل یہاں پہنچ جائیں۔"

"دیکھ لوں گا، دیکھ لوں گا۔" شہریار نے کہا اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔ سب لوگ مسکرانے لگے تھے، چند لمحات وہ سب شہریار کی باتوں کو یاد کرتے رہے پھر اس کے بعد یوسف علی خان نے کہا۔ "اب ہم اس کے ردعمل کا انتظار کریں گے، دیکھیں وہ کیا کرتا ہے۔"

"دادا ابو! میرا تو خیال ہے کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا، آپ کو اس سلسلے میں پولیس سے مدد لینا ہی ہوگی۔"

"بیٹے! یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، میں یہ کر لوں گا، چاہتا ہوں کہ بات بہت سے کانوں تک نہ پہنچے، لیکن اگر مجبوری ہوئی تو اللہ مالک ہے، ویسے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہئے، برا آدمی کوئی بھی برائی کر سکتا ہے۔" دادا ابو نے فراز کو جواب دیا اور فراز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

غم ہی غم تھے حیات علی کی زندگی میں...... اس وقت کیلئے اپنے آپ کو مجرم سمجھتا تھا جب ایس پی سجاد حسین کے کہنے پر اس نے ثنا کو راجہ ہدایت خان کے پاس لے جانے کی غلطی کی تھی، کسی کے بارے میں جانے بوجھے بغیر کسی اجنبی اور معصوم لڑکی کو داؤ پر لگا دینا اچھا عمل نہیں تھا، ثنا خواہ مخواہ اپنی محبت کا شکار ہو گئی، وہ ایک سیدھی سادی لڑکی تھی، زمانے کے نشیب و فراز کہاں دیکھے تھے اس نے کہ بہت زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی ایسا قدم اٹھا ڈالتی کہ عدلان سوناری ہاتھ ملتا رہ جاتا، اب اس کے دل میں مایوسی گھر کرنے لگی تھی، ادھر نجو گتا بھی آ گئی تھی، ایک مظلوم لڑکی جس کے بارے میں تمام تر معلومات حاصل ہونے کے بعد حیات علی کے دل میں بے شمار بار یہ خیال ابھرا تھا کہ کاش وہ اس لڑکی کی کوئی مدد کر سکے لیکن جن حالات میں پھنسا تھا، وہ اس دنیا کیلئے ناقابل یقین سے تھے، بہرحال نجو گتا چلی گئی تھی، وہ اس بستی میں ایک سرائے منتخب کر کے اس کے ایک کمرے میں ٹھہر گیا تھا، ایک چھوٹی سی بستی تھی، اب وہ مایوسی سے یہ سوچ رہا تھا کہ واپس چلا جائے، ثنا کے سلسلے میں شاید اب وہ کچھ نہ کر سکے، ثنا زندہ ہے اگر وہ خود ہی اس سلسلے میں کوئی رابطہ قائم کرے، تبھی کچھ ہو سکتا ہے ورنہ اس کی تمام تر جدوجہد اب ناکام ہو چکی تھی۔

سرائے کے ایک گوشے میں وہ اس وقت سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، شام کے سائے جھک آئے تھے کہ اس نے اپنے عقب میں ایک آہٹ سنی، پلٹ کر دیکھا تو نجو گتا کے بدن کا خوبصورت خاکہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ روحوں کا یہ کھیل بھی بھلا کسی نے اپنی آنکھوں سے کا ہے کو دیکھا ہوگا، چمکدار لکیروں میں نجو گتا کا وجود چھپا ہوا تھا، بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا۔

"نجو گتا......!"

"ہاں، میں آ گئی ہوں بابو! وعدہ کیا تھا نا آپ سے کہ آپ کی پریمیکا کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گی۔"

حیات علی بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ "تو کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا ہے؟"

"ہاں بیچاری تمہارے پاپی دشمن سے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے، تمہارے پاپی دشمن کے بارے میں تو میں زیادہ نہیں جان سکی پر اتنا پتہ چل گیا ہے کہ تمہاری پریمیکا اب اس کے چنگل میں نہیں ہے، پر ایک بری خبر یہ بھی ہے کہ تمہارا دشمن اب اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، اس نے اسے دیکھ لیا ہے۔"

حیات علی کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ "نجو گتا! مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"وہ ایک بہت دولت مند آدمی کے ساتھ رہتی ہے، جس کا نام یوسف علی خان ہے، وہ وہاں بڑے مزے سے ہے لیکن ہمیں پتہ چلا ہے اسے ایک بار پھر تمہارا دشمن اپنے قبضے میں لینے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"کہاں ہے وہ، مجھے وہاں تک پہنچا دو نجو گتا! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

نجو گتا کے لہجے میں پیار امڈ آیا۔ اس نے کہا۔ "نہیں، یہ میں تم پر احسان نہیں کر رہی بس یوں سمجھ لو کہ میرے من میں تمہارے لئے بہت بڑی جگہ پیدا ہو چکی ہے، بہت اچھے انسان ہو تم، میں اس سے تک تمہارا ساتھ دوں گی جب تک کہ تمہاری پریمیکا تمہیں نہ مل جائے اور یہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ وہ تمہیں ملے گی اور اوش ملے گی۔"

"تو پھر میں کیا کروں نجو گتا......؟"

"جو کہہ رہی ہوں، کرتے رہو، یہاں سے لاری اڈے جاؤ، وہاں سے تمہیں صولت پور کی لاری مل جائے گی، میں تمہارے ساتھ ساتھ ہی ہوں گی، چنتا مت کرو، بس جیسے میں کہوں، ویسے کرتے رہو۔"

"میں ابھی لاری اڈے جا رہا ہوں۔"

"ہاں...... جاؤ اور فکر مت کرو، میں خود ہی تمہارے سامنے آ جایا کروں گی۔"

حیات علی کے دل میں امید کی ایک کرن روشن ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عملی انسان تھا اور اس طرح کے خوابوں اور کہانیوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن جب یہ کہانیاں مجسم ہو کر سامنے آ جائیں تو دو ہی صورتیں ہوتی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو پاگل سمجھ لے یا پھر ان کہانیوں پر یقین کر لے۔

نجو گتا کی ہدایت کے مطابق وہ لاری اڈے پہنچا، اتفاق کی بات کہ ایک لاری کا کنڈیکٹر صولت پور صولت پور کی آوازیں لگا رہا تھا، چنانچہ حیات علی جلدی سے اسی بس میں جا بیٹھا، امید کی اس کرن نے اس کے بدن میں جوش بھر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ثنا اسے مل جائے۔

بس نے سفر شروع کر دیا، حیات علی کو وقت کا احساس بھی نہ ہو سکا، حالانکہ صولت پور کا فاصلہ کافی تھا، بس جس وقت صولت پور پہنچی، اس وقت کافی اندھیرا تھا، حیات علی، صولت پور کے بسوں کے اڈے پر اتر گیا، ایک عجیب سی بے بسی اور بے کسی سی محسوس ہو رہی تھی لیکن نجو گتا نے اسے یہاں بھی تنہا نہیں چھوڑا، وہ کہنے لگی۔ "صولت پور کوئی بالکل ہی پسماندہ جگہ نہیں ہے مگر پھر بھی تمہیں کسی ایسے غیر معروف ہوٹل یا سرائے میں رہنا چاہئے جہاں لوگ زیادہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہو سکیں، میں تمہاری رہنمائی کرتی ہوں، چلے آؤ میرے پیچھے پیچھے۔"

حیات علی اس روشن لکیر کے پیچھے چل پڑا جس کیلئے اس کے دل میں ہمیشہ یہ تڑپ پیدا ہو جاتی تھی کہ کاش ایک روشن لکیر کے بجائے وہ اپنی اصل حیثیت سے اس کے ساتھ ہوتی اور وہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرتا، لیکن نجو گتا نے قربانی دے کر اس کیلئے بہت کچھ کیا تھا۔ ایک سرائے میں قیام کیا گیا اور اس کے بعد نجو گتا نے کہا۔ "اب مجھے آ گیا دو، یہاں آرام سے رہو، اب میں تمہیں آگے کا کام بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"نجو گتا! تم......!"

"نہیں، بس میرے کسی احسان کا ذکر مت کرو، ایسا مت کرو، میں کہتی ہوں۔" نجو گتا کی آواز میں ایک جذباتیت سی پیدا ہو گئی تھی اور حیات علی آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

شہریار کے بارے میں علم ہوا کہ وہ رمضان ٹائیگر کے ساتھ حویلی چھوڑ کر چلا گیا ہے، جب بھی آتا تھا، بڑے ساز و سامان کے ساتھ آتا تھا، سامان اب بھی وہیں موجود تھا لیکن رات کے کھانے پر شہریار موجود نہیں تھا، پھر دوسرے دن صبح بھی وہ نہیں تھا۔ یہ اطلاع یوسف علی خان تک پہنچی تو انہوں نے فوراً ہی مجلس مشاورت طلب کر لی۔

"یقیناً اس کا یہاں سے غائب ہونا بے مقصد نہیں ہوگا، ہمیں اب ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"دادا ابو! آپ ایس پی صاحب کو ضرور طلب کر لیں، بس ان سے کہہ دیں کہ کوئی ضروری کام ہے اور وہ یہاں پہنچ جائیں، اصل بات اس وقت تک انہیں نہ بتائی جائے جب تک کہ شہریار کی طرف سے کوئی گھٹیا کارروائی نہ ہو۔"

"ویسے وہ زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا؟"

"نہیں، خیر کر تو کچھ بھی نہیں سکتا، اگر آپ چاہیں تو میں کوئی اور بھی بندوبست کر لوں۔"

"نہیں بیٹا! ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے، کیوں ثنا! آپ کا کیا خیال ہے؟"

"دادا ابو! یہ تو آپ ہی کو سوچنا ہوگا، آپ یقین کریں میں ان معاملات میں ذرا بھی علم نہیں رکھتی۔"

"ٹھیک ہے، اللہ بہتر کرے گا، اب کوئی ہم موم کے بنے ہوئے تو نہیں ہیں کہ کسی کی کوششوں سے پگھل جائیں، دیکھیں گے کیا صورتحال رہتی ہے، نمٹ لیں گے انشاء اللہ تعالیٰ ہر صورتحال سے۔"

لیکن صورتحال کا زیادہ عرصے تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ غالباً یہ تیسرے دن کی بات ہے جب چوکیداروں نے اطلاع دی کہ شہریار آٹھ دس افراد کے ساتھ آیا ہے اور اپنے کمروں کی طرف چل پڑا ہے۔ دادا ابو نے فراز، ثنا اور مہرین کو طلب کر لیا تھا، پھر وہ انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ آٹھ دس افراد جن میں سے کئی شکل ہی سے غنڈے معلوم ہوتے تھے، ان میں ایک فخر الدین تھا اور دوسرے کالے کوٹ والے وکیل صاحب تھے، یہ تمام افراد دادا ابو کی اجازت سے دادا ابو کے کمرے تک پہنچے، شہریار نے ثنا، مہرین اور فراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "دادا ابو! میں تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تنہا ہی ہوں شہریار! یہ لوگ تو میرے دست و بازو ہیں، ان سے الگ رہ کر میں بھلا کیا بات کر سکتا ہوں؟"

شہریار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مہرین کو تو چلئے میں مان لیتا ہوں کہ آپ کی پوتی ہیں مگر یہ دونوں دست و بازو عجیب ہیں جن کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔"

"تمہیں ان پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے شہریار! تم بتاؤ یہ فوج ظفر موج چڑھا کے لائے ہو میرے اوپر۔"

"دادا ابو! یہ وہ لوگ ہیں جو اچھے اچھوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیا کرتے ہیں۔"

''ڈھول، تاشے والے ہیں، شکل سے تو مجھے لفنگے لگتے ہیں، تم ان لفنگوں کو لے کر میرے گھر آئے ہو، ظاہر ہے تمہارے اپنے عزیز و اقارب ہوں گے، میں کیا کہہ سکتا ہوں، چلئے بیٹھئے آپ لوگ، حالانکہ آپ اس قابل نہیں ہیں کہ حویلی کے دروازے سے اندر قدم بھی رکھئے

اُس دلکش لڑکی کا قصہ جسے ایک اجنبی نے سچے خواب بخش گیا تھا

مگر خیر......!''

وہ افراد ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے، ان میں سے کچھ کے چہروں پر غصے کے آثار بھی ابھرے تھے۔ شہریار نے کہا۔ ''بہت چہک رہے ہیں دادا ابو! چلئے چھوڑیئے، وکیل صاحب بات کریں آپ اسے پہچانتے ہیں، یہ فخر الدین ہے، اسی کی دولت پر دادا ابو آپ پھن کاڑھے ہوئے بیٹھے ہیں۔''

''بدتمیزی کرو گے تو اتنے جوتے لگواؤں گا کہ زندگی بھر منہ سیدھا کر کے بات نہیں کر سکو گے، اتنا کمزور مت سمجھ لینا مجھے، تم یہ چند گدھے لائے ہو، یہاں میرے پاس پوری فوج موجود ہے، ملازموں ہی سے کہہ دوں تو تمہیں یہاں سے نکل کر نہیں جانے دیں گے۔''

''تو گویا آپ میدان جنگ تیار کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟''

''میرے خیال میں شہریار صاحب اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ مجھے لائے ہیں اپنے ساتھ، قانون کی مار ماریئے، قانون کی مار۔'' وکیل صاحب نے درمیان میں مداخلت کی۔

''بات کریں آپ دادا ابو سے۔'' شہریار نے بدتمیزی سے کہا۔

وکیل صاحب آگے بڑھ کر بولے۔ ''میں معذرت خواہ ہوں یوسف علی خان صاحب! آپ ایک باعزت شخصیت ہیں، میں کوئی غلط بات نہیں کرنا چاہتا، یہ قرض کے کھاتے ہیں، زمینیں آپ نے فروخت کر دی ہیں، یہ ان سب کی مالیت کے حسابات موجود ہیں، حویلی کے سلسلے میں بھی آپ کی دستاویز ہمارے پاس ہے، آپ جو حکم دیں گے، ہم وہی کریں گے، آپ یہ کھاتے دیکھ لیجئے۔''

''آپ نے ان تمام چیزوں کی ایک فہرست تو بنائی ہوگی وکیل صاحب!''

''جی جی......! ہر چیز مکمل ہے۔'' وکیل صاحب نے جواب دیا۔

''یہاں اسی وقت، اسی جگہ میں آپ کی یہ تمام رقم ادا کرنے کیلئے تیار ہوں، میری شہریار سے یہی بات ہوئی تھی۔ خاص طور سے حویلی کے سلسلے میں حویلی فروخت نہیں کی گئی ہے، بلکہ گروی رکھی گئی ہے۔ حویلی کے سلسلے میں جتنی رقم شہریار سے لی گئی ہے، وہ ابھی اسی وقت واپس کر کے حویلی کے کاغذات جو آپ لوگ ساتھ لائے ہیں، میں وصول کرنا چاہتا ہوں۔ باقی رہی زمینوں کی بات تو بے شک زمینیں فروخت ہوئی ہیں۔ میں وہ ساری رقم، اگر اس سلسلے میں کچھ منافع بھی طلب کیا جائے تو وہ ادا کرنے کو تیار ہوں، جب میری طرف سے آمادگی ہے تو پھر انہیں کیا تکلیف ہے اور یہ کیوں بدتمیزی کا اظہار کر رہے ہیں۔''

''آپ یہ رقم نقد ادا کریں گے؟'' وکیل صاحب نے سوال کیا۔

''جی......ان دستاویزات کے مطابق جو گروی رکھوائی گئی ہیں، باقی میں اپنی زمینیں بھی واپس لینا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے یہ زمینیں واپس کر دینی چاہئیں، اگر فخر الدین صاحب ان زمینوں پر کچھ منافع مانگتے ہیں تو وہ بھی میں دیئے دیتا ہوں۔''

''آپ کے پاس یہ رقم آئی کہاں سے دادا ابو؟'' شہریار نے سوال کیا۔

''کیا تم اس قابل ہو شہریار کہ میں تمہاری کسی بات کا جواب دوں، تم جیسا بے اوقات شخص......!''

''دادا ابو! بس......آپ کو پتہ ہے کہ میرا غصہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔''

''اچھا یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے......بیٹھو، میں بھی تمہیں تھوڑا سا غصہ دکھاتا ہوں۔''

''یوسف علی خان صاحب! آپ یقین کریں کہ میں آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں، شہریار صاحب اگر آپ یہ سب کچھ کرنا چاہتے تھے تو آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کا ملازم تو نہیں ہوں، وکالت کرتا ہوں، آپ نے اپنا کیس مجھے دیا ہے، مجھے آپ بات کیوں نہیں کرنے دیتے؟''

''تو کیجئے نا، کون منع کر رہا ہے۔'' شہریار نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ٹھیک ہے یوسف علی صاحب! جہاں تک زمینوں کا سلسلہ ہے۔''

''ایک منٹ، میں بے شک ایک غیر لڑکی ہوں اور میری کوئی اوقات نہیں ہے لیکن آپ لوگ یقین کریں کہ میں شہریار صاحب کی اس قدر عزت کرتی ہوں کہ شاید یہاں آپ لوگوں میں سے کوئی ان کی اتنی عزت نہیں کرتا، تھوڑی بہت تلخی ضرور ہوئی میرے اور ان کے درمیان لیکن یہ اس قدر اچھے انسان ہیں کہ بعد میں مجھے اپنی تلخی پر بہت افسوس ہوا، اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں انہیں سمجھاؤں، کوئی درمیانی راستہ بھی نکل سکتا ہے۔'' ثنا نے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

ثنا بہت کم گو تھی لیکن اس وقت اس نے جو کچھ کہا تھا، وہ مہرین تک کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، شہریار نے بھی چونک کر ثنا کو دیکھا اور بولا۔ ''مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تم خواہ مخواہ غلط فہمی کی مریضہ ہو، میں تو تمہیں اپنے ملازموں سے پٹوانا چاہتا تھا، مجھ سے کیا بات کرو گی تم......؟''

''شہریار صاحب! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں، واقعی میرا اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں ہے، دیکھئے میں چاہتی ہوں کہ آپ کے دل کی بات بھی پوری ہو جائے اور دادا ابو کا مسئلہ بھی حل ہو جائے، یہ ساری باتیں جس تلخ انداز میں ہو رہی ہیں، اس کا کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکلے گا، صرف دو منٹ دے دیں آپ مجھے......اگر یہ دو منٹ آپ مجھے دے دیں گے اور میں آپ سے وہ کہہ سکوں گی جو آپ سے کہنا چاہتی ہوں، آپ لوگ یہاں بیٹھیں، میں شہریار صاحب سے ذرا تنہائی میں دو باتیں کر لوں، آیئے شہریار صاحب! پلیز میں نے زندگی میں پہلی بار آپ سے کچھ مانگا ہے، آپ پلیز مجھے دے دیجئے، مجھے شرمندہ نہ کریں ان سب کے سامنے۔''

شہریار نے ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا، ثنا بڑے احترام کے ساتھ اسے دوسرے کمرے میں لے گئی تھی، دادا ابو، مہرین اور فراز سارے کے سارے حیرت سے منہ کھولے ثنا کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

دوسرے کمرے میں آ کر شہریار نے کہا۔ ''دیکھو تم اگر مجھ سے یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں......!''

''میری بات سن لیجئے، شہریار صاحب! آپ بہت بڑے آدمی ہیں، آپ نے جس طرح اپنی حیثیت بنائی ہے، وہ بہت مشکل کام تھا، میں نجانے کیوں آپ سے ہمدردی رکھتی ہوں، جس وقت آپ میرے کمرے میں بلا اجازت گھس آئے تھے تو مجھے غصہ بے شک آ گیا تھا لیکن بعد میں یہ سوچتی رہی کہ میں نے غلطی کی ہے، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو اصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں دادا ابو کی بات مان لیجئے، وہ ساری زمینیں آپ انہیں واپس کر دیجئے، آپ کیلئے تو بیکار ہی ہیں۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو، تم ہوتی کون ہو مجھے یہ مشورہ دینے والی......؟''

''اتفاق سے وقت نے مجھے کچھ بتا دیا ہے، اب دیکھیں میں آپ سے کیا عرض کروں، آپ اپنے ماضی میں جو کچھ کر چکے ہیں، اس کی ساری رپورٹ دادا ابو کے پاس موجود ہے، ایک صاحب ہیں ایس ایس پی سجاد حسین، اتنے سخت مزاج اور خطرناک آدمی ہیں کہ اچھے اچھوں کا حلیہ خراب کر دیا ہے انہوں نے، آپ کے بارے میں مکمل رپورٹ تیار ہے بس اسے ان کے حوالے کرنے کی دیر ہے کہ آپ پھانسی کے پھندے تک پہنچ جائیں گے۔''

''کیا......؟'' شہریار خان کی دھاڑ بڑی خوفناک تھی۔

''ہاں، آپ کو پتہ ہی نہیں ہے کہ کیا ہو چکا ہے، آپ کو یقینی طور پر اپنے والد اللہ یار خان یاد ہوں گے، بڑی زمینداریاں تھیں ان کی، دولت ان کے قدموں کی خاک تھی، آپ کے بھائی فخر یار بہت ہی سمجھدار انسان تھے لیکن آپ ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے کہ اپنے بھائی کو باپ کی نگاہوں میں ذلیل کر دیں اور آپ نے بہت کچھ کیا، یہاں تک کہ آپ کے بھائی نے آپ کی وجہ سے خودکشی کر لی، انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی خودکشی کرنے سے پہلے جس میں آپ کے بارے میں مکمل تفصیلات لکھ دی تھیں، ان تفصیلات میں کئی ایسے واقعات تھے جن میں آپ ایک قاتل کی حیثیت سے موجود تھے اور اس کے سلسلے میں انہوں نے بہت سے ثبوت بھی مہیا کئے تھے بہرحال اس کے بعد آپ نے اپنے والد صاحب کو زہر دینا شروع کر دیا، اس کی بھی تفصیل ہمارے پاس موجود ہے، آپ کے والد گوشہ نشین ہو گئے تھے لیکن اس دوران انہوں نے آپ کے بارے میں جو تفصیلات لکھی ہیں، وہ پولیس کیلئے اس قدر مکمل ثبوت ہیں آپ کے خلاف کہ پھر مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، پھر ایسے کئی افراد بھی موجود ہیں جو آپ کے ان جرائم کے رازدار ہیں، شہریار صاحب! زندگی بڑی قیمتی چیز ہے، انسان جب پھانسی کے پھندے پر لٹکتا ہے تو اس کی یہ چھ یا آٹھ انچ کی گردن ایک فٹ لمبی ہو جاتی ہے، زبان ٹھوڑی سے نیچے لٹکی ہوتی ہے، آنکھیں حلقوں سے باہر ہو جاتی ہیں، آپ نے شاید کبھی کسی کو پھانسی پاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چلئے ٹھیک ہے، اگر آپ بھی اسی طرح پھانسی کے پھندے پر لٹکنا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی......میں آپ کو صرف دو منٹ دیتی ہوں سوچنے کیلئے، فیصلہ کریں ورنہ اس کے بعد جو ہوگا، اس کے ذمے دار آپ ہوں گے، وہ سارے ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں اور ایس ایس پی سجاد حسین زیادہ دور نہیں ہیں۔''

شہریار کا تو رنگ پیلا پڑ گیا تھا، آنکھوں سے شدید خوف کا اظہار ہو رہا تھا، وہ دہشت بھری نگاہوں سے ثنا کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''یہ......یہ ساری باتیں......تت......تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟''

''دو منٹ میں سے تقریباً پینتالیس سیکنڈ گزر چکے ہیں، آپ دیکھ لیں۔''

''ہم......مگر میری بات تو سنو......!''

''ٹھیک ہے، بولتے رہیں، دو منٹ کے بعد آپ سے یہ معاہدہ نہیں ہوگا بلکہ ہم آپ سے کہیں گے کہ آپ جو دل چاہے کریں، آپ حویلی خالی کرانے کی بات کریں، زمینوں پر قبضہ رکھیں، باقی ساری باتیں آپ کے اپنے حق میں ہیں۔''

''ٹھٹ......ٹھیک ہے، میں تیار ہوں، جو کچھ......جو کچھ کہا جا رہا ہے، میں اس کیلئے تیار ہوں، خدا کیلئے یہ ساری باتیں......!''

''آیئے آپ کی عزت، آپ کا احترام سر آنکھوں پر، آیئے سب کے سامنے یہ بات کہہ دیجئے۔'' شہریار کی ساری اکڑفوں نکل گئی تھی، وہ ثنا کے پیچھے پیچھے کمرے میں آیا تھا، لوگوں نے اس کی حالت دیکھی تھی اور حیران رہ گئے تھے۔ ثنا نے کہا۔ ''جتنا برا سمجھا ہے آپ لوگوں نے شہریار صاحب کو، وہ اتنے برے انسان نہیں ہیں، میں نے انہیں سمجھایا کہ شہریار صاحب آپ کے پاس بے پناہ دولت ہے، آپ اس قدر خوبصورت نوجوان ہیں کہ جس لڑکی کی جانب نگاہ اٹھا دیں گے، وہ آپ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی، آپ دادا ابو سے تعلقات کیوں خراب کر رہے ہیں، دادا ابو ایک نیک انسان ہیں، وقت نے کچھ تھوڑی سی الجھنیں پیدا کر دی تھیں لیکن اب وہ وقت گزر چکا ہے، دادا ابو آپ کی ساری رقم دینے پر آمادہ ہیں تو آپ خاموشی کے ساتھ وہ زمینیں ان کے حوالے کر دیجئے اور حویلی کا تو خیر آپ تصور ہی چھوڑ دیجئے، دادا ابو! آپ جو چیک شہریار صاحب کو دینا چاہتے ہیں، وہ دے دیجئے، شہریار صاحب آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔''

''ہاں، میں تیار ہوں۔'' شہریار نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

بہرحال اس کے بعد حساب کتاب ہوئے، سب لوگ شریک تھے، شہریار نے ان تمام دستاویزات پر دستخط کر دیئے جن کے تحت وہ اپنے قرضے وصول کرنے کا اعتراف کر رہا تھا، یہ سارے کام ہونے کے بعد شہریار نے کہا۔ ''میں اجازت چاہتا ہوں دادا ابو! مجھ سے جو گستاخیاں ہوئیں، مجھے معاف فرما دیجئے گا، اچھا ثنا بی بی! آپ بھی براہ کرم مجھے معاف کر دیجئے گا، مجھے اجازت چاہئے۔''

شہریار چلا گیا، ثنا بھی اپنے کمرے میں چلی گئی، لیکن دادا ابو بڑے فکرمند بیٹھے ہوئے تھے، مہرین نے ان سے سوال کیا کہ دادا ابو کیا بات ہے، اب تو آپ کو خوش ہونا چاہئے۔ دادا ابو نے کہا۔ ''میں خوش ہوں مہرین، لیکن اب ایک بات میں تم سے کہوں، یہ لڑکی......یہ لڑکی انسان نہیں ہے، یہ یقینی طور پر فاخرہ کی بیٹی کی روح ہے، مہرین! ہم نے اس کا وہ احترام نہیں کیا جو کرنا چاہئے تھا، ارے وہ تو روز اول سے ہمارے معاملات حل کرتی چلی آ رہی ہے، مہرین! اب میں بھی وہم کا شکار ہو گیا ہوں۔''

خود مہرین بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

☆......☆......☆

عدلان سوناری بڑی احتیاط کے ساتھ یوسف علی خان کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا، وہ اس وقت بڑی پھرتی کا مظاہرہ کر رہا تھا، ثنا کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ رکا، اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر ثنا کے کمرے کے دروازے کے ہینڈل کو آزمایا، دروازہ کھل گیا۔

وہ بڑی احتیاط سے اندر داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس کا ڈھکن کھول کر اس نے بستر پر سوئی ہوئی ثنا کی ناک کے سامنے کر دیا، ثنا نے کسلمندی سے ایک دو بار گردن ادھر ادھر پٹخی اور اس کے بعد بے حواس ہو گئی۔

عدلان سوناری نے اس کے رخسار پر دو تین تھپڑ مار کر اسے دیکھا اور اس کے بعد احتیاط کے ساتھ اس نے ثنا کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ جسمانی طور پر وہ حیرت انگیز طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا، ثنا کو اس حویلی سے باہر نکال لانا معمولی بات نہیں تھی، لیکن وہ سارے راستے منتخب کر چکا تھا چنانچہ کامیابی سے وہ ثنا کو لئے ہوئے باہر نکل آیا اور پھر رات کی تاریکی میں اس نے ایک لمبے سفر کیلئے قدم اٹھا دیئے۔

آوارہ کتے بھونک رہے تھے اور وہ ان سب سے بچتا بچاتا ثنا کو لادے ہوئے آزادی سے باہر کی جانب جا رہا تھا، پھر خاصا لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت کے پاس پہنچ گیا جس کا انتخاب اس نے پہلے ہی کر لیا تھا اور عمارت میں اس نے کچھ ضروری چیزوں کا بندوبست بھی کر ڈالا تھا۔ یہ عمارت انگریزوں کے زمانے کی تھی اور شاید کبھی ڈاک بنگلے کے طور پر استعمال ہوتی تھی لیکن اب وہ ویران پڑی ہوئی تھی، یہاں آنے کے بعد عدلان سوناری نے ثنا کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اس کے منہ میں ایک کپڑا ٹھونس دیا حالانکہ یہ ایک ویران جگہ تھی، یہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ ہر کام پوری طرح سوچ سمجھ کر کرنا چاہتا تھا، ثنا کو یہاں محفوظ کرنے کے بعد وہ اپنی دوسری منزل کیلئے نکل کھڑا ہوا، یہ ایک گاڑی کا حصول تھا جس میں لے کر وہ ثنا کو مرکز تک سفر کرنا چاہتا تھا، یہ مرکز اس نے اپنی ڈاک زنی کے درمیان بنایا تھا اور وہیں اس نے اپنے سارے انتظامات کئے ہوئے تھے، ثنا کو تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک انتہائی ہیبت ناک اور ویران جگہ پایا، وہ دہشت سے کانپ کر رہ گئی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ تاریکیاں اس کے اردگرد کیوں پھیل گئی ہیں، البتہ ڈاک بنگلے کے ایک حصے سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی، ثنا کو اپنے بندھے ہوئے ہاتھ، پاؤں اور منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے کا احساس ہوا اور اس نے بے بسی سے گردن پٹخنا شروع کر دی، تبھی اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔ ''ثنا! میں فرزان ہوں، وہ جس نے تمہیں ماضی میں جھانکنے کا فن دیا تھا، یاد آ گیا ہوگا تمہیں ثنا! اس وقت تم عدلان سوناری کی قیدی ہو، وہ تمہیں یوسف علی خان کی حویلی سے نکال لایا ہے اور اب وہ تمہیں اپنے مرکز لے جانا چاہتا ہے، دیکھو ثنا! اس وقت اسے تم پر اختیار حاصل ہے، میں بے بدن ہوں، یہ جملے ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے لیکن بعد میں تمہیں تفصیل بتا دوں گا، عدلان سوناری کو میں تمہارے ذریعے شکار کرنا چاہتا تھا اور میرا خیال ہے مجھے کامیابی حاصل ہو رہی ہے، میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عدلان سوناری سے مکمل تعاون کرو، وہ تمہیں جہاں بھی لے جانا چاہتا ہے، چلی جاؤ، بہت سے لوگ تمہاری حفاظت کیلئے موجود ہیں، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، وہ آنے والا ہے بلکہ وہ آ چکا ہے، میں جا رہا ہوں، اسے شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ میں تم سے ملا ہوں، خدا حافظ ثنا......! اس اطمینان اور یقین کے ساتھ کہ اللہ تمہارا محافظ ہے اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

پھر فرزان کی آواز بند ہو گئی۔

ثنا کے پورے جسم میں سناٹے دوڑ رہے تھے۔ فرزان نے ٹھیک کہا تھا، عدلان سوناری چند ہی لمحوں کے بعد اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے ثنا کے منہ سے کپڑا نکالا اور پھر کہا۔ ''ثنا! میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا، میں آج بھی تمہاری طرف سے ناامید نہیں ہوں، آنے والے وقت میں تم اس فن سے مجھے امر کر دو گی جو تمہارے پاس موجود ہے، میں بری طرح ٹوٹا ہوا ہوں، میں تمہیں اپنے مرکز لے جا رہا ہوں جہاں میں نے اپنی زندگی کے نوادرات جمع کر رکھے ہیں مگر ایک بات تمہیں بتائے دیتا ہوں اگر تم نے اس بار بھی مجھ سے غداری کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا جو کسی بھی عورت کیلئے بدترین سزا ہوتی ہے اور اس کے بعد تم سے تمہاری زندگی چھین لوں گا، میں اب ان حالات تک پہنچ چکا ہوں۔''

ثنا نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا دی تھی۔

☆......☆......☆

دوسری طرف تجو گتا، حیات علی کی رہنمائی کر رہی تھی، صحیح معنوں میں اس نے حیات علی کی محبت کا صلہ دیا تھا، ایک روح کی حیثیت سے اب اسے کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں، چنانچہ اس کا رخ بھی مرکز ہی کی جانب تھا اور یہ مرکز بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع تھا، ایک بہت بڑے غار میں اس وقت ثنا اور عدلان سوناری موجود تھے۔ جب حیات علی، تجو گتا کی رہنمائی میں وہاں پہنچا تھا، عدلان سوناری کسی ایسے عمل میں مصروف تھا جس سے اسے کچھ نئی قوتیں حاصل ہو جائیں لیکن فرزان نے جو جال بچھایا تھا، وہ معمولی نہیں تھا۔

فرزان نے ثنا کو ہدایت دینے کے بعد اپنا دوسرا ساتھی سجاد حسین کو منتخب کیا تھا اور فرزان ہی کی رہنمائی میں سجاد حسین نے اس وقت پولیس کی بہت بڑی نفری کے ساتھ اس غار کو گھیرے میں لے لیا تھا جس میں عدلان سوناری کا مرکز تھا۔

عدلان سوناری اس وقت ایسی کیفیت میں تھا کہ اسے مردہ بدست زندہ کہا جا سکتا تھا، یعنی وہ اپنے عمل میں اپنے آپ کو ڈبو چکا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے، سب سے پہلا وار اس پر حیات علی نے کیا تھا کیونکہ اس نے ثنا کو ایک طرف بندھے بیٹھے دیکھ لیا تھا، عدلان سوناری نے ثنا کے منہ سے کپڑا بے شک نکال دیا تھا لیکن اس کے ہاتھ، پاؤں نہیں کھولے تھے اور ثنا کی نگاہیں اس تابوت پر جمی ہوئی تھیں جو ایک طرف رکھا ہوا تھا۔

عین اسی وقت ایس ایس پی سجاد حسین نے پولیس کے پندرہ بیس جوانوں کے ساتھ اندر داخل ہو کر عدلان سوناری کو للکارا تھا اور عدلان سوناری نے آنکھیں کھول دی تھیں، پھر اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کا بدن ایک دم پھولنے لگا تھا اور چہرہ خوفناک ہوتا جا رہا تھا، غالباً وہ کوئی جادوئی عمل کرنا چاہتا تھا، لیکن ایس ایس پی سجاد حسین کو ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا چنانچہ انہوں نے اس کا رسک نہیں لیا اور ان کا ریوالور جو نو گولیوں والا تھا، عدلان سوناری کے بدن پر خالی ہو گیا تھا، نو سوراخ ہو گئے تھے اور ان سوراخوں سے خون کی دھاریں نکل رہی تھیں، زمین لالہ زار ہو چکی تھی۔

حیات علی پیچھے ہٹ گیا تھا، سب کا مرکز ایک ہی تھا اور موت عدلان سوناری کو اس کے مرکز پر لے آئی تھی۔ تجو گتا نے حیات علی کے کان میں کہا۔ ''میں جا رہی ہوں، تمہیں تمہاری پریمیکا مبارک ہو۔''

عدلان سوناری کی لاش وہاں سے اٹھا لی گئی، ثنا کے ہاتھ، پاؤں کھولے گئے تو اسے اپنے کانوں میں ایک سرگوشی سنائی دی۔ ''ثنا! میں فرزان ہوں، اس تابوت میں میرا جسم قید ہے، براہ کرم اس تابوت کو کھول دو۔''

ثنا نے حیات علی کو اشارہ کیا اور حیات علی جو ابھی ثنا کے ہاتھ، پاؤں کھول کر فارغ ہوا تھا، ثنا کے ساتھ اس تابوت کی جانب بڑھ گیا، تابوت میں ایک انسانی جسم موجود تھا، بالکل اس طرح جیسے کوئی آرام کی نیند سو رہا ہو، ثنا اور حیات علی کے ساتھ ساتھ سجاد حسین بھی اسے دیکھتے رہے، چند لمحوں کے بعد فرزان کے جسم نے آنکھیں کھول دیں اور پھر وہ فوراً ہی تابوت سے نکل آیا، اس نے ان لوگوں کو دیکھا اور سجاد حسین سے بولا۔ ''جناب عالی! میں کوئی مجرم نہیں ہوں، بس میری ایک چھوٹی سی داستان ہے، کیا آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیں گے؟''

''ہم سب تمہارے ساتھ ہی چلیں گے، تم فرزان ہو نا......؟''

''جی......!''

''جہاں تم چاہو، ہم تمہیں وہاں چھوڑ دیں گے۔''

عدلان سوناری کی لاش ایک گاڑی میں رکھوائی گئی اور یہ لشکر خوش و خرم یہاں سے واپس چل پڑا۔ حیات علی نے کئی بار تجو گتا کو آواز دی لیکن وہ چمکدار ہیولا اس کے سامنے نہیں آیا۔

☆......☆......☆

راجہ ہدایت خان کی حویلی میں رانیہ اور شمشاد علی نے سب لوگوں کو دعوت دی تھی، راجہ ہدایت خان نے رانیہ کو اس کا تمام تر حق دینے کا اعلان کر دیا تھا، شمشاد علی کو بھی بڑی محبت سے یہاں خوش آمدید کہا گیا تھا، بہرحال سب خوش تھے، حیات علی کو اس کی منزل مل گئی تھی، سجاد حسین بھی اس تقریب میں شریک تھے لیکن فرزان کے بارے میں ان لوگوں کو علم نہیں تھا جبکہ وہ بھی ایک اہم کردار تھا، البتہ فرزان اس وقت ثنا کو ملا جب ثنا اپنے کمرے میں تنہا تھی، اس نے ثنا سے کہا۔ ''ثنا! مجھے پہچان تو گئی ہوگی، اسپتال میں، میں نے مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس اپنی ایک امانت رکھوائی تھی یعنی ماضی میں دیکھنے کا فن......ثنا! حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنی پہنچ سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، ماضی کے بارے میں جاننے کا فن اپنی جگہ، میری خواہش تھی کہ میں مستقبل میں بھی جھانکنا سیکھ لوں لیکن ماضی ہی کے فن نے مجھے اس قدر عبرت دلا دی ہے کہ اب میں تائب ہو چکا ہوں، میں تم سے اپنی امانت واپس لینے آیا ہوں، میری آنکھوں میں دیکھو۔''

اور کچھ لمحوں کے بعد ثنا کو یہ محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اس کے دماغ سے نکل گئی ہو پھر اس کے بعد اس نے زندگی میں ماضی کا کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

(ختم شد)